فتاویٰ عبیدیہ

1

تعلیم الاسلام فاؤنڈیشن پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ

وعلیٰ اٰلك واصحابك یاحبیب اللہ

نام کتاب.......... العطایہ المعطر یہ فی لفتاویٰ العبید یہ معروف بہ فتاویٰ عبیدیہ جلداول

مصنف.......... حضرت مولانا مفتی ابواسید عبید رضا مدنی مدظلہ العالی

تصدیق اول.......... استاذ الاساتذہ فقیہ العصر حضرت مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی نقشبندی مجددی مدظلہ العالی

شیخ الحدیث ورئیس الافتاء جامعۃ النور کراچی

تصدیق ثانی.......... استاذ العلماء حکیم ملت، نباض قوم، فکر اسلام، مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر القادری مدظلہ عالی

رئیس الافتاء وشیخ الحدیث جامعہ قادریہ میانوالی

اشاعت اول.......... رجب المرجب ۱۴۴۲ھ، مارچ 2021ء

تعداد.......... 1100

ناشر.......... تعلیم الاسلام فاؤنڈیشن پاکستان

0348.0006363..0306.8209672

ملنے کے پتے

اپنا مکتبہ قرآن مرکز امین پور بازار فیصل آباد 0334-6641668

رضوی کتاب گھر میانوالی

اعتذار

حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ پروف ریڈنگ کی غلطی نہ ہو، لیکن بتقاضائے بشریت اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو قارئین سے التماس ہے کہ ناشر سے رجوع فرمائیں۔ ان شاء اللہ عزوجل اگلے ایڈیشن میں اس کو درست کر دیا جائے گا

فہرست فتاوی

انتساب

اپنی اس پہلی کاوش کو اپنے جملہ اساتذہ کرام ومشائخِ عظام بالخصوص والدین ماجدین کی ان پاکیزہ خواہشات، کے نام منسوب کرتا ہوں جو انہوں نے میری کامیابی کے لیے مانگیں۔

خدائے بزرگ وبرتران بزرگوں کا سایہ مجھ پر دراز فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

گر قبول افتدز ہے عزوشرف

ابواسید محمد عبید رضا مدنی

۶ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ الجمعۃ المبارکہ

عطر نامہ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ واھل بیتہ اجمعین

امابعد! برصغیر و پاک و ہند میں فتاوی کی تاریخ مغلیہ دور کے حکمرانوں کے دور اقتدار سے باقاعدہ چلی آرہی ہے۔ مجدد مأۃ اثنا ءعشرہ سلطان عادل اورنگزیب عالمگیر قدس سرہ کے ایماء پر ملاء نظام الدین مع جماعت علمائے ہند نے الفتاویٰ الھندیہ معروف بہ عالمگیریہ مرتب فرمایا، جو باجود بعض شافعی المذہب مغل حکمرانوں کے عہد حکومت میں بھی فقہ اسلامی کے قانون کے طور پر جاری رہا ہے، کیونکہ اس دھرتی پر فقہ حنفی کے پیروکاروں کی کثرت رہی ہے تو سب نے قرآن وسنت کے ٹھوس دلائل کی بنیاد پر فقہ حنفی کی ترجیح اور برتری کو صدق دل سے تسلیم کیا۔

یوں ہی چودہویں صدی ہجری کے مجدداعظم اعلی حضرت امام احمد رضا خان حنفی قادری قدس سرہ کا العطایہ النبویہ فی الفتاوی الرضویہ معروف بہ "فتاوی رضویہ" لگ بھگ ۲۲۰۰ ہزار صفحات پر اردو، عربی، فارسی، ہندی ہر چہار زبانوں پر مشتمل فقہ حنفی کا عظیم الشان نادرروزگاہ مجموعہ ہے۔ جس کی مثل متأخرین کے فتاویٰ جات میں ملنی محال ہے مگر اس استفسارات کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے اور چونکہ جب تک دنیا قائم ہے جاری رہے گا اس لیے علمائے اسلام ان کے جواب دیتے چلے آرہے ہیں اور دیتے رہیں گے فتاویٰ رضویہ کے بعد بھی ہمارے برصغیر کے علمائے اہلسنت حنفی فقہ میں فتاویٰ مرتب کرتے چلے گئے اور پاک و ہند کے جید اور مقتدر علماء کے مختلف فتاویٰ منصۂ شہود پر جلوہ گری فرما چکے ہیں اور فرماتے رہیں گے۔

اب حال ہی میں آفاقی جامعہ قادری واقع آستانہ عالیہ قادریہ میانوالی پنجاب پاکستان سے درجہ تخصص فی الفقہ میں امتیازی پوزیشن کے حامل عزیز از جان فاضل نوجوان مولانا ابو اسید عبید رضا المدنی کا مجموعہ فتاویٰ جلد اول العطایہ المعطریہ فی الفتاویٰ العبیدیہ ہے، اس کا نام انہوں نے اپنے فتاویٰ کے مصدق مفتی عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی کے نام نامی اسم گرامی کے مضاف "عطا" سے ماخوذ اور فقیر قادری کے شاعرانہ تخلص و "معطر" سے لے کر العطایہ المعطریہ فی الفتاویٰ تجویز فرمایا ہے اور معروف بہ فتاویٰ عبیدیہ خود فاضل مؤلف کے نام نامی سے منسوب ہے۔ یہ ان کے قلم کا پہلا شاہکار ہے، خداوند قدوس علمی ترقی مزید مہربانی فرمائے۔ نقش ثانی بھی نقش اول کی طرح ہو اور ان کی راہ پر دیگر فضلاء کو بھی چلائے۔

آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

محمد عارف محمود غفرلہ

۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۲ھ

تقریظ جمیل

استاذ الاساتذہ یادگار اسلاف شیخ الشیوخ

حضرت علامہ **مفتی محمد اسماعیل ضیائی** مدظلہ العالی

شیخ الحدیث ورئیس الافتاء دارالعلوم امجدیہ عالم گیر روڈ کراچی۔

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ امابعد

بندے نے بواسطہ عزیز القدر مفتی محمد عارف محمود خان معطر خان قادری، عزیزم مولانا ابو اسید محمد عبید رضا مدنی کے فتاویٰ کا بعض مقامات سے مطالعہ کیا، امت مسلمہ کی بہتری کے لیے بہت عمدہ ہے۔

فاضل موصوف نے جگہ جگہ "فتاویٰ رضویہ" کے حوالوں سے اپنے فتاویٰ کو مضبوط بنا دیا ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ مستقبل میں مثبت مفتی ثابت ہوں گے۔

فقط محمد اسماعیل

تقریظ جلیل

یادگار اسلاف شیخ الشیوخ

حضرت علامہ حافظ **محمد عبد الستار سعیدی** جامعہ نظامیہ لاہور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اردو فتاویٰ جات میں ایک نیا فتاویٰ فتاویٰ عبیدیہ عزیز القدر مولانا محمد عبید رضا مدنی زید مجدہ کے قلم کا عظیم شاہکار

ہے۔

جس کی تائید وتصدیق فاضل جلیل عالم نبیل حکیم ملت

مفتی محمد عارف محمود خان معطر

قادری نے کی ہے ان کے اعتماد کو میرا اعتماد سمجھا جائے۔

میں بھی اس مجموعہ کی تائید وتوثیق کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ خداوند کریم فاضل موصوف کے قلم میں زور پیدا فرمائے۔

2021/02/23

تقریظ جلیل

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ

ابوعمیر محمد شہباز صاحب المدنی

(مرکزی جامعۃ المدینہ فیضان مدینہ فیصل آباد)

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

پیش نظر فتاوٰی

العطایہ المعطریہ فی الفتاوٰی العبیدیہ

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام رسولہ الکریم

پیش نظر فتاویٰ العطایہ المعطریہ فی الفتاوٰی العبیدیہ معروف بہ فتاوٰی عبیدیہ کے بعض فتاویٰ کو پڑھنے کا موقع ملا جو کہ نہایت عمدہ اور تحقیقی ہیں۔

فتاوٰی عبیدیہ کی ایک خصوصیت جو اس کو ممتاز بناتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر جدید مسائل پر فتاویٰ لکھے گئے ہیں اس میں موجود تمام فتاویٰ ہمارے ہونہار شاگرد عزیزم فاضل نوجوان مولانا ابو اسید **عبید رضا** مدنی کے لکھے گئے ہیں، یہ زیور طبعات سے آراستہ ہونے والی ان کی پہلی کتاب ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ان کے فتاویٰ کو خواص وعام کے حق میں نفع بخش بنائے اور ان کے قلم میں مزید پختگی عطا فرمائے اور اسے ان کی نجات کا وسیلہ بنائے اور انہیں صحت وعافیت اور نیکیوں بھری طویل زندگی عطا فرمائے۔(امین)

اظہارِ تشکر

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی آلہ
وصحبہ واھل بیتہ الذین اوفوا عھدہ

امابعد!

ارشاد رب العزت ہے۔ اما بنعمۃ ربك فحدث (الضحیٰ) اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

دوسری جگہ فرمان عالی ہے۔ لئن شکرتم لازیدنکم (پارہ ۱۳، ابراہیم)۔ ان ہر دو فرمانوں کے پیش نظر اظہار و تحدیث نعمت کے طور پر اپنے مجموعہ فتاویٰ جلد اول "العطایہ معطریہ فی الفتاویٰ العبیدیہ" پر سب سے پہلے خدا بزرگ و برتر کا، پھر حبیب خدا علیہ التحیہ والثناء کا، پھر اپنے جملہ اساتذہ و مشائخ کرام کا شکر ادا کرتا ہوں۔

نبوی فرمان ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ جس نے بندوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکر نہ کیا۔ اس کے پیش نظر بھی مشائخ کا شکر لازم تھا۔

بالخصوص استاذ الاساتذہ فقیہ العصر حضرت **مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی** نقشبندی مجددی مدظلہ العالی شیخ الحدیث ورئیس الافتاء جامعۃ النور کراچی۔

استاذ العلماء حکیم ملت، پیر طریقت **مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری** مدظلہ عالی بانی آستانہ قادریہ و مہتمم عالی جامعہ قادریہ میانوالی کا شکر واجب سمجھتا ہوں۔

ان ہر دو بزرگوں نے افتاء وقضاء میں میری سب سے زیادہ راہنمائی کی، اور والدین ماجدین جنہوں نے قدم قدم پر اپنی مستجاب دعاؤں کا سہارا بخشا اور عزیز القدر مولانا قاری اصغر علی مدنی زید حبہ کا جنہوں نے ارسال و ترسیل اور اشاعت و ترویج کا بیڑا اٹھا کر میرے بوجھ کو ہلکا کرنے میں تعاون کیا۔

اور بالخصوص میں شکر گزار ہوں اپنی بڑی ہمشیرہ **ام انیقہ عطاریہ** (کراچی) کا

اور اپنے دیرینہ ساتھی اور رفیق **محمد عاطف یعقوب عطاری** (فیصل آباد) کا کہ ان دونوں نے قرضِ حسنہ کے

ذریعے

فتاویٰ عبیدیہ کو شائع کروانے میں میری مالی معاونت کی اور جس کی وجہ سے اس کتاب کی اشاعت ممکن ہوئی اللہ پاک ان کے رزقِ حلال میں خوب برکتیں عطا فرمائے۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

ابو اسید محمد عبید رضا مدنی غفرلہ

۷ رجب المرجب ۱۴۴۲ھ

مقدّمہ

نحمدہٗ ونصلّی ونسلّم علی رسولہ الکریم

استفتاء کا لغوی معنی ہے سوال کرنا، اس معنی کے لحاظ سے قرآن کریم میں حضرت یوسف علی نبیّنا و علیہ الصّلوۃ و السلام کا یہ قول منقول ہے: قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْہِ تَسْتَفْتِیٰنِ (۱) "حکم ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے تھے"۔ جبکہ لفظِ افتاء کا لغوی معنی ہے جواب دینا، اور اس معنی کے اعتبار سے قرآن مجید میں بادشاہ مصر کا یہ قول منقول ہے: یٰاَیُّھَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ (۲) "اے درباریو میرے خواب کا جواب دو"۔ اور اصطلاح میں افتاء کا معنی ہے حکم مسئلہ اور شرعی فیصلہ بتانا۔ چنانچہ سیّد شریف جرجانی علیہ الرحمہ متوفی ۶۲۸ھ لکھتے ہیں: الإفتاء بيان حُكم المسألةِ (۳) یعنی حکم مسئلہ کے بیان کرنے کو افتاء کہتے ہیں۔ اور علامہ سید محمد امین شامی حنفی قدس سرہ السامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں: الإفتاء فإنّه إفادَةُ الحُكم الشّرعِي (۴) یعنی، شرعی حکم سے آگاہ کرنے کو افتاء کہتے ہیں۔

افتاء کی اہمیت و عظمت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ خدائے عزّوجلّ نے قرآن مجید میں افتاء کی نسبت خود اپنی جانب فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا: یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ (۵) "اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے"۔

خداوند قدوس نے سب سے پہلے افتاء کے منصب سے اپنے مظہر اتم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو سرفراز فرمایا ہے۔ (۶) آپ کے وصال فرمانے کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے جو لوگ اس منصب پر فائز ہوئے اُن میں سے چند مشہور حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت مُعاذ بن جبل، حضرت اُبی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین (۷)

(۱) الفتاوی الھندیۃ، کتاب ادب القاضی، الباب الاول فی تفسیر معنی الادب۔۔الخ ۳/۳۰۹۔ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت الطبعۃ الثالث ۱۳۹۳ھ، ۱۹۷۳ء

(۲) المرجع السابق

(۳) بہار شریعت، افتاء کے مسائل، حصہ ۱۲،۲/۹۱۱، ناشر مکتبۃ المدینہ، کراچی

(۴) الفتاوی الھندیۃ، کتاب ادب القاضی، الباب الاول فی تفسیر معنی الادب۔۔الخ ۳/۳۰۹۔ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت الطبعۃ الثالث ۱۳۹۳ھ، ۱۹۷۳ء

(۵) بہار شریعت، افتاء کے مسائل، حصہ ۱۲،۲/۹۱۲، ناشر مکتبۃ المدینہ، کراچی

(۶) مقدمہ فتاویٰ مفتی اعظم، ۱/۱۱

(۸) مقدمہ علی الکرمۃ النبویۃ فی الفتاویٰ المصطفویۃ۔ ص ۶

پھر صحابہ کرام کے بعد تابعین کے دَور میں حضرت علقمہ بن قیس نخعی، حضرت سعید بن المسیب، حضرت ابراہیم بن یزید نخعی، حضرت حماد بن مسلم اور حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسمائے مبارکہ سرفہرست ہیں جو افتاء کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔ لیکن ان میں حضرت امام اعظم ہی نے فن کی صُورت میں افتاء کا آغاز فرمایا۔ اور آپ ہی نے سب سے پہلے تدوین فقہ کا فعل کیا اور افتاء کے قواعد وضوابط بھی مقرر فرمائے اور جب تبع تابعین کا دَور آیا تو افتاء کی ذمہ داری ان کے سر آئی۔ اس میں جن حضرات نے اس فریضہ کو انجام دیا اُن میں سے مخصوص لوگوں کے اسمائے گرامی کے نام یہ ہیں۔ حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام شافعی، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

حضرت امام اعظم کے مقرر کردہ اُصول وقواعد سے مسائل واحکام کے استنباط کو آپ کے شاگرد حضرت امام ابو یوسف ہی نے فروغ دیا۔ اور امام اعظم کے اُصولِ فقہ پر سب سے پہلے آپ ہی نے کتابیں لکھیں۔ پھر محرّر مذہب حنفی حضرت امام محمد نے اسے تنقیح وتہذیب کے بعد اتنے بام عُروج پر پہنچا دیا کہ پھر اس میں کسی اضافہ کی حاجت نہ رہی۔ پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے تبع تابعین تک مذکورہ بالا حضرات جو منصب افتاء پر فائز ہوئے سب مجتہد اور مفتی مطلق تھے۔ پھر حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد کوئی مفتی مطلق نہیں ہوا۔ سب مفتی منتسب ہوئے مگر خدائے عزّوجلّ نے ان کو بھی حسب درجہ ایک طرح کی اجتہادی قُوت سے سرفراز فرمایا۔ اس لئے کہ اس کے بغیر وہ نئے نئے مسائل کو حل ہی نہیں کرسکتے۔(۸)

حضرت علامہ شامی قدس سرہ السامی لکھتے ہیں: اَلتَّحْقِيقُ أَنَّ الْمُفْتِي فِي الْوَقَائِعِ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ ضَرْبِ اجْتِهَادٍ وَمَعْرِفَةٍ بِأَحْوَالِ النَّاسِ(۹) یعنی، نو پید مسائل کو حل کرنے کے لئے مفتی کو ایک طرح کے اجتہاد سے مُتّصف اور لوگوں کے احوال سے باخبر ہونا ضروری ہے۔

فتویٰ کی اقسام

فتویٰ دو طرح کا ہوتا ہے ایک حقیقی اور دُوسرا عُرفی، حقیقی فتویٰ وہ ہے کہ جو تفصیلی دلیل کی معرفت کے ساتھ دیا جائے اور انہی حضرات کو اصحابِ فتویٰ کہا جاتا ہے۔ جبکہ عُرفی فتویٰ وہ ہے کہ امام کے اقوال کو جاننے والا تفصیلی دلیل کی پہچان کے بغیر ان کی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے۔(۱۰)

(۹) ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ، ۳/ ۴۲۵، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت الطبع اولی، ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰ء

(۱۰) اجلی الاعلام۔۔الخ فی ضمن ثلاث رسائل فی رسم الافتاء۔۔الخ، المقدمۃ الرابعۃ فی معنی الفتویٰ، ص ۳۰۳، مطبوعہ دارالفقیہ، الطبع الاولیٰ۔ ۱۴۳۶ھ۔ ۲۱۰۵م

فتویٰ اور احتیاطِ اسلاف

(1) امام عبدالرحمن بن ابی لیلی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سوبیس انصاری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا، کہ اُن میں سے کسی سے مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ سائل کو دوسرے کی طرف لوٹا دیتے اور وہ بھی دوسرے کی طرف، یہاں تک کہ سائل پہلے ہی کی طرف لوٹ آتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اُن میں سے ہر صحابی کی یہ خواہش ہوتی کہ حدیث بیان کرنے میں اُس کا بھائی اُسے کفایت کرے۔

(2) حضرت امام اعظم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ عزّوجلّ کی طرف سے علم ضائع ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں فتویٰ نہ دیتا۔

(3) امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ سے مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے جواب عنایت نہ فرمایا تو ان سے کہا گیا کہ آپ جواب نہ دیں گے تو ارشاد فرمایا نہیں، حتی کہ میں اس بات کو جان لوں کہ فضیلت میرے خاموش رہنے میں ہے یا جواب دینے میں۔

(4) امام مالک علیہ الرحمہ سے اڑتالیس مسائل پوچھے گئے تو آپ نے اُن میں سے بتیس کے بارے میں یہ فرمایا کہ میں نہیں جانتا۔ نیز امام مالک سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ سے کبھی کبھی پچاس مسائل پوچھے جاتے تو آپ اُن میں ایک کا بھی جواب نہ دیتے، اور فرماتے: جو کسی مسئلہ میں جواب دینا چاہے تو اُسے چاہیے کہ وہ پہلے اپنے نفس کو جنت اور دوزخ پر پیش کرے کہ اُسے آخرت میں کیسے نجات ملے گی پھر وہ جواب دے۔

(5) حضرت اثرم علیہ الرحمہ سے روایت ہے اُنہوں نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ کو کثرت سے ''میں نہیں جانتا'' کہتے سُنا ہے۔ (۱۱)

افتاء کے مسائل

(1) مفتی ناقل کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ قول مجتہد کو مشہور و متداول و معتبر کتابوں سے اخذ کرے غیر مشہور کُتُب سے نقل نہ کرے۔ (۱۲)

(2) مفتی پر یہ بھی لازم ہے کہ سائل سے واقعہ کی تحقیق کرلے اپنی طرف سے شقوق نکال کر سائل کے سامنے بیان نہ کرے مثلاً یہ صورت ہے تو یہ حکم ہے اور یہ ہے تو یہ حکم ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو صورت سائل کے موافق ہوتی ہے اُسے اختیار کرلیتا ہے

(۱۱) کتاب المجموع شرح المھذب، باب آداب الفتوی والمفتی والمستفتی، ۱/ ۹۳، ۹۴ مطبوعۃ دار الحیاء التراث العربی، بیروت الطبع اولی ۱۴۲۲ھ

(۱۲) الفتاوی الھندیۃ، کتاب ادب القاضی، الباب الاول فی تفسیر معنی الادب۔۔الخ ۳/ ۳۰۸۔ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت الطبعۃ الثالث ۱۳۹۳ھ، ۱۹۷۳

(۱۳) رد المختار علی الدار المختار، کتاب قضاء العدو علی عدوۃ، تحت قولہ: وشروط بعضھم تیقظ۔، ۸/ ۳۷۔۳۸، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت الطبعۃ اولی، ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰م

اور گواہوں سے ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو گواہ بھی بنا لیتا ہے بلکہ بہتر یہ کہ نزاعی معاملات میں اُس وقت فتوی دے جب فریقین کو طلب کرے اور ہر ایک کا بیان دوسرے کی موجودگی میں سنے اور جس کے ساتھ حق دیکھے اُسے فتوی دے دوسرے کو نہ دے۔(۱۳)

(3) فتوے کے شرائط سے یہ بھی ہے کہ سائلین کی ترتیب کا لحاظ رکھے امیر وغریب کا خیال نہ کرے یہ نہ ہو کہ کوئی مالدار یا حکومت کا ملازم ہو تو اُس کو پہلی جواب دیدے اور پیشتر سے جو غریب لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اُنھیں بٹھائے رکھے بلکہ جو پہلے آیا اُسے پہلے جواب دے اور جو پیچھے آیا اُسے پیچھے، کسے باشد (یعنی کوئی بھی ہو)۔(۱)

(4) مفتی کو یہ چاہیے کہ کتاب کو عزت وحرمت کے ساتھ لے کتاب کی بےحرمتی نہ کرے اور جو سوال اُس کے سامنے پیش ہو اُسے غور سے پڑھے پہلے سوال کو خوب اچھی طرح سمجھ لے اُس کے بعد جواب دے۔(۲) بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ سوال میں پیچیدگیاں ہوتی ہیں جب تک مستفتی سے دریافت نہ کیا جائے سمجھ میں نہیں آتا ایسے سوال کو مستفتی سے سمجھنے کی ضرورت ہے اُس کی ظاہر عبارت پر ہرگز جواب نہ دیا جائے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ سوال میں بعض ضروری باتیں مستفتی ذکر نہیں کرتا اگرچہ اس کا ذکر نہ کرنا بددیانتی کی بنا پر نہ ہو بلکہ اُس نے اپنے نزدیک اُس کو ضروری نہیں سمجھا تھا مفتی پر لازم ہے کہ ایسی ضروری باتیں سائل سے دریافت کرلے تاکہ جواب واقعہ کے مطابق ہو سکے اور جو کچھ سائل نے بیان کردیا ہے مفتی اُس کو اپنے جواب میں ظاہر کردے تاکہ یہ شبہہ نہ ہو کہ جواب وسوال میں مطابقت نہیں ہے۔(۳)

(5) مفتی کے لیے یہ ضروری ہے کہ بُردبار خوش خلق ہنس مکھ ہو نرمی کے ساتھ بات کرے غلطی ہوجائے تو واپس لے اپنی غلطی سے رجوع کرنے میں کبھی دریغ نہ کرے یہ نہ سمجھے کہ مجھے لوگ کیا کہیں گے کہ غلط فتوی دیکر رجوع نہ کرنا حیا سے ہو یا تکبر سے بہرحال حرام ہے۔(۴)

(6) ایسے وقت میں فتوی نہ دے جب مزاج صحیح نہ ہو مثلاً غصہ یا غم یا خوشی کی حالت میں طبیعت ٹھیک نہ ہو تو فتوی نہ دے۔ یوہیں پاخانہ پیشاب کی ضرورت کے وقت فتوی نہ دے ہاں اگر اُسے یقین ہے کہ اس حالت میں بھی صحیح جواب ہوگا تو فتوی دینا صحیح ہے۔(۵)

(۱) یوسف ۱۲: ۴۱
(۲) یوسف ۲۱: ۴۳
(۳) کتاب التعریفات، باب الالف، ص ۳۲، مطبوع: دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبع الاولی ۱۴۰۳ھ۔ ۱۹۸۳م
(۴) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب القضاء، مطلب فی قضاء العدو علی عدوہ، تحت قولہ فالاصح الصحۃ ۸/ ۳۸، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت الطبع اولی، ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰م
(۵) النساء ۴: /۱۷۶

دشواریِ افتاء

چوں کہ افتاء کیلئے مفتی کا اجتہادکی ایک گونہ صلاحیت سے مُتّصف ہونالازمی ہے۔اس لئے یہ کام تمام دینی خدمات میں بہت زیادہ دشوار ہے۔ترتیب یوں ہے کہ ان میں سے زیادہ آسان ہے تقریر، اس سے مشکل ہے تدریس، اور تدریس سے مشکل ہے تصنیف وتالیف، اوراس سے بھی مشکل ہے افتاء۔کیونکہ فتویٰ معلوم کرنے والے عبادات اورمعاملات وغیرہ کے بہت سے نو پیداُمور سے متعلق بھی ہرطرح کے سوالات کرتے رہتے ہیں اور مُفتی کوان کے جوابات دینے پڑتے ہیں۔اسی لیے اس میں بیدارمغزی، ذہانت وفطانت، معاملہ فہمی اور تبحرعلمی کے ساتھ ایک طرح کی قوت اجتہاد بھی ضروری ہے۔شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں : فتویٰ دینا ساری دینی خدمات میں سب سے اہم،سب سے مشکل اورسب سے پیچیدہ کام ہے۔اورایسا کام جس کی کوئی انتہاء نہیں۔فقہائے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی پھر بھی حوادث محدود نہیں۔آئے دن سینکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیقہ بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کرلیتا ہے۔مگر یہ کام کتنا مشکل ہے اسے بتایا نہیں جاسکتا۔جس کے سر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔(۶)

کتب فتاویٰ

بحمدہ تعالی الفقہ حنفی میں اب تک بے شمارفتاویٰ زیورِطباعت سے آراستہ ہوچکے ہیں۔جیسے فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ بزازیہ، فتاویٰ ظہیریہ، فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ سراجیہ، فتاویٰ ہندیہ، فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ امجدیہ، فتاویٰ نوریہ، فتاویٰ فیض الرسول، وقارالفتاویٰ، اورفتاویٰ شارح بخاری وغیرہ۔اسی سلسلے کی ایک اور کڑی زیرنظر مجموعہ فتاویٰ بنام ''فتاویٰ عُبیدیہ'' جوتقریباً پانچ سوصفحات پر مشتمل ہیں، اس میں موجود فتاویٰ حضرت مولانا ابواُسید عبید رضا مدنی صاحب قبلہ کے لکھے گئے ہیں، میں ان فتاویٰ کا بالاستیعاب مطالعہ تو نہ کرسکا لیکن مختلف مقامات سے دیکھا تو دلائل سے بھرپور پایا(۱)، موصوف ایک قابل شخص ہیں، دینی وعصری دونوں ہی علوم کے جامع ہیں، آپ نے دنیوی تعلیم عیسیٰ خیل کے گورنمنٹ ہائی اُسکول سے حاصل کی ہے جبکہ دینی تعلیم کا حصول جامعۃ المدینہ فیصل آباد سے کیا ہے، آپ نے سن 2004 میں درسِ نظامی کا آغاز کیا تھا اورسن 2011 میں دورہ حدیث کر کے درسِ نظامی کی تکمیل فرمائی تھی۔اس کے بعد آپ نے جامعۃ المدینہ ہی میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا اور ہنوز یہ سلسلہ تقریباً دس سال کے

(۶) اعلام الموقعین عن رب العلمین، فصل من وقع عن اللہ ہوالرسول، ۱/ ۹، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۶م

(۷) مقدمہ عجائب الفقہ، ص ۲۸

(۱) قبلہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی بعض اکابر کی عبارات کی روشنی میں اہل بیت نبوت کے ساتھ لفظِ سلام کے جواز کے قائل ہیں جبکہ مصنفِ فتاویٰ عبیدیہ اس کے عدمِ جواز کے قائل ہیں اور یہ بھی بعض اابر کی روشنی میں ہے اور استادو شاگرد کے درمیان اس طرح کا اختلاف ہوتا چلا آرہا ہے۔

ایک طویل عرصے سے جاری وساری ہے، حضرت موصوف نے تخصّص فی الفقہ کی کتب ابو الحسنین پروفیسر مفتی محمد عارف محمود معطر قادری میانوالی صاحب مدّظلّہ العالی سے پڑھیں ہیں اور افتاء کی تدریب کے سلسلے میں تقریباً دو سال سے اپنے انہی اُستاد اور مجھ فقیر سے مربوط ہیں۔آپ نہ صرف فتاویٰ لکھتے ہیں بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ اب تک مختلف موضوعات پر متعدد کُتُب بھی تصنیف فرما چکے ہیں جواب تک غیر مطبوعہ ہیں۔اس کے علاوہ آپ واٹس ایپ، ٹیلی گرام وغیرہ کے ذریعے ہزاروں لوگوں کے مسائل حل کرتے ہیں۔موصوف کی عمر اس وقت تقریباً 32 سال ہے، کم عمری میں ان سب کاموں کو انجام دینا یقیناً لائق تحسین ہے، مجھے ان سے مزید دینی خدمات کی توقع ہے۔دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اِن کے فتاویٰ کو عوام وخواص کے حق میں نافع اور حضرت قبلہ کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے، انہیں صحت، عافیت اور نیکیوں بھری طویل عُمر عطا فرمائے اور ان کے رزقِ حلال میں خوب برکتیں عطا فرمائے۔(آمین)

فقط محمد عطاء اللہ نعیمی غفرلہ

خادم دار الحدیث والافتاء بجامعۃ النور

جمعیّت اشاعت اہلسنت، (پاکستان) کراچی

اتوار، ۱۰ جمادی الاخری ۱۴۴۲ ۔ ۲۴ جنوری ۲۰۲۱

کتاب العقائد (عقیدے کا بیان)

اللہ پاک کو عاشق کہنا

استفتاء نمبر :1

اللہ تعالیٰ کو عاشق کہنا کیسا ہے؟

سائل : محمد عرفان مدنی شہر پپلاں

بسمہ تعالیٰ :الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق و الصواب

اللہ تعالیٰ کو عاشق کہنا ناجائز وحرام ہے کیونکہ عشق کا حقیقی معنی محبت کی وہ منزل ہے جس میں جنون پیدا ہوجائے اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں یقینی طور پر محال (ناممکن) ہے اور اس طرح کا لفظ جب تک قرآن وحدیث میں نہ آیا ہو تو اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کی شان میں بولنا یقینی طور پر ممنوع ہوتا ہے کیونکہ محال معنی کا صرف وہم بھی ممانعت کے لیے کافی ہوتا ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ:

اللہ تعالیٰ کو عاشق اور حضور پر نور سرورِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو معشوق کہنا جائز ہے یا نہیں؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا:

ناجائز ہے کہ معنی عشق، اللہ عزوجل کے حق میں محالِ قطعی ہے۔ اور ایسا لفظ بے ورود ثبوتِ شرعی، حضرت عزت (یعنی اللہ پاک) کی شان میں بولنا ممنوع قطعی۔

ردالمحتار میں ہے:

مجرد ایهام المعنی المحال کاف فی المنع

صرف معنی محال کا وہم ممانعت کے لئے کافی ہے۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، جلد5، صفحہ253، داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام علامہ یوسف اردبیلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الانوار لاعمال الابرار" میں اپنے اور شیخین مذہب امام رافعی وہ ہمارے علماءِ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل فرماتے ہیں:

لو قال انا اعشق الله او یعشقنی فبتدع و العبارة الصحیحة ان یقول احبه و یحبنی کقوله تعالی یحبهم و یحبونه

اگر کوئی شخص کہے میں اللہ تعالیٰ سے عشق رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے عشق رکھتا ہے تو وہ بدعتی ہے، لہٰذا عبارت صحیح یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح "اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔

(الانوار لاعمال الابرار، کتاب الردۃ، جلد 2، صفحہ 321، المطبعۃ الجمالیہ مصر)

اسی طرح امام ابن حجر مکی قدسی سرہ الملکی نے ''اعلام'' میں نقل فرما کر مقرر رکھا۔

اقول:و ظاهر ان منشاء الحکم لفظ يعشقني دون ادعائه لنفسه الا ترى الى قوله ان العبارة الصحيحة يحبني ثم الظاهر ان تكون العبارة بواؤ العطف كقوله احبه و يحبني فيكون الحكم لاجل قوله يعشقني و الا فلا يظهر له وجه بمجرد قوله اعشقه فقد قال العلامة احمد بن محمد بن المنير الاسكندري في الانتصاف ردا على الزمخشري تحت قوله تعالى في سورة المائدة يحبهم و يحبونه بعد اثبات ان محبة العبد الله تعالى غير الطاعة و انها ثابتة واقعة بالمعنى الحقيقي اللغوي مانصه ثم اذا ثبت اجراء محبة العبد الله تعالى على حقيقتها لغة فالمحبة في اللغة اذا تأكدت سميت عشقا فمن تأكدت محبته لله تعالى وظهرت آثار تأكدها عليه من استيعاب الاوقات في ذكره و طاعته فلا يمنع ان تسمى محبته عشقا اذ العشق ليس الا المحبة البالغة اه لكن الذي في نسختي الانوار و نسختين عندي من الاعلام انما هو بأو فليستأمل و ليحرر ثم اقول لست بغافل عما اخرج والله تعالى اعلم و علمه جل مجده اتم و احكم۔

اقول: (میں کہتا ہوں) ظاہر یہ ہے کہ منشائے حکم لفظ "یعشقنی" ہے نہ کہ وہ لفظ جس میں اپنی ذات کے لئے دعویٰ عشق کیا گیا ہے کیا تم اس قول کو نہیں دیکھتے کہ صحیح عبارت "یحبنی" ہے پھر ظاہر ہے کہ عبارت واؤ عاطفہ کے ساتھ ہے جیسے اس کا قول ہے احبہ، و یحبنی یعنی میں اس سے محبت رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے پھر حکم اس کے یعشقنی کہنے کی وجہ سے ہے ورنہ اس کے صرف اعشقہ کہنے سے کوئی امتناعی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ احمد بن محمد منیر اسکندری نے "الانتصاف" میں علامہ زمخشری کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ذیل میں جو سورۃ مائدہ میں مذکور ہے:

''یحبھم و یحبونہ'' (اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں) اس بات کو ثابت کرنے کے بعد کہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا اس کی اطاعت (فرمانبرداری) سے جدا ہے (الگ ہے) اور محبت معنیٰ حقیقی لغوی کے طور پر ثابت

اور واقع ہے (جیسا کہ) موصوف نے تصریح فرمائی پھر جب بندے کا اللہ تعالی سے محبت کرنے کا اجراء حقیقت لغوی کے طریقہ سے ثابت ہو گیا اور محبت بمعنی لغوی جب پختہ اور مؤکد ہو جائے تو اسی کو عشق کا نام دیا جاتا ہے پھر جس کی اللہ تعالی سے پختہ محبت ہو جائے اور اس پر پختگی محبت کے آثار ظاہر ہو جائیں (نظر آنے لگیں) کہ وہ ہمہ اوقات اللہ تعالی کے ذکر وفکر اور اس کی اطاعت میں مصروف رہے تو پھر کوئی مانع نہیں کہ اس کی محبت کو عشق کہا جائے۔ کیونکہ محبت ہی کا دوسرا نام عشق ہے اھ لیکن میرے پاس جو نسخہ "الانوار" ہے وہ دو نسخے میرے پاس "الاعلام" کے ہیں ان میں عبارت مذکورہ صرف "اَوْ" کے ساتھ مذکور ہے لہٰذا غور وفکر کرنا چاہئے اور لکھنا چاہئے میں کہتا ہوں کہ میں نے اس سے بے خبر نہیں جس کی موصوف نے تخریج فرمائی اور اللہ تعالی خوب جانتا ہے اور اس عظمت والے کا علم بڑا کامل اور بہت پختہ ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 144 تا 116 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

شارح بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

مگر اللہ تعالی کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان تینوں (دل بر، دل ربا اور معشوق) میں سے کسی کا اطلاق صحیح نہیں یعنی یہ کہنا جائز نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے دل بر، دل ربا، معشوق ہیں، اس لئے کہ دل بر، دل ربا کہنے میں باری تعالی کے لئے ایہامِ تجسم ہے اور معشوق کہنے میں اثباتِ نقص کیونکہ عشق کا حقیقی معنیٰ محبت کی وہ منزل ہے جس میں جنون پیدا ہو جائے۔

(فتاوی شارح بخاری جلد اول صفحہ 281 مکتبہ برکات المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/06

تصدیق وتصحیح:

اللہ تعالیٰ کو عاشق کہنے کے عدمِ جواز کے حوالے سے آپ کا جو فتویٰ ہے، درست ہے اور بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

ابو الحسنین حکیم ومفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

اللہ پاک اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سائیں کہنا

استفتاءنمبر:2

لفظِ ''سائیں'' کو''اللہ پاک'' اور''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے لیے استعمال کرنا کیسا ہے؟
جیسا کہ بہت سے کلاموں میں یہ لفظ اللہ پاک اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
مثلاً " کردے کرم رب سائیاں"

سائل: غلام نبی قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق و الصواب

ہر وہ لفظ جس کے چند معنی ہوں، کچھ معنی اچھے ہوں اور کچھ معنی خبیث ہوں اور وہ لفظ قرآن وحدیث میں اللہ پاک اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے لئے استعمال بھی نہ ہوا ہو تو اس کو اللہ پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے لئے استعمال کرنا ممنوع ہوتا ہے۔

تو لفظِ سائیں کے کچھ معنی ایسے ہیں جو اللہ پاک اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی شان کے لائق نہیں ہیں بلکہ ان کے اندر نقص اور اہانت کا پہلو موجود ہے، کیونکہ لفظِ سائیں، خاوند، فقیر اور بھکاری کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس لیے اس لفظ کو اللہ پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی شان میں بولنا ممنوع ہوگا، اگرچہ ان کم تر معانی کی نیت سے نہ بولا جائے کیونکہ اگر کوئی دہریہ بے دین، اللہ پاک اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو ان کم تر معانی کی نیت سے سائیں کہے گا تو اسے کون روکے گا، وہ تو یہی کہے گا کہ آپ لوگ بھی تو یہ لفظ کہتے ہیں اس لیے کسی کو اللہ پاک اور رسول کریم صلی اصلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے لئے اس لفظ کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

چنانچہ شارحِ بخاری، فقیہِ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جس لفظ کے چند معنی ہوں اور کچھ معنی خبیث ہوں اور وہ لفظ شرع میں وارد نہ ہو تو اس کا اطلاق اللہ عزوجل پر منع ہے۔

علامہ شامی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا:

مجرد ایھام المعنی المحال کاف للمنع'' (یعنی صرف محال معنی کا احتمال منع کے لیے کافی ہے)

(فتاوی شارح بخاری جلد 1 صفحہ 233 مکتبہ برکات المدینہ کراچی)

پروفیسر مفتی منیب الرحمن صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 110 میں ارشاد باری تعالی ہے:

قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن أیاما تدعوا فله الأسماء الحسنی

(اے رسول!) آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو، اس کے سب ہی نام اچھے ہیں۔

اللہ تعالی کی ذات کو تعبیر کرنے کے لئے اسم ذات ''اللہ'' ہے، اس سے قریب تر صفاتی نام ''الرحمن'' ہے، باقی اس کے بہت سے صفاتی نام ہیں جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں، مثلاً الستار، الغفار، الروف، الرحیم وغیرہ، اللہ تعالی کی ذات کو تعبیر کرنے کے لئے جو بھی اسماء، صفات اور کلمات استعمال کئے جائیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے شایانِ شان ہوں، ''میاں'' اور ''سائیں'' ایسے کلمات اللہ تعالیٰ کی ذات کے شایان شان نہیں ہیں، کیونکہ اگرچہ استعمال کرنے والا انہیں اچھے معنوں میں استعمال کر رہا ہو، لیکن ان میں کم تر معنی کا وہم پیدا ہوسکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے اسمِ جلالت کے ساتھ ان کلمات کا استعمال درست نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ، اللہ جل شانہ اور اللہ سبحانہ، وتعالیٰ یا باری تعالیٰ جیسے کلمات استعمال کرنے چاہئیں۔

ذیل میں ہم کتب لغت کے حوالے سے "میاں" اور "سائیں" کے معنی درج کررہے ہیں، ملاحظہ فرمائیے!

میاں اردو زبان میں شوہر، خواجہ سرا، ایک کلمہ جس سے برابر والے یا اپنے سے کم درجہ شخص کو خطاب کرتے ہیں، بیٹا وغیرہ معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(قائد اللغات، فیروز اللغات)

سائیں: خاوند، فقیر، بھکاری وغیرہ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(قائد اللغات)

ان معانی سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ اللہ جل شانہٗ کے شایانِ شان نہیں ہیں، ان میں سے بعض معانی ایسے ہیں جو ذاتِ باری تعالی کے لئے نقص اور اہانت کا پہلو رکھتے ہیں، لہذا ہماری رائے میں ''اللہ میاں'' اور ''اللہ سائیں'' بولنے سے بالکل گریز کرنا چاہیے اور اپنے گھروں، دفاتر، مجالس اور بچوں کے ساتھ گفتگو کرتے وقت اللہ جل شانہ کا ذکر کرتے وقت اسی احتیاط پر عمل کرنا چاہیے اللہ تعالی کی شان جلالت تو بہت بلند تر ہے وہ ہر نقص عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

سبحان ربك رب العزة عما يصفون

آپ کا رب جو بڑی عزت والا ہے، ہر اس عیب سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

(سورۃ الصافات)

ذاتِ پاک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی اللہ جل شانہ نے ایسا ذو معنیٰ کلمہ استعمال کرنے سے منع فرمایا، جس کے معنی شانِ رسالت کے مطابق نہ ہوں، خواہ استعمال کرنے والے کی نیت بھی درست ہو۔

(تفہیم المسائل جلد اول صفحہ 29، 30 ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/12/26

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

بے اختیاری میں اللہ پاک کے لیے زبان سے گالی نکل جانا

استفتاء نمبر:3

اگر کسی شادی شدہ انسان کی زبان سے بے اختیاری میں اللہ پاک کی ذات کو گالی نکل جائے تو کیا حکم ہے؟

سائل: خلیل الرحمٰن بہاولنگر

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

اگر بے اختیاری سے (یعنی غلطی سے) شادی شدہ شخص کی زبان سے اللہ پاک کی ذات کے لئے معاذ اللہ گالی نکل گئی، یعنی کہنا کچھ اور چاہتا تھا لیکن زبان سے گالی نکل گئی تو اس سے کافر نہیں ہوگا مگر اس پر لازم ہے کہ اس سے رجوع اور نفرت کا اظہار کرے اور توبہ و اِستِغفار کرے تاکہ سننے والوں کو معلوم ہو جائے کہ غلطی سے اس کی زبان سے گالی نکلی ہے اور اگر اُس نے اِس گالی سے رجوع اور نفرت کا اظہار نہ کیا بلکہ اس پر اڑا رہا تو پھر کافر ہو جائے گا کیونکہ ایسی صورت میں یہ کلمہ کفر کی تائید (حمایت) کرنے والا ہو گیا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الخاطی إذا أجری علی لسانه کلمة الکفر خطأً بأن کان یرید أن یتکلم بما لیس بکفر فجری علی لسانه کلمة الکفر خطأً لم یکن ذلك کفرًا عند الکل، کذا فی فتاوی قاضی خان

یعنی وہ خاطی جس نے اپنی زبان پر کلمہ کفر جاری کر دیا بطورِ خطا کے اس طور پر کہ اس کلمے کے ساتھ کلام کرنا چاہتا تھا جو کفر نہیں تھا مگر بطورِ خطا کے زبان پر کلمہ کفر جاری کر دیا تو یہ تمام کے نزدیک کفر نہیں ہے، ایسے ہی فتاوی قاضی خان میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری جلد 2 صفحہ 276)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وما کان خطأ من الألفاظ، لا توجب الکفر، فقائله مؤمن علی حاله، و لا یؤمر بتجدید النکاح، ولکن یؤمر بالإستغفار و الرجوع عن ذلك

یعنی اور جو (کفریہ) الفاظ غلطی سے صادر ہوں تو کفر کو ثابت نہیں کریں گے پس ان کا قائل اپنی (سابقہ) حالت پر مؤمن ہوگا اور اور لیکن استغفار اور اس سے رجوع کا حکم دیا جائے گا۔

(فتاویٰ تاتارخانیہ، کتاب أحکام المرتدین، الفصل الأول، جلد 7 صفحہ 284 زکریا)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ومن تکلم بها مخطئاً أو مکرهاً لا یکفر عند الکل، ومن تکلم بها عامداً عالماً کفر عند الکل، ومن تکلم بها اختیاراً جاهلاً بأنها کفر ففیه اختلاف

یعنی جس نے غلطی یا مجبور ہو کر کلمہ کفر کے ساتھ تکلّم کیا تو تمام کے نزدیک اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اور جس نے جان بوجھ کر کلمہ کفر کے ساتھ تکلّم کیا یہ جانتے ہوئے کہ یہ کلمہ کفر ہے تو تمام کے نزدیک اس کی تکفیر کی جائے گی، اور جس نے اختیار سے کلمہ کفر کے ساتھ تکلّم کیا یہ نہ جانتے ہوئے کہ یہ کلمہ کفر ہے تو اس میں اختلاف ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب: ما یشك انه ردة لا یحکم بها، جلد 6، صفحہ 346 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے تھے:

کہنا کچھ چاہتا تھا اور زبان سے کفر کی بات نکل گئی تو کافر نہ ہوا یعنی جبکہ اس امر سے اظہار نفرت کرے کہ سننے والوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ غلطی سے یہ لفظ نکلا ہے اور اگر بات کی پچ کی (یعنی اگر کی ہوئی بات پر اڑا رہا) تو اب کافر ہو گیا کہ کفر کی تائید کرتا ہے۔

(بہارِ شریعت جلد دوم حصہ نہم صفحہ 174 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

03/06/2020

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

شوہر کو مجازی خدا کہنا

استفتاء نمبر:4

کیا شوہر کو مجازی خدا کہنا کفر ہے؟

سائل : محمد نقاش

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

شوہر کو مجازی خدا کہنا کفر نہیں ہے کیونکہ مجازی خدا کا معنی مالک ہے اسلیے کہ "لفظِ خدا" کا ایک معنی "مالک" بھی ہے اور مجازی کے لفظ نے اس معنی کی تعیین کر دی ہے، اسی طرح مجازی خدا کا ایک معنی بادشاہِ وقت بھی ہے۔ لیکن شوہر کو مجازی خدا کہنے سے بچنا چاہیے کیونکہ شوہر کو مجازی خدا کہنا انتہائی غیر مناسب ہے۔

چنانچہ شارحِ بخاری فقیہِ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اپنے آپ کو کسی کا مجازی خدا کہنے سے بھی بچنا چاہیے، اگرچہ یہ جملہ کفر نہیں اس لیے کہ خدا کے معنی مالک کے بھی ہیں اور مجازی نے اس معنی کی تعین (تعیین) کر دی۔

(فتاوی شارح بخاری جلد دوم صفحہ 621 مکتبہ برکات المدینہ کراچی)

مفتی محمد قاسم صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

شوہر کو عورت کا مجازی خدا کہنا کفر تو نہیں، لیکن ایسا کہنے سے بچنا چاہئے۔

(دارالافتاء اہلسنت فتوی نمبر pin: 4998 :)

فیروز اللغات میں ہے:

خدائے مجازی :

1— بادشاہِ وقت، حاکمِ وقت

2— خاوند، شوہر۔

(فیروز اللغات صفحہ 587 فیروز سنز لمیٹڈ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/06/04

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

اللہ پاک کا بندوں سے ستر (70) ماؤں سے بڑھ کر محبت کرنا

استفتاء نمبر:5

کیا اللہ تعالیٰ ستر (70) ماؤں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے؟

سائل : عبید رضا

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

جی ہاں! ایسا ہی ہے کہ اللہ پاک ستر (70) ماؤں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے بلکہ بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے جس کی کوئی حد بیان نہیں کی جاسکتی، البتہ ان لفظوں کے ساتھ حدیث موجود نہیں بلکہ احادیثِ مبارکہ میں یہ مضمون ضرور ملتا ہے کہ اللہ پاک

نے رحمت کے سو(100) حصے کر کے اس کا ایک حصہ مخلوق میں تقسیم کیا اور ننانوے (99) حصے اپنے پاس رکھے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

جَعَلَ اللهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ جُزْئًا وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْئًا وَاحِدًا فَمِنْ ذَلِكَ الْجُزْءِ يَتَرَاحَمُ الْخَلْقُ حَتَّى تَرْفَعَ الْفَرَسُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةَ أَنْ تُصِيبَهُ

یعنی اللہ پاک نے رحمت کے سو حصے کیے ہیں، پس ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لیے اور ایک حصہ زمین میں اتارا۔ پس اسی ایک (رحمت والے) جز کی وجہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، یہاں تک کہ گھوڑی جو اپنے بچے کو تکلیف پہنچنے کے ڈر سے اس کے اوپر سے اپنا کُھر اٹھاتی ہے (وہ بھی اسی ایک حصے سے ہے)۔

(الصحیح البخاری جلد 5 صفحہ 2234 رقم الحدیث 5954 : دار ابن کثیر الیمامۃ بیروت، الصحیح المسلم، جلد 4 صفحہ 2108 رقم الحدیث 2752 : دار احیاء التراث)

اسی طرح حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ اللهَ خَلَقَ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ مِائَةَ رَحْمَةٍ كُلُّ رَحْمَةٍ طِبَاقَ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَجَعَلَ مِنْهَا فِي الْأَرْضِ رَحْمَةً فَبِهَا تَعْطِفُ الْوَالِدَةُ عَلَى وَلَدِهَا وَالْوَحْشُ وَالطَّيْرُ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أَكْمَلَهَا بِهٰذِهِ الرَّحْمَةِ."

یعنی بے شک اللہ پاک نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کے دن، سو(100) رحمتیں پیدا کیں، ہر رحمت آسمان اور زمین کے بھراؤ کے برابر ہے، پس اس نے ان میں سے ایک رحمت زمین پر نازل کی، اسی رحمت کی وجہ سے والدہ اپنی اولاد پر مہربانی کرتی ہے اور درندے اور پرندے ایک دوسرے پر (مہربانی کرتے ہیں) جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس رحمت کے ساتھ اپنی رحمتوں کو مکمل فرمائے گا۔

(الصحیح المسلم جلد 4 صفحہ 2109 رقم الحدیث 2753 : دار احیاء التراث)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/11/24

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

بزرگوں سے مدد مانگنا

استفتاء نمبر:6

ایک پوسٹ کا جواب مطلوب ہے جس کا عنوان یہ ہے:

بزرگوں کو مدد کیلیے نہیں پکارنا چاہیے

اور اس کے تحت سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 194 کے ترجمہ کو اس طرح کوڈ کیا گیا ہے

''بے شک جن کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح کے بندے ہیں اگر سچے ہو تو انہیں جواب بھی دینا چاہیے''

سائل: عبداللہ قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

بدمذہب ہمیشہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلیے جھوٹ اور خیانت سے کام لیتے آئے ہیں اور اس پوسٹ میں بھی وہ اپنی اسی روش پر چلتے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 194 میں ''تدعون'' (تم پکارتے ہو) کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ یہاں پر ''تعبدون'' (تم عبادت کرتے ہو) کے معنی میں ہے اور یہ آیت مبارکہ ان کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اللہ پاک کی عبادت کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کو اپنا خدا اور معبود سمجھتے تھے تو انہیں تنبیہ کی گئی کہ تم اللہ کی عبادت چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تمہاری طرح اللہ پاک کی مخلوق ہیں تو جس طرح تم عبادت کے لائق نہیں تو وہ بت بھی تمہاری طرح عبادت کے لائق نہیں لیکن پھر بھی تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو تو پھر اگر تم اپنے اس گمانِ فاسد میں سچے ہو کہ وہ بت تمہاری فریاد سن کر فریادرسی کرتے ہیں تو بتوں کو چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں لیکن بت جواب دینے سے عاجز ہیں لہذا تم اپنے گمان میں سچے نہیں ہو۔

اس وضاحت کے بعد معلوم ہوا کہ اس آیتِ مبارکہ کو ان صحیح العقیدہ مسلمانوں پر فٹ کر کے مشرک قرار دینا سراسر جہالت ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے برگزیدہ بندے (یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرحمہ) اللہ پاک کے بندے ہیں اور انہیں خدا کا بندہ سمجھ کر اللہ پاک کی عطا سے پکار سننے والا جان کر پکارتے ہیں۔

اب ہم اس آیتِ مبارکہ کا ترجمہ اور کی مکمل وضاحت کرتے ہیں جس سے آپ پر بدعقیدہ لوگوں کی خیانت واضح ہو جائے گی اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ وہ خارجی ٹولہ ہے جو مشرکوں اور بتوں والی آیات انبیاء و اولیاء پر فٹ کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان خارجیوں کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کائنات میں سے سب سے بدتر مخلوق قرار دیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ فَادۡعُوۡهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيۡبُوۡا لَـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ

ترجمہ: بیشک وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری طرح بندے ہیں تو تم انہیں پکارو پھر اگر تم سچے ہو تو انہیں چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں۔

تفسیر:

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ:

بیشک وہ (بت) جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔

آیت میں لفظ ”تَدْعُوْنَ“ کا معنی ہے ”تَعْبُدُوْنَ“ یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے کافرو! صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی بجائے جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو اور تم انہیں اپنا معبود کہتے ہو یہ بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مملوک اور مخلوق ہیں جس طرح تم ہو اور اللہ تعالیٰ کے مملوک و مخلوق کسی طرح پوجے جانے کے قابل نہیں، اس کے باوجود بھی اگر تم انہیں اپنا معبود کہتے ہو تو تم نفع پہنچانے اور نقصان دور کرنے کے سلسلے میں انہیں پکارو، پھر اگر تم اپنے گمان کے مطابق سچے ہو کہ یہ اس چیز کی قدرت رکھتے ہیں جس سے تم عاجز ہو تو ان بتوں کو چاہیے کہ وہ تمہیں جواب دیں۔

(تفسیر قرطبی: ،سورۃ الاعراف، تحت الآیۃ 194، 4/244، الجزء السابع، روح البیان، سورۃ الاعراف، تحت الآیۃ 194، 3/295، ملتقطاً، بیضاوی، الاعراف، تحت الآیۃ 194، 3/84)

مخلوق میں سے کسی کو معبود مان کر پکارنا شرک ہے ورنہ ہرگز شرک نہیں:

یہاں ایک اہم بات یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کی بھی عبادت کرنا شرک ہے، اسی طرح مخلوق میں سے کسی کو معبود مان کر اسے پکارنا یا اس سے حاجتیں اور مدد طلب کرنا بھی شرک ہے البتہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو معبود نہ مانتا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو اس کی عطا سے مشکلات دور کرنے والا، حاجتیں پوری کرنے والا اور مدد کے وقت مدد کرنے والا مانتا ہو اور

اسی عقیدے کی بنیاد پر وہ بارگاہِ الٰہی کے مقبول بندوں سے مشکلات کی دوری کے لئے فریاد کرتا ہو، اپنی حاجتیں پوری ہونے کے لئے دعائیں مانگتا ہو یا مصیبت کے وقت انہیں مدد کے لئے پکارتا ہو تو اس کا یہ فریاد کرنا، مانگنا اور پکارنا ہرگز شرک نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآنِ پاک میں غور وتفکر کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کفار ومشرکین کا اپنے بتوں سے متعلق عقیدہ یہ تھا کہ وہ بتوں کو معبود مانتے اور ان کی عبادت کرتے تھے،

جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے:

اِنَّھُمْ کَانُوْا اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ(35) وَیَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِکُوْا اٰلِھَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ

ترجمہ: بیشک جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔

(سورۃ الصافات 35،36)

اور اسی عقیدے کی بنیاد پر کفار بتوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتے تھے، اور آج بھی کسی انسان یا غیر انسان، زندہ یا مردہ کو معبود مان کر اس کی عبادت کرنا، اسے دور یا نزدیک سے پکارنا شرک ہے لیکن اگر کوئی یہ عقیدہ نہ رکھتے ہوئے یعنی معبود نہ مان کر کسی کو پکارے یا ندا کرے تو اس کے عمل کو مشرکوں جیسا عمل قرار دیتے ہوئے اسے بھی مشرک قرار دے دینا سراسر جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ جو پکارنا یا ندا کرنا شرک ہے وہ ہر حال میں شرک ہے چاہے انسان سے ہو یا غیر انسان سے، زندہ سے ہو یا فوت شدہ سے، دور سے ہو یا نزدیک سے اور جو ندا شرک نہیں وہ کسی بھی حال میں شرک نہیں۔ ندا یا سوال کے شرک ہونے کا دارومدار پکارنے والے کے عقیدے پر ہے اگر وہ معبود اور خدا مان کر پکارتا ہے تو یہ شرک ہے اب چاہے دور سے پکارے یا نزدیک سے، زندہ کو پکارے یا فوت شدہ کو اور اگر اس کا یہ عقیدہ نہیں تو شرک ہرگز نہیں لہٰذا رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو پکارنا ہرگز شرک نہیں کیونکہ کوئی بھی کلمہ گو مسلمان آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو معبود نہیں سمجھتا اور نہ ان کی عبادت کرتا ہے بلکہ ہر نماز میں وہ کئی بار یہ اعلان کرتا ہے کہ

اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (مصطفٰی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اللہ (عَزَّ وَجَلّ) کے بندے اور رسول ہیں۔

یونہی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو پکارنے والا، ان سے سوال کرنے والا، انہیں معبود سمجھ کر ہرگز نہیں پکارتا بلکہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا بندہ سمجھ کر اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی عطا سے پکار سننے والا جان کر پکارتا ہے لہٰذا اس کا یہ عمل بھی ہرگز شرک نہیں۔

(تفسیر صراط الجنان جلد 3 صفحہ 497،498، 499 مکتبۃ المدینہ کراچی)

والله اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلی الله علیه وآله وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/03/18

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

مصیبت کے وقت انبیاء واولیا سے مدد طلب کرنا

استفتاء نمبر: 7

کیا مصیبت اور پریشانی کے وقت انبیاء واولیاء سے مدد طلب کرنا جائز ہے۔

سائل: فہیم عطاری میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام علیہم الرحمہ سے مدد طلب کرنا بالکل جائز ہے، جبکہ یہ عقیدہ ہو کہ حقیقی طور پر مدد تو صرف اللہ عزوجل ہی فرماتا ہے اور انبیاء واولیاء اللہ عزوجل کی عطا سے اور اس کی دی ہوئی طاقت سے مدد فرماتے ہیں۔ اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہوتا ہے جو کسی بھی نبی یا صحابی یا ولی سے مدد طلب کرتا ہے. انبیاء واولیاء سے مدد طلب کرنا قرآن وحدیث کے دلائل سے ثابت ہے، جن میں سے کچھ دلائل درج ذیل ہیں:

قرآنِ پاک سے دلائل:

(1) — اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓىٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ

ترجمہ: تو بے شک اللہ ان کا (یعنی اپنے نبی کا) مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔

(پارہ28،سورۃ التحریم 4 :)

(2)—ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"

ترجمہ: (اے مسلمانو) تمہارا مددگار نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے.

(پارہ6،سورۃ المائدہ 55 :)

فائدہ: اس آیت میں اور اس سے پہلی والی آیت میں اللہ عزوجل نے واضح طور فرمایا کہ مددگار اللہ بھی ہے اور اس کے پیارے رسول علیہ السلام بھی نیک اور ایمان والے بندے اور فرشتے بھی مددگار ہیں، اگر غیر اللہ کا مطلقاً مددگار ہونا شرک ہوتا تو ہر گز اللہ عزوجل اپنے نبی، نیک اور ایمان والے بندوں اور فرشتوں کو مددگار نہ فرماتا .

لہٰذا ثابت ہوا کہ انبیاء واولیاء سے مدد طلب کرنے کو شرک کہنا گویا اس بات کا دعویٰ کرنا ہے کہ اللہ عزوجل نے خود شرکیہ آیات قرآنِ پاک میں نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو شرک کی تعلیم دی، حالانکہ سوائے بدمذھبوں کے کوئی مسلمان ایسی ناپاک اور خبیث جسارت (جرات) نہیں کرسکتا تو تعجب ہے ایسے لوگوں پر جو مسلمانی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور انبیاء واولیاء سے مدد طلب کرنے کو شرک بھی بتاتے ہیں.

(3)—ایک اور جگہ ارشاد فرمایا

"قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ"

ترجمہ : (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) بولے کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف، حواریوں نے کہا ہم دینِ خدا کے مددگار ہیں.

(پارہ3،سورۃ آلِ عمران 52 :)

فائدہ: اس آیت میں بالکل واضح طور ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے مدد طلب فرمائی تو اگر غیر اللہ سے مدد طلب کرنا شرک ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر گز اپنے حواریوں سے مدد طلب نہ فرماتے، لہٰذا جو یہ کہے کہ غیر اللہ سے مدد طلب کرنا شرک ہے گویا وہ اللہ عزوجل کے معصوم نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مشرک بتاتا ہے لہذا کوئی بھی مسلمان غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کو شرک نہیں کہہ سکتا.

احادیثِ مبارکہ سے دلائل:

(1)—حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) سَلْ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ:
"اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ؟" فَقُلْتُ :هُوَ ذَاكَ. قَالَ" :فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ"
یعنی (ایک مرتبہ) مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مانگ؛

پس میں نے عرض کی: "میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں اپنی رفاقت (اپنا پڑوس) عطا فرمائیں۔
پھر فرمایا: کچھ اور (مانگو)!
تو میں نے عرض کی: "صرف یہی (چاہیے)
آپ علیہ السلام نے فرمایا: "تو کثرتِ سجود کے ساتھ اپنے نفس کے خلاف میری مدد کر"

(صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب فضل السجود والحث علیہ، صفحہ 184، رقم الحدیث 226 :(489) دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، سنن ابی داؤد، المعجم الکبیر جلد 5)

حدیث مبارکہ کی تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بات "اَظْهَرُ مِنَ الشَّمْسِ وَ اَبْيَنُ مِنَ الْاَمْسِ" (یعنی سورج سے زیادہ روشن و ظاہر اور گزشتہ دن سے زیادہ واضح) ہوگئی کہ غیر اللہ (یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاءِ عظام رحمہم اللہ) سے مدد مانگنا بالکل جائز ہے اور شرک ہرگز نہیں، اگر غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہوتا تو کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے اپنے بارے میں یہ نہ فرماتے کہ مجھ سے مانگو اور نہ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ جنت میں پڑوس مانگتے۔

اب اس حدیثِ مبارکہ کے تحت چند معتبر علماءِ کرام کی تشریحات کو درج کیا جاتا ہے:

1۔ شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

از اطلاق سوال که فرمودش بخواه تخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود که کار همه بدست همت و کرامت اوست صلی الله علیه وسلم هرچه خواهد و کرا خواهد باذن پروردگار خود دهد

یعنی مطلق سوال سے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مانگ، اور کسی خاص شئی کو مانگنے کی تخصیص نہیں فرمائی۔
معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دستِ اقدس میں ہے، جو چاہیں جسے چاہیں اللہ پاک کے اذن سے عطا فرمائیں۔

(اشعۃ اللمعات، جلد 1، صفحہ 396، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

2—علامہ شیخ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"يُؤْخَذُ مِنْ إِطْلَاقِهِ صلى الله تعالى عليه وسلم اَلْأَمْرَ بِسُؤَالٍ أَنَّ اللهَ تَعَالَىٰ مَكَّنَهُ مِنْ إِعْطَاءِ كُلِّ مَا أَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ"

یعنی حضور علیہ السلام نے مانگنے کا مطلقاً حکم دیا جس سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ بے شک اللہ تعالی نے حضور علیہ السلام کو عام قوت عطا فرمائی ہے کہ خدا کے خزانوں سے جو چاہیں عطا فرمائیں.

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوۃ باب السجود وفضلہ، الفصل الاول، جلد 2 صفحہ 615 مکتبہ الحسبیبیہ کوئٹہ)

3—امام اہلسنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"الحمدللہ یہ جلیل ونفیس حدیث صحیح اپنے ہر ہر جملے سے وہابیت کش ہے، حضور اقدس خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلقاً بلا قید وبلا تخصیص ارشاد فرمانا:

سَلْ: مانگ کیا مانگتا ہے،

جانِ وہابیت پر کیسا پہاڑ ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام ہر قسم کی حاجت روائی فرما سکتے ہیں، دنیا وآخرت کی سب مرادیں حضور علیہ السلام کے اختیار میں ہیں جب بلا تقیید ارشاد ہوا:

مانگ کیا مانگتا ہے یعنی جو جی میں آئے مانگو کہ ہماری سرکار میں سب کچھ ہے،

گر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدر گاهش بیا و هرچه میخواهی تمنا کن

(یعنی اگر تو دنیا وآخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کی بارگاہ میں آ، اور جو چاہتا ہے مانگ لے.)

یہ شعر حضرت شیخ محقق علیہ الرحمہ کا ہے کہ قصیدہ نعتیہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا ہے.

پھر اس حدیثِ جلیل میں سب سے بڑھ کر جانِ وہابیت پر یہ کیسی آفت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ خود حضور سے جنت مانگتے ہیں،

کہا": اسئلك مرافقتك في الجنة "

میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں رفاقتِ والا عطا ہو.

وہابی صاحبو!

یہ کیسا کھلا شرکِ وہابیت ہے جسے حضور مالکِ جنت علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ قبول فرمارہے ہیں".

(ملخصاً فتاوی رضویہ جلد 30 صفحہ نمبر 494،995، 996 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

(2)—حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اُطْلُبُوا الْخَيْرَ وَالْحَوَائِجَ مِنْ حِسَانِ الْوُجُوْه"

یعنی تم بھلائی اور حاجتیں ان لوگوں سے مانگو جن کے چہرے (اللہ کی عبادت سے) روشن ہیں.

(المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 81، مکتبہ ابن تیمیہ القاہرہ)

فائدہ: اس حدیثِ مبارکہ میں خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روشن چہرے والوں سے بھلائی اور حاجتیں مانگنے کا حکم دیا، اگر غیر اللہ سے مدد اور حاجتیں مانگنا شرک ہوتو معاذ اللہ حضور علیہ السلام پر الزام آئے گا کہ آپ علیہ السلام نے اپنے امتیوں کو شرک کی تعلیم دی ہے حالانکہ آپ علیہ السلام اس سے معصوم ہیں۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ہر گز شرک نہیں اور جو اس عقیدے کو مانتے ہیں وہی برحق ہیں اور وہی حقیقی اہلسنت ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت خود نبی پاک علیہ السلام نے عطا فرمائی اور باقی جو اہلسنت ہونے کا دعویٰ تو کریں مگر غیر اللہ سے مدد مانگنے کو شرک کہیں وہ ہر گز اہلسنت نہیں اور نہ حق پر ہیں بلکہ قرآن و سنت کے منکر اور دھوکے باز، ایمان کے لٹیرے ہیں.

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں کیا خوب فرمایا:

حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں
مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/01/30

تصدیق و تصحیح:

آپ کا استفتاء نمبر 7 کا جواب درست ہے، بندہ ناچیز اس کی تائید و توثیق کرتا ہے.

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری

غیر اللہ سے مدد مانگنے کی شرکیہ صورتیں

استفتاء نمبر:8

کیا کوئی ایسی صورت بھی ہے جس میں غیر اللہ کو مددگار ماننا کفر و شرک ہو؟

سائل : فہیم عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

جی ہاں! ایسی تین صورتیں ہیں، جن میں غیر اللہ کو مددگار ماننا کفر و شرک ہے، جو کہ درج ذیل ہیں :

1 — اللہ پاک کو کمزور اور عاجز سمجھ کر کسی اور کو مددگار بنانا کہ اللہ پاک مدد نہیں کرسکتا اور فلاں مدد کرسکتا ہے۔

جیسا کہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا :

"وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ"

یعنی اور نہیں ہے اللہ کا کوئی ولی (مددگار) کمزوری کی بناء پر۔

(سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 111)

1 — خدا کے مقابل کسی کو مددگار جاننا یعنی اللہ پاک عذاب و تکلیف دینا چاہتا ہے اور کوئی نبی علیہم السلام یا کوئی ولی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ پاک کے مقابل آ کر اس کو بچالے گا۔

جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے :

"اُولٰٓئِكَ لَمۡ يَكُوۡنُوۡا مُعۡجِزِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ"

یعنی یہ کفار خدا کو عاجز نہیں کرسکتے زمین میں اور نہ کوئی خدا کے مقابل ان کا ولی (مددگار) ہے۔

3 — غیر اللہ کو مددگار سمجھ کر اس کی عبادت کرنا۔

چنانچہ اللہ پاک نے فرمایا:

"وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى"

یعنی اور جنہوں نے رب کے سوا اور ولی (مددگار) بنائے، کہتے ہیں ہم تو انہیں نہیں پوجتے مگر اس لیے کہ ہمیں وہ اللہ کے قریب کردیں۔

تو جو غیر اللہ کو ان تین صورتوں کی طرح مددگار مانے تو وہ کافر و مشرک اور مرتد ہے اور بدمذھب ان تینوں صورتوں کے متعلق

واردشدہ آیات پیش کرکے عوام الناس کو دھوکہ وفریب دیتے ہوئے مطلقاً غیر اللہ سے مدد کو کفر وشرک قرار دیتے ہیں حالانکہ خود اہلسنت وجماعت کے نزدیک بھی یہ تینوں صورتیں کفر وشرک ہے اوران کے نزدیک جس صورت میں غیر اللہ کو مددگار ماننا جائز ہے اس کی ممانعت پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں بلکہ قرآن وحدیث اورصحابہ کرام وآئمہ ومحدثین رضی اللہ عنھم اجمعین سے اس کا جواز ثابت ہے اوروہ جواز کی صورت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیھم السلام واولیاء کرام رحمۃ اللہ علیھم، اللہ پاک کی عطاء اوراس کی اجازت سے مدد کرتے ہیں اوران کی مدد درحقیقت اللہ پاک کی مدد ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں کیا خوب فرمایا:

حاکم حکیم دادو دوادیں یہ کچھ نہ دیں
مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/01/30

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

کتنے انبیاء کرام علیہم السلام کو وعدہ الٰہیہ کی صورت میں موت نہیں آئی

استفتاء نمبر:9

کتنے انبیاء کرام علیہم السلام کو وعدہ الٰہیہ کی صورت میں موت نہیں آئی؟

سائل: اسید رضا عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

تمام انبیاء کرام علیھم السلام حقیقی، روحانی اورجسمانی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں، صرف اللہ پاک کے وعدہ کی تصدیق کے لئے ایک آن کیلئے ان پر موت طاری ہوتی ہے، اس کے بعد ان کو بدستور زندہ کردیا جاتا ہے، البتہ چار انبیائے کرام علیھم السلام

کو وعدہ الٰہیہ کی صورت میں موت نہیں آئی، جن میں سے دو زمین پر زندہ ہیں اور وہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام ہیں اور دو آسمان پر زندہ ہیں اور وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔

چنانچہ حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

روی ابن شاھین بسند ضعیف الی خصیف، قال اربعة من الانبیاء احیاء اثنان فی السماء عیسی و ادریس، واثنان فی الارض :الخضر و الیاس، فاما الخضر فانه فی البحر، و اما صاحبه فی البر

یعنی ابن شاہین نے خصیف تک ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

انہوں نے فرمایا :

چار انبیاء زندہ ہیں دو آسمان میں (وہ حضرت) عیسی اور (حضرت) ادریس (علیھما السلام ہیں) اور دو زمین میں (وہ حضرت) خضر اور (حضرت) الیاس (علیھما السلام ہیں) تو بہرحال حضرت خضر (علیہ السلام کی ڈیوٹی) تو سمندر پر ہے اور بہرحال حضرت الیاس (علیہ السلام کی ڈیوٹی) خشکی (یعنی زمین) پر ہے۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابہ جلد دوم صفحہ 252 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سب بحیاتِ حقیقی روحانی جسمانی زندہ ہیں، ان کی موت صرف ایک آن کو تصدیقِ وعدہ الٰہیہ کے لیے ہوتی ہے، جمہور علماء کے نزدیک چار نبی بے عروضِ موت اب تک زندہ ہیں، دو آسمان پر، سیدنا ادریس و سیدنا عیسی اور دو زمین میں، سیدنا الیاس و سیدنا خضر علیہم الصلوۃ والسلام۔"

(تاریخ دمشق الکبیر جلد 9 صفحہ 155، دار احیاء التراث العربی بیروت)

(فتاوی رضویہ جلد 29 صفحہ 637 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/24

تصدیق و تصحیح:

1—الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

2—یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

اے سبز گنبد والے منظور دعا کرنا۔ پڑھنے کا شرعی حکم

استفتاء نمبر:10

کیا یہ مصرعہ اے سبز گنبد والے منظور دعا کرنا درست ہے؟

ایک شخص اس مصرعہ کو نامناسب اور غلط کہتا ہے اس بنیاد پر کہ دعا ایک عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی جا سکتی ہے، دعا منظور کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کی شان نہیں؟

سائل: سعید اللہ خان عطاری عیسیٰ خیل میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

قرآنِ پاک میں لفظِ دعا کو مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے، جن میں سے لفظِ دُعا کو بعض معانی کے اعتبار سے غیر اللہ کیلیے جائز قرار دیا گیا۔ جیسے پکارنا، بلانا وغیرہ البتہ کچھ معانی کے اعتبار سے لفظ دعا غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی استعمال ہو سکتے ہیں جیسے عبادت، دعا کرنا۔

تو جب قرآنِ پاک میں لفظِ دُعا کو پکارنے اور بلانے کے معانی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کیلئے روا (جائز) رکھا گیا تو قرآن پاک کی اتباع کرتے ہوئے اگر کوئی لفظِ دعا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کے لیے ایسے معانی کے اعتبار سے استعمال کرے تو اس میں کوئی قباحت وحرج نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

1-"والرسولُ يَدعُوْ كم فی اُخْرٰكُم"

ترجمہ: اور رسول تم کو تمہارے پیچھے پکارتے تھے۔

(پارہ 4، سورۃ آل عمران 153:)

2۔"لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا"

ترجمہ: رسول کے پکارنے کو بعض کے بعض کو پکارنے کی طرح نہ بناؤ۔

(پارہ18، النور63 :)

ان دونوں آیات میں لفظِ دعا کو پکارنے کے معنی میں غیر اللہ کے لیے جائز رکھا گیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر

ترجمہ: اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے۔

(پارہ4، سورۃ آل عمران104 :)

اس آیتِ مبارکہ میں لفظِ دُعا کو بلانے کے معنی میں غیر اللہ کیلئے جائز قرار دیا گیا۔

البتہ دعا کو عبادت یا دعا کرنے کے معانی کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کیلئے استعمال کرنا ناجائز و حرام بلکہ کفر و شرک ہے اور کوئی مسلمان ان معانی کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کیلئے لفظِ دُعا استعمال نہیں کرتا۔

چنانچہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"دعا دعو یا دعوت سے بنا ہے جس کے معنی بلانا یا پکارنا ہے قرآن شریف میں لفظِ دعا پانچ معنی میں استعمال ہوا ہے:

1= پکارنا۔ 2= بلانا۔ 3= مانگنا یا دعا کرنا۔ 4= پوجنا یعنی معبود سمجھ کر پکارنا۔ 5= تمنا، آرزو کرنا۔"

(علم القرآن لترجمۃ الفرقان صفحہ 93 مکتبۃ المدینہ کراچی)

ایک اور مقام پر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ان جیسی تمام وہ آیات جن میں غیرِ خدا کی دعا کو شرک و کفر کہا گیا یا اس پر جھڑکا گیا، ان سب میں دعا کی معنی عبادت (پوجا) اور یدعون کے معنی ہیں وہ پوجتے ہیں۔

(علم القرآن صفحہ 96 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مزید فرماتے ہیں:

"دعا کے لغوی معنی پکارنے ہیں، اور اصطلاحی معنی عبادت ہیں، قرآنِ پاک میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا، جہاں دعا کی اجازت ہے وہاں لغوی معنی پکارنا مراد ہیں اور جہاں غیر خدا کی دعا سے ممانعت ہے وہاں عرفی معنی پوجنا مراد ہیں۔

(علم القرآن صفحہ 98 مکتبۃ المدینہ کراچی)

فروز اللغات میں لفظِ دُعا کے درج ذیل معانی ذکر کیے گئے ہیں:

1—خدا سے مانگنا 2—التجا 3—التماس 4—دعا کی عبارت 5—مناجات 6—مغفرت کی طلب 7—کسی کی بہتری کی خواہش 8—مراد 9—سلام

10—مبارک 11—اشیر باد

(فیروز اللغات صفحہ 629 فیروز سنز)

لہذا یہ مصرعہ:

اے سبز گنبد والے منظور دعا کرنا

بالکل درست ہے کیونکہ یہاں لفظِ دعا عبادت یا دعا کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ پکارنے، تمنا و آرزو کرنے وغیرہ کے معنی ہے تو ان معانی کے اعتبار سے اس شعر کا مطلب یہ بنے گا:

''اے سبز گنبد والے (آقا) صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہماری دعا یعنی پکار کو یا آرزو و مراد کو منظور فرمائیے''

لہذا اس مصرعہ کو مطلقا غیر مناسب وغلط کہنا بالکل درست نہیں بلکہ لفظِ دعا کے اوپر بیان کردہ مختلف معانی سے عدمِ واقفیت کی بنا پر ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اُسَید عبید رضا مدنی

2019/07/09

علماءِ کرام اور مفتیانِ عظام کی تصدیقات:

1—الجواب صحیح والمجیب مصیب

واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ اکرم عزوجل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ابو الحسنین حکیم و مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

2—الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

3—درست ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔

مفتی محمد صدیق قادری آف کوئٹہ

4—الجواب صحیح والمجیب نجیح

مفتی ابوالحسن محمد قاسم ضیاء القادری یوکے

5—اس شعر کے حوالے سے میرا بھی یہی موقف ہے کہ یہ شعر بالکل درست ہے اس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہیں ہے۔

ماشاء اللہ آپ نے اس فتوے میں فیروز اللغات کے حوالے سے لفظِ دُعا کے جو معانی بیان کیے ہیں، اس سے اور قرینہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہاں لفظِ دُعا پکارنے اور بلانے کیلئے استعمال ہوا ہے۔

محمد امین مدنی متخصص فی الفقہ الاسلامیہ وہاڑی

6—بہت خوب

اللھم زدفزد

محمد یونس خان متخصص فی الفقہ الاسلامیہ داؤدخیل

7—الحمدللہ اخی محترم مولانا عبید رضا مدنی صاحب نے اس سوال کا جواب کافی وافی شافی تحریر فرمایا۔ اللہ موصوف کے علم و عمل میں اضافہ فرمائے۔

فقط: محمد عرفان احمد المدنی آف جہلم، بانی المدنی لائبریری پاکستان

8—ماشاء اللہ محنت سے مرتب کی گئی قدرے جامع تحریر ہے۔ وضاحت اس قدر ہے کہ شاعری کے اجمال کے سبب یہاں اسلوب مبنی بر مجاز ومحذوف ہے یعنی مدعا یوں ہے کہ اے حبیب خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہماری ان دعاؤں پر اگر آپ کی نظر عنایت ہوجائے تو خدا تعالی کی بارگاہ میں یقینا مستجاب ہیں! اس لئے یہاں اصطلاحی دعا موضوع نہیں بلکہ قصد توسل ہے اور اس مفہوم پر اس نعت شریف کا عموم دال ہے۔

علامہ عبیدالرحمن شاہجہاپوری، استاد جامعہ علیمیہ کراچی

9—اللہ سبحانہ وتبارک وتعالی نے اپنے محبوب کریم کو اپنا نائب مطلق بنایا ہے اور اسے ہر قسم کا اختیار و تصرف عطا فرمایا ہے اور اس مصرع میں دعا کے معنی اپنی نیک آرزو وتمنا اور مقصد خیر کی کامیابی ہے نہ یہ کہ عبادت و پکار بلکہ حدیث پاک میں آیا الدعا مخ للعبادۃ یعنی دعا عبادت کا مغز و گودا ہے یہاں غلام اپنے آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ عالی میں عریضہ پیش کر رہا ہے یارسول اللہ! صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہماری ہر نیک خواہش و آرزو قبول فرمالیں یہ آقا علیہ السلام کی بارگاہ ہے ہم عام آدمی سے بھی کہتے ہیں میری یہ

خواہش پوری کردیں وغیرہ تومحبوب کریم توسارے جہاں کے آقا و مولیٰ اور سب کو عطا فرماتے ہیں:

واللہ یعطی وانما انا قاسم

رب	ہے	معطی	یہ	ہیں	قاسم
رزق	اس	کا	کھلاتے	یہ	ہیں

لہٰذا سوال میں مذکورہ مصرع میں کوئی خرابی نہیں اور شرعا کچھ قباحت و سقم ہی نہیں۔

مفتی عطاء المصطفیٰ نعیمی کراچی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہیں یا قرآنِ پاک

استفتاء نمبر: 11

نبی اکرم ﷺ قرآن پاک سے افضل ہیں یا قرآن پاک نبی پاک ﷺ سے افضل ہے؟

سائل: تنویر مدنی ڈیرہ اسماعیل خان

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

اگر قرآنِ پاک سے مراد اس کے الفاظ، لکھائی، اور کاغذ وغیرہ ہیں تو یہ مخلوق ہیں اور تمام مخلوقات میں سب سے افضل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں تو اس حیثیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قرآنِ پاک سے افضل ہیں اور اگر قرآنِ پاک سے مراد اللہ پاک کی صفتِ کلام ہے تو چونکہ اللہ پاک کی صفات، تمام مخلوقات سے افضل ہیں تو اس صورت میں قرآنِ پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے افضل ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فَإِنَّ الْقُرآنَ إِنْ أُرِيْدَ به المصحفُ أعني القِرطاسَ و المداةَ فلا شك أنه حادث و كل حادث مخلوق، و كل مخلوق فالنبي صلى الله عليه وسلم أفضل منه و إن أريد به كلام الله تعالى الذي هو صفته فلا شك أن صفاته تعالى أفضل من جميع المخلوقات

یعنی پس بے شک اگر قرآنِ پاک سے مراد مصحف لیا جائے یعنی کاغذ اور لکھائی تو (اس میں) کوئی شک نہیں کہ بیشک یہ (یعنی کاغذ اور لکھائی وغیرہ) حادث (یعنی پہلے موجود نہیں تھیں، بعد میں پیدا ہوئیں) ہیں اور ہر حادث مخلوق ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مخلوق سے افضل ہیں۔

اور اگر قرآنِ پاک سے اللہ تعالیٰ کا وہ کلام مراد لیا جائے جو اس کی صفت ہے تو (اس میں) کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات، تمام مخلوقات سے افضل ہیں.

(جد الممتار علی رد المحتار جلد 1، صفحہ 521، 522 مکتبۃ المدینہ کراچی)

والله اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلی الله علیه وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/12/02

تصدیق و تصحیح:

1—الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی و حکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

2—الجواب صحیح وصواب

محمد عمر رضا خان المسعودی والنیفالی دار العلوم ظفر الاسلام لوکاہی بازار

3—الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

نعلین پاک کے نقش میں عہد نامہ اور بسم اللہ وغیرہ لکھنا کیسا

استفتاء نمبر:12

نعلین پاک کے نقش میں عہد نامہ اور بسم اللہ وغیرہ لکھنا کیسا؟

کچھ لوگ یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ دعوتِ اسلامی کے بانی امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہ العالیہ نے جو نعلِ پاک کے نقش میں عہد نامہ تحریر فرمایا ہے، بے ادبی ہے کیونکہ عہد نامہ میں اللہ عزوجل اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے جنھیں نعلِ پاک کے نقش میں لکھنا بے ادبی ہے؟

سائل: شفیق الرحمن عطاری خوشاب

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

نعلِ پاک کے نقش میں عہد نامہ لکھنا بالکل جائز ہے کیونکہ یہ اصل نعلِ پاک نہیں ہے بلکہ نقش (یعنی عکس) ہے تو جس طرح نقش اور اصل میں فرق ہوتا ہے اسی طرح ان کے احکام میں بھی فرق ہے لہذا نعلِ پاک کے نقش میں عہد نامہ لکھنے کو بے ادبی قرار دینا بالکل غلط اور جہالت ہے بلکہ اگر کوئی شخص اعزاز و احترام اور حصولِ برکت کی نیت سے نعلِ پاک کے نقش میں عہد نامہ لکھے گا تو اجر و ثواب کا حقدار بنے گا اور اگر کوئی شخص معاذ اللہ بے ادبی کی نیت سے نعلِ پاک کے نقش میں عہد نامہ لکھے گا تو صرف بے ادبی کا ہی مرتکب نہیں ہوگا بلکہ دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو جائے گا لیکن ایسا کسی عام مسلمان سے بھی متصور نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ کہ امیر اہلسنت دامت برکاتہ العالیہ کی ذات کے جنہوں نے لاکھوں مسلمانوں کو اللہ عزوجل اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کی بارگاہ کے آداب سکھائے ہیں، وہ ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں کہ جس میں بے ادبی کا معمولی سا بھی شبہ ہو۔

لہٰذا جو شخص اس کو بے ادبی کہتا ہے ایسا شخص جہالت کی وجہ سے نقش کو اصل پر قیاس کر رہا ہے بلکہ بغیر علم کے فتوی دے رہا (یعنی شرعی حکم بیان کر رہا) ہے اور جو بغیر علم کے فتوی دے، حدیثِ مبارکہ کے مطابق اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

(کنز العمال)

لہٰذا ایسا شخص اپنی جہالت سے توبہ کرے اور آئندہ بغیر علم کے شرعی احکام میں دخل اندازی سے باز رہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اور بسم اللہ شریف اس (نعلِ پاک کے نقش) پر لکھنے میں کچھ حرج نہیں، اگر یہ خیال کیجئے کہ نعلِ مقدس قطعاً تاجِ فرقِ اہلِ ایمان ہے مگر اللہ عزوجل کا نام و کلام ہر شے سے اجل و اعظم و ارفع و اعلیٰ ہے، یوہیں تمثال میں بھی احتراز چاہئے تو یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ نامِ الٰہی یا بسم اللہ شریف حضور کی نعل مقدس پر لکھی جائے تو پسند نہ فرماتے مگر اس قدر ضروری ہے کہ نعل بحالتِ استعمال و تمثال محفوظ عن الابتذال میں تفاوت بدیہی ہے، اور اعمال کا مدار نیت پر ہے، امیر المومنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانورانِ صدقہ کی رانوں پر حبیسی فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں وقف ہے) داغ فرمایا تھا حالانکہ ان کی رانیں بہت محلِ بے احتیاطی ہیں، بلکہ سنن دارمی شریف میں ہے:

اخبرنا مالك بن اسمعيل ثنا مندل بن على الغزى حدثنى جعفر بن ابى المغيرة عن سعيد بن جبير قال كنت اجلس الى ابن عباس فاكتب فى الصحيفة حتى تمتلى ثم اقلب نعلى فاكتب فى ظهورهما۔

مالک بن اسمٰعیل نے خبر دی کہ مندل بن علی الغذی نے بیان کیا کہ مجھے جعفر بن ابی مغیرہ نے سعید بن جبیر کے حوالے سے فرمایا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس بیٹھا ایک کاغذ پر لکھ رہا تھا کہ وہ کاغذ پر ہو گیا پھر میں نے اپنا جوتا الٹا کر کے لکھا۔

(سنن الداری، باب من اخص فی کتابۃ العلم، رقم الحدیث 507 :، جلد 1، صفحہ 105، دار المحاسن قاہرہ)۔"

(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 413,414 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وقار الملۃ مفتی وقار الدین قادری امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کسی چیز کا عکس اصل شئی کا حکم نہیں رکھتا اور کسی شئی کے نقشہ پر اصل چیز کے احکام نہیں ہوتے ہیں۔ اگر نقشے پر اصل کے احکام ہوں تو لوگ کعبہ کے نقشے کا طواف بھی کر لیا کریں جو درست نہیں ہے، اسی طرح نعلِ پاک کا نقشہ اصل نعل نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر نام اقدس لکھنے میں حرج نہیں ہے

(وقار الفتاوی جلد اول صفحہ 113 بزم وقار الدین)

فتاوی بریلی شریف میں ہے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نعلینِ پاک کے عکس (نقش) کے درمیان بسم اللہ شریف یا عہد نامہ لکھنا جائز ہے اسلیے کہ یہ اصل نعلین پاک نہیں اگر چہ اعزاز واحترام اور حصولِ منافع میں اصل کے حکم میں ہیں۔

(فتاوی رضویہ ج نہم ص 150)

اس کو قطعاً حرام وگستاخی بتانا غلط و باطل ہے اسلیے کہ حکم کا مدار نیت پر ہے قال النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم انما الاعمال بالنیات معاذ اللہ اگر لکھنے والے کی نیت سوءِ ادبی (بے ادبی) ہے تو اس کا یہ فعل صرف حرام وگستاخی نہیں بلکہ اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دے گا اور اگر اس کی نیت اعزاز واحترام اور حصولِ برکت کی نیت ہے تو مستحق اجر وثواب ہے۔"

(فتاوی بریلی شریف صفحہ 352 زاویہ پبلشرز)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/03

تصدیق وتصحیح:

آپ کے استفتاء نمبر 12 کا جواب درست ہے۔

نفسِ نقشِ نعلِ پاک اور ہے اور تمثالِ نعلِ پاک اور ہے اور اصل نعلِ پاک اور ہے، تو دلائل کی روشنی میں فتویٰ بالکل درست ہے، اللہ تعالیٰ برکت دے اور ہمت دے۔

ابوالحسنین حکیم و مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری غفرلہ الباری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سبب تخلیق کائنات ہونے پر اعتراض کا مدلل جواب

استفتاء نمبر: 13

امت میں یہ بات پھیلی ہوئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کائنات بنائی گئی ہے تو آپ دلیل سے جواب دیں کہ یہ بات کہاں سے آئی اور کس نے کہی ہے؟

سائل: شہروز شہر میانوالی

بسمہ تعالیٰ الجواب بعون الملك الوھّاب اللهم هداية الحق والصواب

یقینا یہ تمام کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہی بنائی گئی ہے اور یہ بات کئی احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اوحی اللہ الی عیسی علیه السلام :یا عیسی! امن بمحمد و امر من ادرکه من امتك ان یومنوا به فلولا محمد ما خلقت ادم ولو لا محمد ما خلقت الجنة ولا النار ولقد خلقت العرش علی الماء فاضطرب فکتبتُ علیه لا اله الا الله محمد رسول الله فسکن۔ هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه

یعنی اللہ پاک نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خود بھی ایمان لاؤ اور اپنی اس امت کو بھی حکم دو کہ جوان کا زمانہ پائے وہ بھی ان پر ایمان لائے۔ پس اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا نہ فرماتا تو آدم علیہ السلام کو پیدا نہ فرماتا اور اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا نہ فرماتا تو نہ جنت کو اور نہ دوزخ کو پیدا فرماتا، اور البتہ تحقیق میں نے پانی پر عرش پیدا کیا تو وہ کانپنے لگا تو میں نے اس پر "لا الہ الا الہ محمد رسول اللہ" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم اللہ کے رسول ہیں) لکھا تو وہ ساکن ہوگیا۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری و امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے اسے روایت نہیں کیا۔

(المستدرک للحاکم علی الصحیحین، من کتاب آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی ھی دلائل النبوۃ، جلد 2 صفحہ 671، رقم الحدیث 4227 : ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

نوٹ: اس سند کے راوی درج ذیل ہیں:

1۔علی بن حمشاد: ان کو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ، عادل، حافظ کہا۔

(سیر اعلام النبلاء)

2۔ہارون بن عباس ہاشمی: ان کو خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ کہا۔

(تاریخ بغداد)

3۔جندل بن والق: ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ کہا۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال)

اور ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے صدوق کہا۔

(تاریخ الاسلام)

4۔عمرو بن اوس انصاری:

یہ تراجم کی کتب میں اگرچہ مجہول ہیں لیکن ان کا مجہول ہونا مضر نہیں کیونکہ ایک تو امام حاکم نے اس کو سنداً صحیح کہا اور جب کوئی محدث کسی سند کو صحیح کہہ دے تو یہ اس بات کی علامت ہوا کرتا ہے کہ اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

دوسرا ان کے متابع سعید بن اوس انصاری ہیں، جن سے منقول روایت "طبقات المحدثین باصبہان و الواردین علیہا، جلد 3 صفحہ 287 مؤسسۃ الرسالۃ بیروت" میں ہے اور انہیں عبدالرحمن انصاری انباری رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ کہا۔

(نزھۃ الالباء فی طبقات الادباء)

اور خطیب بغدادی نے بھی انہیں ثقہ کہا۔

(تاریخ بغداد)

جبکہ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے صدوق کہا۔

(تہذیب التہذیب)

5۔سعید بن ابی عروبہ: امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں حضرت ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا کہ یہ اصحاب قتادہ میں سے زیادہ حافظ تھے۔

(الجرح والتعدیل جلد 4 صفحہ 65 دار احیاء التراث العربی بیروت)

ابن سعد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث کہا۔

(الطبقات الکبریٰ، الطبقۃ الخامسۃ، جلد 7، صفحہ 273، دار صادر بیروت)

6—قتادہ رحمۃ اللہ علیہ: مشہور ومعروف ثقہ راوی، جن کی شان میں بیشمار اقوال علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیے ہیں۔

(تہذیب التہذیب)

7—سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ: مشہور ومعروف تابعی ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تابعین میں سب سے افضل ہیں۔

(تہذیب التہذیب)

8—عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما: یہ صحابی ہیں اور ہر صحابی عادل ہے۔

اشکال:

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے المستدرک کی اس حدیث پر اس طرح حاشیہ تحریر فرمایا:

التعلیق من تلخیص الذہبی) اظنہ موضوعا علی سعید

یعنی (تعلیق ذہبی کی تلخیص سے یہ ہے کہ) میں سعید کے سبب اس حدیث کو موضوع گمان کرتا ہوں۔

(المستدرک للحاکم علی الصحیحین، من کتاب آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی ہی دلائل النبوۃ، جلد 2 صفحہ 671، دار الکتب العلمیہ بیروت)

تو اس وجہ سے بعض لوگ اس حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں حالانکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گمان میں سعید بن ابی عروبہ کی وجہ سے حدیث کو موضوع کہا حالانکہ ان کے حوالے سے پیچھے کلام گزر چکا کہ یہ اصحابِ قتادہ میں سے زیادہ حافظ تھے، ثقہ راوی تھے، کثیر الحدیث تھے۔

البتہ آخری عمر میں انہیں اختلاط ہو گیا تھا لیکن اختلاط کی وجہ حدیث موضوع نہیں ہوتی بلکہ ضعیف ہوتی ہے، اور دوسری بات یہ کہ اختلاط سے پہلے جو روایات مروی ہوں وہ مقبول ہوتی ہیں تو جب انہیں اختلاط ہوا تو اس کے بعد ان سے صرف وکیع اور معافی بن عمران موصلی نے سماع کیا۔

(تاریخ الثقات، باب السین المہملۃ، صفحہ 187 مطبوعہ دار الباز)

تو اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عمرو بن اوس انصاری اور سعید بن اوس انصاری نے سعید ابن ابی عروبہ سے اختلاط پہلے وہ حدیث روایت کی ہے لہذا وہ حدیث مقبول ہے اور چونکہ ثابت ہو گیا کہ اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں لہذا یہ صحیح حدیث ہے اور

اسے موضوع قرار قطعاً درست نہیں۔

(دلائل احناف مُلَخَّصاً صفحہ 63،64، 65 اشاعت الاسلام پبلیکیشنز لاہور)

مزید کئی اور احادیث بھی ہیں جو اس صحیح حدیث پر شاہد ہیں:

امام ابوالحسن احمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے فرماتا ہے:

انت اکرم من خلقت علی و احب من خلقت الی، لولاك ما خلقت الدنیا، لولاك ما خلقت الآخرة، و لولاك ما خلقت الجنة، و لولاك ما خلقت النار، و لولاك ما خلقت آدم علیه السلام

یعنی میں نے جو پیدا فرمایا، ان میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ تو مکرم و محبوب ہے، اگر تجھے پیدا نہ فرماتا تو میں دنیا کو پیدا نہ فرماتا، اگر تجھے پیدا نہ فرماتا تو میں آخرت کو پیدا نہ فرماتا، اگر تجھے پیدا نہ فرماتا تو میں جنت کو پیدا نہ فرماتا، اگر تجھے پیدا نہ فرماتا تو میں جہنم کو پیدا نہ فرماتا، اگر تجھے پیدا نہ فرماتا تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ فرماتا۔

(فوائد منتقاۃ من روایۃ الشیخین ابی الحسن احمد بن محمد بن الصلت وابی عبید اللہ بن محمد بن ابی مسلم الفرضی، صفحہ 69 دار البشائر الاسلامیہ)

امام معمر بن عبدالواحد قرشی عبشمی سمرقندی اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا:

ان الله تعالیٰ اوحی الی: وعزتی و جلالی لولاك ما خلقت الجنة، و لولاك ما خلقت الدنیا

اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اگر تجھے پیدا نہ فرماتا تو جنت کو پیدا نہ فرماتا، اور اگر تجھے پیدا نہ فرماتا تو دنیا کو پیدا نہ فرماتا۔

(موجبات الجنۃ، باب ان الجنۃ خلقت لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ 282 مکتبۃ عباد الرحمن)

کنز العمال میں ایک روایت نقل کی گئی ہے، الفاظ یہ ہیں۔

أتانی جبرئیل فقال: یا محمد لولاك ما خلقت الجنة و لولاك ما خلقت النار

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس کی ہے، مسند الفردوس دیلمی سے نقل کی گئی ہے۔

(کنز العمال جلد 11 صفحہ 194، رقم الحدیث 32021:)

علامہ ابوالحسن ملا علی بن سلطان قاری ہروی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث لولاك لما خلقت الأفلاك. قال الصنعانی: انه موضوع، کذا فی الخلاصة، لکن

معناہ صحیح، قد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعًا :"أتانی جبرئیل فقال :یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) لولاك ما خلقت الجنۃ، ولولاك ما خلقت النار

یعنی امام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے" لو لاک لما خلقت الأفلاک "والی حدیثِ مبارکہ کو موضوع کہا ہے، ایسے ہی "خلاصہ" میں ہے، لیکن اس حدیث کے معنی صحیح ہیں، پس تحقیق امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کی کہ (اللہ پاک فرماتا ہے) :اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو جنت کو پیدا نہ فرماتا، اور اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو جہنم کو پیدا نہ فرماتا۔

(الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ المعروف بالموضوعات الکبریٰ، جلد 1 صفحہ 295 موسسۃ الرسالۃ بیروت)

صاحبِ کشف الخفاء رحمۃ اللہ علیہ نے "لو لاک لما خلقت الأفلاک" والے الفاظ کے ساتھ کشف الخفاء میں صنعانی کے حوالہ سے نقل کر کے موضوع لکھا ہے، مگر ساتھ ہی لکھا کہ:

ولکن معناہ صحیح

اور لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔

(کشف الخفاء، جلد 2، صفحہ 148)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ ضرور صحیح ہے کہ اللہ عزوجل نے تمام جہان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بنایا، اگر حضور نہ ہوتے کچھ نہ ہوتا۔ یہ مضمون احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے جن کا بیان ہمارے رسالہ "تلالؤ الافلاک بحلال احادیث لولاک" میں ہے اور انہی لفظوں کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی بعض تصانیف میں لکھی مگر سنداً ثابت یہ لفظ ہیں:

خلقت الدنیا و اھلھا لاعرفھم کرامتك و منزلتك عندی و لولاك یا محمد ما خلقت الدنیا

(یعنی اللہ عزوجل اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ) میں نے دنیا اور اہلِ دنیا کو اس لیے بنایا کہ تمہاری عزت اور مرتبہ جو میری بارگاہ میں ہے ان پر ظاہر کروں، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر تم نہ ہوتے میں دنیا کو نہ بناتا۔

(تاریخ دمشق الکبیر، ذکر عروجہ الی السماء جلد 3 صفحہ 297 دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس میں تو فقط افلاک کا لفظ تھا اس میں ساری دنیا کو فرمایا جس میں افلاک و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب داخل

ہیں، اسی کو حدیث قدسی کہتے ہیں کہ وہ کلامِ الٰہی جو حدیث میں فرمایا گیا ایسی جگہ لفظی بحث کر کے عوام کے دلوں میں شک وشبہ ڈالنا اوران کے قلوب کو متزلزل کرنا ہرگز مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"الدین النصح لکل مسلم"

دین یہ ہے کہ آدمی ہر مسلمان کی خیر خواہی کرے۔

صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الدینا لنصیحۃ الخ، جلد 1 صفحہ 13 قدیمی کتب خانہ کراچی، الصحیح المسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحۃ، قدیمی کتب خانہ کراچی) (فتاوی رضویہ جلد 29 صفحہ 113 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

شارحِ بخاری، فقیہِ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات کبیر میں صرف حدیث "لو لاک لما خلقت الافلاک" کے بارے میں صنعانی کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو موضوع کہا، اپنی کوئی تحقیق ذکر نہیں کی ہے، بلکہ فرمایا:

لکن معناہ صحیح فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما مرفوعاً اتانی جبریل فقال یا محمد لولاك لما خلقت الجنة ولولاك لما خلقت النار وفی روایة ابن عساکر لولاك لما خلقت الدنیا

(موضوعات کبیر، صفحہ 59) (فتاویٰ شارح بخاری، جلد 1، کتاب العقائد، صفحہ 494)

اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتا ہے:

بعض شروح نخبۃ الفکر میں دیکھا گیا ہے کہ حدیث مذکور (لو لاک لما خلقت الأفلاک) کی تصحیح کی گئی ہے

(امداد الفتاویٰ جلد 5 صفحہ 79)

اشکال:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کہنا کہ اللہ پاک نے یہ سب دنیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بنائی ہے تو یہ اس آیتِ مبارکہ کے خلاف ہے جس میں اللہ پاک نے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

ترجمہ: اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے بنائے کہ میری عبادت کریں۔

(پارہ 27، سورۃ الذریٰت 56 :)

لٰہذا وہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا نبی اکرم ﷺ کے لئے نہیں بنائی گئی بلکہ اللہ پاک کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے۔

جوابِ اشکال:

بعض لوگوں کا استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ یہ آیتِ مبارکہ زندگی کے مقصد کے متعلق ہے کہ جنوں اور انسانوں کو پیدا کرنے کا مقصد اللہ پاک کی عبادت کرنا ہے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سبب کائنات ہے، تو سبب اور مقصد کا متحد ہونا ضروری نہیں ہوتا ہے لہذا دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں کہ جنوں اور انسانوں کو پیدا کرنے کا مقصد اللہ پاک کی عبادت کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبب کائنات ہے اور آپ کے لئے ہی دنیا بنائی گئی ہے، جس پر احادیث گواہ ہیں تو جو لوگ ان دو باتوں میں تضاد سمجھ رہے ہیں تو یہ ان لوگوں کی سمجھ کی کمی اور جہالت ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/14

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

جو کام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ کیا ہو اس کا کرنا کیسا

استفتاء نمبر: 14

اگر کوئی کام حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نہ کیا ہو تو کیا وہ کام کر سکتے ہیں؟

سائل: مولانا غضنفر صاحب آسٹریلیا

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ہر وہ کام جو حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ کیا ہو اور نہ ہی وہ کام ان کے مبارک دور میں ہو بلکہ بعد کے لوگوں نے کسی ضرورت کی وجہ سے اس کو ایجاد کیا تو اس کے جائز و ناجائز اور حلال و حرام ہونے کے حوالے سے ضابطہ یہ ہے کہ:

ہم اس نئے کام کو قرآن وسنت پر پیش کریں گے، اگر تو قرآن وسنت نے کسی بھی حوالے سے اس نئے کام کو ناجائز وحرام قرار دیا ہے تو بغیر کسی شک وشبہ کے وہ ناجائز وحرام ہے لیکن اگر قرآن وسنت نے اس کو ناجائز وحرام کہنے کے بجائے خاموشی اختیار کی ہے تو پھر وہ مسلمانوں کے لیے معاف ہے اور بحکمِ حدیث، لوگوں کو اِس معاملے میں بحث کرنا منع ہے۔

چنانچہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ

یعنی حلال وہ ہے جسے اللہ پاک نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ پاک نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس سے اللہ پاک نے خاموشی اختیار فرمائی ہے تو وہ اس میں سے ہے جسے اللہ پاک نے معاف کیا (یعنی اس پر کوئی شریعت کی طرف سے پکڑ نہیں بلکہ اس کا کرنا جائز ہے)۔

(سنن ترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الفِرَاء، صفحہ 434، رقم الحدیث 1726 :، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، مشکوۃ المصابیح، کتاب الاطعمہ، الفصل الثانی، صفحہ 170، المجلد الثانی، رقم الحدیث 4227 :(70)، مکتبۃ البشریٰ کراچی پاکستان، سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب اکل الجبن والسمن، صفحہ 547، رقم الحدیث 3367 :، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، المعجم الکبیر للطبرانی، المستدرک للحاکم، کتاب الاطعمہ، جلد 4، صفحہ 129، دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَ حَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں، پس تم ان کو ضائع مت کرو، کچھ چیزیں اس نے حرام کی ہیں، پس تم ان کا ارتکاب نہ کرو، اور اس نے کچھ حدود مقرر کی ہیں، پس تم ان حدود سے آگے نہ بڑھو، اور کچھ چیزوں سے بغیر بھولے خاموشی اختیار فرمائی ہے پس ان کے (حلال وحرام ہونے کے) بارے میں بحث نہ کرو۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثالث، المجلد الاول، صفحہ 62، رقم الحدیث 197 :(58) مکتبۃ البشریٰ کراچی پاکستان)

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ کوئی بھی چیز شریعت کے نزدیک اس وقت تک ناجائز وحرام نہیں ہوگی، جب تک قرآن اور سنت اس کے ناجائز وحرام ہونے کو بیان نہ کردیں۔

اور اگر غور کیا جائے تو انسانی زندگی میں ہزاروں چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے جائز و ناجائز اور حلال وحرام ہونے کے بارے میں قرآن وسنت خاموش ہیں لہذا جب تک ان چیزوں کے ناجائز وحرام ہونے پر کوئی دلیلِ شرعی قائم نہ ہوگی، اس وقت تک یہ چیزیں جائز اور مشروع ہوں گی اور ان کے جائز ہونے کے لیے ان احادیث کے علاوہ کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اور مشکوۃ المصابیح کی حدیث مبارکہ میں تو ایسی چیزوں کے حلال وحرام ہونے اور جائز و ناجائز ہونے کے متعلق گفتگو کرنے سے ہی منع کیا گیا ہے۔

اور اچھی باتیں اسلام میں ایجاد کرنے کی ترغیب تو خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و الہ و سلم نے ارشاد فرمائی ہے

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ، كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ وَلاَ يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ

یعنی جس نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا گیا تو اس کو اس پر عمل کرنے والے کی مثل اجر ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے اجر سے کچھ کم ہو۔

(صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنۃ حسنۃ او سیئۃ، و من دعا الی ھدی او ضلالۃ، صفحہ 1031، رقم الحدیث 1017 :، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

مطلب جو اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے وہ بڑے ثواب کا حقدار ہے .

اور علماء اسلام رحمۃ اللہ علیہم کا متفقہ قاعدہ ہے :

اَلْاَصْلُ فِي الْاَشْيَاءِ الْاِبَاحَةُ

تمام اشیاء میں اصل اباحت (یعنی جائز ہونا) ہے.

(ردالمحتار جلد 6 صفحہ 459 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس قاعدے کے اعتبار سے کوئی بھی چیز اس وقت تک ناجائز وحرام نہیں ہوسکتی جب تک قرآن وسنت اس کو ناجائز وحرام قرار نہ دیدے۔

فائدہ: لہٰذا اب اگر کوئی بھی شخص معمولاتِ اہلسنت (جیسے میلاد منانے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر اذان سے پہلے درود پڑھنے، نامِ مبارک سن کر انگوٹھے چومنے، مزارات پر حاضری دینے، ایصال ثواب کرنے اور گیارہویں شریف منانے وغیرہ) پر اعتراض کرے اور ان کو اپنی جہالت اور بیوقوفی سے ناجائز و گناہ قرار دے تو پریشان ہونے کی حاجت نہیں ہے بلکہ آپ

فوراً اس سے یہ سوال کریں کہ آپ کوئی واضح دلیل پیش کریں کہ ان کاموں کو قرآن وسنت نے ناجائز وحرام قرار دیا ہے کیونکہ حدیثِ مبارکہ کے مطابق کوئی بھی کام ناجائز وحرام نہیں ہوسکتا جب تک اللہ پاک اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ناجائز وحرام قرار نہ دیا ہو۔

پس جب معمولاتِ اہلسنت کو قرآن وسنت نے ناجائز قرار نہیں دیا (بلکہ ان کا ثبوت تو قرآن وسنت میں موجود ہے) تو ان کو اپنی رائے سے ناجائز وحرام قرار دینا اللہ پاک اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افتراء (جھوٹ) باندھنا اور بغیر علم کے فتوی دینا ہے اور جو بغیر علم کے فتوی دیتے ہیں ان کے لئے روایت میں آیا ہے:

"مَنْ اَفْتٰی بِغَیْرِ عِلْمٍ لَعَنَتْہُ مَلَآئِکَۃُ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ"

یعنی جو بغیر علم کے فتوی دے اس پر آسمان اور زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں.

(کنز العمال، جلد 10، رقم الحدیث 29014: مطبوعہ بیروت)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/21

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

حضرت جبرائیل امین کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خادم کہنا کیسا

استفتاء نمبر:15

کیا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم کہہ سکتے ہیں؟

سائل: عبد الرحمن عیسیٰ خیل

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جی ہاں! حضرت جبریل امین علیہ السلام کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خادم کہہ سکتے ہیں اور آپ علیہ السلام یقیناً نبی

پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہیں، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے خادم نہیں ہیں۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(حضرت جبرئیل علیہ السلام) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے کے خادم نہیں

(فتاوی رضویہ جلد 29 صفحہ 354 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/12

تصدیق وتصحیح:

1۔الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

2۔الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

معراج شریف کا انکار کرنے کا حکم

استفتاء نمبر:16

مِعراج شریف کا انکار کرنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟

سائل: محمد جمشید قادری

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق والصواب

سفرِ معراج کے تین حصے ہیں:

1۔اَسْرٰی:

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا رات کے چھوٹے سے حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک تشریف لے جانا "اَسْرٰی"

کہلاتا ہے۔

اَسْرٰی کا حکم:

اَسْرٰی قرآن پاک کی دلیلِ قطعی (یعنی یقینی دلیل) سے ثابت ہے لہذا اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

2—مِعْرَاج:

معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا آسمانوں کی سیر کرنا اور قُرب کی مَنازِل میں پہنچنا "معراج" کہلاتا ہے۔

معراج کا حکم:

معراج ایسی صحیح مشہور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے جو تواتر کی حد کو پہنچ گئی ہیں لہذا معراج کا انکار کرنے والا گمراہ ہے۔

3—اِعْراج یا عُرُوْج:

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سر کی آنکھوں سے حالتِ بیداری میں دیدارِ الٰہی کرنے اور عرش سے اوپر جانے کو "اعراج" یا "عروج" کہتے ہیں۔

اعراج یا عروج کا حکم:

اعراج یا عروج کا انکار کرنے والا خطاو غلطی پر ہے۔

چنانچہ شرح عقائد نسفیہ میں ہے:

فالاسراء و هو من المسجد الحرام الى البيت المقدس قطعي ثبت بالكتاب، (فمن انكره فهو كافر) والمعراج من الارض الى السماء مشهور (فمن انكره فهو ضالّ) و من السماء مشهور و من السماء الى الجنة او الى العرش او غير ذلك آحاد

یعنی پس اسراء اور وہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک یقینی ہے جو قرآن پاک سے ثابت ہے (پس جس نے اس کا انکار کیا وہ کافر ہے۔حاشیہ) اور معراج زمین سے آسمان تک مشہور یعنی مشہور احادیث سے ثابت ہے (پس جس نے اس کا انکار کیا وہ گمراہ ہے، حاشیہ) اور آسمان سے جنت تک یا عرش تک یا اس کے علاوہ کسی مقام تک آحاد یعنی احادیث آحاد سے ثابت ہے۔

(شرح العقائد النسفیہ مع حاشیہ جمع الفرائد صفحہ 316 مکتبۃ المدینہ کراچی)

شرح عقائد کی شرح النبراس میں ہے:

فالاسراء هو من المسجد الحرام الى البيت المقدس قطعي اى يقيني ثبت بالكتاب اى القرآن ويكفر منكره

یعنی پس مسجدِ حرام سے بیتُ المقدس تک کی سیر قطعی یعنی یقینی ہے کتاب یعنی قرآن پاک سے ثابت ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

(النبراس صفحہ 295)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/03/13

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

جسمانی معراج کے انکار کا شرعی حکم

استفتاء نمبر: 17

اگر کوئی جسمانی معراج کا انکار کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

سائل: عبدالرشید

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اکثر اہلِ اسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ معراج شریف حالتِ بیداری میں روح اور جسم دونوں کے ساتھ واقع ہوئی ہے اور آیات و اَحادیث سے بھی یہی سمجھ آتا ہے، لہذا اگر کوئی روحانی معراج کو تو مانے مگر جسمانی معراج کا انکار کرے تو وہ خطاء (غلطی) پر ہے.

چنانچہ صدرالافاضل حضرتِ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

معراج شریف بحالتِ بیداری جسم و روح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی، یہی جمہور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کثیر جماعتیں اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اجلہ اصحاب اسی کے معتقد ہیں۔

(خزائن العرفان صفحہ 451)

نسیم الریاض میں ہے:

(ذھب معظم السلف و المسلمین) عطف للعام علی الخاص و فیه اشارۃ الی ان خلافه لاینبغی لمسلم اعتقادہ (الی انه اسراء بالجسد) مع الروح (و فی الیقظة)

یعنی (اکابر علماء و مسلمین اس طرف گئے ہیں) یہ عام کا خاص پر عطف ہے اور اکابر علماء و مسلمین کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کے خلاف کا اعتقاد رکھنا کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و الہ و سلم نے سیر فرمائی جسم اور) روح کے ساتھ (اور بیداری کی حالت میں).

(نسیم الریاض جلد 3 صفحہ 99)

فتاوی رضویہ میں ہے:

ان عظیم وقائع نے معراج مبارک کا جسمانی ہونا بھی آفتاب سے زیادہ واضح کر دیا، اگر وہ کوئی روحانی سیر یا خواب تھا تو اس پر تعجب کیا؟ زید و عمرو خواب میں حرمین شریفین تک ہو آتے ہیں اور پھر صبح اپنے بستر پر ہیں، رؤیا کے لفظ سے استدلال کرنا اور ''اِلاَّ فِتْنَةً لِّلنَّاس'' نہ دیکھنا صریح خطا ہے. رؤیا بمعنی رویت (دیکھنے کے معنی میں) بھی آتا ہے اور فتنہ و آزمائش بیداری ہی میں ہے نہ کہ خواب میں، ولہذا ارشاد ہوا: (سبحن الذی اسری بعبدہ) ''یعنی پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو لے گیا

(فتاوی رضویہ جلد 29 صفحہ 635 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

تفسیر صراط الجنان میں ہے:

معراج شریف بحالتِ بیداری جسم و روح دونوں کے ساتھ واقع ہوئی، یہی جمہور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے اور اصحابِ رسول صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کی کثیر جماعتیں اور حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کے جلیل القدر صحابہ کرام رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اسی کے معتقد ہیں، آیات و اَحادیث سے بھی یہی سمجھ آتا ہے اور جہاں تک بیچارے فلسفیوں کا تعلق ہے جو علّت و مَعلول کے چکر میں پھنس کر عجیب و غریب شکوک و شُبہات کا شکار ہیں تو ان کے فاسد اَوہام محض باطل ہیں، قدرتِ الٰہی کے معتقد کے سامنے وہ تمام شبہات محض بے حقیقت ہیں۔

(تفسیرات احمدیہ، بنی اسرائیل، تحت الآیۃ 1: صفحہ 505، تفسیر روح البیان، الاسراء، تحت الآیۃ 1: جلد 5 صفحہ 104، خزائن العرفان، بنی اسرائیل، تحت الآیۃ: 1، صفحہ 525، ملتقطاً)

(تفسیر صراط الجنان، سورۃ بنی اسرائیل، تحت الآیۃ 1: جلد 5 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/03/13

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

غیر نبی کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھنا یا کہنا کیسا

استفتاء نمبر:18

غیرِ نبی کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" پڑھنا یا لکھنا کیسا ہے؟

سائل: عبدالرحمٰن عیسیٰ خیل میانوالی پنجاب پاکستان

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

انبیائے کرام علیہم السلام اور فرشتوں کے علاوہ کسی اور کے نام کیساتھ اِسْتِقْلَالاً (یعنی ابتدء) "علیہ السلام" پڑھنا یا لکھنا شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ ایک تو اسلاف علمائے کرام نے "علیہ السلام" کو انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور دوسرا انبیائے کرام علیہم السلام اور فرشتوں کے علاوہ کے ساتھ ابتداء علیہ السلام کہنا اہلِ بدعت کا شعار (یعنی ان کی علامت) ہے، البتہ انبیائے کرام علیہم السلام اور فرشتوں کی تَبْعِیَّت میں "علیہ السلام" پڑھنا یا لکھنا جائز ہے (یعنی پہلے کسی نبی علیہ السلام یا کسی فرشتے کا ذکر ہوا تو اس کے بعد غیر نبی و غیر فرشتے کے ساتھ "علیہ السلام" پڑھنا یا لکھنا جائز ہے۔)

جیسے "حضرت ابوبکر عَلٰی نَبِیِّنَا وَ عَلَیْہِ السَّلَام" (یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلام ہو) کہنا جائز ہے اور کسی نبی یا فرشتے کا پہلے ذکر کیے بغیر ڈائریکٹ "ابوبکر علیہ السلام" کہنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولا یصلی علی غیر الانبیاء ولا علی غیر الملائکۃ الا بطریق التبع

یعنی انبیائے کرام علیہم السلام اور فرشتوں کے علاوہ پر درود نہیں بھیجا جائے گا مگر بطورِ تبعیت کے۔

اس کے تحت عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و أما السلام فنقل اللقانی فی شرح جوهرة التوحيد عن الامام الجوينی أنه فی معنی الصلاة، فلا يستعمل فی الغائب و لا يفرد به غير الأنبياء، فلا يقال علی عليه السلام و سواء فی هذا الأحياء والأموات و الظاهر أن العلة فی منع السلام ما قاله النووی فی علة منع الصلاة أن ذلك شعار أهل البدع و لأن ذلك مخصوص فی لسان السلف بالأنبياء عليهم السلام

یعنی اور بہر حال سلام تو امام لقانی نے امام "شرح جوھرۃ التوحید" میں امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ بے شک سلام درود کے معنی میں ہے، پس اسے غائب میں استعمال نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے انبیائے کرام علیھم السلام کے علاوہ کو الگ کیا جائے گا، پس "علی علیہ السلام" نہیں کہا جائے گا، اور اس حکم میں زندہ اور وفات پانے والے سب برابر ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ سلام کے منع ہونے کی علت وہ ہے جسے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے صلوۃ کے منع ہونے کی علت میں نقل کیا ہے کہ بے شک یہ اہلِ بدعت کا شعار ہے، اور اس لیے کہ یہ سلف کی زبان میں انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الخنثی، فصل فی مسائل شتی، جلد 10 صفحہ 518 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت "لان ذلك" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

اقول هكذا نص علی التعليل به فی "الغنية" عند شرح خطبة "المنية" و صرح ان افراد غير الانبياء بالسلام ابتداع واجب الاجتناب و صرح علی القاری فی "شرح الفقه الاكبر" (ان قول عليه السلام لسيدنا علی كرم الله وجهه من شعار الروافض (اهل البدعة). قلت: واذ قد انعقد الاجماع علی منعه فلا معنی لارتكابه

یعنی میں (امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں: اس کی تعلیل پر ایسے ہی صراحت ہے "المنیہ" کے خطبے کی شرح کرتے وقت "الغنیہ" میں، اور انہوں نے صراحت فرمائی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کو سلام کے ساتھ الگ ذکر کرنا بدعت اور اس سے بچنا واجب ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح الفقہ الاکبر" میں صراحت کی ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجھہ کے

لئے ''علیہ السلام'' کہنا روافض (اہلِ بدعت) کے شعار میں ہے۔

میں (امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں:

اور جب تحقیق اس کی ممانعت پر اجماع منعقد ہو چکا تو اس کے ارتکاب کی کوئی علت نہیں ہے۔

(جدّ الممتار علی رد المحتار جلد 7 صفحہ 241 مکتبۃ المدینہ کراچی)

شرح فقہِ اکبر میں ہے:

أنه قوله علی علیه السلام من شعار أهل البدعة

یعنی بے شک اس کا ''علی علیہ السلام'' کہنا اہل بدعت کے شعار میں سے ہے۔

(شرح الفقه الأکبر 167 قدیمی کتب خانہ کراچی)

1—علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و قال ابو حنیفة و اصحابه و مالك و الشافعي و الا کثرون انه لایصلی علی غیر الانبیاء علیهم الصلوة و السلام استقلالا. فلایقال اللهم صل علی ال ابی بکر او علی ال عمر او غیرهما ولکن یصلی علیهم تبعا

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام مالک، امام شافعی اور اکثر علماء رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا:

انبیائے کرام علیہم السلام کے غیر پر استقلالاً درود نہیں بھیجا جا سکتا، پس یہ نہیں کہا جا سکتا:

اللهم صل علی ال ابی بکر ۔ یا۔ اللهم صل علی ال عمر

وغیرہ، لیکن ان پر (انبیائے کرام علیہم السلام کے) تابع کر کے درود بھیجا جا سکتا ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، جلد 6 صفحہ 556 بیروت)

2—سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

صلوۃ وسلام بالاستقلال انبیاء وملائکہ علیہم السلام کے سوا کسی کے لیے روا (جائز) نہیں، ہاں بہ تبعیت جائز جیسے اللهم صل و سلم علی سیدنا و مَولینا محمد و علی ال سیدنا و مولینا محمد اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیلیے رضی اللہ تعالٰی عنه کہا جائے، اولیاء وعلماء کو رحمۃ اللہ تعالی علیہم یا قُدِّسَتْ اَسْرَارُهُمْ اور اگر (اولیاء وعلماء کے ناموں کے ساتھ) رضی اللہ تعالی عنہم کہے، جب بھی کوئی مضائقہ (حرج) نہیں۔"

(فتاوی رضویہ جلد 23 صفحہ 390 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

3—صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کسی کے نام کیساتھ ''علیہ السلام'' کہنا، یہ انبیاء و ملائکہ علیھم السلام کے ساتھ خاص ہے۔ مثلاً موسیٰ علیھم السلام، جبرائیل علیھم السلام۔ نبی اور فرشتہ کے سوا کسی دوسرے کے نام کے ساتھ یوں نہ کہا جائے۔

(بہارِ شریعت جلد 3 صفحہ 465 مکتبۃ المدینہ کراچی)

4—فقیہِ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، جمہور علماء کا مذھب یہ کہ استقلالا و ابتداءً نہیں جائز اور اتباعا جائز ہے یعنی امام حسین علیہ السلام کہنا جائز نہیں ہے اور امام حسین علی نَبِیِّنَا وعلیہ السَّلَامُ (یعنی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر اور امام حسین رضی اللہ عنہ پر سلام ہو، یہ کہنا) جائز ہے۔

(فتاویٰ فیض الرسول جلد 1 صفحہ 267 شبیر برادرز لاہور)

جب "فتاوی امجدیہ" میں صدرُ الشَّر یعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ علیہ سے یہ سُوال ہوا کہ:

یاحُسین عَلَیہِ السَّلَام کہنا جائز ہے یا نہیں اور ایسا لکھنا بھی کیسا ہے اور پکارنا کیسا ہے؟

تو آپ نے جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

یہ سلام جو نام کے ساتھ ذِکر کیا جاتا ہے یہ (یعنی یہ عَلَیہِ السَّلَام کہنا، لکھنا) سلام تَحِیَّت (یعنی ملاقات کا سلام) نہیں جو باہم ملاقات کے وَقت کہا جاتا ہے یا کسی ذَرِیعہ سے کہلایا جاتا ہے بلکہ اس (یعنی عَلَیہِ السَّلَام) سے مقصود صاحِب اِسم (یعنی جس کا نام ہے اُس) کی تعظیم ہے۔

عُرفِ اَہلِ اسلام نے اس سلام (یعنی عَلَیہِ السَّلَام لکھنے بولنے) کو انبیاء و ملائکہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ مَثَلاً حضرتِ ابراھیم عَلَیہِ السَّلَام حضرتِ موسیٰ عَلَیہِ السَّلَام حضرتِ جبرئیل عَلَیہِ السَّلَام حضرتِ میکائیل عَلَیہِ السَّلَام۔ لہٰذا غیرِ نبی و مَلَک (یعنی نبی اور فرشتے کے علاوہ) کے نام کے ساتھ عَلَیہِ السَّلَام نہیں کہنا چاہئے

(فتاویٰ امجدیہ جلد 4 صفحہ 243،244، 245 مکتبہ رضویہ کراچی)

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین امجدی قادری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوۃ و سلام بھیجنے کے بعد تبعاً دوسرے لوگوں پر بھی درود پڑھنا جائز ہے۔"

(وقار الفتاویٰ جلد اول صفحہ 134 ناشر بزم وقار الدین)

نوٹ: غیرِ نبی اور غیرِ فرشتہ پر سلام اور درود کا ایک ہی حکم ہے۔

چنانچہ امام حافظ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال الشیخ ابو محمد الجوینی من ائمۃ اصحابنا :السلام فی معنی الصلوۃ

یعنی ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

(اس حکم میں) سلام، صلوۃ (درود) کے معنی میں ہے۔

(شرح صحیح مسلم، باب الدعا لمن اتی بصدقتہ، جلد 4 صفحہ 185، الجزء السابع)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و أما السلام فنقل اللقانی فی شرح جوھرۃ التوحید عن الامام الجوینی أنہ فی معنی الصلاۃ

یعنی اور بہر حال سلام تو امام لقانی نے امام "شرح جوھرۃ التوحید" میں امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ بے شک سلام درود کے معنی میں ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الخنثی، فصل فی مسائل شتی، جلد 10 صفحہ 518 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/01/23

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

جاسوسی کے لیے کفار کا حلیہ بنانا

استفتاء نمبر:19

مسلمانوں اور بالخصوص پاکستانی ایجنسیوں میں موجود فوج کے جوان اور اس میں شامل افراد اپنے ملک اور اسلام کے تحفظ کے لئے داڑھی وغیرہ کو صاف کر دیتے ہیں اور ان کے مندروں میں اپنی ساری زندگی گزار دیتے ہیں اور ظاہری صورت میں پنڈت، پادری

وغیرہ اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں حالانکہ دل سے وہ مکمل اسلام پر قائم و دائم ہوتے ہیں، اس کے بارے میں شرعاً ہماری رہنمائی فرمائیں؟

سائل :راشد محمود ٹیچر میانوالی

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

بعض اعمال جو کفر کی علامت ہوتے ہیں جیسے زُنّار باندھنا (زنار اس دھاگے یا ڈوری کو کہتے ہیں جو ہندو گلے سے بغل کے نیچے تک ڈالتے ہیں، اور عیسائی، مجوسی اور یہودی کمر میں باندھتے ہیں)، قَشْقَہ لگانا (قشقہ سے مراد پیشانی پر صندل یا زعفران کے دو نشانات، ٹیکا، تلک ہے جو ہندو ماتھے پر لگاتے ہیں)، سر پر چُٹیا رکھنا (چٹیا سے مراد وہ چند بال ہوتے ہیں جو ہندو بچے کے سر پر منت مان کر رکھتے ہیں) وغیرہ، اگر مسلمان ایسے افعال کا ارتکاب کسی غرضِ مقبول کے بغیر کرے تو فقہائے کرام ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں۔

البتہ اگر کوئی مسلمان واقعی کسی غرضِ مقبول جیسے مسلمانوں اور اسلام کے تحفظ کے لئے کفار کے حالات معلوم کرنے کے لئے کفار کی وضع اختیار کرتا ہے تو یہ کفر نہیں ہے بلکہ شرعاً جائز ہے جیسے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے بعض فتوحات میں رومیوں کے لباس پہن کر اپنا حلیہ انہی کفار جیسا بنا کر کفار کی بھاری جماعتوں پر غلبہ حاصل کیا اور سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں دو عالموں نے یورپی کفار کی پیدا کردہ آگ کو پادریوں کا حلیہ اپنا کر بُجھا دیا۔

چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے :

عبادة الصنم كفر ـ و كذا لو تزَنَّرَ بزنار اليهود و النصاری دخل كنيستهم او لم يدخل

یعنی بت کی عبادت کرنا کفر ہے۔ اور اسی طرح (حکمِ کفر) ہے اگر کسی نے یہودیوں یا عیسائیوں کا زنار گلے میں باندھا، خواہ ان کے گرجے میں داخل ہو یا نہ داخل نہ ہو۔

(الاشباہ والنظائر فی الفقہ الحنفی ،الفن الثانی، کتاب السیر ، باب الردۃ،صفحہ 190 ،قدیمی کتب خانہ کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قشقہ ضرور شعارِ کفر و منافیِ اسلام ہے جیسے زُنار، بلکہ اس سے زائد کہ وہ جسم سے جدا ایک ڈورا ہے جو اکثر کپڑوں کے نیچے چھپا رہتا ہے اور یہ خاص بدن پر اور بدن میں بھی کہاں چہرے پر، اور چہرے میں کس جگہ ماتھے پر جو ہر وقت چمکے اور دور سے کھلے حرفوں میں منہ پر لکھا دکھائے کہ هذا من الكافرين

(فتاوی رضویہ جلد 14 صفحہ 393 رضافاؤنڈیشن لاہور)

مزید ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

ماتھے پر قشقہ تِلک لگانا یا کندھے پر صلیب رکھنا کفر ہے

(فتاوی رضویہ جلد 24 صفحہ 549 رضافاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یوہیں بعض اعمال کفر کی علامت ہیں، جیسے زُنّار باندھنا، سر پر چوٹیا رکھنا، قَشْقَہ لگانا، ایسے افعال کے مرتکب کو فقہائے کرام کافر کہتے ہیں۔ تو جب ان اعمال سے کفر لازم آتا ہے تو ان کے مرتکب کو ازسرِ نو اسلام لانے اور اس کے بعد اپنی عورت سے تجدیدِ نکاح کا حکم دیا جائے گا

(بہار شریعت جلد 1 حصہ اول صفحہ 176 مکتبۃ المدینہ کراچی)

علامہ محدث ملا علی بن سلطان محمد قاری حنفی المعروف مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و ان شدّ المسلم الزنار و دخل دار الحرب للتجارة کفر :ای لانه تلبس بلباس کفر من غیر ضرورة ملجئة ولا فائدة مترتبة، بخلاف من لبسها لتخلیص الاساری

یعنی اور اگر مسلمان زنار باندھا اور دار الحرب میں تجارت (کاروبار) کیلئے داخل ہوا تو کافر ہوجائے گا یعنی اس لئے کہ اس نے بغیر کسی شدید مجبوری کے اور بغیر کسی ترتب فائدہ کے کفر کا لباس پہنا، بخلاف اس شخص کے جس نے قیدیوں کو آزاد کرانے کے لئے کفر کا لباس (حیلے کے طور پر) پہنا۔

(منح الروض الازہر علی الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ صفحہ 185 قدیمی کتب خانہ کراچی)

خلاصہ میں ہے:

لو شد الزنار علی وسطه و دخل دار الحرب لتخلیص الأُسارٰی لایکفر و لو دخل لاجل التجارة یکفر ذکره القاضی الامام ابو جعفر الاستروشنی

یعنی اگر کوئی شخص اپنی کمر میں زُنّار باندھے اور قیدیوں کو چھڑانے کے لئے دارُ الحرب میں داخل ہو تو کافر نہیں ہوگا اور اگر اس مدت میں تجارت کے لئے جائے تو کافر ہوجائے گا، امام ابو جعفر استروشنی نے اس کو ذکر کیا ہے۔

(خلاصۃ الفتاوی، کتاب الفاظ الکفر، الفصل الثانی، المجلس السادس، جلد 4 صفحہ 387 مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ)

ملتقط میں ہے:

اذا شد الزنار او اخذ الغل او لبس قلنسوة المجوسی جادا او ھازلا یکفر الا اذا فعل خدیعة فی الحرب

یعنی جب کسی شخص نے زُنّار باندھایا گلے میں کوئی طوق لیایا آتش پرستوں کی ٹوپی پہنی خواہ سنجیدگی کے ساتھ یا ہنسی مذاق کے طور پر تو کافر ہو گیا مگر جنگ میں دھوکہ دینے کے لئے (بطورِ تدبیر) ایسا کرے تو کافر نہ ہوگا۔

(منح الروض الازھر علی الفقہ الاکبر،فصل فی الکفر صریحاو کنایۃ صفحہ 185 قدیمی کتب خانہ کراچی)

بحر الرائق میں ہے:

(یکفر) بوضع قلنسوة المجوسی علی راسه علی الصحیح الا لضرورة دفع الحر او البرد، و بشد الزنار فی وسطه الا اذا فعل ذلك خدیعة فی الحرب و طلیعة للمسلمین

یعنی اور آتش پرستوں کی ٹوپی کو اپنے سر پر رکھنے کی وجہ سے (کافر ہو جائے گا) مگر گرمی یا سردی کو دور کرنے کی ضرورت کی وجہ سے ہو (تو کافر نہ ہوگا) اور کمر میں زنار باندھنے سے کافر ہو جائے گا مگر جبکہ جنگ میں کفار کو مغالطہ اور دھوکا دینے کے لئے ایسا کرے یا لشکرِ اسلام سے کفار کے حالات معلوم کرنے کے لئے پہلے جائے (اور زنار باندھ لے تو کافر نہ ہوگا)۔

(بحر الرائق، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، جلد 5 صفحہ 208 دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اس جنسِ مسائل میں حقِ تحقیق و تحقیقِ حق یہ ہے کہ تشبہ دو وجہ پر ہے:

التزامی ولزومی:

التزامی یہ ہے کہ یہ شخص کسی قوم کے طرز و وضع خاص اسی قصد سے اختیار کرے کہ ان کی سی صورت بنائے، ان سے مشابہت حاصل کرے، حقیقۃً تشبہ اسی کا نام ہے:

فان معنی القصد و التکلف ملحوظ فیه کما لا یخفی

اس لئے کہ قصد اور تکلف کے مفہوم کا اس میں لحاظ رکھا گیا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

اور لزومی یہ کہ اس کا قصد تو مشابہت کا نہیں مگر وہ وضع اُس قوم کا شعار خاص ہو رہی ہے کہ خواہی نخواہی مشابہت پیدا ہوگی۔

التزامی میں قصد کی تین صورتیں ہیں:

اول یہ ہے کہ اس قوم کو محبوب ومرضی جان کر اُن سے مشابہت پسند کرے، یہ بات اگر مبتدع کے ساتھ ہو، بدعت ہے اور کفّار کے ساتھ معاذ اللہ کفر،

حدیث :"من تشبہ بقوم فھو منھم"

جوکسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب لبس الشہرۃ، جلد 2 صفحہ 203 آفتاب عالم پریس لاہور)

دوسری صورت کسی غرضِ مقبول کی ضرورت سے اسے اختیار کرے، وہاں اس وضع کی شناعت اور اس غرض کی ضرورت کا موازنہ ہوگا، اگر ضرورت غالب ہو تو بقدرِ ضرورت کا، وقتِ ضرورت کا یہ تشبیہ کفر کیا معنی،

ممنوع بھی نہ ہوگا جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم سے مروی کہ بعض فتوحات میں مقتول رومیوں کے لباس پہن کر بھیس بدل کر کام فرمایا اور اس ذریعہ سے کفارِ اشرار کی بھاری جماعتوں پر باذن اللہ غلبہ پایا، اسی طرح سلطان مرحوم صلاح الدین یوسف انار اللہ تعالٰی برھانہ کے زمانے میں جبکہ تمام کفارِ یورپ نے سخت شورش مچائی تھی دو عالموں نے پادریوں کی وضع بنا کر دورہ کیا اور اس آتشِ تعصب کو بجھا دیا۔

سوم نہ تو انہیں اچھا جانتا ہے نہ کوئی ضرورت شرعیہ اس پر حامل ہے بلکہ کسی نفع دنیوی کے لئے یا یوہیں بطورِ ہزل واستہزاء اس کا مرتکب ہوا تو حرام وممنوع ہونے میں شک نہیں اور اگر وہ وضع ان کفار کا مذہبی دینی شعار ہے جیسے زنار، قشقہ، چٹیا، چلیپا، تو علماء نے اس صورت میں بھی حکمِ کفر دیا کما سمعت انفا (جیسا کہ تم نے ابھی سنا) اور فی الواقع صورت استہزاء میں حکمِ کفر ظاہر ہے کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں) اور لزومی میں بھی حکمِ ممانعت ہے جبکہ اکراہ وغیرہ مجبوریاں نہ ہوں جیسے انگریڑی منڈا، انگریزی ٹوپی، جاکٹ، پتلون، الٹا پردہ، اگرچہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی نہیں مگر آخر شعار ہیں تو ان سے بچنا واجب اور ارتکاب گناہ۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد 24 صفحہ 530,531,532 ملتقطاً رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/22

تصدیق و تصحیح:

1۔الجواب صحیح،

مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی۔

2۔الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

ناصبی کی تعریف، فی زمانہ اہلسنت کو ناصبی کہنے والے کون

استفتاء نمبر:20

ناصبی کی تعریف، فی زمانہ، اہلسنت کو ناصبی کہنے والے کون لوگ ہیں؟

سائل: سلیم سلطانی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

ناصبی ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بغض کو اپنا دین بنالیا ہے جس کی بناء پر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تبرا کرتے ہیں اور ان کو اور ان کی اولادِ پاک کو گالیاں دیتے ہیں تو چونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولادِ پاک کی دشمنی کو اپنا دین بنالیا ہے تو اسی لئے ان کو "ناصبی" کہا جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إنما كنا نعرف منافقي الأنصار ببغضهم عليا

بے شک ہم منافقینِ انصار کو بغضِ علی رضی اللہ عنہ سے پہچانتے تھے۔

(فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل جلد 2، صفحہ 579 ح 979)

امام حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

هو الانحراف عن علي و آل بيته

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ بیت سے انحراف کرنا (کنارہ کرنا) ناصبیت ہے.

(فتح الباری جلد 10 صفحہ 420)

تفسیر کشاف اور تفسیر روح المعانی میں ہے :

بغض علي وعداوته

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بغض اور ان کی دشمنی "ناصبیت" ہے۔

(الکشاف جلد 4 صفحہ 777، تفسیر روح المعانی 30:172)

علامہ امام ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

النواصب :قوم يتدينون ببغضة علي

یعنی نواصب ایسی قوم ہے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بغض کو اپنا دین بنالیا ہے۔

(لسان العرب صفحہ 4437 دار المعارف)

اور اسی قول کو سیرت نگار ابن اسید الناس اور فیروز آبادی نے بھی اختیار کیا ہے۔

ابن تیمیہ جو کہ غیر مقلد وہابیہ کا ممدوح ہے، وہ لکھتا ہے:

النواصب :الذين يوذون اهل البيت بقول وعمل

نواصب وہ لوگ ہیں جو اپنے قول اور فعل کے ساتھ اہلِ بیت کو تکلیف دیتے ہیں۔

(مجموع الفتاوی جلد 3 صفحہ 154)

نوٹ: فی زمانہ اہل سنت و جماعت کو ناصبی کہنا روافض کا شعار ہے کہ جو ان کے مذھب پر نہ ہو یا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو فضیلت دیتا ہو تو وہ ان کے مذہب کے مطابق ناصبی ہے۔

بطورِ ثبوت شیعہ کتب کے چند حوالے تحریر کیے جاتے ہیں:

1۔ فضیل کہتا ہے:

میں نے امام جعفر سے پوچھا کہ کیا سنی مرد شیعہ عورت سے نکاح کرسکتا ہے؟

فرمایا: نہیں! خدا کی قسم شیعہ عورت ناصبی (سنی) کیلئے حلال نہیں۔

(فروع جلد 5 صفحہ 350)

2۔ فضیل کہتا ہے کہ میں نے امام باقر سے پوچھا:

کیا میں سنی سے شیعہ عورت کا نکاح پڑھا سکتا ہوں؟

فرمایا : بالکل نہیں کیونکہ ناصبی کافر ہے۔

(تہذیب جلد 7 صفحہ 303)

3—ابن ادریس نے کتاب سرائر میں کتاب مسائل محمد عیسیٰ سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضرت علی نقی کی خدمت میں سوال لکھا کہ ہم ناصبی کے جاننے اور پہچاننے کے اس سے زیادہ محتاج ہیں کہ حضرت امیر المومنین پر ابوبکر اور عمر کو مقدم جانے اور ان کی امامت کا اعتقاد رکھے۔

توحضرت نے جواب میں فرمایا:

ہر کہ ایں اعتقاد داشتہ باشد او ناصبی است

ہر شخص جو یہ اعتقاد رکھتا ہے، وہ ناصبی ہے۔

(حق الیقین از ملا باقر مجلسی صفحہ 834)

اسی لیے ہمارے کئی اکابر علماء کرام نے فرمایا کہ جو سنیوں کو ناصبی کہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ ایسا شخص رافضی ہے۔

چنانچہ امام علی مدینی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

من قال فلان ناصبی علمنا انه رافضی

یعنی جس نے کہا کہ فلاں (سنی) ناصبی ہے، تو ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ بے شک وہ رافضی ہے۔

(شرح عقائد اھل السنۃ جلد 1 صفحہ 166)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

19/08/2020

تصدیق وتصحیح:

1—ناصبی کی تعریف کے متعلق آپ کا یہ فتویٰ درست ہے، بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

2—الجواب صحیح والمجیب نجیح،

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

ابوطالب کو حضرت ابوطالب کہنا کیسا ہے

استفتاء نمبر:21

حضور نبی کریم کے چچا ابوطالب کے لیے لفظِ حضرت کہنا کیسا ہے؟

سائلہ: ام عنایہ عطاریہ کراچی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب کی موت چونکہ کفر پر ہوئی اس لیے ابوطالب کو حضرت ابوطالب کہنے کی اجازت نہیں ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ صحیحہ متوافرہ متظافرہ سے ابوطالب کا کفر پر مرنا اور دم واپسیں ایمان لانے سے انکار کرنا اور عاقبت کار اصحابِ نار سے ہونا ایسے روشن ثبوت سے ثابت، جس سے کسی سنی کو مجالِ دم زدن نہیں

(فتاوی رضویہ جلد 29 صفحہ 661 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

فقیہِ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ابوطالب کو حضرت ابوطالب کہنے کی اجازت نہیں، اس لیے کہ ان کی موت کفر پر ہوئی''

(فتاویٰ فیض الرسول جلد 3 صفحہ 358 شبیر برادرز لاہور)

شارحِ بخاری فقیہِ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ابوطالب کے ایمان اور عدمِ ایمان میں اختلاف ہے۔ بعض روایاتِ ضعیفہ کی بنا پر کچھ لوگ ابوطالب کو مسلمان کہتے ہیں، اگرچہ صحیح یہی ہے کہ ابوطالب ایمان سے محروم رہے۔ اس لیے جو ابوطالب کو مسلمان کہتا ہے، وہ خاطی ہے۔

(فتاویٰ شارح بخاری جلد دوم صفحہ 50 مکتبہ برکات المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/09/03

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

بد مذہبوں کی صحبت اختیار کرنا اور ان کے ساتھ کھانا پینا کیسا

استفتاء نمبر:22

بد مذہبوں کی صحبت اختیار کرنا، ان کے ساتھ کھانا پینا کیسا ہے؟

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب،اللھم ھداية الحق و الصواب

سائلہ ام عمارہ عطاریہ مدنیہ عیسیٰ خیل ضلع میانوالی

بد مذھبوں کی صحبت اختیار کرنا، ان کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، ان کے بیانات سننا، ان کی کتابیں پڑھنا وغیرہ امور شرعاً ممنوع ہیں اور ایمان کیلیے زہرِ قاتل ہیں۔

چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖؕ-وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

ترجمہ:اور اے سننے والے جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب تک اور بات میں پڑیں اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

(پارہ 7،سورۃ الانعام آیت 68)

تفسیر صراط الجنان میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا

جو ہماری آیتوں میں بیہودہ گفتگو کرتے ہیں۔

اِس آیتِ مبارکہ میں کافروں، بے دینوں کی صحبت میں بیٹھنے سے منع کیا گیا اور فرمایا کہ ان کے پاس نہ بیٹھو اور اگر بھول کر بیٹھ جاؤ تو یاد آنے پر اٹھ جاؤ۔

بد مذہبوں کی محفلوں میں جانے اور ان کی تقاریر سننے کا شرعی حکم:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے دینوں کی جس مجلس میں دین کا احترام نہ کیا جاتا ہو، مسلمان کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں۔

اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کفار اور بے دینوں کے جلسے جن میں وہ دین کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، ان میں جانا، شرکت کرنا جائز نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

آخری زمانہ میں جھوٹے دجال ہوں گے جو تمہارے پاس وہ احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنیں، نہ تمہارے باپ داداؤں نے، ان کو اپنے اور اپنے کو ان سے دور رکھو، وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

(مسلم، باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملہا، صفحہ 9، رقم الحدیث 7 :)

البتہ علماء جو ان بدمذہبوں کا رد کرنے کیلئے جاتے ہیں، وہ اِس حکم میں داخل نہیں۔

یاد رہے کہ بدمذہبوں کی محفل میں جانا اور ان کی تقریر سننا ناجائز و حرام اور اپنے آپ کو بدمذہبی و گمراہی پر پیش کرنے والا کام ہے۔

ان کی تقاریر آیاتِ قرآنیہ پر مشتمل ہوں، خواہ احادیثِ مبارکہ پر، اچھی باتیں چُننے کا زعم (گمان) رکھ کر بھی انہیں سننا ہرگز جائز نہیں۔

عین ممکن بلکہ اکثر طور پر واقع ہے کہ گمراہ شخص اپنی تقریر میں قرآن و حدیث کی شرح و وضاحت کی آڑ میں ضرور کچھ باتیں اپنی بدمذہبی کی بھی ملا دیا کرتے ہیں، اور قوی خدشہ بلکہ وقوع کا مشاہدہ ہے کہ وہ باتیں تقریر سننے والے کے ذہن میں راسخ ہو کر دل میں گھر کر جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ گمراہ و بے دین کی تقریر و گفتگو سننے والا عموماً خود بھی گمراہ ہو جاتا ہے۔

ہمارے اسلاف اپنے ایمان کے بارے میں بے حد محتاط ہوا کرتے تھے، لہٰذا باوجود یہ کہ وہ عقیدے میں انتہائی مُتَصَلِّب و پختہ ہوتے پھر بھی وہ کسی بدمذہب کی بات سننا ہرگز گوارا نہ فرماتے تھے اگرچہ وہ سو بار یقین دہانی کراتا کہ میں صرف قرآن و حدیث بیان کروں گا۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت، امام اہلسنّت، مولانا شاہ امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ اس بارے میں اسلاف کا عمل نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

سیدنا سعید بن جبیر شاگردِ عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو راستہ میں ایک بدمذہب ملا۔

کہا: کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

فرمایا: میں سننا نہیں چاہتا۔

عرض کی: ایک کلمہ۔

اپنا انگوٹھا چھنگلیا کے سرے پر رکھ کر فرمایا:

"وَلَا نِصْفَ كَلِمَةٍ"

یعنی آدھا لفظ بھی نہیں۔

لوگوں نے عرض کی:

اس کا کیا سبب ہے؟

فرمایا: یہ ان میں سے ہے یعنی گمراہوں میں سے ہے۔

امام محمد بن سیرین شاگردِ انس رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس دو بدمذہب آئے۔

عرض کی: کچھ آیاتِ کلام اللہ آپ کو سنائیں!

فرمایا: میں سننا نہیں چاہتا۔

عرض کی: کچھ احادیثِ نبی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ سنائیں!

فرمایا: میں سننا نہیں چاہتا۔ انہوں نے اصرار کیا۔

فرمایا: تم دونوں اٹھ جاؤ یا میں اٹھ جاتا ہوں۔

آخر وہ خائب و خاسر چلے گئے۔

لوگوں نے عرض کی:

اے امام! آپ کا کیا حرج تھا اگر وہ کچھ آیتیں یا حدیثیں سناتے؟

فرمایا: میں نے خوف کیا کہ وہ آیات و احادیث کے ساتھ اپنی کچھ تاویل لگائیں اور وہ میرے دل میں رہ جائے تو ہلاک ہو جاؤں۔

پھر فرمایا: "ائمہ کو تو یہ خوف اور اب عوام کو یہ جرأت ہے،

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

دیکھو! امان کی راہ وہی ہے جو تمہیں تمہارے پیارے نبی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے بتائی:

"إِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ"

ان (بدمذہبوں) سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ دیکھو!

نجات کی راہ وہی ہے جو تمہارے رب عَزَّوَجَل نے بتائی:

"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ"

یاد آئے پر پاس نہ بیٹھ ظالموں کے۔

بھولے سے ان میں سے کسی کے پاس بیٹھ گئے ہو تو یاد آنے پر فوراً کھڑے ہو جاؤ۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 15 صفحہ 106، 107 رضا فاونڈیشن لاہور ملخصاً)

ایک اور مقام پر اللہ پاک ارشاد فرمایا:

"وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ"

ترجمہ اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی نہیں پھر مدد نہ پاؤ گے۔

(پارہ 12، سورۃ الھود 113 :)

آیتِ مبارکہ میں جھکنے کا معنیٰ "قلبی جھکاؤ" ہے اور جب قلبی جھکاؤ پر اتنی سخت وعید ہے تو کافروں کے ساتھ تعلقات کی اُن صورتوں میں کیا حال ہوگا جو قلبی میلان سے بڑھ کر ہیں۔ یاد رہے کہ اگر طبعی میلان، غیر اختیاری ہو تو وہ اس آیت مبارکہ کے حکم میں داخل نہیں۔

جیسا کہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے تحریر فرمایا:

مگر طبعی میلان جیسے ماں باپ، اولاد یا خوبصورت بیوی کی طرف ہوتا ہے، اس کی جو صورت غیر اختیاری ہو وہ اس حکم کے تحت داخل نہیں، پھر بھی اس تصور سے کہ یہ اللہ و رسول کے دشمن ہیں، ان سے دوستی حرام ہے اور اپنی قدرت کے مطابق اُسے دبانا یہاں تک کہ بن پڑے تو فنا کر دینا لازم ہے۔ (میلان کا) آنا بے اختیار تھا اور (اس کا) جانا یعنی اسے زائل کرنا قدرت میں ہے تو (اس میلان کو) رکھنا اختیارِ موالات ہوا اور یہ حرامِ قطعی ہے، اسی وجہ سے جس غیر اختیاری (میلان) کے مبادی (یعنی ابتدائی افعال) اس نے باختیار پیدا کئے تو اس میں معذور نہ ہوگا، جیسے شراب کہ اس سے عقل زائل ہو جانا اس کا اختیاری نہیں مگر جبکہ اختیار سے پی تو عقل کا زائل ہو جانا اور اس پر جو کچھ مرتب ہو سب اسی کے اختیار سے ہوا۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 14 صفحہ 465، 466 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک کے نافرمانوں کے ساتھ یعنی کافروں، بے دینوں، گمراہوں اور ظالموں کے ساتھ بلا ضرورت میل جول، رسم و راہ، قلبی میلان اور محبت، ان کی ہاں میں ہاں ملانا اور ان کی خوشامد میں رہنا ممنوع ہے۔

ابن حبان، طبرانی اور عقیلی کی حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ آقا دوعالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا تؤاکلوھم و لاتشاربوھم و لا تجالسوھم و لا تناکحوھم و اذا مرضوا فلا تعودھم و اذا ماتوا

فلا تشھدوھم و لا تصلوا علیھم و لا تصلوا معھم

یعنی ان (بدمذھبوں) کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان کے ساتھ رشتہ مت کرو، وہ بیمار پڑیں تو عیادت مت کرو، وہ مرجائیں تو جنازہ پر نہ جاؤ، نہ ان کی نماز پڑھو اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ اللہ پاک اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے بڑھ کر ہماری بھلائی اور خیر خواہی چاہنے والا کوئی نہیں، تو اگر وہ کسی کام کی طرف بلائیں تو اس میں ہمارا بھلا ہی بھلا ہے اور اگر کسی کام سے منع کریں تو اس کام میں دونوں جہانوں کا خسارہ (نقصان) ہے، تو اللہ پاک اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے بدمذھبوں کے پاس بیٹھنے، ان کی صحبت اختیار کرنے ان کے ساتھ کھانے پینے سے منع فرمایا ہے لہذا اس سے نہ بچنے میں ہمارے لیے سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔

نوٹ: بدمذھب وگمراہ کون؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بدمذھب کسے کہتے ہیں تو:

جس کے عقائد یا جس کا کوئی عقیدہ اہلِ سنت و جماعت کے عقیدہ کے خلاف ہو تو وہ گمراہ اور بدمذھب ہے

چنانچہ تاج العروس اور معجم لغۃ الفقھاء میں ہے:

اھل الاھواء الذین لا یکون معتقدھم معتقد اھل السنۃ و الجماعۃ و ھم الجبریۃ و القدریۃ و الروافض و الخوارج و المعطلۃ و المشبھۃ

یعنی گمراہ و بدمذھب وہ لوگ ہیں جو اہلِ سنت و جماعت کے عقیدے جیسا عقیدہ نہیں رکھتے، ان گمراہ فرقوں میں جبریہ، قدریہ، روافض، خوارج (وہابیہ) معطلہ اور مشبھہ ہیں۔

(معجم لغۃ الفقھاء صفحہ 95 دار النفائس)

المختصر جو سنی نہیں، وہ بدمذھب و گمراہ ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/01/23

تصدیق وتصحیح:

1—الجواب صحیح والمجیب نجیح

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود قادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

2—الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

حضور نبی اکرم ﷺ کو کملی والا کہنا کیسا

استفتاء نمبر:23

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کملی والا کہنا کیسا ہے؟

سائلہ: ام عمارہ عطاریہ مدنیہ عیسی خیل ضلع میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

دراصل یہ بات اتفاقی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے صیغۂ تصغیر کا استعمال کرنا مطلقاً ممنوع و گناہ ہے خواہ کوئی ادب اور تعظیم کے طور پر استعمال کرے تب بھی ناجائز کا ہی حکم ہوگا۔

اب لفظِ کملی تصغیر ہے یا نہیں یہ اختلافی مسئلہ ہے، جن کے نزدیک تصغیر ہے، ان کے نزدیک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے کملی کا لفظ استعمال کرنا ناجائز و گناہ ہے اور جن کے نزدیک تصغیر نہیں، ان کے نزدیک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے لفظِ کملی کو استعمال کرنا جائز ہے.

اس حوالے سے ہماری رائے یہی ہے کہ لفظِ کملی، تصغیر کا صیغہ نہیں ہے بلکہ ایک مستقل لفظ ہے لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے لفظِ کملی استعمال کرنا جائز ہے مگر علمائے کرام کے اختلاف کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے لفظِ کملی کو استعمال کرنے سے بچا جائے اور اس سے بچنا بہتر ہے لیکن جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے لفظِ کملی کو استعمال کرے، اس کو نہ تو بے ادب و گنہگار قرار دیا جائے اور نہ ہی اس پر طعن و تشنیع کی جائے.

چنانچہ ابو صالح مفتی محمد قاسم قادری صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

لفظِ کملی کی اصل میں علماء کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ

کملی ''لفظ'' کمبل'' کی تصغیر ہے جیسے مکھ کی تصغیر مکھڑا آتی ہے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شانِ اقدس میں الفاظ تصغیر استعمال کرنا بے ادبی وتوہین ہے۔ لہذا یہ لفظ " کملی" سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شانِ اقدس میں کہنا جائز نہیں. جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ لفظِ " کملی" مستقل ایک لفظ ہے اور اس کی تصغیر کملیا آتی ہے بہر حال اس لفظ میں علماء کا اختلاف ہے لہذا اس اختلاف سے بچنے کیلئے لفظ " کملی والا" سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شانِ اقدس میں استعمال نہ کیا جائے۔

(دارالافتاء اہلسنت)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/20

تصدیق وتصحیح:

1۔۔ اَحوط یہی ہے کہ لفظِ کملی کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے استعمال نہ کیا جائے .

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری

2۔۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ منورہ کے لیے مکھڑا کا لفظ استعمال کرنا کیسا

استفتاء نمبر: 24

نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے " مکھڑے " کا لفظ استعمال کرنا کیسا ہے؟

سائل: محمد کامران القادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے لفظِ تصغیر (یعنی جس کے اندر چھوٹے پن کا معنی ہو) کو استعمال کرنا جائز نہیں ہوتا چاہے کوئی محبت اور تعظیم کے طور پر استعمال کرے اور اگر کسی نے معاذ اللہ حقارت کی نیت سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے لفظِ تصغیر کو استعمال کیا تو یہ کفر ہے اور ایسا کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔

تو چونکہ لفظ ''مکھڑا'' مُکھ کی تصغیر ہے، لہٰذا اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ محبت اور تعظیم کی نیت سے استعمال کیا جائے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا:

''مجھے اپنا مکھڑا دِکھا شاہِ جیلاں'' (اس مصرع) میں مکھڑا کا استعمال ٹھیک ہے یا نہیں؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

''یہ لفظ تصغیر کا ہے، اکابر (یعنی بزرگوں) کی مدح (یعنی تعریف) میں منع ہے''

(عرفانِ شریعت صفحہ 39 مکتبۃ المدینہ کراچی)

شارحِ بخاری فقیہِ اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

صیغہ تصغیر کا استعمال مطلقاً ممنوع ہے، اگرچہ بنیتِ محبت و تعظیم ہو اور اگر معاذ اللہ بنیتِ تحقیر ہو تو کفر ہے، جیسا کہ مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ''المستند المعتمد'' (المستند المعتقد) میں تصریح فرمائی ہے۔

علامہ شامی نے رد المحتار میں لکھا:

مجرد ایھام المعنی المحال کاف للمنع

اس لیے ایسے الفاظ جن کے کچھ معنی درست ہوں (اور) کچھ (معنی) خبیث اور شرع میں وارد نہ ہوں (تو) اس کا استعمال، اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ممنوع ہے۔

مزید آگے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے لفظِ مکھڑا استعمال کرنے کا حکم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''مکھڑا کا استعمال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز نہیں''

(فتاویٰ شارح بخاری جلد اول صفحہ 537 مکتبہ برکات المدینہ کراچی)

شیخِ طریقت امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ قاعدہ یاد رکھ لیجیے کہ جس کسی کی نسبت تاجدارِ حرم، شہنشاہِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو وہ معظم ومحترم ہے، لہٰذا اس کی تصغیر مطلقاً ممنوع ہے۔ مثلاً یہی کمل کی تصغیر کملیا، مکھ کی مکھڑا، آنکھوں کی انکھڑیاں، نگر کی نگریا ہے۔ بارگاہِ محبوبِ ربِ ذو الجلال عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح کے تصغیر والے الفاظ کا استعمال ممنوع ہے

(کفریہ کلمات کے بارے میں سوال جواب صفحہ 239 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/11

تصدیق وتصحیح:

1۔ آپ کا استفتاء نمبر 24 کا جواب بمطابق فقہ حنفی کے درست ہے، بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری

2۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم دار الحدیث ودار الافتاء جامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان (کراچی)

ربیع الاول کی مبارک باد دینے سے جنت کا واجب ہونا

استفتاء نمبر: 25

کیا سب سے پہلے ربیع الاول کی مبارک باد دینے سے جنت واجب ہو جاتی ہے اور کیا ایسی کوئی روایت بھی ہے؟

سائل: اویس اکبر عطاری فتح پور

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

کسی بندے کے جھوٹا ہونے کیلیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں پر یقین کر لے اور ان کو کنفرم کیئے بغیر آگے پھیلانا شروع ہو جائے۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع

یعنی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات بیان کردے۔

(صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 9، قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہی حال آج کل سوشل میڈیا استعمال کرنے والوں کا بنتا جا رہا ہے کہ جو بھی چیز آئی، اس کو سوچے سمجھے بغیر دھڑا دھڑ شیئر کرنا شروع کر دیتے ہیں اور بعض تو پڑھے بغیر شیئر کرنا شروع کر دیتے ہیں اور بعض کو تو اپنی پوسٹ کو عام کرنے کا اتنا شوق وجنون ہوتا ہے کہ معاذ اللہ ساتھ لکھ دیتے ہیں کہ اگر مسلمان ہو تو لازمی شیئر کرو تو گویا ان کی نکمی اور فضول پوسٹ شیئر کرنے پر مسلمانی موقوف ہے۔ بہر حال اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ پوسٹ ہے، جس میں لکھا ہے:

''مبارک ہو''

31 اکتوبر جمعرات کو ربیع الاول شروع ہونے والا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" : جس نے سب سے پہلے کسی کو ربیع الاول کی مبارک دی اس پر جنت واجب ہو گی''۔

یہ پوسٹ بہت زیادہ وائرل کی جا رہی ہے حالانکہ یہ کسی بھی حدیث کی کتاب میں نہیں ملی جس سے یہی لگتا ہے کہ یہ موضوع روایت (یعنی جھوٹی گھڑی ہوئی روایت) ہے لہذا اس کو ہرگز شیئر نہ کیا جائے اور احتیاط کا یہی تقاضہ ہے کہ جب تک حوالہ نہ ہو اور خود اصل کتاب سے تشفی وتسلی نہ کر لی جائے یا کسی سنی عالم سے تصدیق نہ کروالی جائے تو تب تک کسی بھی حدیث یا دینی مسئلے کو شیئر نہ کیا جائے۔

کیونکہ یہ بہت نازک معاملہ ہے بالخصوص جھوٹی حدیث گھڑنے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا (یعنی ایسی چیز کو میری جانب منسوب کیا جس کو وہ جانتا ہے کہ جھوٹ ہے) تو اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

(صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 21، قدیمی کتب خانہ کراچی)

جبکہ بے علمی کی وجہ سے جھوٹا اور غلط مسئلہ بیان کرنے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ افْتٰى بِغَيْرِ عِلْمٍ لَعَنَتْهُ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

یعنی جو بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

(کنز العمال، جلد10، رقم الحدیث 29014 : مطبوعہ بیروت)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/10/16

تصدیق وتصحیح:

1۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

2۔ یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

علماء اہلسنت کے بارے میں سخت الفاظ میں اظہار رائے

استفتاء نمبر :26

علماءِ اہلِ سنت کے متعلق سخت الفاظ میں اظہارِ رائے کرنے کا کیا حکم ہے؟

سائل: حبیب اللہ عطاری میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

علماءِ اہلِ سنت کے بارے میں سخت کلام کرنے یا لکھنے کی عموماً یہ صورتیں ہوسکتی ہیں:

1۔ عالم کے بارے میں سخت کلام اس کے عالم ہونے کی وجہ سے ہوتو یہ کفر ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عالمِ دین کو برا کہنا اگر اس کے عالمِ دین ہونے کے سبب ہے تو کفر ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 294 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

2۔ عالمِ دین کے بارے میں سخت کلام کسی دنیاوی لڑائی جھگڑے کی وجہ سے ہوتو یہ عام دنیاوی بغض وکینہ سے بڑھ کر خبیث اور حرام ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

بوجہ علم اس (عالم) کی تعظیم فرض جانتا ہے مگر اپنی کسی دنیاوی خصومت (یعنی لڑائی) کے باعث بُرا کہتا ہے، گالی دیتا، تحقیر کرتا ہے تو سخت فاسق، فاجر ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 129 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

3— عالم کے بارے میں سخت کلام بغیر کسی ظاہری سبب کے ہے تو ایسے کلام کرنے والے پر کفر کا خوف ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر بے سبب (عالم سے) رنج (یعنی غصہ وغضب) رکھتا ہے تو مریض القلب، خبیثُ الباطن ہے اور اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 129 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

4— عالم کے بارے میں سخت کلام اس کی خرابیوں کی اصلاح کیلیے ہو اور کلام کرنے والا اس عالم کا استاد ہو تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ استاد کی شرعی ذمہ داری ہے جیسا کہ تمام مدارس میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

5— عالم کے بارے میں سخت کلام اس کی خرابیوں کی اصلاح کیلیے ہو اور کلام کرنے والا اس عالم کا جامع شرائط پیر ہو تو نہ صرف جائز ہے بلکہ پیر صاحب کے اہم فرائض میں سے ہے۔

چنانچہ مولانا روم اور شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہما کا واقعہ مثال کے لئے کافی ہے۔

6— عالم کے بارے میں سخت کلام اس کی خرابیوں کی اصلاح کیلیے ہو اور کلام کرنے والا اس عالم کا نہ استاد ہو اور نہ ہی پیر ہو بلکہ اس عالم سے بڑا عالم ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اتفاق علماء کا یہ حال کہ حسد کا بازار گرم، ایک کا نام جھوٹوں بھی مشہور ہوا تو بہتیرے سچے اس کے مخالف ہو گئے اس کی توہین تشنیع میں گمراہوں کے ہم زبان بنے کہ "ہیں" لوگ اسے پوچھتے ہیں اور ہمیں نہیں پوچھتے۔

اب فرمائیں کہ وہ قوم کو اپنے میں کسی ذی فضل کو نہ دیکھ سکے، اپنے ناقصوں کو کامل، قاصروں کو ذی فضل بنانے کی کیا کوشش کرے گی۔''

(فتاوی رضویہ جلد 29 صفحہ 598 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

7— عالم کے بارے میں سخت کلام اس کی خرابیوں کی اصلاح کیلیے ہو اور کلام کرنے والا نہ اس عالم کا استاد ہو، نہ پیر ہو اور نہ اس

سے بڑا عالم ہومگر سخت کلام کرنے والا اصلاح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جس عالم کے سامنے اصلاح کر رہا ہے وہ اپنی رضا اور خوشی کے ساتھ وہاں موجود ہوتو یہ بھی جائز ہے۔

چنانچہ ہمارے زمانے میں ختمِ بخاری و دستار بندی کے جلسے اور علمی و تربیتی نشستیں ہوتی ہیں جن میں علماء دیگر علماء و طلباء کے سامنے اصلاح کے لئے علماء کی خرابیاں بیان کرتے ہیں اور سننے والے اسی مقصد کے لئے جمع ہوتے ہیں بلکہ ان باتوں کے سمجھانے کے یہی مواقع ہوتے ہیں۔

8– عالم کے بارے میں سخت کلام اس کی خرابیوں کی اصلاح کیلیے ہواور کلام کرنے والا عالم ہوخواہ اس عالم سے بڑا ہو یا نہ ہومگر اس کا کلام خالصۃً علمی شعبے والوں کی اصلاح کیلیے ہوتو یہ بھی جائز ہے۔

چنانچہ بہت سے علماءِ کرام نے علم اور علماء کے آداب کے متعلق کتابیں اور مقالات لکھے ہیں جن میں اچھی نیت سے علماءِ کرام کی عموماً خرابیوں کو بیان کیا ہے۔

اس کی مثال پاکستان اور ہندوستان میں چھپنے والے سنی رسائل اور مختلف علمی مقالات و کتابیں ہیں۔

9– عالم کے بارے میں سخت کلام اس کی خرابیوں کی اصلاح کیلیے ہواور کلام کرنے والا جاہل ہوتو اس کیلیے علماء کی خرابیاں بیان کرنا ناجائز وحرام ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عالم سنی العقیدہ کی توہین جاہل کو جائز نہیں، اگرچہ اس (عالم) کے عمل کیسے ہی ہوں۔

(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 294 رضافاؤنڈیشن لاہور) (ملخصاً فتاویٰ اہلسنت، آٹھواں حصہ، صفحہ 83،84،85، 86 مکتبۃ المدینہ کراچی)

نوٹ: جاہل وہ ہے جو ان مسائل کو نہیں جانتا، جن کا جاننا اس پر شرعی طور پر واجب ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے:

وفی فتاوی المصنف :لاتقبل شهادة الجاهل على العالم لفسقه بترك ما يجب تعلمه شرعاً

یعنی اور مصنف کے فتاویٰ میں ہے : جاہل کی گواہی، عالم کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ ان مسائل کے سیکھنے کو چھوڑنے کی وجہ سے فاسق ہے جن کا سیکھنا شرعاً اس پر واجب ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الشھادۃ، باب القبول وعدمہ، جلد 8 صفحہ 226 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

فائدہ: علماءِ اہلسنت کی خطاء و غلطی کو چھپانا واجب ہے اور ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اور اہلسنت سے بتقدیرِ الٰہی، لغزشِ فاحش واقع ہو اس کا اِخفاء (یعنی چھپانا) واجب ہے کہ معاذ اللہ لوگ بداعتقاد ہوں گے تو جو نفع ان کی تقریر اور تحریر سے اسلام و سنت کو پہنچتا تھا، اس میں خلل واقع ہوگا، اس کی اشاعت، اشاعتِ فاحشہ ہے اور اشاعتِ فاحشہ بنصِ قرآنِ عظیم حرام۔

(فتاوی رضویہ جلد 29 صفحہ 595 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/11/23

تصدیق و تصحیح:

علماءِ کرام کے متعلق آپ کا یہ فتوی درست ہے، بندہ ناچیز اس کی تائید و توثیق کرتا ہے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

بے عمل عالم کی توہین کرنا کیسا؟، بے عمل عالم انبیاء کا وارث ہے یا نہیں

استفتاء نمبر: 27

بے عمل عالم کی توہین کرنا کیسا ہے؟

سائل: یاسر عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

صحیح العقیدہ سنی بے عمل عالم کی علمِ دین کی وجہ سے توہین کرنا کفر ہے۔

اور بے عمل عالم، علمِ دین کی وجہ سے جاہل عبادت گزار سے کافی درجے بہتر اور افضل ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اور قرآن شریف انہیں (یعنی علمائے حق کو) مُطلَقاً وارِث بتا رہا ہے، حتی کہ ان (میں) کے بے عمل (عالم) کو بھی یعنی جبکہ

عقائدِ حق پر مستقیم (یعنی صحیح العقیدہ سُنّی) اور ہدایت کی طرف داعی (یعنی بلانے والا) ہو کہ گمراہ (عالم) اور گمراہی کی طرف بلانے والا (مولوی) وارثِ نبی نہیں، نائبِ ابلیس ہے۔

وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی۔

ہاں رب عزوجل نے تمام علماءِ شریعت کو کہاں وارث فرمایا ہے؟

یہاں تک کہ ان کے بےعمل کو بھی!

ہاں، وہ ہم سے پوچھیے،

مولیٰ عزوجل فرماتا ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ

ترجمہ: پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ (پاک) کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا یہی بڑا افضل ہے۔

(پارہ 22 سورۃ الفاطر 32 :)

دیکھو بےعمل (علماء جو) کہ اپنی جان پر ظلم کر رہے ہیں، انہیں بھی کتاب کا وارث بتایا اور نرا (یعنی صرف) وارث ہی نہیں بلکہ اپنے چُنے ہوئے بندوں میں گنا۔

احادیث میں آیا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

ہم میں کا جو سبقت (برتری) لے گیا وہ تو سبقت لے ہی گیا اور جو مُتَوَسِّط (درمیانہ) حال کا ہوا وہ بھی نَجات والا ہے اور جو اپنی جان پر ظالم (یعنی گنہگار) ہے اس کی بھی مغفرت ہے۔

(تفسیر دُرِّ منثور جلد 7 صفحہ 25 دار الفکر بیروت)

عالِم شریعت اگر اپنے علم پر عامِل بھی ہو (جب تو وہ مثلِ) چاند ہے (جو) کہ آپ (یعنی خود بھی) ٹھنڈا اور تمہیں (بھی) روشنی دے ورنہ (عالم بےعمل مثلِ) شمع ہے کہ خود (تو) جلے مگر تمہیں نفع دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اس شخص کی مثال جو لوگوں کو خیر (بھلائی) کی تعلیم دیتا اور اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اُس فَتِیلے (یعنی چراغ کی بتی) کی طرح

ہے کہ لوگوں کو روشنی دیتا ہے اور خود جلتا ہے۔"

(الترغیب والترہیب جلد 1 صفحہ 93 رقم الحدیث 218 : دار الفکر بیروت)(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 530، 531 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

اور عالم سُنّی العقیدہ کی توہین جاہل کو جائز نہیں اگرچہ اس (بے عمل عالم) کے عمل کیسے ہی ہوں۔

(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 294 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

27/01/2019

تصدیق وتصحیح:

بے عمل عالم کی توہین کے متعلق آپ کا یہ فتوی درست ہے، بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

واعتصموا بحبل اللہ آیت کی درست تفسیر

استفتاء نمبر:28

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

کیا اس آیتِ مبارکہ میں تمام فرقے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ الگ الگ فرقے نہ بنائیں؟

سائل: راشد خان عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

ترجمہ: اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا (یعنی فرقوں میں نہ بٹ جانا)۔

(پارہ 4، سورۃ آل عمران 103 :)

اس آیتِ مبارکہ میں ان تمام فرقوں کو تنبیہ کی گئی ہے، جنہوں نے اہلِ سنت و جماعت سے الگ ہو کر اپنے علیحدہ فرقے بنا لیے تو گویا ان سے فرمایا گیا کہ اہلِ سنت و جماعت سے الگ ہو کر علیحدہ فرقے مت بناؤ بلکہ سب اہلِ سنت و جماعت کے ساتھ مل کر متحد ہو جاؤ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ کی رسی سے مراد جماعت یعنی مسلمانوں کا بڑا گروہ ہے جسے اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے، اسی طرح حدیثِ مبارکہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک ایسے گروہ کے ناجی (نجات پانے والا) ہونے کی خبر دی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہو اور وہ صرف اہلِ سنت و جماعت ہی ہے، اس سے پتہ چلا کہ سب کلمہ گو گروہ (فرقے) حق پر نہیں بلکہ صرف اہلِ سنت و جماعت ہی وہ واحد گروہ ہے جو حق اور ہدایت پر ہے۔

چنانچہ اس آیت کے تحت تفسیر صراط الجنان میں ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو

اس آیت میں اُن افعال و حرکات کی مُمانعت کی گئی ہے، جو مسلمانوں کے درمیان تفریق کا سبب ہوں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:

تم سب مل کر اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں فرقوں میں تقسیم نہ ہو جاؤ، جیسے یہود و نصاریٰ نے فرقے بنا لئے۔

صلح کلیت کا رد:

یاد رہے کہ اصل راستہ اور طریقہ مذہب اہل سنت ہے، اس کے سوا کوئی راہ اختیار کرنا دین میں تفریق کرنا ہے اور یہ ممنوع ہے۔ بعض لوگ یہ آیت لے کر اہلسنّت سمیت سب کو غلط قرار دیتے ہیں۔ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حکم یہ ہے کہ جس طریقے پر مسلمان چلتے آرہے ہیں، جو صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم سے جاری ہے اور سنت سے ثابت ہے اس سے نہ ہٹو۔

اہلِ سنت و جماعت تو سنتِ رسول اور جماعتِ صحابہ کے طریقے پر چلتے آرہے ہیں تو سمجھایا تو ان لوگوں کو جائے گا جو اس سے ہٹے، نہ کہ اصل طریقے پر چلنے والوں کو کہا جائے کہ تم اپنا طریقہ چھوڑ دو۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے ایک خاندان اتفاق و اتحاد کے ساتھ صحیح اصولوں پر زندگی گزار رہا ہو، ان میں سے ایک فرد غلط راہ اختیار کر کے اِنتشار پیدا کرے تو اُس جدا ہونے والے کو سمجھایا جائے گا نہ کہ خاندان والوں کو بھی اتحاد ختم کر کے غلط راہ چلنے کا کہنا شروع کر دیا جائے۔ بِعَیْنِہٖ یہی صورتِ حال اہلسنّت اور دوسرے فرقوں کی

ہے۔ اصل حقیقت کو سمجھے بغیر صلح کُلیّت کی رٹ لگانا اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا سراسر جہالت ہے۔

"حَبْلِ اللّٰہِ" کی تفسیر:

"حَبْلِ اللّٰہِ" کی تفسیر میں مفسرین کے چند اقوال ہیں:

بعض کہتے ہیں کہ اس سے قرآن مراد ہے۔

چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ:

قرآنِ پاک حَبْلُ اللّٰہ ہے، جس نے اس کی پیروی کی وہ ہدایت پر ہے اور جس نے اُسے چھوڑا وہ گمراہی پر ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، صفحہ 1313، رقم الحدیث 37 :، 2407 دار ابن حزم بیروت)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ:

"حَبْلُ اللّٰہ سے جماعت مراد ہے"

(معجم الکبیر، جلد 9، صفحہ 212، رقم الحدیث 9033 : دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور فرمایا کہ: تم جماعت کو لازم کرلو کہ وہ "حَبْلُ اللّٰہ" ہے، جس کو مضبوط تھامنے کا حکم دیا گیا۔

(معجم الکبیر، جلد 9 صفحہ 199، رقم الحدیث 8973 : دار احیاء التراث العربی بیروت)

جماعت سے کیا مراد ہے

یہ یاد رہے کہ جماعت سے مراد مسلمانوں کی اکثریت ہے، یہ نہیں کہ تین آدمی مل کر "جماعۃُ المسلمین" نام رکھ لیں اور بولیں کہ قرآن نے ہماری ٹولی میں داخل ہونے کا کہا ہے، اگر ایسا ہی حکم ہے تو پھر کل کوئی اپنا نام "رسول" رکھ کر بولے گا کہ قرآن نے جہاں بھی رسول کی اطاعت کا حکم دیا اس سے مراد میری ذات ہے لہٰذا میری اطاعت کرو۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ جَہْلِ الْجَاہِلِیْنَ

(میں جاہلوں کی جہالت سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتا ہوں)۔

(تفسیر صراط الجنان جلد دوم پارہ 4، تحت سورۃ آل عمران آیت 103 : صفحہ 21، 22 مکتبۃ المدینہ کراچی)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملةً وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملةً، كلهم في النار إلا ملة واحدة، قالوا ومن هي يا رسول الله؟ قال ما أنا عليه وأصحابي

یعنی اور بے شک بنی اسرائیل بہتر گروہوں (فرقوں) میں تقسیم ہوگئی تھی اور میری امت تہتر گروہوں میں تقسیم ہو جائے گی، سب

کے سب جہنم میں ہوں گے سوائے ایک گروہ کے۔

صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کی:

اے اللہ پاک کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم! وہ نجات پانے والا گروہ کونسا ہوگا؟

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ ہیں (اس پر چلنے والا گروہ، نجات پانے والا اور جنتی ہوگا)۔

(جامع ترمذی، باب افتراق الأمۃ، جلد5،صفحہ26، دار إحیاء التراث العربی)

اس حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سب کلمہ گو گروہ (فرقے) حق پر نہیں ہیں بلکہ صرف وہی گروہ حق پر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے طریقہ پر چلنے والا ہو، اور اس نجات پانے والے اور حق، پر چلنے والے فرقے کا مصداق فرقہ ''اہل سنت و جماعت'' ہے، جس میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی سب شامل ہیں اور اس کے علاوہ باقی تمام کلمہ گو فرقے جہنمی ہیں، اگر ان کے عقائد حدِ کفر تک پہنچے ہوئے ہیں تو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں سڑیں گے اور اگر ان کے عقائد حدِ کفر تک پہنچے ہوئے نہیں ہیں بلکہ گمراہی کی حد تک ہیں تو جہنم میں اپنی گمراہی کی سزا بھگت کر جنت میں داخل ہوں گے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

05/11/2019

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے چچاؤں کی تعداد

استفتاء نمبر:29

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سگے چچا کتنے تھے؟

سائل : نصیر الدین نصیر

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب اللھم ھدایة الحق و الصواب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے چچاؤں کی تعداد کے بارے میں مؤرخین کے چار مختلف اقوال ملتے ہیں:

بعض نے ان کی تعداد نو (9) بتائی، بعض نے دس (10) بتائی، بعض نے گیارہ (11) بتائی اور بعض نے بارہ (12) بتائی ہے۔

چنانچہ علامہ مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کے چچاؤں کی تعداد میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان کی تعداد نو، بعض نے کہا کہ دس اور بعض کا قول ہے کہ گیارہ، مگر "صاحبِ مواہبِ لدنیہ" نے "ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ" سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ عبد المطلب کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں:

1۔ حارث، 2۔ ابوطالب، 3۔ زبیر، 4۔ حمزہ، 5۔ عباس، 6۔ ابولہب، 7۔ غیداق، 8۔ مقوم، 9۔ ضرار، 10۔ قثم، 1۔ عبد الکعبہ، 12۔ جحل

"ان میں سے صرف حضرت حمزہ (اور) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسلام قبول کیا۔"

(سیرت مصطفیٰ صفحہ 562 مکتبۃ المدینہ کراچی)

شیخ الحدیث علامہ قاضی عبد الرزاق بھتر الوی حطاروی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کے بارہ چچا تھے اور تیرہویں ان کے بھائی۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ تھے، حضرت عبد المطلب کے تیرا بیٹوں کے نام یہ ہیں:

عبداللہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدِ گرامی)، حارث، ابوطالب ان کا نام عبد مناف، زبیر ان کی کنیت ابو الحارث، حمزہ ان کی کنیت ابو عمارہ اور ابو یعلیٰ، ابولہب اس کا نام عبد العزیٰ، غیداق، مقوم، ضرار، عباس، قثم عبد الکعبہ، حجل اس کا نام مغیرہ۔"

مزید تحریر فرماتے ہیں:

صرف دو چچا (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ) نے اسلام قبول کیا۔

(تذکرۃ الانبیاء صفحہ 637، 638 مکتبہ امام احمد رضا)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/12/26

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ ولادت

استفتاء نمبر:30

حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت کس تاریخ کو ہوئی؟

سائل: اویس حماد عطاری میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت باسعادت یومِ عاشوراء (یعنی 10 محرم الحرام) کو ہوئی۔

چنانچہ شارح بخاری، فقیہِ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ ''نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری'' میں تحریر فرماتے ہیں:

سادس: اسی تاریخ (یعنی یومِ عاشوراء کو) حضرت عیسی علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی تاریخ کو آسمان پر اٹھالئے گئے۔

(نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد 3 صفحہ 408، 409 فرید بک سٹال لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/01/08

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

اسلامی کیلنڈر کا سن بنیاد/حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت، آپ کا جنازہ اور تدفین کا مقام

استفتاء نمبر:31

1— امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی کیلنڈر کی بنیاد کب رکھی؟

2— آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنفرم تاریخِ شہادت کونسی ہے؟

3— آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ کس نے پڑھایا اور تدفین کہاں ہوئی؟

بینوا بالکتاب و توجروا عند الحساب

سائل: اکرام الدین پنجاب پاکستان

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

1— امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی کیلنڈر (ہجری تقویم) کی بنیاد سترہ (17) ہجری میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مشورے سے رکھی۔

چنانچہ علامہ حافظ فقیہ ابوزکریا محی الدین بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ابتداء التاریخ فی الاسلام من ھجرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من مکۃ الی المدینۃ و ھذا مجمع علیہ و اول من ارخ بالھجرۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سنۃ سبع عشرۃ من الھجرۃ

یعنی اسلام میں تاریخ کی ابتداء، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے سے ہوئی ہے، اور اس پر اجماع (اتفاق) کیا گیا ہے، اور سب سے پہلے جس نے سترہ (17) ہجری میں ہجری تاریخ کی بنیاد رکھی وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

(تہذیب الاسماء واللغات، فصل بدء التاریخ الہجری، جلد 1 صفحہ 20 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

امام ابوالفرج عبدالرحمن بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وانما ارخ عمر بعد سبع عشرۃ من مہاجرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یعنی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے سترہ (17) ہجری (شروع ہونے) کے بعد (ہجری تقویم) کی بنیاد رکھی۔

(المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، جلد 4 صفحہ 227 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

فیضانِ فاروقِ اعظم میں "سیرتِ سید الانبیاء" اور "تاریخِ طبری" کے حوالے سے ہے کہ:

بعض علماء کرام نے ہجری تقویم کی وضع کی نسبت عہدِ نبوی کی طرف کی ہے اور بعض علماء نے عہدِ فاروقی کی طرف کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو اوّلاً مقامِ قباء میں قیام فرمایا۔ ابھی قباء میں قیام فرما تھے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہی تقویم ہجری کی وضع کا حکم دیا چنانچہ صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے اُسے ہجرت سے شروع کیا اور اس سنہ کی ابتداء محرم الحرام سے کی کیونکہ حجاج اسی مہینے اپنے گھروں کو واپس لوٹتے ہیں۔ واضح رہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہجری تقویم کی وضع کا حکم دیا تھا جبکہ اسی وضع کی ہوئی ہجری تقویم کا باقاعدہ حساب کتاب مسلمانوں نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے دور سے رکھنا شروع کیا۔ لہٰذا دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔

(فیضانِ فاروقِ اعظم جلد اول صفحہ 723، 724 مکتبۃ المدینہ کراچی)

2۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت میں اختلاف ہے، جمہور آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک جب بدھ دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا گیا تو ذوالحجہ کی چار راتیں باقی تھیں یعنی 26 ذوالحجہ تھی، جبکہ بعض کا مؤقف یہ ہے کہ جب بدھ دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا گیا تو ذوالحجہ کی تین راتیں باقی تھیں یعنی 27 ذوالحجہ تھی۔ اور اس بات میں بعض آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم، جمہور آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ متفق ہیں کہ زخمی ہونے کے بعد تین راتیں حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ زندہ رہے اور چوتھی رات سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی، تو چونکہ ذوالحجہ کا یہ مہینہ انتیس (29) کا تھا اس لیے جمہور آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یکم محرم الحرام اتوار کو بنتی ہے اور ان کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت محرم الحرام کی چاند رات میں ہوئی ہے جبکہ بعض آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یکم محرم الحرام ہفتے کے دن بنتی ہے تو ان کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت یکم محرم الحرام ہفتے کے دن میں ہوئی ہے، بہرحال جمہور آئمہ کرام اور یہ بعض آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم یکم محرم الحرام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے قائل ہیں۔

چنانچہ تاریخ الخمیس میں ہے:

طعن عمر یوم الاربعاء لاربع لیال بقین من ذی الحجة سنة ثلاث و عشرین من الهجرة كذا فی التذنیب و دفن یوم الاحد صبیحة هلال المحرم و قیل ان وفاته کانت غرة المحرم من سنة اربع و عشرین کما مر

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بدھ کے دن زخمی کیے گئے تو سن 23 ہجری کے ماہِ ذی الحجہ میں سے چار راتیں باقی تھیں اور ایسے ہی "التذنیب" میں ہے اور اتوار والے دن یکم محرم الحرام کو دفن کیے گئے۔ اور کہا گیا ہے کہ بیشک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سن 24 ہجری یکم محرم الحرام کے چاندرات میں ہوئی ہے، جیسا کہ گزر چکا۔

(تاریخ الخمیس جلد 2 صفحہ 250 ناشر دار صادر بیروت)

امام ابو الولید سلیمان بن خلف باجی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"طعن یوم الاربعاء لثلاث بقین من ذی الحجة و مات بعد ذلك بثلاث یوم السبت غرة المحرم سنة اربع و عشرین"

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بدھ کے دن زخمی کیے گئے تو ذی الحجہ میں سے تین راتیں باقی تھیں اور اس واقعہ کی تین راتوں کے بعد ہفتے والے دن یکم محرم الحرام سن 24 ہجری کو آپ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے۔

(التعدیل والتجریح جلد 3 صفحہ 935)

امام حافظ الحدیث ابو حفص عمرو بن علی فلاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انه مات یوم السبت غرة المحرم سنة اربع و عشرین

یعنی بیشک حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہفتے کے دن یکم محرم الحرام سن 24 ہجری کو فوت ہوئے۔

(شرح التبصرة والتذکرة جلد 2 صفحہ 303)

عظیم محدث و مفسر امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و قد قیل ان وفاته کانت فی غرة المحرم سنة اربع و عشرین

یعنی اور تحقیق کہا گیا ہے کہ بیشک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سن 24 ہجری یکم محرم الحرام کے چاندرات میں ہوئی ہے۔

(تاریخ طبری، تاریخ الرسل والملوک، جلد 4 صفحہ 193 دار المعارف بمصر)

پھر امام ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یکم محرم کی چاندرات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے قائل حضرات اپنے مؤقف کی تائید میں اسماعیل بن محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

طعن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوم الاربعاء لاربع لیال بقین من ذی الحجہ سنۃ ثلاث وعشرین ودفن یوم الاحد صباح ھلال المحرم سنۃ اربع وعشرین

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بدھ کے دن زخمی ہوئے تو سن 23 ہجری کے ذوالحجہ میں سے چار راتیں باقی تھیں اور آپ رضی اللہ عنہ کو اتوار کے دن سن 24 ہجری کے محرم الحرام کی صبح کو دفن کیا گیا۔

(تاریخ طبری، تاریخ الرسل والملوک، جلد 4 صفحہ 193 دار المعارف بمصر)

نوٹ: امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی اس تصریح سے ان آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے مؤقف کی بھی وضاحت ہوگئی کہ جنہوں نے یکم محرم الحرام کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین بیان کی ہے کہ ان سب کے نزدیک بھی یکم محرم الحرام میں آپ رضی اللہ عنہ کی ہوئی ہے۔

اب ہم ان آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم میں سے چند کا ذکر کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

طعن عمر یوم الاربعاء لثلاث بقین من ذی الحجۃ ثم بقی ثلاثۃ ایام ثم مات رحمہ اللہ

یعنی جب بدھ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو ذوالحجہ میں سے تین دن باقی تھے پھر آپ تین روز تک زندہ رہے پھر آپ کا وصال (انتقال) ہوگیا، اللہ پاک کی آپ پر رحمت ہو۔

(کتاب المحن صفحہ 66 دار الغرب الاسلامی)

حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

طعن عمر یوم الاربعاء لاربع لیال بقین من ذی الحجۃ سنۃ ثلاث وعشرین ودفن یوم الاحد صبیحۃ ھلال المحرم

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سن 23 ہجری، بدھ کے دن زخمی ہوئے تو ذوالحجہ میں سے چار راتیں باقی تھیں اور آپ رضی اللہ عنہ کو اتوار کے دن یکم محرم الحرام کی صبح کو دفن کیا گیا۔

(تلقیح فھوم اھل الاثر فی عیون التاریخ والسیر لابن الجوزی صفحہ 51 مطبوعہ دہلی)

اسماعیل بن محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

طعن عمر یوم الاربعاء لاربع لیال بقین من ذی الحجہ سنۃ 23و دفن یوم الاحد صباح هلال المحرم سنۃ 24

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بدھ کے دن زخمی ہوئے تو سن 23 ہجری کے ذوالحجہ میں سے چار راتیں باقی تھیں اور آپ رضی اللہ عنہ کو اتوار کے دن سن 24 ہجری کے محرم الحرام کی صبح کو دفن کیا گیا۔

(المنتخب من ذیل المذیل لابن جریر الطبری صفحہ 11)

ابوبکر بن اسمعیل بن محمد بن سعد اپنے والد سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

طعن عمر یوم الاربعاء لاربع لیال بقین من ذی الحجۃ، سنۃ ثلاث و عشرین، ودفن یوم الاحد صباح هلال المحرم سنۃ اربع و عشرین و کانت خلافتہ عشر سنین و خمسۃ اشھر و احد وعشرین یوما"

یعنی (جب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بدھ کے دن زخمی کیا گیا تو 23 سن ہجری کے ذی الحجہ میں سے چار راتیں باقی تھیں اور ان کو 24 سن ہجری کے یکم محرم الحرام کی صبح کو دفن کیا گیا اور ان کی خلافت دس (10) سال، پانچ (5) ماہ اور اکیس (21) دن تھی۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ جلد 3 صفحہ 676 دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

ابوبکر بن اسمعیل بن محمد بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

طعن عمر یوم الاربعاء لاربع لیال بقین من ذی الحجۃ، سنۃ ثلاث و عشرین، ودفن یوم الاحد صباح هلال المحرم سنۃ اربع و عشرین فکانت ولایتہ عشر سنین و خمسۃ اشھر و احدی وعشرین

یعنی (جب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بدھ کے دن زخمی کیا گیا تو 23 سن ہجری کے ذی الحجہ میں سے چار راتیں باقیتھیں اور ان کو 24 سن ہجری کے یکم محرم الحرام کی صبح کو دفن کیا گیا، پس ان کی ولایت (خلافت) دس (10) سال، پانچ (5) ماہ اور اکیس (21) دن تھی۔

(تہذیب الاسماء واللغات جلد اول صفحہ 278 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

تاریخ خلیفۃ بن خیاط میں ہے:

طعن لثلاث بقین من ذی الحجۃ فعاش ثلاثۃ ایام

یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو ذوالحجہ میں سے تین دن باقی تھے پس آپ رضی اللہ عنہ تین دن زندہ رہے۔

(تاریخ خلیفۃ بن خیاط، مقتل عمر وعمرہ، ومدۃ خلافتہ، صفحہ 152 دار الطیبۃ للنشر والتوزیع الریاض)

امام ابوالفرج عبدالرحمن بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جرحہ ابو لؤلؤۃ۔ واسمہ فیروز:۔ فبقی ثلاثا یصلی فی ثیابہ التی جرح فیھا و توفی فصلی علیہ صھیب"

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابولؤلؤہ نے زخمی کیا جس کا نام فیروز تھا، پس آپ رضی اللہ عنہ تین دن زندہ رہے، جن کپڑوں میں آپ رضی اللہ عنہ زخمی کیے گئے، انہیں میں آپ رضی اللہ عنہ نماز ادا کرتے رہے، اور آپ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

(المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، جلد 4 صفحہ 329 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

امام بن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک اور کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

محمد بن سعد سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو 26 ذی الحجہ 23 ہجری بروز بدھ کو زخمی کیا گیا۔ 24ھ بروز ہفتہ کے دن یکم محرم الحرام کی چاند رات کو سپردِ خاک کیا گیا

(مناقب امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب، مترجم صفحہ 366 شاکر پبلی کیشنز لاہور)

امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اصیب عمر یوم الاربعاء ودفن یوم الاحد مستھل المحرم الحرام

یعنی حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بدھ کے دن زخمی کیا گیا اور یکم محرم الحرام کو اتوار والے دن آپ رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ 110 دار ابن حزم)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آپ 26 چھبیس ذی الحجہ بدھ کے دن ۲۳ھ زخمی کیے گئے اور یکم محرم اتوار کے دن دفن کیے گئے، تریسٹھ (63) سال عمر پائی۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد 8 صفحہ 303 قادری پبلشرز اردو بازار لاہور)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

محمد بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھبیس (26) ذوالحجہ سن 23ھ بدھ کے دن زخمی کیا گیا اور اتوار کے دن یکم محرم الحرام سن 24ھ کو آپ وصال ہو گیا، اسی دن آپ کو دفن کیا گیا، دس سال، پانچ ماہ اور اکیس (21) دن آپ کی خلافت رہی، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں آپ کو دفن کیا۔

(شرح صحیح مسلم جلد 6 صفحہ 922 فرید بک سٹال لاہور)

شیخِ طریقت امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال میں الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

نمازِ فَجر میں ایک بدبخت ابولؤلؤ فیروز نامی (مجوسی یعنی آگ پوجنے والے) کافِر نے آپ رضی اللہ عنہ پر خنجر سے وار کیا اور آپ رضی اللہ عنہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے تیسرے دن شرفِ شہادَت سے مُشَرَّف ہو گئے۔ بوقتِ شہادت عُمر شریف 63 برس تھی۔ حضرتِ سیِّدُنا صُہَیب رضی اللہ عنہ نے نَمازِ جنازہ پڑھائی اور گوہرِ نایاب، فیضانِ نُبُوَّت سے فَیضیاب خلیفۂ رسالت مآب حضرتِ سیِّدُنا عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ روضہ مُبارَکہ کے اندر یکم مُحَرَّمُ الحرام 24 ہجری اتوار کے دن حضرتِ سیِّدُنا صِدِّیقِ اَکبر رضی اللہ عنہ کے پہلوئے اَنور میں مَدفون ہوئے جو کہ سرکارِ انام صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وسلَّمَ کے پہلوئے پاک میں آرام فرما ہیں۔

(کراماتِ فاروقِ اعظم صفحہ 9 مکتبۃ المدینہ کراچی)

نوٹ: 1 جن بعض آئمہ کرام نے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخ شہادت 26 یا 27 ذوالحجہ لکھی ہے، اس میں شہادت سے مراد سببِ شہادت (یعنی زخمی ہونا) ہے۔

چنانچہ فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث میں ہے:

و اما قول المزی و تبعه الذهبی- :انه قتل لاربع او ثلاث بقین من ذی الحجة فارادا بذلك حین طعن ابی لؤلؤة له فانه كان عند صلوة الصبح من یوم الاربعاء، لاربع. و قیل :لثلاث بقین منه، و عاش بعد ذلك ثلاثة ایام

یعنی اور بہرحال امام مزی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا ان کی (اس بات میں) اتباع کرنا کہ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ جب شہید کیے گئے تو ذوالحجہ میں سے چار یا تین راتیں باقی تھیں، پس ان دونوں حضرات نے اس (شہادت) سے ابولؤلؤہ کا آپ رضی اللہ عنہ کو زخمی کرنا مراد لیا ہے، پس بیشک بدھ والے دن صبح کی نماز کے وقت جب آپ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو ذوالحجہ میں سے چار راتیں باقی تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ تین راتیں باقی تھیں، اور اس واقعہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ تین دن زندہ رہے۔

(فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، جلد 4 صفحہ 321 مکتبۃ دار المنہاج للنشر والتوزیع الریاض)

اسی طرح امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب کے اسی مقام پر ابن ابی الدنیا کی روایت کردہ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بھی اسی طرح تاویل فرمائی ہے کہ 26 ذوالحجہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے مراد آپ رضی اللہ عنہ کا زخمی ہونا مراد ہے۔

اور ان حضرات کے قول کی امام زین الدین ابو الفضل عبدالرحیم بن حسین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح التبصرۃ و التذکرۃ جلد 2 صفحہ "303 پر بالکل یہی تاویل بیان فرمائی ہے۔

اور اگر 26 یا 27 ذوالحجہ میں شہادت والے قول سے شہادت ہی مراد لیا جائے اور سبب شہادت (یعنی زخمی ہونا) مراد نہ لیا جائے (جبکہ جمہور آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک یکم محرم الحرام میں آپ رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوئی) تو یہ بات عقلِ سلیم کے خلاف ہوگی کہ بھلا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرعی عذر کے بغیر تدفین میں چار یا پانچ دن کی تاخیر کیوں کریں گے؟

نوٹ:2 اسی طرح یہ قول کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت ذوالحجہ کے آخر میں ہوئی، یہ قول بھی اکابر آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اور مؤرخین کی ایک جماعت کا ہے لیکن اس کے مقابلے میں یکم محرم الحرام کو شہادت والا قول ہمارے نزدیک راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس قول پر یہ اشکال (اعتراض) وارد ہوتا ہے کہ اگر ذوالحجہ کی آخری تاریخ میں شہادت واقع ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین کو یکم محرم الحرام تک مؤخر نہ فرماتے کیونکہ شرعی طور پر جلدی دفن کرنے کا حکم ہے اور یہاں تاخیر کا کوئی عذر نہیں تھا، پس اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت سن 24 ہجری کے محرم الحرام کی چاند رات میں ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ کی تدفین بروز اتوار یکم محرم الحرام کی صبح میں ہوئی۔

3— امیر المؤمنین حضرتِ عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نمازِ جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق حضرتِ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے چار تکبیروں کے ساتھ پڑھایا اور آپ رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں اس طرح دفن کیا گیا کہ آپ کا سرِ مبارک امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کندھے کے برابر اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک کوکھ (ازار باندھنے کی جگہ) کے برابر تھا اور حضرت سیدنا ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کا سرِ مبارک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک کندھے کے برابر تھا۔

چنانچہ چنانچہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک نے فرمایا:

قم یا ابا یحیٰ فصل علیہ، فصلی علیہ صھیب

اے ابویحیٰ اٹھیے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جنازہ پڑھیے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھی (پڑھائی)۔

(تہذیب الاسماء واللغات جلد اول صفحہ 280 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

من صلی علی عمر؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی؟

تو فرمایا: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے۔

(پھر) پوچھا:

کم کبر علیہ؟

انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کتنی تکبیریں کہیں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اربعا"

یعنی انہوں نے چار تکبیریں کہیں۔

(تہذیب الاسماء واللغات جلد اول صفحہ 280 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

اسد الغابہ میں ہے:

ولما قضی عمر رضی اللہ عنہ، صلی علیہ صھیب، و کبر علیہ اربعا

یعنی اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے آپ پر جنازہ پڑھایا اور آپ پر چار تکبیریں کہیں۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، جلد 3 صفحہ 676 دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

تاریخ الخلفاء میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

(تاریخ الخلفاء مترجم صفحہ 310 پروگریسو بکس)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت صہیب نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ گنبدِ خضریٰ میں پہلوئے مصطفیٰ میں دفن ہوئے۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد 1 صفحہ 40 قادری پبلشرز اردو بازار لاہور)

فیضانِ فاروق اعظم میں ہے:

امیر المؤمنین حضرت سیّدُنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت سیّدُنا صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، آپ قدیم الاسلام اور مہاجرین اَوّلین صحابہ میں سے تھے، تمام غزوات میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ شریک ہوئے۔ آپ کے نماز جنازہ پڑھانے کی وجہ یہ تھی کہ سیّدُنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال سے قبل نیا خلیفہ منتخب ہونے تک آپ ہی کو نمازیں پڑھانے کی وصیت فرمائی تھی یہی وجہ ہے کہ جب سیّدُنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے جسد مبارک کو غسل وکفن دینے کے بعد نماز جنازہ کے لیے چار پائی پر رکھا گیا تو حضرت سیّدُنا عثمان غنی وسیّدُنا مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہما اس سعادت کو حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھے لیکن حضرت سیّدُنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دونوں کو منع فرمادیا کیونکہ ابھی نئے خلیفہ کا انتخاب نہ ہوا تھا، اگر ان دونوں میں سے کوئی نماز جنازہ پڑھاتا تو ہوسکتا تھا کہ لوگ اسی کو خلیفہ سمجھتے اسی لیے سیّدُنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق سیّدُنا صہیب رضی اللہ عنہ کو نماز جنازہ پڑھانے کا حکم دیا۔

(فیضانِ فاروق اعظم جلد اول صفحہ 775، 776 مکتبۃ المدینہ کراچی)

خالد بن ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دفن عمر فی بیت النبی، وجعل راس ابی بکر عند کتفی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،
وجعل راس عمر عند حقوی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں دفن کیے گئے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مبارک سر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک کندھے کے برابر رکھا گیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مبارک سر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک کوکھ (ازار باندھنے کی جگہ) کے برابر رکھا گیا۔

(تہذیب الاسماء واللغات جلد اول صفحہ 281 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

29/08/2020

تصدیق و تصحیح:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج آپ کا فتویٰ در بارہ امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ:

انہوں نے اسلامی کیلنڈر کی بنیاد کب رکھی؟

ان کی کنفرم تاریخِ شہادت، کیا ہے؟

اوران کا جنازہ کس نے پڑھایا؟ آپ کا فتویٰ دیکھ کر دل باغ بہار ہو گیا، آپ نے تحقیق کا حق ادا کیا، بندہ ناچیز اس کی تائید و تصویب کرتا ہے، اللہ پاک آپ کی عمر میں، علم میں، فیضان میں برکتیں عطاء فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خانہ کعبہ میں پیدا ہونے کی حقیقت/ مولود کعبہ کون؟

استفتاء نمبر:32

کیا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی پیدائش خانہ کعبہ شریف کے اندر ہوئی ہے؟

محمد تنویر مدنی نائیو یلہ ڈیرہ اسمٰعیل خان

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

جی نہیں! حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر نہیں ہوئی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مولودِ کعبہ سمجھنا ایسا کمزور گمان ہے جس کے ثبوت پر کوئی صحیح دلیل نہیں کیونکہ آپ کرم اللہ وجہہ الکریم اپنے والد ابوطالب کے مکان شعبِ بنی ہاشم کے اندر پیدا ہوئے، جس مکان کو لوگ مولدِ علی کے نام سے یاد کیا کرتے تھے اور اس مکان کے دروازے پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

ھذا مولد امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب

یعنی یہ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابوطالب کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولادت گاہ ہے۔

اوراہل مکہ بھی اس پر بغیر اختلاف کے متفق تھے، نیز آپ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولادت گاہ پر ایک قبہ بنا ہوا تھا جس کو نجدیوں نے دیگر مقامات مقدسہ کے ساتھ گرادیا، چنانچہ:

1—چنانچہ امام حافظ ابوعمر خلیفہ بن خیاط رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولد علی بمکۃ فی شعب بنی ھاشم

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولادت مکہ میں شعب بنی ہاشم میں ہوئی۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط صفحہ 199 دار حلبیۃ الریاض)

2—امام حافظ ابوالقاسم علی بن حسن رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولد علی بمکۃ فی شعب بنی ھاشم

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولادت مکہ میں شعب بنی ہاشم میں ہوئی۔

(تاریخ دمشق الکبیر جلد 45 صفحہ 448 دار احیاء التراث العربی بیروت)

3—صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مکانِ ولادت اقدس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ومکان حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ومکان ولادتِ علی رضی اللہ عنہ وجبلِ ثور وغارِ حرا ومسجد الجن ومسجد جبل ابی قبیس وغیرہا مکانِ متبرکہ کی زیارت سے بھی مشرف ہو"

(بہار شریعت جلد اول حصہ 6 صفحہ 1150 مکتبۃ المدینہ کراچی)

البتہ خانہ کعبہ کے اندر صرف حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی ہے، آپ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کی بھی ولادت خانہ کعبہ کے اندر نہیں ہوئی۔

1—امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولد حکیم ابن حزام فی جوف الکعبہ

یعنی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔

(صحیح مسلم کتاب البیوع باب الصدق فی البیع والبیان)

2—امام بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(حکیم بن حزام) ولد فی بطن الکعبۃ

یعنی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 13 صفحہ 142 دار الکتب العلمیہ بیروت)

3—امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وحکی الزبیر بن بکار ان حکیما ولد فی جوف الکعبہ

یعنی حضرت زبیر بن بکار رضی اللہ عنہ نے حکایۃً بیان کیا کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ جلد 2 صفحہ 98 دار الکتب العلمیہ بیروت)

4—امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد وکان مولدہ فی جوف الکعبہ

یعنی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بن خویلد بن اسد: اور آپ کی ولادت گاہ خانہ کعبہ کے اندر تھی۔

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی صفحہ 355 دار الکتاب العربی بیروت)

5—امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ مزید اسی کتاب کے اگلے صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:

قال الزبیر بن بکار کان مولد حکیم بن حزام فی جوف الکعبہ قال شیخ الاسلام ولا یعرف ذلك لغیرہ

یعنی حضرت زبیر بن بکار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی، شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ وہ اس بات کو (خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہونے کو) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی صفحہ 356 دار الکتاب العربی بیروت)

6—امام ابوذکریا محی الدین یحیٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولد حکیم بن حزام فی جوف الکعبۃ ولا یعرف احد ولد فیھا غیرہ

یعنی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی اور ان کے علاوہ کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ہے جس کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی ہو۔

(تہذیب الاسماء واللغات حرف الحاء جلد اول صفحہ 409، بیروت)

7—ایک شیعی عالم نے بھی لکھا ہے کہ:

محدثین صرف حکیم بن حزام (رضی اللہ عنہ) کو ہی مولودِ کعبہ سمجھتے ہیں۔

(شرح نہج البلاغہ جلد اول صفحہ 14 دار الجبل بیروت)

نوٹ:

بعض اہلِ سنت کی کتابوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے خانہ کعبہ میں پیدا ہونے کا تذکرہ ملتا ہے اس حوالے سے چند باتیں ذہن نشین کرلیجیے :

1۔ پہلی بات یہ ہے کہ جن کتابوں میں اس کو ذکر کیا گیا تو وہاں صیغہ تمریض جیسے قِیْلَ رُوِیَ وغیرہ کے ساتھ ذکر کیا گیا لہذا یہ بات معتبر نہیں۔

2۔ دوسری بات یہ ہے کہ صرف شہرت کی وجہ سے سند اور معتبر مآخذ کے ذکر کے بغیر لکھ دیا گیا لہذا جب تک معتبر ماخذ نہیں مل جاتا تب تک یہ بات قابلِ قبول نہیں ہے۔

3۔ تیسری بات یہ ہے کہ جنہوں نے ماخذ بیان کیا ہے، وہ یا تو شیعوں کی کتب ہیں یا ایسے شیعوں کی طرف مائل حضرات کی کتب ہیں جنہوں نے بہت ساری شیعی روایات کو بغیر تحقیق و تنقیح کے نقل کر دیا جیسے امام ذہبی، ملا علی قاری اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہم الرحمہ نے مستدرک للحاکم کے حوالے سے اور بعض نے مروج الذہب اور فصول المہمہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

فائدہ: مزید تفصیل کے لیے "مولودِ کعبہ کون" نامی کتاب کا مطالعہ فرمایے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/19/20

تصدیق و تصحیح:

1۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی حال عزیزیہ، مکہ مکرمہ

2۔ حضرت امیر المؤمنین مولی المسلمین سیدنا ومولانا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ولادت در کعبہ کی روایت کے غیر معتبر ہونے کے حوالے سے جو آپ کا فتویٰ ہے یہ بالکل صحیح اور درست ہے میں اس کی تائید اور توثیق کرتا ہوں۔

ابو الحسنین حکیم و مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری مدظلہ العالی

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سجدہ نماز میں ہوئی یا سجدہ شکر میں

استفتاء نمبر:33

کیا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ظہر کی نماز کا سجدہ کرنے کی حالت میں ہوئی ہے؟

سائل: محمد رمضان کلور شریف عیسیٰ خیل

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب. اللهم هداية الحق والصواب

امامِ عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت سے پہلے اپنے اصحاب کو نمازِ ظہر پڑھائی، نماز کے بعد سخت لڑائی شروع ہوگئی، جس میں آپ کے اصحاب شہید ہوگئے پھر آخر میں آپ رضی اللہ عنہ شہید کیا گیا، اس سے پتہ چلا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت نمازِ ظہر کے دوران نہیں ہوئی، اب رہ گئی یہ بات کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت سجدے کی حالت میں ہوئی یا نہیں؟

تو کافی کتب میں شہادت کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کے سجدہ کرنے کا ذکر نہیں کیا گیا اور بعض نے سجدہ شکر کا ذکر کیا ہے کہ شہادت کے وقت آپ رضی اللہ عنہ سجدہ شکر کیا اور اسی دوران ایک بدبخت فاسق نے آپ رضی اللہ عنہ کا سرِ مبارک، تنِ اقدس سے جدا کر دیا۔

چنانچہ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ثم صلی الحسین باصحابه الظهر صلاة الخوف ثم اقتتلوا بعدها قتالا شديدا. فتقدم زرعة بن شريك التميمي فضربه بالسيف على عاتقه ثم طعنه سنان بن انس بن عمرو النخعي بالرمح ثم نزل فاحتز راسه ودفعه الى خولى

یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو نمازِ ظہر نمازِ خوف کی طرح پڑھائی پھر نماز ادا کرنے کے بعد سخت لڑائی ہوئی۔

(امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھی شہید ہونے کے بعد) پھر زرعہ بن شریک تمیمی نے آگے بڑھ کر تلوار کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کے مبارک کندھے پر وار کیا پھر سنان بن انس بن عمرو نخعی نے آپ رضی اللہ عنہ پر نیزے سے وار کیا پھر شمر اترا اور آپ رضی اللہ عنہ کے مبارک سر کو (مبارک بدن سے) جدا کر دیا اور (جدا کر کے) مبارک سر خولی کے حوالے کر دیا۔

(البدایہ النھایہ، صفۃ مقتل حسین، جلد 8 صفحہ 260، 265 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

امام عبدالملک بن حسین بن عبدالملک شافعی عاصمی مکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ثم حضر وقت الصلاة. ثم صلى الحسين الظهر صلاة الخوف. ثم اشتد القتال بعد الصلاة. واشتد عطش الحسين، فجاء ليشرب من الفرات، فرمى حصين بن تميم بسهم في فمه فجعل يتلقى الدم و يدعو ثم اقبل شمر بن ذي الجوشن في عشرة من رجالته، فحالوا بين الحسين وبين اهله، فقال: امنعوا اهلي ورحلي من طغامكم، فقال: ذلك لك، ثم حمل عليهم و حملوا عليه و احاطوا به من يمينه و شماله. وخرجت زينت تنادي فلقيت عمر بن سعد، فقالت: يا عمر، يقتل ابو عبدالله، وانت تنظر؟! فبكى و زوى عنها وجهه، ثم نادى شمر ماذا تنظرون بالرجل! فحملوا عليه، و ضرب زرعة بن شريك التميمي كتفه الايسر و على عاتقه فاوهنه، ثم طعنه سنان بن قيس النخعي بالرمح، و قال لخولي بن يزيد الاصبحي: جز راسه، فارعد، فنزل اليه سنان فاخذ راسه و دفعه الى خولي

یعنی پھر نماز کا وقت ہو گیا۔ پھر امام حسین رضی اللہ عنہ نے نمازِ ظہر، نمازِ خوف کی طرح پڑھی، پھر نماز کے بعد لڑائی سخت ہو گئی۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیاس سخت ہو گئی، پس آپ رضی اللہ عنہ فرات پر پانی پینے کے لئے آئے تو حصین بن تمیم نے آپ رضی اللہ عنہ کے چہرہ اقدس میں تیر مارا، پس خون نکل کر بہنے لگا پھر شمر ذی الجوشن اپنے لشکر کے دس افراد کو لے کر آگے بڑھا، پس امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل کے درمیان حائل ہو گئے تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میرے اہل اور میری قیام گاہ سے اپنی کمینگی کو باز رکھو،

تو شمر بولا: یہ آپ کے لئے ہے، پھر امام حسین رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر دیا اور انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے دائیں اور بائیں سے آپ رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ندا کرتے ہوئے نکلیں پس عمر بن سعد سے ملاقات ہوئی تو فرمایا:

اے عمر! ابوعبداللہ (یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ) لڑائی کر رہے ہیں اور تو دیکھ رہا ہے؟ پس وہ رویا اور آپ رضی اللہ عنہا سے اپنا چہرہ پھیر لیا، پھر شمر نے ندا کی:

تم (اس) مرد کو کیا دیکھ رہے ہو؟

پس انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے بائیں کندھے پر اور آپ کی گردن پر

تلوار ماری تو اس نے آپ کو کمزور کر دیا پھر سنان بن قیس نخعی نے آپ کو نیزہ مارا اور خولی بن یزید اصبحی سے کہا: ان کا سر جدا کر دیجیے۔ پس اس پر لرزا طاری ہو گیا۔ تو سنان نے سواری سے اتر کر آپ کا سرِ مبارک، تنِ اقدس سے جدا کر دیا اور اسے خولی کے حوالے کر دیا۔

(سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی، جلد 3 صفحہ 179، 180 دار الکتب العلمیہ بیروت)

برادرِ اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ مولانا حسن رضا خان برکاتی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جب شمر خبیث نے کام نکلتا نہ دیکھا، لشکر کو للکارا: تمہاری مائیں تم کو پیٹیں کیا انتظار کر رہے ہو حسین کو قتل کرو۔

اب چار طرف سے ظلمت کے ابر اور تاریکی کے بادل فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے چاند پر چھا گئے۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے بائیں شانہ مبارک پر تلوار ماری، امام تھک گئے ہیں، زخموں سے چور ہیں، 33 زخم نیزے کے 34 گھاؤ تلواروں کے لگے ہیں، تیروں کا شمار نہیں، اٹھنا چاہتے ہیں اور گر پڑتے ہیں، اسی حالت میں سنان بن انس نخعی شقی ناری جہنمی نے نیزہ مارا کہ وہ عرش کا تارا زمین پر ٹوٹ کر گرا، سنان مردود نے خولی بن یزید سے کہا: سر کاٹ لے۔

اس کا ہاتھ کانپا۔ سنان ولد الشیطان بولا: ''تیرا ہاتھ بیکار ہو''

اور خود گھوڑے سے اتر کر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے جگر پارے، تین دن کے پیاسے کو ذبح کیا اور سر مبارک جدا کر لیا۔

(آئینہ قیامت صفحہ 69، 70 ناشر جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان)

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

تیر اندازوں کی جماعتیں ہر طرف سے گھر آئیں اور امامِ تشنہ کام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو گردابِ بلا میں گھیر کر تیر برسانے شروع کر دیئے، گھوڑا اِس قدر زخمی ہو گیا کہ اس میں کام کرنے کی قوت نہ رہی ناچار حضرتِ امام رضی اللہ عنہٗ کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا، ہر طرف سے تیر آ رہے ہیں اور امام مظلوم کا تنِ نازپرور نشانہ بنا ہوا ہے، نورانی جسم زخموں سے چکنا چور اور لہولہان ہو رہا ہے، بے شرم کوفیوں نے سنگدلی سے محترم مہمان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ ایک تیر پیشانی اقدس پر لگا یہ پیشانی مصطفی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بوسہ گاہ تھی، یہ سیمائے نور حبیب خدا عزوجل و صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے آرزومندانِ جمال کا قرارِ دل ہے۔ بے ادبانِ کوفہ نے اس پیشانئ مُصَفّا اور اس جبینِ پُرضِیا کو تیر سے گھائل کیا، حضرت رضی اللہ عنہ کو چکر آ گیا اور گھوڑے سے نیچے آئے، اب نامردانِ سیاہ باطن نے نیزوں پر رکھ لیا، نورانی پیکر خون میں نہا گیا اور آپ شہید ہو کر زمین پر گر پڑے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

ظالمانِ بدکیش نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور حضرت امام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مصیبتوں کا اسی پر خاتمہ نہیں ہو گیا۔ دشمنانِ ایمان نے سرِ مبارک کو تنِ اقدس سے جدا کرنا چاہا اور نصر ابن خرشہ اس ناپاک ارادہ سے آگے بڑھا مگر امام رضی اللہ عنہ کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار چھوٹ پڑی۔ خولی ابن یزید پلید نے یا شبل ابن یزید نے بڑھ کر آپ کے سرِ اقدس کو تنِ مبارک سے جدا کیا۔"

(سوانح کربلا صفحہ 169، 170 مکتبۃ المدینہ کراچی)

فقیہِ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ہر طرف سے تیر آ رہے ہیں اور امام مظلوم کا جسم اقدس تیروں کا نشانہ بنا ہوا ہے، تن نازنین زخموں سے چور اور لہولہان ہو رہا ہے۔ بے وفا کوفیوں نے جگر پارہ رسول، فرزندِ بتول کو مہمان بلا کر، ان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ یہاں تک کہ زہر میں بجھا ہوا ایک تیر آپ کی اس مقدس پیشانی پر لگا جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے ہزاروں بار چوما تھا۔ تیر لگتے ہی چہرہ انور پر خون کا دھارا بہ نکلا۔ آپ غش کھا کر گھوڑے کی زین سے فرشِ زمین پر آ گئے۔ اب ظالموں نے نیزوں سے حملہ کیا، شیطان صفت سنان نے ایک ایسا نیزہ مارا جو تنِ اقدس کے پار ہو گیا۔ تیر اور نیزہ و شمشیر کے بہتر زخم کھانے کے بعد آپ سجدے میں گرے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے واصلِ بحق ہو گئے۔ 56 سال، 5 ماہ، 5 دن کی عمر میں جمعہ کے دن محرم کی دسویں تاریخ 61ھ مطابق 680ء کو امام عالی مقام نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔

(خطباتِ محرم صفحہ 360 والضحیٰ پبلی کیشنز)

نوٹ: کچھ دنوں سے چند جاہل لوگوں نے سوشل میڈیا پر شیخِ طریقت امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہ العالیہ کے متعلق طوفانِ بدتمیزی برپا کر رکھا ہے کہ انہوں نے جو یہ بیان دیا ہے کہ بوقتِ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ نمازِ (ظہر) کی حالت میں نہیں تھے، یہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی گستاخی ہے حالانکہ نہ یہ گستاخی ہے اور نہ یہ خلافِ واقع ہے لیکن کہتے ہیں کہ اعتراض کرنے والا اندھے کی طرح ہوتا ہے اور یہ بات ان جاہل لوگوں پر کامل طور پر سچی آتی ہے کہ ان عقلکے اندھوں کو اپنے گھر کی بھی خبر نہیں کیونکہ اگر کچھ عقل و شعور رکھتے تو اپنے گھر کی بھی خبر رکھتے، اب ہم ان کے گھر کی گواہی دکھاتے ہیں کہ جس میں بوقتِ شہادت نہ تو امامِ حسین رضی اللہ عنہ کی نماز کا ذکر ہے اور نہ سجدے کا، لہذا ایسے لوگوں سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ حسد کی آگ میں جل کر خاکستر ہونے کے بجائے اسے پڑھیں۔

چنانچہ ڈاکٹر طاہر القادری منہاجی لکھتا ہے:

شمرِ لعین کے اکسانے پر یزیدی لشکر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر ہر طرف سے ٹوٹ پڑا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آگے بڑھ کر آپ کے بائیں کندھے پر تلوار ماری جس سے آپ لڑکھڑا گئے اس پر سب حملہ آور پیچھے ہٹ گئے پھر سنان بن ابی عمرو بن انس نخعی نے آگے بڑھ کر آپ کو نیزہ مارا جس سے آپ گھائل ہو کر گر پڑے سنان نے سواری سے اتر کر آپ کو ذبح کر دیا اور سر تن سے جدا کر کے خولی بن یزید کے حوالے کر دیا۔

(شہادت امام حسین، فلسفہ و تعلیمات، صفحہ 176 منہاج القرآن پبلی کیشنز)

مشہور شیعہ محقق، طالب جوہری بوقتِ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سجدہ کی نفی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

بلال بن نافع کہتا ہے کہ لشکر کے لوگوں نے جب امام حسین رضی اللہ عنہ کا کلام سنا تو اس طرح غضب میں آگئے جیسے اللہ نے رحم انکے دل میں ڈالا ہی نہ ہو۔ ابھی حسین باتیں کر ہی رہے تھے کہ ان کا سر کاٹ لیا گیا۔

(حدیثِ کربلا صفحہ 501)

شیعہ مذہب کا محقق و مجتہد محمد حسین نجفی بھی بوقتِ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نہ سجدے کا ذکر کرتا ہے اور نہ نماز کا، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

آخر کار شمر لعین نے للکار کر کہا۔ کیا انتظار ہے؟ ان کا کام جلد تمام کرو۔ خولی ابن یزید اصبحی لعین آگے بڑھا مگر وہ لرزہ براندام ہو کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد یہ (شمر) ملعون خود آگے بڑھا۔ بہر حال اس شقی ازلی نے کند تلوار کی بارہ ضربات سے خامس آل عبا نواسہ رسول خدا جناب سید الشہداء علیہ آلاف التحیۃ والثناء کا پس گردن سے سر اقدس تن اطہر سے جدا کر دیا۔

(سعادت الدارین فی مقتل الحسین صفحہ 476 اسلامک بک سنٹر اسلام آباد)

اس شیعہ محقق حسین نجفی نے اس بات پر کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی عین شہادت کے وقت نماز اور سجدہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے، بارہ (12) کتابوں کے حوالے پیش کیے جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) مقتل عوالم صفحہ 100، (۲) مقتل خوارزمی جلد 2 صفحہ 72، (۳) مقتل مقرم صفحہ 333، (۴) بحار الانوار، (۵) تقام ذخار، (۶) ارشاد شیخ مفید، (۷) امالی شیخ صدوق، (۸) مقتل ابن نما ز، (۹) تاریخ طبری، (۱۰) تاریخ کامل، (۱۱) ناسخ التواریخ، (۱۲) نفس المھموم وغیرھا۔

اللہ پاک ہم سب سنی مسلمانوں کو صحابہ کرام اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کی سچی محبت عطاء فرمائے اور ان جاہل لوگوں کی فتنہ گری سے محفوظ فرمائے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/09/09

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

خلافت راشدہ کی مدت/ملوکیت کا معنی، اول ملوک اسلام، حضرت ابوسفیان، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما اور یزید کے متعلق عقیدہ اہلسنت

استفتاء نمبر:34

1۔ اہل علم سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اسلام میں خلافتِ راشدہ کتنا عرصہ قائم رہی؟

2۔ ملوکیّت کا کیا مطلب ہے اور اول ملوکِ اسلام کون ہیں؟

3۔ نیز حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما کے بارے میں اہلسنت کے عقیدہ کیا ہے؟

4۔ اور یزید بن معاویہ کے بارے میں اہلسنت کے عقیدہ کیا ہے؟

بینوا بالکتاب و توجروا عند الحساب

سائل: انجمن نوجوانان اہل سنت میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

1۔ خلافتِ راشدہ تیس (30) سال تک قائم رہی۔

چنانچہ صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

منہاجِ نبوت پر خلافتِ حقہ راشدہ تیس سال رہی، کہ سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے چھ مہینے پر ختم ہوگئی، پھر امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ ہوئی اور آخر زمانہ میں حضرت سیّدنا امام مَہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

(بہارشریعت جلد 1 حصہ اول صفحہ 257 مکتبۃ المدینہ کراچی)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ حساب تقریبی ہے جس میں سال کی کسریں یعنی مہینے چھوڑ دیئے گئے ہیں حساب تحقیقی یہی ہے کہ خلافت صدیقی دو سال چار ماہ، خلافت فاروقی دس سال چھ مہینے، خلافت عثمانی چند دن کم بارہ سال، خلافت حیدری چار سال نو ماہ، چاروں خلفاء کی خلافت انتیس سال سات مہینے نو دن ہے، پانچ ماہ باقی رہے وہ ہی حضرت امام حسن کی خلافت نے پورے کردیئے۔ (اشعہ) ان مدتوں کے بیان میں کچھ اختلاف ہے بہرحال حضرت امام حسن کی چند ماہ خلافت پر تیس سال پورے ہوگئے، چونکہ امام حسن کی خلافت دراصل خلافت حیدری کا تتمہ تھی (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا بقیہ حصہ تھی) اس لیے اس کا ذکر علیحدہ نہ فرمایا۔

(مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح جلد 7 صفحہ 204 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

2—ملوکیت سے مراد بادشاہت وسلطنت ہے اور اول ملوکِ اسلام یعنی اسلام کے سب سے پہلے بادشاہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

چنانچہ علامہ علی بن سلطان حنفی المعروف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وأول ملوك المسلمين معاوية رضي الله عنه

یعنی اور مسلمانوں کے سب سے پہلے بادشاہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

(منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر للقاری ?، صفحہ 68، 69 مطبوعہ باب المدینہ کراچی)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اوّل ملوکِ اسلام ہیں، اسی کی طرف توراتِ مقدّس میں اشارہ ہے کہ:

مَوْلِدُہٗ بِمَکَّۃَ وَمُھَاجَرُہٗ بِطَیْبَۃَ وَمُلْکُہٗ بِالشَّامِ۔

وہ نبی آخر الزماں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مکہ میں پیدا ہوگا اور مدینہ کو ہجرت فرمائے گا اور اس کی سلطنت شام میں ہوگی۔

(المستدرک، کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاء والمرسلین، رقم الحدیث 4300 :، جلد 3، صفحہ 526)

(دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 6، صفحہ 281، مشکاۃ المصابیح، کتاب الفضائل، رقم الحدیث 5771 :، جلد 3، صفحہ 358)

تو امیرِ معاویہ کی بادشاہی اگرچہ سلطنت ہے، مگر کس کی! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سلطنت ہے۔

(بہارِ شریعت جلد 1 حصہ اول صفحہ 258 مکتبۃ المدینہ کراچی)

3—حضرت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیر وصلاح والے، متقی و پرہیزگار، عادل اور قطعی جنتی

ہیں، ان کا ذکر تعظیم وتوقیر، ادب اور خیر کے ساتھ کرنا فرض ہے اور ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی بدعقیدگی رکھنا یا کسی ایک کی شان میں بدگوئی کرنا انتہائی درجے کی بدنصیبی، بدمذہبی وگمراہی اور جہنم کی حقداری ہے، اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والے جہنمی کتے ہیں اور ان دونوں حضرات (حضرت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کی گستاخی کرنے والا صحیح العقیدہ سنی مسلمان نہیں بلکہ پکا رافضی مردود ہے۔

حضرت امام مزی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

سئل أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ النَّسَائی عَنْ معاوية بْن أَبي سفيان صاحب رَسُول اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ إنما الإسلام كدار لها باب، فباب الإسلام الصحابة، فمن آذى الصحابة إنما أراد الإسلام، كمن نقر الباب إنما يريد دخول الدار، قال :فمن أراد معاوية فإنما أراد الصحابة

یعنی اسلام کی مثال گھر کی ہے جس کا دروازہ ہے، صحابہ کرام اسلام کا دروازہ ہیں جو کوئی صحابہ کو ایذا پہنچاتا ہے اس کا ارادہ اسلام کو ہدف بنانے کا ہے جیسے کوئی گھر کا دراوازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ گھر میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اسی طرح جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتا ہے وہ صحابہ کرام پر اعتراض کا ارادہ رکھتا ہے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، جلد 1، صفحہ 339، 340)

چنانچہ صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم متقی و پرہیز گار ہیں، ان کا ذکر ادب، محبت اور توقیر کے ساتھ لازم ہے، ان میں سے کسی کے ساتھ بدعقیدگی یا کسی کی شان میں بدگوئی کرنا انتہائی درجہ کی بدنصیبی اور گمراہی ہے۔ وہ فرقہ نہایت بدبخت اور بددین ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن طعن کو اپنا مذہب بنائے، ان کی عداوت (دشمنی) کو ثواب کا ذریعہ سمجھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی شان ہے، ان کی ایذا (تکلیف) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا ہوتی ہے۔ کوئی ولی، کوئی غوث، کوئی قطب مرتبہ میں کسی صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں۔ روزِ محشر فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔

(کتاب العقائد صفحہ 46، 47 مکتبۃ المدینہ کراچی)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہلِ خیر وصلاح ہیں اور عادل، ان کا جب ذکر کیا جائے تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض

ہے۔ کسی صحابی کے ساتھ سوءِ عقیدت بدمذہبی وگمراہی واستحقاقِ جہنم ہے، کہ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کے ساتھ بغض ہے، ایسا شخص رافضی ہے، اگرچہ چاروں خلفا کو مانے اوراپنے آپ کو سُنّی کہے، مثلاً حضرت امیرِ معاویہ اوراُن کے والدِ ماجد حضرت ابوسفیان اور والدہ ماجدہ حضرت ہند، اسی طرح حضرت سیّدنا عَمرو بن عاص، وحضرت مغیرہ بن شعبہ، وحضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنھم، حتیٰ کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جنہوں نے قبلِ اسلام حضرت سیّدنا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کوشہید کیااور بعدِ اسلام اَخبث الناس خبیث مُسَیلِمہ کذّاب ملعون کوواصلِ جہنم کیا۔

وہ خودفرمایا کرتے تھے:

کہ میں نے خیرالنّاس وشرالنّاس کوقتل کیا، اِن میں سے کسی کی شان میں گستاخی، تبرّا (نفرت کااظہار کرنا) ہےاور اِس کا قائل رافضی، اگرچہ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنھما کی توہین کے مثل نہیں ہوسکتی، کہ ان کی توہین، بلکہ ان کی خلافت سے انکار ہی فقہائے کرام کے نزدیک کفر ہے۔

(بہارشریعت جلد 1 حصہ اول صفحہ مکتبۃ المدینہ کراچی)

شارحِ شفاشریف حضرت علامہ امام شہاب الدین خَفَاجی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

من یکن یطعن فی معاویۃ فذالك کلب من کلاب الھاویۃ"

یعنی جوحضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پرطعن کرے (یعنی اعتراض کرے، برابھلا کہے) تووہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتاہے۔

(نسیم الریاض شرح شفاشریف، جلد4، صفحہ 525، دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابراہیم بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما رایت عمر بن عبدالعزیز ضرب انسانا قط. الا انساناً شتم معاویة. فانه ضربه اسواطا

یعنی میں نے حضرت سیدناعمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کوکبھی کسی شخص کومارتے ہوئے نہیں دیکھا، انہوں نے صرف اس شخص کوکوڑے مارے جس نے سیدناامیرمعاویہ رضی اللہ عنہ کوبرابھلا کہا۔

(تاریخ مدینۃ دمشق، جلد59، صفحہ 211، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، البدایۃ والنھایۃ، جلد 8 صفحہ 148)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمدرضاخان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کوامام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جونسبت ہے وہی نسبت

ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضور پرنور امیر المؤمنین مولی المسلمین سیدنا و مولانا علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے ہے کہ ان میں فَرقِ مراتب بے شمار اور حق بَدَستِ حیدرِ کرّار، مگر مُعاوِیہ بھی ہمارے سردار، طَعن ان پر بھی کارِ فُجار۔

(فتاوی رضویہ جلد 10 صفحہ 201 رضافاؤنڈیشن لاہور)

4— یزید پلید کے بارے میں اہلسنت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ یہ فاسق و فاجر اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا تھا، البتہ یزید پلید کو کافر اور لعنتی کہنے کے متعلق علمائے اہلِ سنت کے تین اقوال ہیں:

1— امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین اسے کافر اور لعنتی کہتے ہیں۔

2— امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسے مسلمان کہتے ہیں۔

3— امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسے کافر اور لعنتی کہنے سے سکوت (خاموشی) اختیار فرماتے ہیں۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یزید پلید علیہ مایستحقہ من العزیز المجید قطعا یقینا باجماع اہلسنت فاسق و فاجر و جری علی الکبائر تھا اس قدر پر ائمہ اہل سنت کا اطباق و اتفاق ہے، صرف اس کی تکفیر و لعن میں اختلاف فرمایا۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے اتباع و موافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیص نام اس پر لعن کرتے ہیں اور اس آیہ کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ (22) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ (23)

کیا قریب ہے کہ اگر والی مُلک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو، یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت فرمائی تو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔

شک نہیں کہ یزید نے والی مُلک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا، حرمین طیبین و خود کعبہ معظّمہ و روضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں، مسجد کریم میں گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے، تین دن مسجد نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بے اذان و نماز رہی، مکہ و مدینہ و حجاز میں ہزاروں صحابہ و تابعین بے گناہ شہید کئے، کعبہ معظّمہ پر پتھر پھینکے، غلاف شریف پھاڑا اور جلا دیا، مدینہ طیبہ کی پاکدامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر مع ہمرائیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا، مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے گود کے پالے ہوئے تن نازنین پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوان مبارک چور ہو گئے، سر انور کہ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا

کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا، حرم محترم مخدرات مشکوئے رسالت قید کئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے، اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا، ملعون ہے وہ جوان ملعون حرکات کو فسق و فجور نہ جانے، قرآن عظیم میں صراحۃ اس پر ''لَعَنَھُمُ اللّٰہُ'' (ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) فرمایا، لہذا امام احمد اور ان کے موافقین ان پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے لعن و تکفیر سے احتیاطا سکوت فرمایا کہ اس سے فسق و فجور متواتر ہیں، کفر متواتر نہیں اور بحال احتمال نسبتِ کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر، اور امثال وعیدات مشروط بعدم توبہ ہیں ''لقولہ تعالی !فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا ۵ ۹ ۰ ۰ اِلَّا مَنْ تَابَ'' (توعنقریب دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے مگر جو تائب ہوئے۔ت) اور توبہ تادم غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط و اسلم ہے، مگر اس کے فسق و فجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریاتِ مذہب اہلِ سنت کے خلاف ہے اور ضلالت و بدمذہبی صاف ہے، بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبتِ سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا شمّہ ہو، ''وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ'' (اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)، شک نہیں کہ اس کا قائل ناصبی مردود اور اہل سنت کا عدو و عنود ہے''۔

(فتاوی رضویہ، کتاب السیر، جلد 14 صفحہ 591،592، 593 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

احکام شریعت میں ہے:

یزید پلید کے بارے میں ائمہ اہل سنت کے تین قول ہیں امام احمد وغیرہ اکابر اسے کافر جانتے ہیں تو ہرگز بخشش نہ ہوگی اور امام غزالی وغیرہ مسلمان کہتے ہیں تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہے اور ہمارے امام سکوت فرماتے ہیں کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر لہذا یہاں بھی سکوت کریں گے۔

(احکام شریعت، صفحہ 165 مکتبۃ المدینہ کراچی)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یزید پلید فاسق فاجر مرتکب کبائر تھا، معاذ اللہ اس سے اور ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے کیا نسبت۔؟! آج کل جو بعض گمراہ کہتے ہیں کہ ''ہمیں ان کے معاملہ میں کیا دخل۔! ہمارے وہ بھی شہزادے، وہ بھی شہزادے''۔! ایسا بکنے والا مردود، خارجی، ناصبی، مستحقِ جہنم ہے۔

ہاں! یزید کو کافر کہنے اور اس پر لعنت کرنے میں علمائے اہلِ سنّت کے تین قول ہیں اور ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک سکوت، یعنی ہم اسے فاسق فاجر کہنے کے سوا، نہ کافر کہیں، نہ مسلمان۔

(بہار شریعت جلد 1 حصہ اول صفحہ 261 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/09/22

تصدیق وتصحیح:

1—الجواب صحیح والمجیب مصیب،

ابوالحسنین محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی۔

2—الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

غازی عباس کا علم لگانا اور اس کی منت ماننا کیسا

استفتاء نمبر:35

غازی عباس علمدار رضی اللہ عنہ کے نام کا تین کونوں والا عَلَم یعنی کالا جھنڈا لگانا کیسا ہے اور اس علم کی منت ماننا کیسا ہے؟

سائل: تنویر عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهاب، اللهم هداية الحق والصواب

غازی عباس علمدار رضی اللہ عنہ کے نام کا مُرَوَّجہ، تین کونوں والا عَلَم یعنی کالا جھنڈا لگانا اور اس علم کے لگانے کی منت ماننا جائز نہیں ہے کیونکہ پہلی بات یہ کہ غازی عباس علمدار رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کا تین کونوں والا اور کالا ہونا ثابت ہی نہیں ہے اور اگر بالفرض ان کے جھنڈے کا ایسا ہونا ثابت ہو بھی جائے تو فی زمانہ چونکہ یہ بدمذہبوں کا شِعَار (یعنی ان کی علامت اور نشانی) ہے اور وہ بدمذھب اس علم سے پہچانے جاتے ہیں لہذا اس کو گھر پر نہیں لگایا جائے گا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

"من تشبہ بقوم فھو منھم"

یعنی جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ اسی قوم میں سے ہے۔

(سنن ابی داوٗد، کتاب اللباس، باب لبس الشہرۃ، جلد دوم صفحہ 203 آفتاب عالم پریس لاہور) (مسند احمد بن حنبل، از مسند عبد اللہ ابن عمر، جلد دوم صفحہ 50، 92 مطبوعہ دار الفکر بیروت) (مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط، کتاب الزہد جلد 10 صفحہ 271 مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت)

(منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر، فصل فی الکفر صریحاً و کنایۃً صفحہ 185 مصطفی البابی مصر وغیرہ)

دوسری بات یہ ہے کہ گھر پر ایسا علم لگانا اپنے آپ کو تہمت کی جگہ پر پیش کرنا ہے کیونکہ جو اپنے گھروں پر ایسا علَم لگائیں گے تو دیکھنے والے انہیں بدمذہب سمجھیں گے اور حدیثِ مبارکہ میں تہمت کی جگہوں پر کھڑا ہونے سے منع کیا گیا ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقف مواقف التہم"

یعنی جو شخص اللہ پاک اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ تہمت کی جگہ پر نہ ٹھہرے۔

(کشف الخفا جلد اول صفحہ 37 رقم الحدیث 88 : دار الکتب العلمیہ بیروت، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلوۃ، باب ادراک الفریضۃ صفحہ 249 نور محمد کارخانہ تجارت کراچی، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب ما یفسد الصوم و یوجب القضاء صفحہ 371 نور محمد کتب خانہ کراچی)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

"اتقوا مواضع التہم"

یعنی تم تہمت کی جگہوں سے بچو۔

(کشف الخفاء جلد اول صفحہ 45 رقم الحدیث 88 مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

تیسری بات یہ ہے کہ اس میں بدمذھبوں کی رونق اور تعداد کو بڑھانا بھی ہے کیونکہ جب گھر پر علَم لگائیں گے تو بدمذھب اسے دیکھ کر خوش ہوں گے کہ ہماری تعداد زیادہ ہے، اس طرح ان کی رونق و شان بڑھے گی اور دیکھنے والوں کی نظر میں ان کی تعداد زیادہ معلوم ہوگی اور حدیثِ مبارکہ میں ایسا کرنے والوں کے لئے یہ فرمایا کہ:

"من کثر سواد قوم فھو منھم"

یعنی جو کسی قوم کی تعداد بڑھائے وہ انہیں میں سے ہے۔

(تاریخ بغداد، ترجمہ عبد اللہ بن عتاب 5147، جلد 10 صفحہ 40 دار الکتاب العربی بیروت، المقاصد الحسنۃ، صفحہ 426، رقم الحدیث 1170 : دار الکتب العلمیۃ بیروت،) (الفردوس بماثور الخطاب، جلس 3 صفحہ 519 رقم الحدیث 5621 : دار الکتب العلمیہ بیروت، کنز العمال جلد 9 صفحہ 22 رقم الحدیث 24735 : مؤسسۃ الرسالہ بیروت، کنز العمال وغیرہ)

اب علم کے متعلق علمائے متاخرین کے کچھ فتاوی بھی ملاحظہ فرمائیں:

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

علم، تعزیے، مہندی، ان کی منت، گشت، چڑھاوا، ڈھول، تاشے، مجیرے، مرثیے، ماتم، مصنوعی کربلا کو جانا، عورتوں کا تعزیے دیکھنے کو نکلنا، یہ سب باتیں حرام و گناہ و ناجائز و منع ہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 24 صفحہ 498 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

عَلَم، تعزیہ، بیرق، مہندی جس طرح رائج ہیں، بدعت ہیں اور بدعت سے شوکتِ اسلام نہیں ہوتی۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 24 صفحہ 499 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

تعزیہ داری کہ ھمچو مبتدعاں می کنند بدعت ست و ھمچنیں ساختن ضرائح و صورت قبور و علم وغیرہ ایں ھم بدعت ست وظاھر ست کہ بدعت سیئہ است"

یعنی تعزیہ داری جیسا کہ بدمذھب کرتے ہیں، بدعتِ سیئہ ہے اور ایسے ہی تابوت، قبروں کی صورت اور عَلَم وغیرہ یہ بھی بدعت ہے اور ظاہر ہے کہ بدعتِ سیئہ ہے۔

(خطباتِ محرم بحوالہ فتاویٰ عزیزیہ جلد اول صفحہ 75)

خطباتِ محرم میں ہے:

''نظرِ غائر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم اور شدے جو نیزوں اور جھنڈوں کی شکل میں ہوتے ہیں غالباً یزیدی فوج کے اس فعل کی نقل ہے جو انہوں نے کربلا میں ظلم و جفا کے پہاڑ توڑنے کے بعد امامِ عالی مقام کا سر مبارک نیزوں پر کوفہ کی گلیوں میں بطورِ شادیانہ و مبارک بادی گھمایا تھا۔

(خطباتِ محرم صفحہ 394، 395 والضحیٰ پبلی کیشنز)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

کیا میری امت کو موت کی تکلیف برداشت کرنا پڑے گی

استفتاء نمبر: 36

سوشل میڈیا پر ایک حدیث مبارکہ وائرل کی جارہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا:

کیا میری امت کو موت کی تکلیف برداشت کرنی پڑے گی۔؟ تو فرشتے نے کہا:

جی! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔

تو اللہ تعالی نے فرمایا:

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی امت اگر ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گی تو موت کے وقت اس کا ایک پاؤں دنیا میں ہوگا اور دوسرا جنت میں۔

کیا واقعی ایسی کوئی روایت ثابت ہے؟

سائل: محمد اصغر اعوان عطاری پکّی موڑ چوک میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

یہ روایت مذکورہ الفاظ کے ساتھ کتب احادیث میں نہیں مل سکی، البتہ بعض کتب احادیث میں آیت الکرسی کی فضیلت سے متعلق یہ ضرور ملتا ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا تو موت کے سوا کوئی چیز اس کو جنت میں داخل ہونے سے نہ روکے گی۔

چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

من قرأ آية الكرسی فی دبر كل صلاة مكتوبة لم يمنعه من دخول الجنة الا ان يموت

یعنی جوشخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز نہیں روکتی.

(سنن النسائی الکبری، عمل الیوم واللیلة، ثواب من قرا آیة الکرسی دبر کل صلاة، 6/ 30 دار الکتب العلمیة بیروت، طبرانی، الترغیب والترہیب)

اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا:

جوشخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے اسے جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی...الخ۔

(شعب الایمان جلد 2 صفحہ 458 رقم الحدیث 2395 دار مکتۃ المکرمۃ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/08/17

تصدیق وتصحیح:

1۔ استفتاء نمبر 36 کا جواب بھی بمطابق فقہ حنفی درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے ذریعے سے اہلسنت وجماعت کو مستفیض فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

2۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

جوشخص کہے میں شریعت کو نہیں مانتا اس کا شرعی حکم

استفتاء نمبر: 37

ایک داماد نے اپنی ساس سے کہا کہ شریعت کے اندر حکم یہ ہے کہ عورت ہفتے میں ایک مرتبہ اپنے ماں باپ کے گھر جاسکتی ہے تو اس کی ساس نے جواباً کہا کہ "میں شریعت وریعت نہیں مانتی" تو ایسی ساس کے لیے کیا شرعی حکم ہے؟

سائلہ: ام عمارہ عطاریہ کراچی پاکستان

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

صورتِ مسؤلہ (یعنی پوچھی گئی صورت) میں مذکورہ ساس کا یہ کہنا کہ " : میں شریعت وریعت نہیں مانتی ۔" یہ صریح کلمہ کفر ہے، لہٰذا اس کی ساس پر فرض ہے کہ وہ اس کلمہ خبیثہ سے توبہ کرے، تجدیدِ ایمان کرے، اگر اس کا شوہر زندہ ہے تو اس سے دوبارہ نکاح کرے، اور اس کی بیعت بھی ٹوٹ گئی ہے لہٰذا کسی پیرِ کامل سے دوبارہ بیعت کرے۔

چنانچہ صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یوہیں شرع کی توہین کرنا (کُفر ہے) مثلاً کہے میں شَرع وَرع نہیں جانتا یا عالِمِ دین محتاط کا فتویٰ پیش کیا گیا اُس نے کہا میں فتویٰ نہیں مانتا یا فتویٰ کو زمین پر پٹک دیا۔

(بہارِ شَریعت، مرتد کا بیان، جلد2، حصہ 9، صفحہ 465، مکتبۃ المدینہ کراچی)

شارح بخاری، فقیہِ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اس نے یہ بکا کہ میں شریعت کو نہیں مانتا، شریعت کوئی چیز نہیں، یہ صریح کلمہ کفر ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس سے میل جول، سلام کلام بند کردیں۔ اگر بے توبہ وتجدیدِ ایمان کے مرجائے تو اس کے غسل، کفن، دفن، جنازہ میں شریک نہ ہوں۔

(فتاویٰ شارحِ بخاری، کتاب العقائد، باب الفاظ الکفر، جلد2، صفحہ 510، 511 مکتبہ برکات المدینہ کراچی)

حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی بھاگلپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

زید کا یہ کہنا کہ ہم شریعت کو نہیں مانتے، شرعاً کفر ہے۔ لہٰذا زید قولِ مذکور کے باعث کافر ومرتد ہوگیا۔ اس پر توبہ اور تجدیدِ ایمان وتجدیدِ بیعت وتجدیدِ نکاح فرض ولازم ہے۔

شرح عقائد نسفی صفحہ 120 میں ہے:

ورد النصوص۔ كفر و استحلال المعصية صغيرة او كبيرة كفر اذا ثبت كونها معصية بدليل قطعي (و الاستهانة بها كفر و الاستهزاء على الشريعة كفر) لان ذلك من امارات التكذيب

نصوص کا رد کرنا یعنی شریعت کا نہ ماننا کفر ہے۔ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، اسے حلال سمجھنا کفر ہے، اگر اس کا معصیت ہونا دلیلِ قطعی سے ثابت ہے۔ اسی طرح نصوص کی توہین اور شریعت کا استہزاء کفر ہے۔ کیونکہ یہ باتیں تکذیب کی نشانیاں ہیں۔

(حبیب الفتاویٰ، کتاب العقائد، متفرق عقائد، جلد 1، صفحہ 97 شبیر برادرز اردو بازار لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/11/23

تصدیق وتصحیح:

1—الجواب صحیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

2—الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

کیا مردہ قبر میں سن سکتا ہے

استفتاء نمبر:38

کیا مردہ دفن ہونے کے بعد آوازیں سن سکتا ہے؟

سائل: عبد الرحمن عطاری میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جی ہاں! مرنے کے بعد مردہ آوازیں سنتا ہے اور کثیر اَحادیث سے مُردوں کا سننا ثابت ہے، ہم صحیح البخاری اور صحیح مسلم سے چند اَحادیث ذکر کرتے ہیں جن میں مردوں کے سننے کا ذکر ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتَّى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ"

یعنی بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور دفن کر کے اس کے لوگ پیٹھ موڑ کر رخصت ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال، صفحہ 247، رقم الحدیث 1338:، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

(صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ او النار علیہ، واثبات عذاب القبر والتعوذ منہ، صفحہ 1099، رقم الحدیث 2870 :، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ:

اطلع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی اھل القلیب، فقال" :وجدتم ما وعد ربکم حقا؟' فقیل لہ اتدعو امواتا؟ فقال ما انتم باسمع منھم، ولکن لا یجیبون

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے کنویں پر تشریف لے گئے، جس میں کفار کی لاشیں پڑیں تھیں، پھر فرمایا: کیا تم نے حق پایا جو تمہارے رب نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا (یعنی عذاب)، کسی نے عرض کی: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُردوں کو پکارتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن یہ جواب نہیں دیتے (ایسا جواب جو تم سن سکو۔)

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، صفحہ 253،254، رقم الحدیث 1370 :دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں:

إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یرینا مصارع اھل بدر بالامس، یقول: "ھذا مصرع فلان غدا، إن شاء اللہ" قال :فقال عمر :فالذی بعثہ بالحق ما اخطؤوا الحدود التی حد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال :فجُعِلوا فی بئرٍ بعضُھم علی بعض، فانطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتی انتھی إلیھم، فقال یا فلان بن فلان ویا فلان بن فلان، ھل وجدتم ما وعدکم اللہ ورسولہ حقا؟ فإنی قد وجدت ما وعدنی اللہ حقا. قال عمر :یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، کیف تکلم اجسادا لا ارواح فیھا؟ قال :ما انتم باسمع لما اقول منھم غیر انھم لا یستطیعون ان یردوا علی شیئا

یعنی رسولُ اللہ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ ہمیں کفارِ بدر کی قتل گاہیں دکھاتے تھے کہ یہاں فلاں کافر قتل ہوگا اور یہاں فلاں، جہاں جہاں حضورِ اقدس صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے بتایا تھا وہیں وہیں ان کی لاشیں گریں۔ پھر آپ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے حکم سے ان کی لاشیں ایک کنویں میں بھر دی گئیں۔ سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وہاں تشریف لے گئے اور ان کفار کو ان کا اور ان کے باپ کا نام لے کر پکارا اور فرمایا: جو سچا وعدہ خدا اور رسول نے تمہیں دیا تھا وہ تم نے

بھی پالیا؟ کیونکہ جوحق وعدہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا تھا، میں نے تو اسے پالیا۔ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کی : یارسولَ اللہ! صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، آپ ان جسموں سے کیونکر کلام کرتے ہیں جن میں روحیں نہیں۔ ارشاد فرمایا : جو میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے کچھ زیادہ نہیں سنتے لیکن انہیں یہ طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ اوالنار علیہ، واثبات عذاب القبر والتعوذ منہ، صفحہ 1100، 1101، رقم الحدیث 2873 :، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

نوٹ: کچھ لوگ سورۃ الروم کی آیت نمبر :52

"فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ"،

اس لیے کہ تم مُردوں کو نہیں سناتے اور نہ بہروں کو پکارنا سناؤ جب وہ پیٹھ دے کر پھریں۔

(پارہ 21 سورۃ الروم 52 :)

سے مُردوں کے نہ سننے پر اِستدلال کرتے ہیں مگر یہ استدلال درست نہیں کیونکہ یہاں مردوں سے موت کا شکار ہونے والے لوگ مراد نہیں بلکہ مردہ دل کفار مراد ہیں جن کے دل مرے ہوئے ہیں جو دُنیوی زندگی تو رکھتے ہیں مگر وعظ ونصیحت سے فائدہ حاصل نہیں کرتے، اس لئے انہیں مُردوں سے تشبیہ دی گئی کیونکہ مردے عمل کے مقام سے گزر گئے ہوتے ہیں اور وہ وعظ ونصیحت سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس آیت سے مردوں کے نہ سننے پر دلیل پیش کرنا درست نہیں، جبکہ بکثرت اَحادیث سے مُردوں کا سننا اور اپنی قبروں پر زیارت کیلئے آنے والوں کو پہچاننا ثابت ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت میں سننے کی نفی نہیں بلکہ سنانے کی نفی ہے اور اگر سننے کی نفی مان لی جائے تو یہاں یقیناً "سننا" قبول کرنے کیلئے سننے اور نفع بخش سننے کے معنی میں ہے۔ باپ اپنے عاقل بیٹے کو ہزار بار کہتا ہے : وہ میری نہیں سنتا۔ کسی عاقل کے نزدیک اس کے یہ معنی نہیں کہ حقیقۃً کان تک آواز نہیں جاتی۔ بلکہ صاف یہی کہ سنتا تو ہے، مانتا نہیں، اور سننے سے اسے نفع نہیں ہوتا، آیہ کریمہ میں اسی معنی کے ارادہ پر "ہدایت" شاہد کہ کفار سے نفع اٹھانے ہی کی نفی ہے نہ کہ اصل سننے کی نفی۔ خود اسی آیہ کریمہ "اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" کے تتمہ میں ارشاد فرماتا ہے :"اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ" تم نہیں سناتے مگر انھیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں تو وہ فرمانبردار ہیں۔ اور پُر ظاہر کہ وعظ ونصیحت سے نفع حاصل کرنے کا وقت یہی دنیا کی زندگی ہے۔ مرنے کے بعد نہ کچھ ماننے سے فائدہ نہ سننے سے حاصل، قیامت کے دن سبھی کافر ایمان لے آئیں گے، پھر اس سے کیا کام، تو حاصل یہ ہوا کہ جس طرح مردوں کو وعظ سے کوئی فائدہ نہیں، یہی حال کافروں کا ہے کہ لاکھ سمجھائیے نہیں مانتے۔"

(فتاوی رضویہ جلد 9 صفحہ 701 ملخصاً، رضافاؤنڈیشن لاہور)

فائدہ: مُردوں کے سننے سے متعلق مسئلے کی مزید تفصیل جاننے کے لئے فتاویٰ رضویہ کی جلد 9 میں موجود رسالہ:

حَیَاتُ الْمَوَاتِ فِیْ بَیَانِ سِمَاعِ الْاَمْوَاتِ

(مردوں کی سماعت کے بیان میں مفید رسالہ)

کامطالعہ فرمائیں۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

تصدیق وتصحیح:

اصل میں اِسماع اور ہے اور سماعت اور ہے، اِسماع سنانا ہے، اللہ قدیر ہے جس طرح زندوں کوسنوا سکتا ہے اسی طرح مردوں کوبھی سنوا سکتا ہے اور سماعت الگ ہے جب وہ سنوا سکتا ہے تو جب زندوں کوسنوائے تو وہ بھی سنتے ہیں اور مردوں کوسنوائے تو وہ بھی سنتے ہیں اور قرآن وسنت کا واضح پیغام یہی ہے کہ جو برزمین ہیں وہ بھی سنتے ہیں اور جو زیرِ زمین ہیں وہ بھی سنتے ہیں بلکہ ان کے حواس بڑھ جاتے ہیں حتیٰ کہ صحیح بخاری شریف کی حدیث کے مطابق جب مردے کی تدفین کے بعد لوگ چلتے ہیں تو ان کے قدموں کی چاپ کو بھی وہ سنتا ہے ''حتی یسمع خفق نعالھم'' یہ الفاظ ہیں، تو آپ کا جواب درست اور تحقیقی ہے، میں اس کی تائید وتوثیق کرتا ہوں۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ الخ آیت کی تفسیر

استفتاء نمبر:39

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ-وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ-وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ-

اس آیت کا درست ترجمہ اور تفسیر کیا ہے؟

سائل: عبداللہ عیسیٰ خیل

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملک الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

اللہ پاک فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ-وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ-وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ-اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

ترجمہ: تم فرماؤ، میں اپنی جان کے نفع اور نقصان کا خود مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو میں بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی۔ میں تو ایمان والوں کو صرف ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

(پارہ9،سورۃالاعراف188 :)

اس فرمان ’’قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ‘‘ (یعنی تم فرماؤ، میں اپنی جان کے نفع اور نقصان کا خود مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے) کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ کو کمال درجے کی عاجزی، عظمتِ الٰہی اور عقیدۂ توحید کے اظہار کا حکم فرمایا گیا کہ سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ کے پاس جو قدرت و اختیار اور علم ہے خواہ اپنی ذات کے متعلق یا دوسروں کے بارے میں، یونہی دنیاوی چیزوں کے بارے میں یا قیامت، آخرت اور جنت کے بارے میں وہ تمام کا تمام اللہ پاک کی عطا سے ہے، لہٰذا حضورِ اقدس ص صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ کا اوّلین و آخرین سے افضل ہونا، دنیا و آخرت کے اُمور میں تَصَرُّف فرمانا، صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم کو شفا عطا فرمانا بلکہ جنت عطا فرمانا، انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کرنا وغیرہا جتنی چیزیں ہیں، سب اللہ پاک کے چاہنے سے ہیں۔

آگے فرمایا:

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ"

یعنی اور اگر میں غیب جان لیا کرتا۔

اس آیتِ مبارکہ میں علمِ غیب کی نفی کی علماءِ کرام نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں، ان میں سے چار توجیہات درج ذیل ہیں جنہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ کے علوم کے بیان پر مشتمل اپنی لاجواب کتاب ’’اِنْبَاءُ الْحَیِّ اَنَّ کَلَامَہُ الْمَصُوْنَ تِبْیَانٌ لِّکُلِّ شَیْءٍ‘‘ (اللہ تعالیٰ کا کلام قرآنِ مجید ہر چیز کا روشن بیان ہے) میں بیان فرمایا ہے:

1—اس آیت میں علمِ عطائی کی نفی نہیں بلکہ علمِ ذاتی کی نفی ہے۔

چنانچہ امام قاضی عیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ ’’شفا شریف‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم کے معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم کے غُیوب پر مُطّلع فرمایااور آئندہ ہونے والے واقعات سے باخبر کیا۔ اس باب میں احادیث کا وہ بحرِ ذخّار ہے کہ کوئی اس کی گہرائی جان ہی نہیں سکتااور نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے معجزات میں سے یہ ایک ایسا معجزہ ہے جو یقین اور وُثوق سے معلوم ہے اور ہم تک اس کی خبریں مُتواتر طریقے سے کثرت سے پہنچی ہیں اور غیب پر اطلاع ہونے پر اِن احادیث کے معانی و مطالب آپس میں متحد ہیں۔

(شفاء شریف، فصل و من ذلک ما اطلع علیہ من الغیوب و ما یکون، صفحہ 335، 336، الجزء الاول)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہِ تحریر فرماتے ہیں:

یہ وضاحت ان قرآنی آیات کے منافی نہیں جن میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی غیب نہیں جانتااور اس آیتِ کریمہ ''وَ لَوۡ کُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ لَاسۡتَکۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَیۡرِ '' میں کسی واسطے کے بغیر (یعنی علمِ ذاتی) کی نفی کی گئی ہے البتہ اللہ پاک کے بتانے سے حضور پُر نور صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا غیب پر مطلع ہونا ثابت ہے اور اس کی دلیل اللہ پاک کا یہ فرمان ہے۔

عَالِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا ۔ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ

ترجمہ: غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر کسی کو مکمل اطلاع نہیں دیتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(سورۃ الجن 26 :، 27) (نسیم الریاض، القسم الاول فی تعظیم العلی الاعظم ۔ الخ فصل فیما اطلع علیہ من الغیوب و ما یکون، جلد 4 صفحہ 149)

2= یہ کلام ادب و تواضع کے طور پر ہے۔

چنانچہ علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس آیت میں اس بات کا احتمال ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے یہ کلام تواضع اور ادب کے طور پر فرمایا ہو اور مطلب یہ ہے کہ میں غیب نہیں جانتا مگر یہ کہ اللہ پاک نے جس کی مجھے اطلاع دی اور جو میرے لئے مقرر فرمایا میں صرف اسی کو جانتا ہوں۔

(خازن، الاعراف، تحت الآیۃ 188 :، جلد 2 صفحہ 167)

3—اس آیت میں فی الحال غیب جاننے کی نفی ہے، مستقبل میں نہ جاننے پر دلیل نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ حضور پر نور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے غیب پر مطلع ہونے سے پہلے یہ کلام فرمایا، پھر جب اللہ پاک نے حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو علمِ غیب کی اطلاع دی تو حضور انور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اس کی خبر دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ"

ترجمہ: غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر کسی کو مکمل اطلاع نہیں دیتا۔ سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(سورۃ الجن 26 : ، 27 خازن، الاعراف، تحت الآیۃ 188 : جلد 2 صفحہ 167)

4– یہ کلام کفار کے سوال کے جواب میں صادر ہوا۔

چنانچہ علامہ علی بن محمد خازن رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام کفار کے سوال کے جواب میں صادر ہوا، پھر اس کے بعد اللہ پاک نے غیبی اَشیاء کو حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پر ظاہر کیا اور حضور پُرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ان کی خبر دی تا کہ یہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا معجزہ اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی نبوت صحیح ہونے پر دلیل بن جائے۔

(خازن، الاعراف، تحت الآیۃ 188 : جلد 2 صفحہ 167)

پھر اللہ پاک کے فرمان:

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ

یعنی تو میں بہت سی بھلائی جمع کر لیتا۔

کے متعلق سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

بھلائی جمع کرنا اور برائی نہ پہنچنا اسی کے اختیار میں ہوسکتا ہے جو ذاتی قدرت رکھے اور ذاتی قدرت وہی رکھے گا جس کا علم بھی ذاتی ہو کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہے اس کے تمام صفات ذاتی، تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھے غیب کا علم ذاتی ہوتا تو قدرت بھی ذاتی ہوتی اور میں بھلائی جمع کر لیتا اور برائی نہ پہنچنے دیتا۔ بھلائی سے مراد راحتیں اور کامیابیاں اور دشمنوں پر غلبہ ہے اور برائیوں سے تنگی و تکلیف اور دشمنوں کا غالب آنا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھلائی سے مراد سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن کر لینا ہو اور برائی سے بدبخت لوگوں کا باوجود دعوت کے محروم رہ جانا تو حاصلِ کلام یہ ہوگا کہ اگر میں نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا تو اے منافقین و کافرین! تمہیں سب کو مومن کر ڈالتا اور تمہاری کفری حالت دیکھنے کی تکلیف مجھے نہ پہنچتی۔

(تفسیر صراط الجنان جلد 3 صفحہ 491، 492، 493، 494 مکتبۃ المدینہ کراچی بتغیرٍ قلیلٍ)

(خزائن العرفان، الاعراف، تحت الآیۃ 188 : صفحہ 330)

واللہ اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/01/18

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

اللہ پاک کو سخی کہنا کیسا ہے؟

استفتاء نمبر:40

اللہ پاک کو سخی کہنا کیسا ہے؟

سائل: عبید رضا عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

اللہ پاک کو سخی نہیں کہہ سکتے بلکہ اُسے سخی کہنے کے بجائے جَوَّاد کہنا چاہیے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"اسمائے اِلٰھِیّہ توقِیفِیّہ (یعنی قرآن وحدیث کی طرف سے اللہ پاک کے ٹھہرائے ہوئے نام) ہیں، یہاں تک کہ اللہ جَلَّ جَلالُہٗ کا جَواد ہونا اپنا ایمان مگر اسے سخی نہیں کہہ سکتے کہ شَرع میں وارد نہیں۔"

(فتاوی رضویہ جلد 27 صفحہ 165 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

محاورہ عرب میں عموماً سخی اسے کہتے ہیں جو خود بھی کھائے اوروں کو بھی کھلائے، جواد وہ جو خود نہ کھائے اوروں کو کھلائے، اِسی لیے اللہ تعالیٰ کو سخی نہیں کہا جاتا ہے۔ سخی کے مقابل بخیل ہے (اور بخیل وہ ہے) جو خود کھائے اوروں کو نہ کھلائے۔ جَواد کا مقابِل مُمسِک ہے (اور مُمسِک وہ ہے) جو نہ کھائے نہ کھانے دے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام دُنیوی اُخروی نعمتیں دُنیا کے لیے ہیں اُس (کی اپنی ذات) کیلئے نہیں۔

(مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 221 ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/03/27

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

اللہ پاک کو بھگوان کہنا کیسا ہے؟

استفتاء نمبر: 41

اللہ پاک کو بھگوان کہنا کیسا ہے؟

سائل: جنید عطاری عیسیٰ خیل

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

سنسکرت زبان میں "بھگ" "عورت کی شرم گاہ" کو کہتے ہیں اور "وان" کا معنی "والا" ہے تو بھگوان کا معنی "عورت کی شرم گاہ والا" بنتا ہے۔ اور یہ معنی اللہ پاک کے لیے استعمال کرنا عیب اور اس کی شان کے خلاف ہیں اور اس بات کو لازم ہے کہ وہ خدا نہ ہو، اس لئے اس لفظ کے معنی کو جانتے ہوئے جو مسلمان اللہ پاک کو "بھگوان" کہے گا وہ کافر و مرتد ہو جائے گا، اس کے تمام نیک اعمال برباد ہو جائیں گے اور اس پر فرض ہو جائے گا کہ وہ اس کفر سے توبہ کرتے ہوئے پھر سے کلمہ پڑھے اور اگر شادی شدہ تھا تو پھر سے نکاح کرے۔ البتہ جو اس کے معنی نہ جانتا ہو لیکن اتنا جانتا ہو کہ ہندوؤں میں خدا کو "بھگوان" کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے اس نے اللہ پاک کو "بھگوان" کہہ دیا تو اس شخص پر حکمِ کفر تو نہ ہوگا لیکن یہ کہنا کفر ضرور ہے جس سے توبہ اور تجدیدِ ایمان کرنا لازم ہے اور اگر شادی شدہ ہے تو تجدیدِ نکاح کرنا بھی لازم ہے۔

چنانچہ شارح بخاری فقیہِ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

بھگوان اور رام کے جو حقیقی معنی ہیں ان پر مطلع ہوتے ہوئے جو شخص اللہ عزوجل کو بھگوان یا رام کہے وہ بلاشبہ کافر مرتد ہے،

اس کے تمام اعمالِ حسنہ اکارت ہو گئے، اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ اس پر فرض ہے کہ اس سے توبہ کرے پھر سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو، اور اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہو تو پھر سے تجدیدِ نکاح کرے۔ سنسکرت میں بھگ عورت کی شرم گاہ کو کہتے ہیں، اور وان معنی والا۔ رام کے معنی رما ہوا یعنی کسی میں گھسا ہوا ہے یہ دونوں معنی اللہ عزوجل کے لیے عیب اور اس کو مستلزم ہیں کہ وہ خدا نہ ہو اس لیے دونوں الفاظ کا اطلاق اللہ عزوجل پر کفر ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جو اس کے حقیقی معنی نہیں جانتے وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہندوؤں میں اللہ عزوجل کو بھگوان یا رام کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اگر اللہ عزوجل کو بھگوان یا رام کہا تو ان کا حکم اتنا سخت نہیں پھر بھی ان پر توبہ وتجدیدِ ایمان ونکاح لازم ہے۔

(فتاویٰ شارح بخاری، جلد 1، صفحہ 171، 172، برکات المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/11/13

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

تعویذات کا قرآن وحدیث سے ثبوت

استفتاء نمبر:42

تعویذات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں ثبوت مطلوب ہے؟

سائل: جمیل قادری کراچی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق والصواب

اہلِ سُنّت کے نزدیک آیاتِ قرآنیہ، اسماءِ الٰہیہ اور دعائیہ کلمات کے تعویذات پہننا جائز ہے، اور بعض حدیثوں میں جو تعویذات ممانعت آئی ہے، اس سے مراد وہ تعویذات ہیں جو ناجائز الفاظ (شرکیہ الفاظ) پر مشتمل ہوں، کیونکہ اس قسم کے تعویذات زمانہ جاہلیت میں کیے جاتے تھے۔

چنانچہ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

اذا فزع احدکم فی النوم فلیقل :اَعُوذُ بِکَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِن غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَمِن هَمَزَاتِ الشَّیَاطِینِ وَاَن یَّحضُرُونِ فانها لن تضره

یعنی جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈر جائے تو وہ یہ دعا پڑھے 'اَعُوذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَامَاتِ مِن غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ، وَمِن هَمَزَاتِ الشَّیَاطِینِ وَاَن یَحضُرُونِ" تو شیاطین اسے نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

فکان عبداللہ بن عمرو، یلقنها من بلغ من ولدہ، ومن لم یبلغ منهم کتبها فی صك ثم علقها فی عنقه"

یعنی حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمرو رَضِیَ اللہ عنہ اپنے بالغ بچوں کو اس دعا کی تلقین فرماتے اور جو نابالغ بچے ہوتے ان کے لیے یہ دعا کاغذ پر لکھتے پھر اس کو ان گلے میں لٹکا دیتے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ھذا حدیث حسن غریب

یعنی یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(سنن ترمذی، کتاب الدعوات، 72 – باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید، 96 – باب (م 93 :، ت:۔) صفحہ 808، رقم الحدیث 3528 :، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

(وہابیوں کے مولوی البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔)

مُحَقِّق عَلَی الِا طلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی عَلَیہِ رَحمَۃُ اللّٰہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث سے گردن میں تعویذات لٹکانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اس باب میں علماء کا اختلاف ہے، مختار یہ ہے کہ سیپیوں اور اس کی مثل چیزوں کا لٹکانا حرام یا مکروہ ہے لیکن اگر تعویذات میں قرآنِ مجید یا اللہ تعالی کے اسماء لکھے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں (اشعۃ اللمعات، کتاب اسماء اللہ تعالی، باب الاستعاذۃ، جلد 2 صفحہ 307)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

التمائم ما علق قبل نزول البلاء، وما علق بعدہ فلیس بتمیمة

یعنی تعویذات وہ ہیں جو بلا نازل ہونے سے پہلے پہنے جائیں، جو بعد میں پہنے جائیں تو وہ تعویذات نہیں ہیں۔

هذا حديث صحيح الاسناد على شرط الشيخين و لم يخرجاه (التعليق :من تلخيص الذهبى) صحيح

یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح الاسناد ہے اور انہوں نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔ امام ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب الطب، کتاب الرقی والتمائم، جلد 4، صفحہ 463، دار الکتب العلمیہ بیروت، السنن الکبریٰ، ابواب کسب الحجام، باب التمائم، جلد 9، صفحہ 589، دار الکتب العلمیہ بیروت)

یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے دم اور تعویذ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

كان سعيد بن المسيب يامر بتعليق القرآن و قال "لا باس به"

یعنی سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ حکم دیتے تھے کہ قرآنِ پاک کا تعویذ بناؤ، اور فرماتے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

(السنن الکبریٰ، ابواب کسب الحجام، باب التمائم، جلد 9، صفحہ 590، دار الکتب العلمیہ بیروت)

وہابیوں کا امام ابنِ تیمیہ لکھتا ہے

و يجوز ان يكتب للمصاب و غيره من المرضى شيئا من كتاب الله و ذكره بالمداد المباح و يغسل و يسقى كما نص على ذلك احمد و غيره

یعنی جائز ہے کہ مصیبت زدہ اور دوسرے مریضوں کے لئے کتاب اللہ اور اس کے ذکر میں سے کچھ مباح روشنائی کے ساتھ تعویذ لکھا جائے، اسے دھویا جائے اور پلایا جائے جیسا کہ اس پر امام احمد اور دیگر علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔

علی نے کہا:

يكتب فى كاغذة فيعلق على عضد المراة

یہ تعویذ کاغذ میں لکھا جائے پھر عورت کے بازو میں باندھا جائے۔

(مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ، فصل فی جواز ان یکتب للمصاب الخ، جلد 19، صفحہ 64، مجمع الملک مدینہ منورہ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الاسترقاء بالقرآن نحو أن يقرأ على المرض و الملدوغ أو يكتب فى ورق و يعلق أو يكتب فى طست فيغسل و يسقى المريض فأباحه عطاء و مجاهد و أبو قلابة...فقد ثبت

ذلك فی المشاهیر من غیر إنكار و الذی رعف فلا یرقأ دمه فأراد أن یكتب بدمه علی جبهته شیئاً من القرآن یجوز و كذا لو كتب علی جلد میتة اذا كان فیه شفاء ولا بأس بتعلیق التعویذ ولكن ینزعه عند الخلاء و القربان

یعنی قرآن کریم سے دم (جھاڑ پھونک) کرنا یوں کہ مریض اور (سانپ، بچھو وغیرہ سے) ڈسے پر قرآن پڑھے یا کاغذ پر لکھ کر گلے وغیرہ میں لٹکائے یا پلیٹ پر لکھ کر اور اس تحریر کو دھو کر بیمار کو پلائے اسے عطاء، مجاہد اور ابو قلابہ نے جائز قرار دیا ہے، مشہور ائمہ میں یہ عمل بغیر انکار ثابت ہے۔ اور جس کی نکسیر نہ رُکتی ہو اور وہ اپنے اُسی خون سے اپنی پیشانی پر قرآن کریم کی کوئی آیت لکھنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ یونہی مردار کے (رنگے ہوئے) چمڑہ پر لکھنا جب اس میں شفاء (کی امید) ہو جائز ہے۔ اور گلے میں تعویذ لٹکانے میں حرج نہیں، ہاں بیت الخلاء یا بیوی سے قربت کے وقت اتار دے۔

(فتاوی عالمگیری، جلد 5 صفحہ 356 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ محمد بن علی المعروف علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فرع :فی المجتبی :التمیمة المكروهة ما كان بغیر العربیة"

یعنی مجتبیٰ میں ہے کہ مکروہ تعویذ وہ ہے جو عربی کے بغیر ہو۔

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"قوله :(التمیمة المكروهة) أقول :الذی رأیته فی المجتبی :التمیمة المكروهة ما كان بغیر القرآن، و قیل :هی الخرزة التی تعلقها الجاهلیة اه. و فی المغرب :وبعضهم یتوهم أن المعاذات هی التمائم، و لیس كذلك إنما التمیمة الخرزة، و لا بأس بالمعاذات إذا كتب فیها القرآن، أو أسماء الله تعالی... قالوا :إنما تكره العوذة إذا كانت بغیر لسان العرب، ولا یدری ما هو، و لعله یدخله سحر أو كفر أو غیر ذلك، و أما ما كان من القرآن أو شیء من الدعوات فلا بأس به اه. اختلف فی الاستشفاء بالقرآن بأن یقرأ علی المریض أو الملدوغ الفاتحة، أو یكتب فی ورق و یعلّق علیه أو فی طست و یغسل و یسقی. و عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم أنه كان یعوذ نفسه. و علی الجواز عمل الناس الیوم، وبه وردت الآثار، ولا بأس بأن یشدّ الجنب و الحائض التعاویذ علی العضد اذا كانت ملفوفة"

یعنی علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول :"التمیمۃ المکروھۃ" میں (علامہ شامی) کہتا ہوں کہ : میں نے "مجتبیٰ" میں دیکھا ہے کہ مکروہ تعویذ وہ ہے جو قرآن کے علاوہ ہو، اور کہا گیا ہے کہ یہ گھونگھے (سیپیاں) ہیں جو اہلِ جاہلیت لٹکا تے تھے۔ اور "مغرب" میں ہے کہ بعض نے یہ وہم کیا کہ تعویذات ہی تمائم ہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے، تمیمہ تو گھونگھے (سیپیاں) ہیں اور ان تعویذات (سے شفاء حاصل کرنے) میں کوئی حرج نہیں جن میں قرآن یا اللہ تعالیٰ کے اسماء (نام) لکھے ہوں۔

علماء کرام فرماتے ہیں: تعویذ اس وقت مکروہ ہے جب وہ عربی زبان کے علاوہ ہو اور پتہ نہ چلے کہ یہ کیا ہے (یعنی مطلب معلوم نہ ہو)، اور (مطلب معلوم نہ ہونے کی وجہ سے) ممکن ہے کہ اس میں جادو یا کفر یا اس کے علاوہ کوئی خلافِ شرع چیز وغیرہ شامل ہو جائے، اور بہر حال جو تعویذ قرآنِ پاک سے ہو یا کسی دعا کے ساتھ ہو تو اس میں حرج نہیں ہے۔

قرآن کے ذریعہ شفاء حاصل کرنے میں اختلاف ہے۔ مثلاً بیمار یا (سانپ، بچھو وغیرہ سے) ڈسے ہوئے پر فاتحہ پڑھنا یا کسی کاغذ میں لکھ کر اس کے گلے وغیرہ پر لٹکا دیا جائے یا پلیٹ پر لکھ کر اور اس لکھے کو دھو کر اسے پلا دیا جائے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ اپنے اوپر دم کیا کرتے تھے، اور آجکل لوگوں کا جواز پر ہی عمل ہے اور اسی کی تائید میں آثار (روایات) وارد ہیں۔ اور جُنبی اور حیض والی عورت کے لیے حرج نہیں ہے کہ تعویذ بازو پر باندھیں جبکہ وہ تعویذ لفافے میں بند ہو۔
(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، جلد 9، صفحہ 600 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ:

اکثر علماء یا مولوی صاحب کسی حاجت مند کو خالصاً للہ کوئی تعویذ یا نقش دے دیتے ہیں اور اس سے بفضلہٖ تعالیٰ نفع ہو جاتا ہے تو اس پر اعتقاد واجب ہے یا نہیں؟

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ تعویذات وغیرہ کا ثبوت کہیں قرآن شریف یا حدیث شریف سے نہیں ہے، "واللہ تعالی اعلم" یہ کہاں تک صحیح ہے؟

اس لئے حضور کو تکلیف دی گئی کہ حضور تحریر فرمائیں کہ آیا اس شخص کے مطابق عمل کیا جائے یا نہیں؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا:

تعویذات بیشک احادیث اور ائمہ قدیم وحدیث سے ثابت، اور اس کی تفصیل ہمارے فتاوی افریقہ میں ہے، تعویذات اسماءِ الٰہی وکلامِ الٰہی وذکرِ الٰہی سے ہوتے ہیں، ان میں اثر نہ ماننے کا جواب وہی بہتر ہے جو حضرت شیخ ابوسعید الخیر قدس سرہ العزیز نے ایک ملحد کو دیا جس نے تعویذات کے اثر میں کلام کیا، حضرت قدس سرہ نے فرمایا : تو عجیب گدھا ہے۔ وہ دنیوی بڑا مغرور تھا یہ لفظ

سنتے ہی اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور گردن کی رگیں پھول گئیں اور بدن غلیظ سے کانپنے لگا اور حضرت سے اس فرمانے کا شاکی ہوا، فرمایا میں نے تمہارے سوال کا جواب دیا ہے گدھے کے نام کا اثر تم نے مشاہدہ کرلیا کہ تمہارے اتنے بڑے جسم کی کیا حالت کردی لیکن مولیٰ عزوجل کے نام پاک میں اثر سے منکر ہو۔

(فتاوی رضویہ جلد 24 صفحہ ،، 206، 207 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ "فتاویٰ افریقہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

جائز تعویذ کہ قرآن کریم یا اسمائے الٰہیہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں) یا دیگر اذکار و دَعوات (دُعاؤں) سے ہو اس میں اصلاً حرج نہیں بلکہ مستحب ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ تعالیٰ عَلیہ و آلہٖ وَ سلَّمَ نے ایسے ہی مقام میں فرمایا کہ:

مَنِ اسۡتَطَاعَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّنۡفَعَ اَخَاهُ فَلۡيَنۡفَعۡهُ

یعنی تم میں جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچا سکے (تو اسے نفع) پہنچائے۔"

(فتاویٰ افریقہ صفحہ 168 شبیر برادرز لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

گلے میں تعویذ لٹکانا جائز ہے، جبکہ وہ تعویذ جائز ہو یعنی آیاتِ قرآنیہ یا اسماء الٰہیہ (اللہ پاک کے ناموں) یا ادعیہ (دعاؤں) سے تعویذ کیا جائے اور بعض حدیثوں میں جو ممانعت آئی ہے، اس سے مراد وہ تعویذات ہیں جو ناجائز الفاظ پر مشتمل ہوں، جو زمانۂ جاہلیت میں کیے جاتے تھے، اسی طرح تعویذات اور آیات و احادیث و ادعیہ کو رکابی میں لکھ کر مریض کو بہ نیت شفا پلانا بھی جائز ہے۔ جنب و حائض و نفسا بھی تعویذات کو گلے میں پہن سکتے ہیں، بازو پر باندھ سکتے ہیں جبکہ غلاف میں ہوں۔

(بہار شریعت جلد 3 حصہ 16 صفحہ 652 مکتبۃ المدینہ کراچی)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر آیات قرآنیہ یا ماثورہ دعاؤں سے اسی محبت کا تعویذ کیا جاوے تو بالکل جائز ہے، حضرات صحابہ کرام نے دعاء ماثورہ کے تعویذات باندھے ہیں۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد 6 صفحہ قادری پبلیشر)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/11/11

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

کتاب الطھارۃ (پاکی کا بیان)

مانگ میں سیندور اور پیشانی میں ٹکلی لگانے کا حکم

استفتاء نمبر :43

مسلمان عورتوں کا مانگ میں سیندور اور پیشانی پر ٹکلی (یعنی بِندی) لگانا کیسا ہے اور کیا ان کے لگے ہوئے وضو اور غسل ہو جائے گا؟

سائل : محمد جمشید عطاری عیسیٰ خیل میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

مسلمان عورتوں کیلیے مانگ میں سیندور لگانا ناجائز و حرام ہے اور جب تک سیندور لگا رہے گا تو غسل نہیں ہوگا کیونکہ یہ پانی کو جسم تک پہنچنے سے روکتا ہے۔

چنانچہ صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

سیندور لگانا مثلہ میں داخل اور حرام ہے، نیز اوس کا جرم پانی بہنے سے مانع ہوگا جس سے غسل نہیں اترے گا۔

(فتاوی امجدیہ جلد 4 صفحہ 60 مکتبہ رضویہ کراچی)

جبکہ فی زمانہ ٹکلی (بندی) لگانا مسلمان عورتوں میں عام ہے کہ وہ عمومی طور پر لگاتی ہیں لہذا اب یہ ہندو عورتوں کے ساتھ خاص نہیں رہا تو اس کے لگانے میں ان سے مشابہت نہیں ہوگی، اس لیے اب مسلمان عورتیں ٹکلی (بندی) لگا سکتی ہیں مگر چونکہ ٹکلی (بندی) پانی کو جسم تک پہنچنے سے روکتی ہے تو وضو اور غسل کیلیے اس کو اتارنا ضروری ہوگا ورنہ وضو اور غسل نہیں ہوگا۔

چنانچہ صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ٹکلی بھی وضو و غسل کے ادا کرنے میں مانع ہیں۔"

(فتاوی امجدیہ جلد 4 صفحہ 60 مکتبہ رضویہ کراچی)

واللہ اعلم و رسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/01/14

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

کیا موبائل پر قرآنِ پاک پڑھنے کے لیے باوضو ہونا ضروری ہے؟

استفتاء نمبر:44

کیا موبائل پر قرآنِ پاک پڑھنے کے لیے باوضو ہونا ضروری ہے؟

سائل: عبداللہ قادری

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

موبائل یا کمپیوٹر سکرین پر نظر آنے والی قرآنی آیات کو بلا وضو یا حالتِ جنابت (بے غسلی) میں چھونا جائز ہے۔موبائل یا کمپیوٹر کی سکرین پر جو آیات نظر آتی ہیں، وہ ایسے نقوش ہیں جنھیں چھوا نہیں جاتا کیونکہ نقوش بھی کمپیوٹر یا موبائل کے شیشے پر نہیں بنتے بلکہ ''ریم'' پر بنتے ہیں اور شیشے سے نظر آتے ہیں، تو قرآنِ پاک اور ہاتھوں کے درمیان شیشہ حائل ہوتا ہے لہٰذا اسے مصحفِ قرآنی کے ''غلافِ منفصل'' پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور غلافِ منفصل سے مراد ایسا غلاف ہے جو قرآنِ کریم کے ساتھ لگا ہوا نہ ہو بلکہ اس سے جُدا ہو۔ایسے غلاف میں موجود قرآنِ کریم کو بلاوضو چھونے کی فقہائے کرام نے اجازت دی ہے۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

مس المصحف لا یجوز لھما وللجنب والمحدث مس المصحف الا بغلاف متجاف عنه کالخریطة والجلد الغیر المشرز لا بما ھو متصل به.

حیض ونفاس والی عورت، جنبی اور بے وضو کے لئے مصحف کو ایسے غلاف کے ساتھ چھونا جائز ہے جو اس سے الگ ہو، جیسے جزدان اور وہ جلد جو مصحف کے ساتھ لگی ہوئی نہ ہو۔جو غلاف مصحف سے جُڑا ہوا ہو، اس کے ساتھ چھونا جائز نہیں۔

(فتاوی عالمگیری جلد 1 صفحہ 39)

سکرین پر نظر آنے والی آیات کی مثال ایسی ہی ہے کہ گویا قرآنی آیات کسی کاغذ پر لکھی ہوئی ہوں اور وہ کاغذ کسی شیشے کے بکس میں پیک ہو، پھر باہر سے اس شیشے کو چُھوا جائے تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔غلافِ منفصل کی طرح یہ شیشہ اس جگہ سے جُدا ہے

جہاں آیات کے نقوش بن رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر صندوق کے اندر مصحف موجود ہو تو اس صندوق کو جنبی (جس پر غسل فرض ہو) شخص کے لیے اُٹھانا اور چُھونا جائز ہے۔

چنانچہ عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

لَوْ كَانَ الْمُصْحَفُ فِي صُنْدُوقٍ فَلَا بَأْسَ لِلْجُنُبِ أَنْ يَحْمِلَهُ۔

یعنی اگر قرآنِ کریم کسی بکس کے اندر ہو تو جنبی کے لیے اس بکس کو اٹھانے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 1 صفحہ 293، دارالفکر بیروت)

لہٰذا موبائل یا کمپیوٹر سکرین پر نظر آنے والی قرآنی آیات کو حالتِ جنابت میں یا بلا وضو چُھونا اور پکڑنا جائز ہے۔ بے وضو شخص کے لیے اس سے تلاوت کرنا بھی جائز ہے، البتہ جنبی (بے غسلے) کے لیے قرآنِ کریم کی تلاوت ناجائز ہے، اس سے بچنا لازم ہے۔

نوٹ البتہ بہتر یہی ہے کہ باوضو ہی موبائل پر قرآنِ پاک کو چھوا جائے .

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019R/02/12

تصدیق و تصحیح:

آپ کا جواب یہ بالکل درست ہے.

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

ناپاک جوتوں کو پاک کرنے کا طریقہ

استفتاء نمبر:45

ناپاک جوتوں کو پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

سائل : محمد مظہر مدنی میانوالی

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب,اللهم هداية الحق و الصواب

اگر جوتوں پر جسم دار نجاست لگ جائے جیسے گوبر اور پاخانہ وغیرہ تو جوتے رگڑنے اور کھرچنے سے پاک ہوجائیں گے چاہے

وہ جسم دار نجاست تر ہو یا خشک.

اور اگر جوتوں پر جسم دار نجاست نہ لگے بلکہ پیشاب کی طرح کوئی پتلی نجاست لگے اور وہ تر ہو تو اس پر مٹی، راکھ وغیرہ ڈال کر پونچھنے اور رگڑنے سے جوتے پاک ہوجائیں گے اور اگر وہ پتلی نجاست خشک ہوگئی تو جوتوں کو دھونا ہوگا اور بغیر دھوئے جوتے پاک نہ ہوں گے۔

اور جوتوں کو دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ جوتوں پر پانی ڈالیں پھر ان کو چھوڑ دیں، جب پانی ٹپکنا بند ہوجائے تو دوسری بار پھر پانی ڈالیں اور چھوڑ دیں، جب پانی ٹپکنا بند ہوجائے تو تیسری مرتبہ ان پر پانی بہائیں اور چھوڑ دیں، جب پانی ٹپکنا بند ہوجائے تو جوتے پاک ہوجائیں گے۔

اور اگر ٹونٹی (نل) سے جوتے پاک کریں تو ٹونٹی کے نیچے رکھ کر مسلسل پانی بہائیں، جب ظنِ غالب ہوجائے کہ نجاست بہہ گئی ہوگی تو جوتے پاک ہوجائیں گے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

الخف اذا اصابته النجاسة ان كانت متجسدة كالعذرة والروث والمني يطهر بالحت اذا يبست وان كانت رطبة في ظاهر الرواية لايطهر الا بالغسل وعند ابي يوسف اذا مسحه على وجه المبالغة بحيث لايبقى لها اثر يطهر وعليه الفتوى لعموم البلوى كذا في قاضيخان، وان لم تكن النجاسة متجسدة كالخمر و البول اذا التصق بها مثل التراب او القي عليها فمسحها يطهر وهو الصحيح هكذا في التبيين، وعليه الفتوى للضروة كذا في معراج الدراية، و في فتاوى الحجة الفرو اذا اصابته النجاسة المتجسدة ويبست يطهر بالدلك كما يطهر الخف كذا في المضمرات.

یعنی جب موزے پر نجاست لگ جائے تو اگر دَلْدَار (یعنی جسم دار) نجاست ہو جیسے پاخانہ، لید اور منی جب یہ خشک ہوں تو کھرچنے اور رگڑنے سے (موزہ) پاک ہوجائے گا اور اگر وہ (یعنی جسم دار نجاست) تر ہو تو ظَاھِرُ الرِّوَایَہ میں دھوئے بغیر موزہ پاک نہ ہوگا اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب وہ اسے مبالغہ کے طور پر (یعنی اچھی طرح) پونچھے کہ نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو موزہ پاک ہوجائے گا اور عمومِ بلویٰ کی وجہ سے اسی پر فتوی ہے، ایسے ہی فتاوی قاضیخان میں ہے، اور اگر نجاست دَلْدَار (یعنی جسم دار) نہ ہو جیسے شراب اور پیشاب تو جب اس نجاست سے مٹی وغیرہ مل جائے یا اس کے اوپر ڈال دی جائے پھر وہ نجاست کو پونچھ لے تو موزہ پاک ہوجائے گا اور یہی صحیح ہے، ایسے ہی تبیین میں ہے اور ضرورت کی وجہ سے اسی پر فتوی ہے ایسے ہی معراج

الدرایۃ میں ہے اور فتاوی الحجہ میں ہے کہ جب پوستین پر دَلْدار نجاست لگ جائے اور خشک ہوجائے تو پوستین رگڑنے سے پاک ہوجائے گی جیسے موزہ پاک ہوجاتا ہے ,ایسے ہی مضمرات میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری جلداول صفحہ 49، کتاب الطھارۃ، باب النجاسۃ واحکامھا، دارالکتب العلمیہ بیروت)

صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(چمڑے یا ریگزین کے) موزے یا جوتے میں دَلدار نجاست لگی جیسے پاخانہ، گوبر، مَنی تو اگرچہ وہ نَجاست تر ہو کھرچنے اور رگڑنے سے پاک ہوجائیں گے۔

اور اگر مثلِ پیشاب کے کوئی پتلی نَجاست لگی ہو اور اس پر مٹی یا راکھ یا ریتا وغیرہ ڈال کر رگڑ لیں جب بھی پاک ہوجائیں گے اور اگر ایسا نہ کیا یہاں تک کہ وہ نجاست سوکھ گئی تو اب بے دھوئے پاک نہ ہوں گے."

(بہارشریعت جلد اول حصہ دوم صفحہ 401 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

اَبُواُسَید عُبَید رَضا مَدَنی

2019/06/16

تصدیق وتصحیح:

جوتوں کو پاک کرنے کے متعلق آپ کا جواب درست ہے.

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

لیکوریا کا حکم

استفتاء نمبر :46

1—لیکوریا پاک ہے یا ناپاک؟

2—کیا لیکوریا سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

3—جس کو مسلسل لیکوریا جاری ہو، اس کی نمازوں اور کپڑوں کی پاکی کا کیا حکم ہوگا؟

سائلہ : سائرہ لاہور

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

طبی تحقیق اور ریسرچ کے مطابق عموماً عورتوں کو دو طرح کا لیکوریا آتا ہے:

1—لیکوریا کا پانی بالکل پانی کی طرح یا ہلکا سفید اور بے بُو ہوتا ہے۔

اس قسم کا لیکوریا پاک ہے۔ اس سے نہ تو وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی جسم اور کپڑے ناپاک ہوتے ہیں اور اس طرح کے لیکوریا کے مسلسل جاری رہنے سے نمازوں اور کپڑوں کی پاکی کا کوئی مسئلہ نہیں بنے گا کیونکہ یہ وہ رطوبت ہے جو طبعی طور پر پیدا ہوتی ہے جو پاک ہے اور اس میں کوئی ناپاک چیز (مثلاً خون، پیپ، منی، مذی وغیرہ) شامل نہیں ہوتی جیسے انسان کے منہ سے تھوک طبعی طور پر پیدا ہوتی ہے اور پاک ہوتی ہے۔

2—لیکوریا کا پانی گاڑھا، بدبودار اور سفید یا گاڑھا مٹیالا یا گاڑھا پیلا ہوتا ہے۔

اس قسم کے لیکوریا کو احتیاطاً ناپاک اور وضو توڑنے والا قرار دیا جائے گا اور کپڑوں اور جسم پر لگنے سے کپڑے اور جسم دونوں ناپاک ہوجائیں گے۔

کیونکہ یہ انفیکشن کی وجہ سے بدبودار اور گاڑھا ہوتا ہے تو اس میں اس بات کا احتمال اور ظن موجود ہے کہ اس میں انفیکشن کی وجہ سے زخم کا خون یا پیپ یا پانی وغیرہ اس لیکوریا کے ساتھ مل گیا ہو اور اس قسم کے لیکوریا کا بدبودار گاڑھا، مٹیالا اور پیلا وغیرہ ہونا اس بات کے احتمال وگمان کیلئے کافی ہے کہ اس میں زخم کا خون یا پیپ یا پانی وغیرہ شامل ہوگیا ہوگا، جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں درج کی گئی فقہی کتب کی عبارات سے واضح ہوجائے گا۔

لہٰذا اس قسم کے لیکوریا کو احتیاطی طور پر ناپاک قرار دیا جائے گا اور وضو ٹوٹنے کا حکم دیا جائے گا، جس طرح کسی بیماری اور انفیکشن کی وجہ سے آنکھ سے پانی نکلے تو فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اسے ناپاک اور وضو توڑنے والا قرار دیا ہے۔

دوسری قسم کا بدبودار لیکوریا چونکہ ناپاک ہے، لہٰذا اگر کپڑے پر لگ جائے تو کپڑے کے اس حصہ کو پاک کرنا ضروری ہوگا، اگر اس کی مقدار ایک درہم سے زیادہ ہے تو کپڑے کو پاک کرنا فرض ہے اگر کپڑے کو پاک کیے بغیر اس میں نماز ادا کرلی تو اس میں نماز درست نہیں ہوگی، اور اگر اس لیکوریا کی مقدار ایک درہم کے برابر ہے تو اس کو پاک کرنا واجب ہے اگر پاک کیے بغیر نماز ادا کرلی تو نماز واجبُ الاعادہ ہوگی اور اگر ایک درہم سے کم ہے تو کپڑا دھونا سنت ہے اگر بغیر دھوئے نماز ادا کرلی تو نماز ہوجائے گی لیکن خلافِ سنت اور مکروہِ تنزیہی ہوگی۔

تاہم اگر یہ دوسری قسم والا لیکوریا کسی کو اتنا زیادہ ہو کہ کسی نماز کے مکمل وقت میں اسے اتنا وقفہ بھی نہ ملے جس میں وہ وضو کر کے پاکی کی حالت میں اس وقت کی فرض نماز ادا کرسکے تو وہ معذور کے حکم میں ہوگی، اور معذور کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت میں ایک

مرتبہ وضو کرلے اور پھر اس وضو سے جتنی چاہے نمازیں پڑھے، اگر وضو کے بعد لیکوریا کی رطوبت کے علاوہ کوئی اور وضو توڑنے والی چیز پائی گئی تو دوبارہ وضو کرے ورنہ دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

باقی کپڑا پاک کرنے کے حکم میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اتنا وقفہ ملتا ہو کہ کپڑا دھو کر نماز پڑھے تو نماز کے درمیان میں وہ دوبارہ ناپاک نہ ہوتا ہو تب تو اس کے ذمے دھونا واجب ہی ہوگا، اور اگر یہ حالت ہو کہ کپڑا دھو کر نماز پڑھنے کے درمیان وہ پھر ناپاک ہو جاتا ہو تو دھونا واجب نہیں ہوگا۔

چنانچہ درمختار میں ہے:

رطوبة الفرج طاهرة خلافا لهما

یعنی فرج کی رطوبت پاک ہے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے برخلاف۔

اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے:

(رطوبة الفرج طاهرة) ولذا نقل فی "التاترخانیه" ان رطوبة الولد عند الولادة طاهرة و كذا السخلة اذا خرجت من امها و كذا البيضة فلا يتنجس بها الثوب ولا الماء اذا وقعت فيه لكن يكره التوضؤ به للاختلاف و كذا الانفخة هو المختار وعندهما يتنجس وهو الاحتياط. قلت وهذا اذا لم يكن معه دم ولم يخالط رطوبة الفرج مذى او منى من الرجل او المرأة"

یعنی (فرج کی رطوبت پاک ہے) اسی لیے تاترخانیہ میں نقل کیا گیا کہ ولادت کے وقت بچے (کے جسم پر شرمگاہ) کی رطوبت پاک ہے اور ایسے ہی بکری یا گائے کا بچہ، جب وہ اپنے ماں (کے شکم) سے باہر آئے (پاک ہے) اور ایسے ہی انڈہ، پس ان کے (مثلاً گود میں اٹھا لینے کے) سبب سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا اور جب (ان میں سے) کوئی پانی میں گر پڑے تو پانی نجس نہیں ہوگا لیکن اختلاف کی وجہ سے اس پانی سے وضوء کرنا مکروہ ہے اور یہی حکم انفخہ کا ہے اور یہی مسلک مختار ہے (انفخہ بکری کا جو بچہ ابھی صرف دودھ پیتا ہو اس کے پیٹ سے دودھ جیسی ایک چیز نکالتے ہیں اور کپڑے میں لت پت کر لیتے ہیں پھر وہ پتھر کی مانند گاڑھا ہو جاتا ہے عوام اس کو مجبنہ کہتے ہیں) اور صاحبان کے نزدیک (کپڑا اور پانی) ناپاک ہو جائے گا اور یہ محتاط مذہب ہے۔

میں (علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں اور یہ اس وقت ہے جب اس (رطوبت) کے ساتھ خون نہ ہو اور نہ فرج کی رطوبت کے ساتھ مذی ملے یا مرد یا عورت کی منی (بھی نہ ملے)۔

(درمختار مع ردالمحتار جلد اول صفحہ 621 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(و) ینقضه (دم) من جوف او فم (غلب علی بزاق) حکماً للغالب (او ساواه) احتیاطاً

یعنی اور وضو کو توڑ دیتا ہے پیٹ کا یا منہ کا (پتلا) خون جو تھوک پر غالب آجائے غالب کے حکم کی وجہ سے یا (خون) تھوک کے برابر ہو تب بھی احتیاطاً (وضو کو توڑ دے گا)۔

عمدۃ المحققین محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ "احتیاطا" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

قوله (احتیاطاً) ای :لاحتمال السیلان وعدمه فرجع الوجود احتیاطا بخلاف ما اذا شك فی الحدث لانه لم یوجد الا مجرد الشك ولا عبرة له مع الیقین"

یعنی علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول "احتیاطاً" یعنی سیلان اور عدمِ سیلان کے احتمال کی وجہ سے (سیلان کے) وجود کو احتیاطاً ترجیح دی گئی ہے بخلاف اس کے کہ جب حدث میں شک ہو کیونکہ صرف شک ہی پایا گیا اور شک کا یقین کے ساتھ کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد اول صفحہ 291، 292 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ان رطوبة الرحم ایضاً طاهرة عند الامام وان الفرج فی قولهم رطوبة الفرج طاهرة عنده بالمعنی الشامل للفرج الخارج والفرج الداخل والرحم وان ما یُری من بعض الفروع القاضیة بنجاسة رطوبة الرحم فانها تتفرع علی قولهما بنجاسة رطوبة الفرج والفروع القاضیة بطهارة رطوبة الرحم ماشیة علی قوله"

یعنی بیشک رحم کی رطوبت بھی امام اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک پاک ہے فقہاء کے قول رطوبۃ الفرج طاھرۃ عندہ میں جو فرج ہے وہ اس معنی کے ساتھ ہے جو فرجِ خارج ,فرجِ داخل اور رحم کو شامل ہے اور بے شک بعض فروع جن میں رحم کی رطوبت کے ناپاک ہونے کا حکم لگایا گیا وہ فروع صاحبین کے قول "فرج کی رطوبت کی نجاست" کے ساتھ متفرع ہوتی ہیں اور وہ فروع جن میں رحم کی رطوبت کی پاکی کا حکم لگایا گیا وہ فروع امام اعظم علیہ الرحمہ کے قول پر جاری ہوتی ہیں۔

(جدالممتار علی ردالمحتار، جلد 1 صفحہ 407 مکتبۃ المدینہ کراچی)

ایک اور مقام پر "جدالممتار" میں تحریر فرماتے ہیں:

"وبه یظهر حکم ما اذا خرجت من فرج المرأة الخارج او الیه رطوبة فرجها الداخل

فانہا طاہرۃ عند الامام رضی اللہ عنہ فلا ینقض وضوءہا وان سالت

یعنی اوراس کے ساتھ اس (رطوبت کا) حکم ظاہر ہوگیا جب وہ (رطوبت) عورت کی فرجِ خارج سے نکلے یا فرجِ خارج تک عورت کی فرجِ داخل کی رطوبت پہنچے پس بیشک وہ رطوبت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک پاک ہے پس عورت کا وضو نہیں ٹوٹے گا اگرچہ وہ رطوبت بہہ پڑے۔

(جدالممتار علی ردالمحتار جلد اول صفحہ 406 مکتبۃ المدینہ کراچی)

عمدۃ المحققین محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اذا کان فی عینہ رمد وتسیل الدموع منہا امرہ بالوضوء لوقت کل صلوۃ لانی اخاف ان یکون ما یسیل منہا صدیدا فیکون صاحب العذر

یعنی جب آشوبِ چشم ہو اوراس سے آنسو بہہ رہے ہوں تو اس کو ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کا حکم دیا جائے گا اس لیے کہ مجھے خدشہ ہے کہ آنکھوں سے بہنے والا یہ پانی زخم کا پانی ہو پس وہ صاحبِ عذر قرار پائے گا۔

(ردالمحتار علی درمختار، جلد 1، نواقض وضو)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ "فتاویٰ رضویہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

بالجملہ مجرد رطوبت کہ مرض سے سائل ہو مطلقاً فی نفسہا ہر گز ناقض نہیں بلکہ احتمال خون وریم کے سبب، ولہذا امام ابن الہمام (رضی اللہ عنہ) کی رائے اس طرف گئی کہ مسائل مذکورہ میں امام محمد (رضی اللہ عنہ) کا حکمِ وضو استحبابی ہے اسلئے کہ خون وغیرہ ہونا محتمل ہے اوراحتمال سے وضو نہیں جاتا مگر یہ کہ خبرِ اطباء یا علامات سے ظنِ غالب ہو کہ یہ خون یا ریم ہے تو ضرور وجوب ہوگا۔

فتح میں قبیل فصل فی النفاس فرمایا:

فی عینہ رمد یسیل دمعہا یؤمر بالوضوء لکل وقت لاحتمال کونہ صدیدا و اقول ھذا التعلیل یقتضی انہ امر استحباب فان الشك و الاحتمال فی کونہ ناقضا لا یوجب الحکم بالنقض اذا لیقین لایزول بالشك واللہ اعلم نعم اذا علم من طریق غلبۃ الظن باخبار الاطباء او علامات تغلب ظن المبتلی یجب

ایسا آشوبِ چشم ہو کہ برابر آنسو بہتا رہتا ہو تو ہر وقت کے لئے وضو کا حکم ہوگا اس لئے کہ صدید (زخم کا پانی) ہونے کا احتمال ہے، میں کہتا ہوں اس تعلیل کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم استحبابی ہو اس لئے کہ اس کے ناقض ہونے میں شک واحتمال حکمِ نقض کا موجب نہیں اس لئے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔

واللہ تعالٰی اعلم

ہاں وجوب اس وقت ہوگا جب غلبہ ظن کے طور پر علم ہوجائے اطباء کے بتانے یا ایسی علامات کے ذریعہ جن سے مبتلا کو غلبہ ظن حاصل ہو۔ (ت)

اسی طرف ان کے تلمیذ ارشد امام ابن امیر الحاج نے میل کیا اور اس کی تائید میں فرمایا:

"یشھد لھذا ما فی شرح الزاھدی عقب ھذہ المسئلۃ و عن ھشام فی جامعہ ان کان قیحا فکالمستحاضۃ و الا فکالصحیح"

اس پر شاہد وہ ہے جو شرح زاہدی میں اس مسئلہ کے بعد ہے اور ہشام سے ان کی جامع میں روایت ہے کہ اگر پیپ ہو تو مستحاضہ کی طرح ورنہ تندرست کی طرح ہے۔ (ت)

یونہی محقق بحر نے بحر الرائق میں کلامِ فتح باب وضو میں بلا عزو ذکر کیا اور مقرر رکھا اور باب الحیض میں "ھو حسن" فرمایا اور تحقیق یہی ہے کہ حکمِ استحبابی نہیں بلکہ بوجہ احتیاط ایجابی ہے، مشائخ مذہب سے تصریحِ وجوب منقول ہے۔ خود فتح القدیر فصل نواقض الوضوء میں فرمایا:

ثم الجرح و النفطۃ و ماء الثدی و السرۃ و الاذن اذا کان لعلۃ سواء علی الاصح و علی ھذا قالوا من رمدت عینہ و سال الماء منھا وجب علیہ الوضوء فان استمر فلوقت کل صلاۃ و فی التجنیس الغرب فی العین اذا سال منہ ماء نقض لانہ کالجرح و لیس بدمع الخ۔"

پھر زخم و آبلہ اور پستان، ناف اور کان کا پانی جب کسی بیماری کی وجہ سے ہو تو بر قولِ اصح سب برابر ہیں، اسی بنیاد پر علماء نے فرمایا: جیسے آشوبِ چشم ہو اور آنکھ سے پانی بہے تو اس پر وضو واجب ہے اگر برابر بہے تو ہر نماز کے وقت کے لئے واجب ہے۔

اور تجنیس میں ہے:

آنکھ کی پھنسی سے جب پانی بہے تو وضو جاتا رہے گا اس لئے کہ وہ زخم کی طرح ہے آنسو نہیں ہے۔ الخ (ت)

اور تقریر محقق علی الاطلاق کا جواب ان عباراتِ جلیلہ سے واضح! جو ابھی خلاصہ و بزازیہ سے منقول ہوئیں کہ جس طرح احتلام یاد ہونے کی حالت میں صریح مذی کے دیکھنے سے بھی غسل بالاجماع واجب ہے حالانکہ مذی سے بالاجماع غسل واجب نہیں مگر احتیاطاً حکم وجوب ہوا۔

خود محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں نقل فرمایا:

النوم مظنة الاحتلام فیحال به علیه ثم یحتمل انه کان منیا فرق بواسطة الهواء

نیند گمانِ احتلام کی جگہ ہے تو اس تری کو اس کے حوالہ کیا جائے گا پھر یہ احتمال بھی ہے کہ وہ منی تھی جو ہوا کی وجہ سے رقیق ہو گئی۔(ت)

اسی طرح یہاں وجودِ مرضِ مظنہ خروجِ خون وریم ہے تو امر عبادات میں احتیاطاً حکمِ وجوب ہوا۔

منحۃ الخالق میں ہے:

قوله وهذا التعليل يقتضي انه امر استحباب الخ رده في النهر بأن الامر للوجوب حقيقة و هذا الاحتمال راجح و بان في فتح القدير صرح بالوجوب و كذا في المجتبى قال يجب عليه الوضوء والناس عنه غافلون اه ما في المنحة

قول محقق "اس تعلیل کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم استحبابی ہو"

اسے نہر میں یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ امر حقیقۃً وجوب کے لئے ہے اور یہ احتمال راجح ہے اور یہ کہ خود فتح القدیر میں وجوب کی تصریح ہے اسی طرح مجتبیٰ میں ہے کہ اس پر وضو واجب ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں اھ منحہ کی عبارت ختم ہوئی۔(ت)

اقول:

و الاولى ان يقول ان الوجوب منصوص عليه كما نقله في فتح القدير و ذلك لما علمت ان المحقق انما نقله في النواقض بلفظة قالوا و بحث بنفسه في الحيض ان لا وجوب ما لم يغلب على الظن بأمارة او اخبار طبيب.

اقول: اولیٰ یہ کہنا ہے کہ وجوب پر نص موجود ہے جیسا کہ اسے فتح القدیر میں نقل کیا ہے اس لئے کہ ناظر کو معلوم ہے کہ حضرت محقق نے تصریحِ وجوب بلفظ قالوا (مشائخ نے فرمایا) نقل کی ہے اور بابِ حیض میں خود بحث کی ہے کہ جب تک کسی علامت یا طبیب کے بتانے سے غلبہ ظن نہ حاصل ہو، وجوب نہیں۔(ت)

اخیر میں صاحب بحر نے بھی کلام فتح پر استدراک فرما کر مان لیا کہ یہ حکم وجوب کے لئے ہے۔

باب الحیض میں فرمایا:

و هو حسن لكن صرح في السراج الوهاج بانه صاحب عذر فكان الامر للايجاب

یہ بحث اچھی ہے لیکن سراج وہاج میں تصریح ہے کہ وہ صاحبِ عذر ہے تو امر برائے ایجاب ہے۔(ت)

غرض فریقین تسلیم کئے ہوئے ہیں کہ مدار اس رطوبت کے خون وریم ہونے پر ہے قولِ تحقیق میں احتیاطاً احتمالِ دم پر ایجاب کیا اور خیالِ محقق و تلمیذِ محقق میں جب تک دم کا غلبہ ظن نہ ہوا استحباب رہا۔

و لھذا اشکِ رمد میں محقق ابنِ امیر الحاج نے بحثاً یہ قید بڑھائی کہ اس کا رنگ متغیر ہو جس سے احتمالِ خون ظاہر ہو۔

حلیہ میں فرمایا:

و علی ھذا فما فیه (ای فی المجتبی) ان من رمدت عینه فسال منھا ماء بسبب رمد ینتقض وضوئه انتھی ینبغی ان یحمل علی ما اذا کان الماء الخارج من العین متغیر بسبب ذلك اھ مختصرا۔"

اس بنیاد پر کلامِ مجتبیٰ "جس کی آنکھ میں آشوب ہوا اور اس کی وجہ سے آنکھ سے پانی بہے تو وضو جاتا رہے گا" انتہی۔

اس صورت پر محمول ہونا چاہئے جب آنکھ سے نکلنے والا پانی اس کی وجہ سے بدلا ہوا ہو۔ اھ مختصرا (ت)

(فتاوی رضویہ جلد اول صفحہ 359 تا 362 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عورت کے پیشاب کے مقام سے جو رطوبت نکلے پاک ہے کپڑے یا بدن میں لگے تو دھونا کچھ ضرور نہیں، ہاں بہتر ہے۔

(بہارِ شریعت جلد اول حصہ دوم صفحہ 395 مکتبۃ المدینہ کراچی)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

عورت کے آگے سے جو خالص رطوبت بے آمیزش خون نکلتی ہے ناقضِ وضو نہیں، اگر کپڑے میں لگ جائے تو کپڑا پاک ہے۔

(بہارِ شریعت جلد اول حصہ دوم صفحہ 304 مکتبۃ المدینہ کراچی)

عمدۃ المحققین محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وإن سال علی ثوبه فوق الدرھم جاز له أن لا یغسله إن کان لو غسله تنجس قبل الفراغ منھا، أی الصلاۃ، وإلا یتنجس قبل فراغه، فلا یجوز ترك غسله، ھو المختار للفتویٰ

یعنی اور اگر وہ (ناپاکی وغیرہ) اس کے کپڑے پر درہم سے زائد بہے تو اس کے لئے اسے نہ دھونا جائز ہے اگر وہ اسے دھوئے گا

تو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے پہلے کپڑا نجس ہو جائے گا اور اگر اس کے فارغ ہونے سے پہلے کپڑا نجس نہ ہو تو اس کے دھونے کو ترک کرنا جائز نہیں یہی فتوی کے لیے مختار ہے.

(رد المحتار علی در مختار جلد اول)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اُسَید عبید رضا مدنی

2019/07/03

علماءِ کرام ومفتیانِ عظام کی تصدیقات:

1۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح

وھذہ الفتویٰ من ذکاوۃ المفتی و واجب العمل لمن استفتاھا و لکل من طالعھا و ھذہ قرۃ اعین طلاب الفقہ الحنفی۔ اللھم زد فزد ثم زد۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

2۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

3۔ الجواب صحیح؛

عبدہ محمد جنید القادری المفتی بدار الافتاء النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

4۔ الجواب صحیح

ابو الحسنین مفتی محمد وسیم اختر المدنی رئیس دار الافتاء فیضانِ شریعت، تین ہٹی کراچی

5۔ الجواب صحیح

مفتی ابو الحسن محمد قاسم ضیاء القادری

عورتوں کے لئے مسواک کرنا کا حکم

استفتاء نمبر: 47

عورتوں کے لیے مسواک کرنے کا کیا حکم ہے۔

سائلہ: ام عمارہ عطاریہ پنجاب پاکستان

بسمه تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

عورتوں کے لئے مسواک کرنا جائز بلکہ سیّدتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سنت ہے۔

لیکن چونکہ عورتوں کے مسوڑے نازک ہونے کی وجہ سے مسواک کرنے سے چھل سکتے ہیں یا خون آسکتا ہے اور مسلسل کرنے سے ان کے دانت کمزور ہوسکتے ہیں تو ان کے لیے مستحب ہے کہ وہ مسواک کرنے کے بجائے مِسّیٰ (دَنْدَاسے) کا اِستعمال کریں، اور اگر سنت وثواب کی نیت سے استعمال کریں گی تو انہیں مسواک کا ثواب بھی مل جائے گا۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان نبيُّ الله صلى الله عليه وسلم يَستاكُ فيُعطيني السِّواكَ لأغسِلَه، فأبدأُ به فأستاكُ، ثمَّ أغسِلُه وأدفعُه إليه

یعنی اللہ پاک کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسواک کا ارادہ فرماتے تو مجھے مسواک دیتے تا کہ میں اسے دھودوں، پس میں پہلے مسواک کرتی، پھر اسے دھوتی اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کردیتی۔

(سنن أبی داود، کتاب الطھارۃ، باب غسل السواک، صفحہ 24، رقم الحدیث 52: دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عند فقده او فقد اسنانه تقوم الخرقه الخشنه او الاصبع مقامه كما يقوم العلك مقامه للمرأة مع القدرة عليه

یعنی مسواک یا دانتوں کی غیر موجودگی میں کھردرا کپڑا اور انگلی مسواک کے قائم مقام ہوتی ہے، جس طرح عورت کے لئے علک (گوند) مسواک پر قدرت کے باوجود مسواک کے قائم مقام ہوتی ہے۔

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت "کما یقوم العلك مقامه" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

ای فی الثواب اذا وجدت النیه و ذلك ان المواظبة علیه تضعف اسنانها فیستحب لها فعله بحر

یعنی یعنی ثواب میں (قائم مقام ہوتی ہے) جبکہ نیت پائی جائے اور یہ اس لیے ہے کہ مسواک پر ہمیشگی کرنا عورت کے دانتوں کو کمزور کردے گا، تو اس کے لئے علک کا فعل مستحب ہے۔ بحر۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الطھارۃ، مطلب: فی منافع السواک، جلد 1، صفحہ 236، دار عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع الریاض)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

عورتوں کے لیے مِسواک کرنا اُمُّ المُؤمنین حضرتِ عائشہ صِدِّیقہ رضی اللہ عنھا کی سُنَّت ہے لیکن اگر وہ نہ کریں تو حرج نہیں۔ ان کے دانت اور مُسوڑھے بہ نسبت مردوں کے کمزور ہوتے ہیں، (ان کے لئے) مسی یعنی دَنداسہ کافی ہے۔

(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، صفحہ 357 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/11/11

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی و حکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

مسواک کے مسائل

استفتاء نمبر: 48

(الف) مسواک کرنے کے فضائل وفوائد کیا ہیں؟

(ب) مسواک کا شرعی حکم کیا ہے؟

(ج) مسواک کس لکڑی کی کرنی چاہیے؟

(د) کیا مسواک کی جگہ ٹوتھ برش کرنے سے مسواک کی سنت اور مسواک کے فضائل حاصل ہو جائیں گے؟

سائل : سعید اللہ خان عیسیٰ خیل میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

(الف) مسواک کے بیشمار فضائل وطبی فوائد ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

1۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ركعتان بالسواك افضل من سبعين ركعة بغير سواك"

مسواک کر کے دو رکعتیں پڑھنا بغیر مسواک کی 70 رکعتوں سے افضل ہے۔

(الترغیب والترہیب جلد اول صفحہ 102 رقم الحدیث 18 دار الکتب العلمیہ بیروت)

2۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عليكم بالسواك فانه مطيبة للفم و مرضاة للرب

یعنی مسواک استعمال اپنی لیے لازم کرلو کیونکہ یہ منہ کو صاف کرنے والی اور رب تعالیٰ کو راضی کرنے والی ہے۔

(مسند الامام احمد بن حنبل جلد 10 صفحہ 106 رقم الحدیث 5865 :موسسۃ الرسالۃ)

3۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ثلاث يزدن في الحفظ ويذهبن البلغم السواك والصيام وقرائة القرآن

یعنی تین چیزیں حافظہ تیز کرتی اور بلغم دور کرتی ہیں:

1۔ مسواک، 2۔ روزہ اور، 3۔ قرآن کریم کی تلاوت۔

(احیاء العلوم جلد اول صفحہ 275 کریا طہ فوترا سمارا ع)

4۔ حضرت علامہ سید احمد طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کے صفحہ 68,69 پر مسواک کے جو فضائل و فوائد تحریر فرمائے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1۔ مسواک شریف کو لازم کرلو اس سے غفلت نہ کرو اسے ہمیشہ کرتے رہو کیونکہ اس میں اللہ عزوجل کی خوشنودی ہے۔

2۔ ہمیشہ مسواک کرتے رہنے سے روزی میں آسانی اور برکت رہتی ہے۔

3۔ دردسر دور ہوتا ہے۔

4۔ بلغم کو دور کرتی ہے۔

5۔ نظر کو تیز کرتی ہے۔

6۔ معدہ درست رکھتی ہے۔

7۔ جسم کو توانائی بخشتی ہے۔

8۔ حافظہ (قوتِ یاداشت) کو تیز کرتی ہے اور عقل کو بڑھاتی ہے۔

9۔ دل کو پاک کرتی ہے۔

10۔ نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

11۔ فرشتے خوش ہوتے ہیں۔

12۔ مسواک شیطان کو ناراض کردیتی ہے۔

13۔ کھانا ہضم کرتی ہے۔

14۔ بچوں کی پیدائش میں اضافہ ہوتا ہے۔

15۔ بڑھاپا دیر میں آتا ہے۔

16۔ پیٹھ کو مضبوط کرتی ہے۔

17۔ بندے کو اللہ عزوجل کی اطاعت کے لئے قوت دیتی ہے۔

18۔ نزع میں آسانی اور کلمہ شہادت یاد دلاتی ہے۔

19۔ قیامت میں اعمال سیدھے ہاتھ میں دلاتی ہے۔

20۔ پل صراط سے بجلی کی طرح تیزی سے گزار دے گی۔

21۔ حاجات پوری ہونے میں اس کی امداد کی جاتی ہے۔

22۔ قبر میں آرام وسکون پاتا ہے۔

23۔ اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

24– دنیا سے پاک صاف ہو کر رخصت ہوتا ہے۔

25– سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس میں اللہ عزوجل کی رضا ہے۔

(مسواک شریف کے فضائل صفحہ 19 مکتبۃ المدینہ کراچی)

(ب)– مسواک وضو کی سنتِ قبلیہ ہے اور یہ عام حالت میں سنتِ غیر مؤکدہ ہے البتہ جب منہ میں بدبو ہو تو پھر مسواک کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

1– سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسواک وضو کی سنتِ قبلیہ ہے البتہ سنتِ مؤکدہ اس وقت ہے جبکہ منہ میں بدبو ہو۔

(فتاوی رضویہ جلد اول صفحہ 623 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

2– صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

مسواک نماز کے لیے سنت نہیں بلکہ وضو کے لئے تو جو ایک وضو سے چند نمازیں پڑھے اس سے ہر نماز کے لیے مسواک کا مطالبہ نہیں جب تک تغیرِ رائحا (یعنی سانس بدبودار) نہ ہو گیا ہو ورنہ اس کے دفع کے لئے مستقل سنت ہے البتہ اگر وضو میں مسواک نہ کی تھی تو اب نماز کے وقت کر لے۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ دوم صفحہ 295 مکتبۃ المدینہ کراچی)

(ج)– مسواک ایسی لکڑی کی کرنی چاہیے جو کڑوی ہو جیسے پیلو یا زیتون یا نیم وغیرہ کی مسواک کیونکہ کڑوی لکڑی کی مسواک منہ کی بو کو خوشگوار بناتی ہے۔ دانتوں کو مضبوط کرتی ہے اور معدے کو قوی کرتی ہے۔ پھلدار درختوں یا خوشبودار پودوں کی مسواک نہیں کرنی چاہیے کیونکہ وہ دانتوں کے لیے نقصان دہ ہیں۔

1– فتاوی عالمگیری میں ہے:

وینبغی ان یکون السواك من اشجار مرة لانه یطیب نکهة الفم ویشد الاسنان ویقوی المعدة ولکن رطبا

یعنی اور چاہیے کہ مسواک کڑوے درختوں (کی لکڑی) سے ہونی چاہیے ، کیونکہ یہ (کڑوی لکڑی کی مسواک) منہ کی بو کو پاکیزہ بناتی ہے۔ دانتوں کو مضبوط کرتی ہے اور معدے کو قوی بناتی ہے لیکن مسواک کی لکڑی تر ہونی چاہیے۔

(فتاوی عالمگیری جلد اول صفحہ 8,9 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

2— کفایہ میں ہے:

وذكر في المحيط انه ينبغي ان يكون السواك من اشجار مرة لانه يطيب نكهة الفم ويشد الاسنان ويقوي المعدة"

یعنی اور محیط میں ذکر کیا گیا ہے کہ مسواک کڑوے درختوں (کی لکڑی) سے ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ (کڑوی لکڑی کی مسواک) منہ کی بو کو پاکیزہ بناتی ہے، دانتوں کو مضبوط کرتی ہے اور معدے کو قوی بناتی ہے۔

(فتح القدیر مع کفایہ جلد اول صفحہ 21 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

3— حلبی الکبیر میں ہے:

ثم المستحب ان يكون السواك من شجرة مرة لزيادة ازالة تغير الفم قالوا ويستاك بكل عود الا الرمان والقصب وافضله الاراك ثم الزيتون

یعنی پھر مستحب ہے کہ مسواک کڑوے درخت (کی لکڑی) سے ہو، کیونکہ یہ منہ کی بو کو زیادہ دور کرنے والی ہوتی ہے، فقہاء کرام علیہم الرحمہ فرماتے ہیں: اور ہر لکڑی کے ساتھ مسواک کی جاسکتی ہے سوائے انار اور بانس (کی لکڑی) کے سب سے افضل پیلو پھر زیتون (کی لکڑی) ہے۔

(حلبی الکبیر صفحہ 33 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

4— صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسواک نہ بہت نرم ہو، نہ سخت اور پیلو یا زیتون یا نیم وغیرہ کڑوی لکڑی کی ہو، میوے یا خوشبودار پھول کے درخت کی نہ ہو۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ دوم صفحہ 294 مکتبۃ المدینہ کراچی)

(د)— مسواک کو چھوڑ کر ٹوتھ پیسٹ اور برش کرنے سے مسواک کی سنت ادا نہیں ہوتی اور نہ ہی وضو میں مسواک کو چھوڑ کر ٹوتھ پیسٹ اور برش کرنے سے مسواک والا ثواب ملتا ہے، جس طرح مسواک نہ ہونے کے وقت انگلی یا کھردرے کپڑے کو دانتوں پر ملنے سے مسواک کی سنت ادا ہو جاتی ہے اور جس طرح عورتیں کے مسوڑھے کمزور ہونے کی وجہ سے مسواک پر قدرت کے باوجود ثواب وسنّت کی نیت سے مسی (یعنی دنداسہ) استعمال کرنے سے مسواک کی سنت ادا ہو جاتی ہے اور عورتوں کو مسواک کا ثواب بھی مل جاتا ہے۔

اور جس طرح فقہاء کرام علیہم الرحمہ نے مسواک کی موجودگی میں انگلی یا کھردرے کپڑے کو سنت وثواب کے حصول کے حق میں مسواک کا قائم مقام قرار نہیں دیا حالانکہ اس صورت میں بھی صفائی کا حصول ممکن ہے تو اسی طرح مسواک کی موجودگی میں ٹوتھ

پیسٹ اور برش سے مسواک کی سنت اور فضیلت حاصل نہیں ہوگی اگرچہ صفائی حاصل ہوجائے گی۔

اس تفصیل سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ منہ کی صفائی کے لیے مسواک اصل ہے اور انگلی، کھردرا کپڑا مسواک کے نائب وخلیفۃ ہیں اور نائب وخلیفۃ اصل کی موجودگی میں اصل کے قائم نہیں ہوتے بلکہ اصل کی عدمِ موجودگی میں اصل کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

1— شیخ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عند فقده او فقد اسنانه تقوم الخرقة الخشنة او الاصبع مقامه كما يقوم العلك مقامه للمرأة مع القدرة عليه

یعنی مسواک یا دانتوں کے نہ ہونے کے وقت کھردرا کپڑا یا انگلی مسواک کے قائم مقام ہے جس طرح عورت کے لیے مسواک پر قدرت کے باوجود گوند چبانا (یا مسی ودنداسہ وغیرہ) مسواک کے قائم مقام ہے۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد اول صفحہ 253 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

2— فتاوی عالمگیری میں ہے:

لا يقوم الاصبع مقام الخشبة فان لم توجد الخشبة فحينئذ يقوم الاصبع من يمينه مقام الخشبة كذا فى المحيط والظهيرية والعلك يقوم مقامه للمرأة كذا فى البحر الرائق

یعنی انگلی، لکڑی یعنی مسواک کے قائم مقام نہیں ہوتی ، پس اگر لکڑی یعنی مسواک موجود نہ ہو تو اس کے سیدھے ہاتھ کی انگلی لکڑی یعنی مسواک کے قائم مقام ہوجائے گی ایسے ہی محیط اور ظہیریہ میں ہے اور گوند چبانا (یا مسی و دنداسہ وغیرہ) عورت کیلئے مسواک کا قائم مقام ہے ایسے ہی البحرالرائق میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری جلد اول صفحہ 9 دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

3— کفایہ میں ہے:

السواك والمسواك اسم للخشبة المتعينة للاستياك

یعنی یعنی سواک اور مسواک (دونوں) ایسی لکڑی کا نام ہیں جو مسواک کرنے کے لیے متعین ہوتی ہے۔

(فتح القدیر مع کفایہ جلد اول صفحہ 21 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

4۔ حلبی الکبیر میں ہے:

السواك بالكسر وهو العود الذی يستاك به كالمسواك

یعنی سِواک (کسرہ کے ساتھ) اور یہ وہ لکڑی ہے جس کے ساتھ مسواک کی جاتی ہے ,جیسے مسواک (لکڑی کی ہوتی ہے)۔

(حلبی الکبیر صفحہ 32 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

5۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اور اصل تو یہ ہے کہ مسواک کی سنت چھوڑ کر نصرانیوں کا برش اختیار کرنا ہی سخت جہالت وحماقت اور مرض قلب کی دلیل ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 621 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

6۔ صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہا لجوہرۃ النیرۃ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

اگر مسواک نہ ہو تو انگلی یا سنگین (کھردرے) کپڑے سے دانت مانجھ لے۔ یوہیں اگر دانت نہ ہوں تو انگلی یا کپڑا مسوڑوں پر پھیر لے۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ دوم صفحہ 294 مکتبۃ المدینہ کراچی)

7۔ فیضِ ملّت مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

منجن، ٹوتھ پیسٹ اور برش کے استعمال سے مسواک کی سنت ادا نہیں ہوگی۔

مسواک درخت کی ایسی شاخ کو کہتے ہیں جس سے دانتوں کی صفائی کی جائے ,اس لحاظ سے منجن اور برش اس حکم میں نہ ہوئے وہ نہ تو کسی درخت کی شاخ ہیں اور نہ ان میں مسواک کی طرح ریشے ہیں اور نہ ان میں مسواک کی طرح قدرتی کڑواپن جو کہ پت اور بلغم کو صاف کر کے طبیعت کو پرسکون بنائے ,اس لیے یہ مسنون مسواک کے حکم میں نہیں ہو سکتے۔

(مسواک کے فضائل ,صفحہ 14)

نوٹ: رہا یہ سوال کہ مسواک کی غیر موجودگی میں ٹوتھ پیسٹ حصولِ سنت وثواب کے حق میں مسواک کا قائم مقام ہوگا یا نہیں؟

تو ٹوتھ پیسٹ مسواک کی غیر موجودگی میں حصولِ سنت وثواب کے حق میں مسواک کے قائم مقام نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ مسواک کی غیر موجودگی میں جن چیزوں کو مسواک کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے وہ چیزیں دانتوں کے لیے نقصان دہ نہیں بلکہ مفید اور صفائی کے حصول کا ذریعہ ہیں جبکہ ٹوتھ پیسٹ سے اگرچہ بظاہر صفائی حاصل ہو جاتی ہے مگر یہ کئی بیماریوں کا سبب بنتا ہے کہ ایک مرتبہ استعمال کرنے کے بعد برش میں جراثیم کی تہہ جم جاتی ہے مزید یہ کہ ٹوتھ پیسٹ و برش عیسائیوں کا ایجاد کردہ ہے جو سنتِ مسواک کو

مٹانے والا ہے ,اس کے باوجود اگر کوئی ٹوتھ پیسٹ استعمال کرے گا تو گنہگار نہیں ہوگا لیکن مسواک کے فضائل وفوائد سے محروم ضرور ہوگا۔

چنانچہ شیخِ طریقت امیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہ العالیہ ٹوتھ پیسٹ کے نقصانات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

ماہرین کی تحقیق کے مطابق 80 فیصد امراض معدہ اور دانتوں کی خرابی سے پیدا ہوتے ہیں ۔عموماً دانتوں کی صفائی کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے مسوڑھوں میں طرح طرح کے جراثیم پرورش پاتے پھر معدے میں جاتے اور طرح طرح کے امراض کا سبب بنتے ہیں. یادرہے!''ٹوتھ برش''مسواک کا نعم البدل نہیں۔ بلکہ ماہرین نے اعتراف کیا ہے :

1 جب برش کو ایک بار استعمال کرلیا جاتا ہے تو اس میں جراثیم کی تہہ جم جاتی ہے، پانی سے دھلنے پر بھی وہ جراثیم نہیں جاتے بلکہ وہیں نشوونما پاتے رہتے ہیں۔

2 برش کے باعث دانتوں کی اوپری قدرتی چمکیلی تہہ اتر جاتی ہے۔

3 برش کے استعمال سے مسوڑھے آہستہ آہستہ اپنی جگہ چھوڑتے جاتے ہیں جس سے دانتوں اور مسوڑھوں کے درمیان خلا (GAP) پیدا ہوجاتا ہے اور اس میں غذا کے ذرات پھنستے ،سڑتے اور جراثیم اپنا گھر بناتے ہیں، اس سے دیگر بیماریوں کے علاوہ آنکھوں کے طرح طرح کے امراض بھی جنم لیتے ہیں۔اس سے نظر کمزور ہوجاتی ہے بلکہ بعض اوقات آدمی اندھا ہوجاتا ہے۔

(نماز کے احکام صفحہ 74 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/09/18

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

کیا حضرت سیدتنا بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کو حیض ونفاس نہیں آتا تھا؟

استفتاء نمبر:49

کیا حضرت سیدتنا بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کو حیض ونفاس نہیں آتا تھا؟

سائل : غلام حسین ابوظہبی

بسمه تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

جی ہاں! اللہ پاک نے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حیض و نِفاس جیسے نسوانی عَوارِض (یعنی عورتوں کو پیش آنے والے معاملات) سے دُور و پاک رکھا۔

چنانچہ حضور نبی اکرم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا :

میری بیٹی فاطمہ انسانی شکل میں حوروں کی طرح حیض ونِفاس سے پاک ہے۔

(كنز العمال، كتاب الفضائل، فضل اهل البيت، جلد 12، صفحہ 50، رقم الحديث 12243:)

والله اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلى الله عليه واله وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/09/22

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

بغل اور ناف کے بالوں کا صاف کرنے کا حکم

استفتاء نمبر:50

1— مرد وعورت کے ناف کے نیچے بالوں کو صاف کرنے کی حد کیا ہے؟

2— ناف اور بغل کے نیچے کے بالوں کو کس چیز سے صاف کرنا چاہیے؟

3— ناف اور بغل کے نیچے کے بالوں کو کتنے دنوں بعد صاف کرنا ضروری ہے؟

سائل: عبداللہ میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

1— زیرِ ناف بالوں کو مونڈنے کی حد یہ ہے کہ ناف کے عین نیچے سے شروع کر کے، مرد کی شرمگاہ اور خصیتین یعنی فوطوں کے بال اور عورت کی شرمگاہ کے بال، مونڈتے ہوئے مقعد (یعنی پاخانہ کے مقام) تک مونڈیں بلکہ مقعد کے اردگرد کے بال بھی مونڈنا بہتر ہیں۔ البتہ مرد و عورت کی رانوں کے بال اس حد میں داخل نہیں ہیں لیکن انہیں صاف کرنا جائز ہے۔

2— مرد و عورت دونوں کیلیے بغلوں کے بالوں کو اکھاڑنا سنت ہے اور مونڈنا یا پاؤڈر یا ہیئر ریموَر کریم وغیرہ سے بھی دور کرنا جائز ہے۔

مرد کو ناف کے نیچے کے بالوں کو استرے یا ریزر وغیرہ سے مونڈنا چاہیے، چونے، پاؤڈر اور ہیئر ریموَر کریم وغیرہ سے بھی دور کرنا جائز ہے، جبکہ عورت کیلیے ان بالوں کو اکھاڑنا سنت ہے اور چونے، پاؤڈر اور ہیئر ریموَر کریم وغیرہ سے بھی دور کرنا جائز ہے۔ اور عورت کے لیے استرے، سیفٹی اور ریزر وغیرہ سے بھی ان بالوں کو دور کرنا جائز ہے مگر نوجوان عورت کو ان چیزوں کو استعمال کرنے سے بچنا چاہیے۔

3— ایک ہفتے تک انہیں دور کر لینا مستحب ہے، جمعہ کے دن دور کرنا افضل ہے، جبکہ پندرہ دن تک بھی جائز ہے، البتہ چالیس روز سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں، چالیس روز کے بعد گنہگار ہوں گے، ایک، دو بار میں ایسا کرنے سے گناہِ صغیرہ ہوگا، اور اس کی عادت ڈالنے سے گناہِ کبیرہ ہوگا۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

وقت لنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فى قص الشارب و تقليم الأظفار ونتف الإبط و حلق العانة أن لا نترك أكثر من اربعين ليلة

یعنی ہمارے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھیں کترنے، ناخن کاٹنے، زیرِ بغل بال اکھاڑنے اور زیرِ ناف بال مونڈنے کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا کہ ہم میں سے کوئی شخص چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑے۔

(صحیح مسلم، کتاب الطهارة باب خصال الفطرة، جلد 1 صفحہ 129 قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

الشعر القريب من فرج الرجل و المرأة و مثلها شعر الدبر بل هو أولى بالازالة

لئلا یتعلق بہ شیء من الخارج عند الاستنجاء بالحجر

یعنی وہ بال جو مرد و عورت کی شرمگاہ کے ارد گرد ہوتے ہیں، یونہی مقعد کے ارد گرد کے بال صاف کرنا اَوْلیٰ ہے تا کہ پتھر کے ساتھ استنجاء کے وقت نجاست بالوں کے ساتھ نہ لگے۔

(درمختار جلد 3 صفحہ 48 دارالکتب العلمیہ بیروت)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یبتدء من تحت السرۃ ولو عالج بالنورۃ یجوز۔ کذا فی الغرائب۔ وفی الاشباہ :والسنۃ فی عانۃ المرأۃ النتف

یعنی ناف کے نیچے سے ابتداء کرے گا اور اگر نورہ (یعنی چونے) سے صاف کیے تو بھی جائز ہے، ایسے ہی ''غرائب'' میں ہے، اور اشباہ میں ہے کہ :عورت کے ان بالوں میں اکھیڑ ڈالنا سنت ہے۔

(ردالمحتار جلد 9 صفحہ 670 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ:

اگر مرد اپنے زیرِ ناف کے بال مقراض سے تراشے یا عورت استرہ لے تو جائز ہے یا نہیں، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا:

حلق وقصر ونتف وتنور یعنی مونڈنا، کترنا، اکھیڑنا اور نورہ لگانا سب صورتیں جائز ہیں کہ مقصود اس موضع (جگہ) کا پاک کرنا ہے اور وہ سب طریقوں میں حاصل۔

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 600 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

موئے زیر ناف دور کرنا سنت ہے، ہر ہفتہ میں نہانا، بدن کو صاف ستھرا رکھنا اور موئے زیرِ ناف دور کرنا مستحب ہے، اور بہتر جمعہ کا دن ہے اور پندرھویں روز کرنا بھی جائز ہے اور چالیس روز سے زائد گزار دینا مکروہ وممنوع۔ موئے زیرِ ناف استرے سے مونڈنا چاہیے اور اس کو ناف کے نیچے سے شروع کرنا چاہئے اور اگر مونڈنے کی جگہ ہڑتال، چونا یا اس زمانہ میں بال اڑانے کا صابن چلا ہے، اس سے دور کرے، یہ بھی جائز ہے، عورت کو یہ بال اکھیڑ ڈالنا سنت ہے۔

مزید آگے تحریر فرماتے ہیں:

بغل کے بالوں کا اکھاڑنا سنت ہے اور مونڈنا بھی جائز ہے۔

(بہارِ شریعت جلد 3 حصہ 16 صفحہ 584، 585 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مفتی اعظم پاکستان، حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین امجدی قادری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ناف سے نیچے خصیتین اور عضوِ تناسل کے اردگرد کے بال صاف کرنا سنت ہے، اور دُبر (یعنی پاخانہ کے مقام) کے بال صاف کرنا مستحب ہے۔

(وقار الفتاوی جلد دوم صفحہ 541 بزم وقار الدین کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/11/25

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

حیض کی ابتداء کس زمانے میں اور کس سے ہوئی

استفتاء نمبر: 51

حیض کی ابتداء کس زمانے میں اور کس سے ہوئی؟

سائل: سرفراز علی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمان کے مطابق حیض کی ابتداء حضرت حواء رضی اللہ عنہا سے ہوئی ہے، جب انہوں نے ممنوعہ درخت کا پھل کھایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین پر اتارا تو اسی وقت سے انہیں حیض شروع ہو گیا پھر تمام عورتوں کیساتھ حیض کا یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔

نوٹ: البتہ بعض حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حیض کی ابتداء بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی ہے، تو بعض علماء

کرام نے حضور صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کے فرمان اور بعض حضراتِ صحابہ کے اس قول میں یوں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی کہ درحقیقت حیض کی ابتداء حضرت حوا رضی اللہ عنھا سے ہوئی اور بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے ان کی عورتوں کا حیض، بطورِ عذاب ایک مدت تک بند کر دیا پھر حیض کو جاری کر دیا گیا تو چونکہ ایک مدت کے بعد ان کی عورتوں کا بند حیض جاری ہوا، اس لئے ان سے حیض کی ابتداء کا قول کر دیا لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بنی اسرائیل کی عورتوں سے حیض کے شروع ہونے کا رد کیا اور فرمایا کہ اس (یعنی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے اس قول) کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کی حدیث، اَکْبَر ہے یعنی بڑی اور ثبوت کے اعتبار سے پختہ ہے . (اور ایک نسخے میں اکثر کا لفظ ہے یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کی حدیث زیادہ عورتوں کو شامل ہے).

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

و قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھذا الشئ کتبہ اللہ علی بنات اٰدم

یعنی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کا ارشاد : یہ (حیض) وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے .

اس تعلیق کو امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے آگے متصل سند کے ساتھ یوں بیان فرمایا:

قال :ان ھذا امر کتبہ اللہ علی بنات اٰدم

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ و الہ و سلم نے فرمایا :

بیشک یہ (حیض) وہ امر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لکھ دیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے قول کو یوں ذکر کیا:

"وقال بعضھم :کان اول ما ارسل الحیض علی بنی اسرائیل"

یعنی بعض اصحاب نے فرمایا : سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل پر بھیجا گیا تھا۔

پھر آگے یوں ہے:

"قال ابو عبد اللہ وحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر"

ابوعبداللہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کی حدیث اکثر ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الحیض، باب کیف بدأ الحیض، جلد اول، صفحہ 107 مکتبہ رحمانیہ)

شارحِ بخاری، فقیہِ اعظم ہند، مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ام المومنین اور حضرت ابن مسعود کا جو قول تعلیقاً مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض بطورِ دنیوی سزا پہلے پہل بنی اسرائیل کی عورتوں کو آیا اور اس حدیث میں یہ ہے کہ حیض بناتِ آدم کے لئے مقرر ہے، بناتِ آدم اپنے عموم کے لحاظ سے بنی اسرائیل سے پہلے کی عورتوں پر بھی صادق ہے، اس سے ثابت کہ روزِ اول ہی سے تمام عورتوں کو حیض آتا تھا۔

علاوہ ازیں قرآنِ مجید میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے:

و امرأته قائمة فضحکت

ان کی بیوی کھڑی تھی ہنسنے لگی۔

(سورۃ الھود 7 :)

طبری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما وغیرہ سے "فضحکت" کی تفسیر "حاضت" کیساتھ نقل کی ہے یعنی انہیں حیض آ گیا۔

نیز حاکم اور ابن منذر نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت کیا کہ حضرت حوا (رضی اللہ عنہا) جنت سے اتریں تو انہیں حیض آنے لگا.

اس پر امام بخاری نے فرمایا :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کا ارشاد اکثر ہے باعتبار روایت، اس لئے اسے ترجیح حاصل ہے ایک نسخے میں بجائے اکثر کے اکبر ہے یعنی بہ نسبت صحابی کے قول کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ و الہ و سلم کا ارشاد بڑا یعنی اجل و اکبر ہے اس لئے اسے ترجیح ہے۔

علامہ عینی نے یہ تطبیق کی صورت نکالی کہ بنی اسرائیل پر ان کی سرکشی کی وجہ سے یہ عذاب آیا کہ ان کی عورتوں کا حیض بند کر دیا گیا، یہ عذاب اس طرح ہے کہ توالد و تناسل کے اسبابِ عادیہ میں حیض بھی ہے، جس عورت کو حیض نہیں آتا وہ لاولد رہتی ہے ایک مدت تک یہی رہا پھر اللہ عزوجل نے جاری کر دیا۔

مگر تعلیق کا یہ لفظ "اول ما ارسل اللہ الحیض" اس توجیہ کے مطابق نہیں اس لئے راستہ یہی رہ گیا کہ امام بخاری نے جو فرمایا ہے اسی کو اختیار کیا جائے .

(نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 1، صفحہ 776، 777، فرید بک سٹال لاہور)

درمختار میں ہے:

وسببه ابتداء ابتلاء الله لحواء لأكل الشجرة

یعنی اور ابتداءِ حیض کا سبب (یعنی حیض کی ابتداء کا سبب)، اللہ پاک کا حضرت حوا (رضی اللہ عنہا) کو (ممنوعہ) درخت کھانے کی وجہ سے مبتلا کرنا ہے.

اس عبارت کے تحت خاتم المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(قوله ابتلاء الله لحواء إلخ) أي و بقي في بناتها إلى يوم القيامة. و ما قيل :إنه أول ما أرسل الحيض على بني إسرائيل فقد رده البخاري بقوله و حديث النبي صلى الله عليه و سلم أكبر. و هو ما رواه عن عائشة-رضي الله عنها-قالت» :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحيض :هذا شيء كتبه الله على بنات آدم .«قال النووي :أي إنه عام في جميع بنات آدم

یعنی علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

(اللہ تعالیٰ کا حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو مبتلا فرمانا. آخر تک) یعنی اور حیض قیامت کے دن تک حضرت حوا رضی اللہ عنہا کی بیٹیوں میں باقی رہے گا۔ اور بعض نے جو کہا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر حیض کو بھیجا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قول "وحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکبر" (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث بہت بڑی ہے) کی وجہ سے (بعض کے) قول کو رد کیا ہے اور یہ وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حیض کے متعلق فرمایا:

یہ وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر لازم کی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یعنی بے شک حیض حضرت آدم علیہ السلام کی تمام بیٹیوں میں عام ہے.

(رد المحتار علی درمختار، کتاب الطھارۃ، جلد 1، صفحہ 522، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/13

تصدیق و تصحیح:

1—آپ کے استفتاء نمبر 51 کا یہ جواب بالکل صحیح اور درست ہے، بندہ ناچیز اس سے مکمل اتفاق کرتا ہے اور اس کی تائید و توثیق کرتا ہے۔

ابو الحسنین حکیم و مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری

2—الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم دار الحدیث و دار الافتاء جامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان (کراچی)

حیض والی عورت کے لیے سنی گئی آیت سجدہ کے سجدے کا حکم

استفتاء نمبر:52

حیض والی عورت نے آیت سجدہ سنی تو کیا حیض ختم ہونے کے بعد اس پر سجدہ تلاوت کرنا ضروری ہوگا؟

سائل : عمر فاروق

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

حیض والی عورت چاہے آیتِ سجدہ کی تلاوت کرے یا کسی اور سے سنے، دونوں صورتوں میں حیض ختم ہونے کے بعد اس پر سجدہ تلاوت کرنا واجب نہیں ہوگا کیونکہ آیتِ سجدہ پڑھنے والے یا سننے والے پر اس وقت سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے جب اسے ادا یا قضاء نماز کا حکم ہو اور چونکہ حائضہ عورت کو ادا یا قضاء نماز کا حکم نہیں ہوتا اس لیے اس پر سجدہ تلاوت بھی واجب نہیں ہوتا۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

والأصل فی وجوب السجدۃ ان کل من کان من اھل وجوب الصلاۃ اما اداء او قضاء کان أھلا لوجوب سجدۃ التلاوۃ و من لا فلا کذا فی الخلاصۃ حتی لو کان التالی کافرا أو مجنونا أو صبیا أو حائضا أو نفساء لم یلزمھم

یعنی اور سجدہ تلاوت واجب ہونے میں اصول یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ادا یا قضا کے طور پر وجوبِ نماز کا اہل ہو، وہ سجدہ تلاوت

کے وجوب کا اہل ہوگا اور جو شخص وجوبِ نماز کا اہل نہ ہوتو وہ سجدہ تلاوت کے وجوب کا اہل بھی نہیں ہوگا، ایسے ہی ''خلاصۃ الفتاویٰ'' میں ہے یہاں تک کہ اگر تلاوت کرنے والا شخص کافر ہو یا مجنون ہو یا نابالغ ہو یا حیض والی عورت ہو یا نفاس والی عورت ہو تو ان پر سجدہ تلاوت لازم نہیں ہوگا۔

(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ، باب سجود التلاوۃ، جلد 1 صفحہ 132 دار الفکر بیروت)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

فلا تجب علی کافر و صبی و مجنون و حائض و نفساء :قرؤوا او سمعوا)؛ لانهم ليسوا اهلاً لها

یعنی پس کافر، نابالغ، مجنون، حیض والی عورت اور نفاس والی عورت پر پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا (خواہ) یہ آیتِ سجدہ پڑھیں یا سنیں، اس لیے کہ یہ سب نماز کے اہل نہیں ہیں۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، جلد 2، صفحہ 701 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابوسہل سرخسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وليس على الحائض سجدة قرأت أو سمعت

یعنی حائضہ عورت پر سجدہ تلاوت لازم نہیں ہے خواہ آیتِ سجدہ تلاوت کرے یا سنے۔

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصلوٰۃ، باب سجود التلاوۃ، جلد 2 صفحہ 6 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آیت سجدہ پڑھنے والے پر اس وقت سجدہ واجب ہوتا ہے کہ وہ وجوب نماز کا اہل ہو یعنی ادا یا قضا کا اسے حکم ہو، لہٰذا اگر کافر یا مجنون یا نابالغ یا حیض و نفاس والی عورت نے آیت پڑھی تو ان پر سجدہ واجب نہیں اور مسلمان عاقل بالغ اہل نماز نے ان سے سُنی تو اس پر واجب ہوگیا اور جنون اگر ایک دن رات سے زیادہ نہ ہو تو مجنون پر پڑھنے یا سننے سے واجب ہے، بے وضو یا جنب نے آیت پڑھی یا سنی تو سجدہ واجب ہے، نشہ والے نے آیت پڑھی یا سنی تو سجدہ واجب ہے۔ یوہیں سوتے میں آیت پڑھی بعد بیداری اسے کسی نے خبر دی تو سجدہ کرے، نشہ والے یا سونے والے نے آیت پڑھی تو سننے والے پر سجدہ واجب ہوگیا۔

عورت نے نماز میں آیتِ سجدہ پڑھی اور سجدہ نہ کیا یہاں تک کہ حیض آ گیا تو سجدہ ساقط ہوگیا۔

(بہار شریعت جلد 1 حصہ چہارم صفحہ 729، 730 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/09/24

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

مجبوری کی حالت میں پاکی کا حکم

استفتاء نمبر: 53

ایک عورت کو پیشاب کے قطرے نکلنے کی بیماری ہے جس کی وجہ سے اس کی ٹانگیں ناپاک ہوجاتی ہیں اور وہ سردیوں میں اپنی ٹانگیں پانی سے پاک بھی نہیں کرسکتی کیونکہ پانی استعمال کرنے سے اس کی ٹانگیں اکڑ جاتی ہیں تو اب اس کے لئے نماز کا کیا حکم ہے؟

سائل: محمد بشیر مدنی میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

اگر مذکورہ عورت واقعی سردی کے موسم میں سردی کی وجہ سے پیشاب سے آلودہ ٹانگیں نہ دھوسکتی ہو اور پاک کرنے کے لئے گرم پانی بھی استعمال نہ کرسکتی ہو تو بغیر دھوئے نماز ادا کرلے، اس کی نماز ہوجائے گی کیونکہ مریض کے لیے فقہائے کرام نے گنجائش بیان فرمائی ہے۔

نوٹ: اگر کوئی ویزلین یا ٹیوب وغیرہ استعمال کرنے سے اس کی ٹانگیں اکڑنے سے بچ جائیں گی تو پھر دھونا ضروری ہوگا۔

چنانچہ امام علاء الدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فلو مشلولة و لم یجد ماء جاریاً ولا صاباً ترك الماء، و لو شلتا سقط أصلاً كمريض و مريضة لم يجدا من يحل جماعة

یعنی پس اگر (بایاں) ہاتھ شل ہو اور وہ جاری پانی نہ پائے اور نہ کوئی پانی انڈیلنے والا پائے تو پانی (کے استعمال) کو چھوڑ دے اور اگر دونوں ہاتھ شل ہوں تو بالکل استنجا ساقط (معاف) ہوجائے گا جیسے مریض اور مریضہ کہ وہ دونوں ایسے فرد کو نہ پائیں جس سے

جماع حلال ہو۔

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قوله :(ولا صاباً) ای :لو وجد صاباً کخادم و زوجة لا یترکه کما فی "الامداد"

قوله :(سقط أصلاً) أی :بالماء والحجر۔

قوله:(کمریض الخ) فی "التاترخانیة :"الرجل المریض اذا لم تکن له امرأة ولا أمة و له ابن أو أخ و هو لا یقدر علی الوضوء قال :یوضئه ابنه أو أخوه غیر الاستنجاء، فانه لا یمس فرجه و یسقط عنه و المرأة المریضة اذا لم یکن لها زوج و هی لا تقدر علی الوضوء و لها بنت أو أخت توضئها و یسقط عنها الاستنجاء اھ۔ و لا یخفی أن هذا التفصیل یجری فیمن شلت یداه لأنه فی حکم المریض"

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

(ولا صاباً) یعنی اگر وہ کوئی پانی انڈیلنے والا پائے جیسے خادم اور بیوی تو استنجا کو نہ چھوڑے۔

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول :

(سقط اصلا) یعنی پانی اور پتھر کے ساتھ (استنجا بالکل معاف ہوجائے گا۔)

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول :

(کمریض) التاترخانیہ میں ہے :جب مریض مرد کی نہ بیوی ہو اور نہ لونڈی ہو اور اس کا بیٹا یا بھائی ہو اور وہ خود وضو پر قادر نہ ہو تو اس کا بیٹا یا بھائی اسے وضو کرائے گا لیکن استنجا نہیں کرائے گا کیونکہ وہ اس کی شرمگاہ کو نہیں چھو سکتا اور (اس وجہ سے) استنجا اس سے معاف ہوجائے گا اور جب مریضہ عورت کا شوہر نہ ہو اور وہ وضو پر قادر نہ ہو اور اس کی بیٹی یا بہن ہو تو وہ اس کو وضو کرائے گی اور استنجا اس سے معاف ہوجائے گا۔

اور پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ تفصیل کے بارے میں بھی جاری ہوگی جس کے دونوں ہاتھ شل ہو چکے ہوں کیونکہ وہ مریض کے حکم ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، فصل فی الاستنجاء، مطلب اذا دخل المستنجی فی ماء قلیل، جلد 1 صفحہ 607 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مرد لُنجھا ہو تو اس کی بی بی استنجا کرادے اور عورت ایسی ہو تو اس کا شوہر اور بی بی نہ ہو یا عورت کا شوہر نہ ہو تو کسی اور رشتہ دار بیٹا،

بیٹی، بھائی، بہن سے استنجا نہیں کرا سکتے بلکہ معاف ہے۔

(بہارشریعت جلد 1 حصہ 2 صفحہ 413 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/11

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی و حکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

خنزیر نجس العین کیوں؟

استفتاء نمبر: 54

1—خنزیر دیگر حرام جانوروں کی طرح فقط حرام نہیں بلکہ نَجِسُ الْعَیْن ہے تو یہ نجس العین کیوں ہے؟

2—نَجِسُ الْعَیْن سے کیا مراد ہے؟

سائل: محمد صدام حسین اتر دیناجپور مغربی بنگال

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

1—خنزیر دیگر جانوروں کی طرح صرف حرام نہیں ہے بلکہ نجس العین ہے کیونکہ دیگر جانوروں کی خصلت یہ ہے کہ جب کوئی مادہ کسی ایک نر سے حاملہ (گابھن) ہو جائے تو دیگر نر اس کے پاس نہیں جاتے مگر خنزیر ایسا خبیث اور نجس جانور ہے کہ جب مادہ ایک نر سے حاملہ ہو جائے تو اس کے باوجود دیگر نر اس حاملہ مادہ کے پاس جاتے ہیں اور اس سے وطی کرتے ہیں اور وہ نر جس سے مادہ حاملہ ہو چکی ہے وہ بے غیرت ہونے کی وجہ سے انہیں کچھ نہیں کہتا۔

چنانچہ امام احمد بن حجر مکی ہیتمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(والخنزیر) :وسبب تحریمہ نجاستہ أیضا. قال العلماء :ولأن الغذاء یصیر جوھرا من بدنالمتغذی فلا بد و أن یحصل للمتغذی أخلاق و صفات من جنس ما کان حاصلا

من الغذاء، و الخنزير مطبوع على أخلاق ذميمة جدا منها الحرص الفاحش و الرغبة الشديدة فى المنهيات و عدم الغيرة فحرم أكله على الإنسان لئلا يتكيف بتلك الكيفية القبيحة، و من ثم لما واظب النصارى سيما الفرنج على أكله أورثهم حرصا عظيما و رغبة شديدة فى المنهيات و عدم الغيرة فإنه يرى الذكر من جنسه ينزو على أنثاه و لا يتعرض له لعدم غيرته بخلاف الغنم و نحوها فإنها ذوات عارية عن جميع الأخلاق الذميمة، فلذلك لا يحصل للإنسان بسبب أكلها كيفية خارجة عن أغراضه و أحوال"

یعنی خنزیر کے حرام ہونے کا سبب بھی اس کی نجاست (ناپاکی) ہے، علماء کرام فرماتے ہیں:

اس لیے کہ غذاء اپنے کھانے والے کے بدن کا جوہر (جزو) بن جاتی ہے تو لازمی بات ہے کہ غذاء کھانے والے کے لئے اُس جنس کی صفات و اخلاق حاصل ہوں کہ جس جنس سے وہ غذاء حاصل ہو رہی ہے اور خنزیر چونکہ انتہائی مذموم صفات پر پیدا کیا گیا ہے جن میں سے حرصِ فاحش، ممنوع کاموں میں شدید رغبت اور غیرت کا نہ ہونا ہے، پس انسان پر اس کا کھانا حرام کر دیا گیا تا کہ وہ ایسی بری کیفیت سے متکیف (متصف) نہ ہو اور اسی وجہ سے جب عیسائیوں اور بالخصوص فرنگیوں نے اس کے کھانے پر ہمیشگی اختیار کی تو اس نے ان کے اندر بڑا حرص، ممنوعات میں شدید رغبت اور بے غیرتی کو پیدا کر دیا۔

خنزیر اپنے کسی نر ہم جنس کو اپنی مادہ سے وطی کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو غیرت نہ ہونے کی وجہ سے اسے کچھ نہیں کہتا بخلاف بکری وغیرہ کے کیونکہ یہ جانور تمام صفاتِ ذمیمہ سے خالی ہوتے ہیں، پس ان کے کھانے کے سبب انسان کو اپنے احوال و اغراض سے ہٹ کر کوئی کیفیت حاصل نہیں ہوتی۔

(الزواجر عن اقتراف الکبائر، جلد 1، صفحہ 361، دار الفکر بیروت)

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین امجدی قادری رضوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ تحریر فرماتے ہیں :

تمام درندوں میں خنزیر سب سے زیادہ نجس، بدخصلت اور بے حیا ہے، تقریبا تمام جانوروں کی یہ عادت ہے کہ جس نر سے مادہ حاملہ ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا نر اس مادہ کے پاس نہیں جاتا، صرف خنزیر کی یہ عادت ہے کہ اس کی مادہ کے پاس دوسرے خنزیر بھی جاتے رہتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالی نے انسانی خصال کی حفاظت کے واسطے اس کو حرام کیا اور سخت ترین حکم دیا۔

(وقار الفتاویٰ جلد اول صفحہ 343، 344، ناشر بزم وقار الدین کراچی)

فتاوی اجملیہ میں ہے:

خنزیر میں کیونکہ بہت زیادہ حرص وشہوت اور بے حیائی و بے غیرتی ہے اور وہ نجاستیں زیادہ کھاتا ہے اور خاص کر انسان کی نجاست تو اس کی غذا ہے تو اس کا گوشت بھی انہیں نجاستوں سے حاصل ہوگا، نیز اس کے مذموم اخلاق کے اثرات اس کے گوشت میں ہوں گے تو اس کے گوشت کا کھانا گویا نجاست کا کھانا قرار پاتا ہے اور اس کے گوشت کے کھانے والے پر اس کے مذموم اخلاق کے اثرات ہوں گے، لہذا ان نقائص کی بنا پر اس کا گوشت حرام ہونا چاہیے اور جب اس کا گوشت نجس العین قرار دیا تو پھر اس کی حلت ہونی ہی نہیں چاہیے کہ شریعت تو پاک اور بہتر اخلاق پیدا کرنے والی چیز کی اجازت دیتی ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے:

أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ

یعنی تمہارے لیے پاک اور خوش طبع چیزیں حلال کی گئیں، لہذا اس کا متولد عن النجاست گوشت جو اخلاق ذمیمہ کا بھی سبب قرار پاتا ہو ہر گز حلال نہیں ہونا چاہیے، بالجملہ خنزیر کے گوشت کے حرام ہونے کا یہ سبب بھی ہو سکتا ہے جو مذکور ہوا، لیکن اس کی حرمت کے حقیقی سبب کو یا تو خالق تبارک وتعالی جانتا ہے کہ اس نے کس سبب کی بنا پر اس کو حرام کیا یا اس کے وہ رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جانیں جن پر اس کی حرمت نازل ہوئی۔

(فتاوی اجملیہ جلد 3 صفحہ 349 شبیر برادرز لاہور)

2- نجس العین کا مطلب یہ ہے کہ خنزیر زندہ ہو یا مردہ، اس کی ذات سمیت اس کے تمام اجزاء نجس و ناپاک ہیں، جن نفع حاصل کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔

چنانچہ عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

لانه نجس العين بمعنى ان ذاته بجميع اجزائه نجسة حيا و ميتا"

یعنی اس لیے کہ وہ (خنزیر) نجس العین ہے اس معنی میں کہ اس (خنزیر) کی ذات، اس کے تمام اجزاء کے ساتھ نجس (ناپاک) ہے (چاہے خنزیر) زندہ ہو یا مردہ.

(ردالمحتار علی درمختار جلد اول صفحہ 395 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اُسَید عبید رضا مدنی

2019/06/15

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

مستعمل پانی کی تعریف اور اس کا حکم

استفتاء نمبر:55

1– مستعمل پانی کسے کہتے ہیں؟

2– مستعمل پانی کو پینا کیسا ہے؟

سائل : عبدالرحمن

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق والصواب

1– جس پانی کو بے وضوئی یا بے غسلی دور کرنے کیلئے یا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے استعمال کیا جائے جیسے وضو پر وضو کرنا،تو جیسے ہی وہ پانی جسم سے جدا ہوگا مستعمل ہوجائے گا .

مائے مستعمل خود تو پاک ہوتا ہے مگر بے وضوئی اور بے غسلی کو دور نہیں کرتا.

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے مستعمل پانی کی تعریف یوں بیان فرمائی:

مائے مستعمل وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیر نجاست حکمیہ سے کسی واجب کو ساقط کیا یعنی انسان کے کسی ایسے پارہ جسم کو مس کیا جس کی تطہیر وضو یا غسل سے بالفعل لازم تھی یا ظاہر بدن پر اُس کا استعمال خود کارِ ثواب تھا اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اُسی امر ثواب کی نیت سے استعمال کیا اور یوں اسقاط واجب تطہیر یا اقامت قربت کر کے عضو سے جُدا ہوا اگرچہ ہنوز کسی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ روانی میں ہے اور بعض نے زوال حرکت وحصول استقرار کی بھی شرط لگائی۔

(فتاوی رضویہ،جلد2،صفحہ43،رضا فاؤنڈیشن لاہور)

فقیہِ اعظم ہند،شارحِ بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وہ قلیل پانی جس سے حدث (یعنی بے وضوئی یا بے غسلی) دور کیا گیا ہو یا دور ہوا ہو یا بہ نیتِ تَقَرُّب استعمال کیا گیا ہو ,اور بدن سے جدا ہو گیا ہوا گرچہ کہیں ٹھہرا نہیں روانی ہی میں ہو۔

(نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد دوم، صفحہ 59، برکاتی پبلشرز کھارادر کراچی)

نور الایضاح میں ہے:

وھو ما استعمل لرفع حدث او لقربة

مستعمل پانی وہ ہے جسے حدث (یعنی بے وضوئی یا بے غسلی) کو دور کرنے کیلئے یا ثواب کیلئے استعمال کیا گیا ہو۔

(نور الایضاح صفحہ 27 مکتبۃ المدینہ کراچی)

2—قولِ صحیح کے مطابق مستعمل پانی پینا مکروہِ تنزیہی ہے یعنی پینا جائز تو ہے مگر شرعاً ناپسندیدہ ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے:

لکن یکرہ شربه والعجن به تنزیھا لا ستقذار

یعنی لیکن مستعمل پانی کو پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہِ تنزیہی ہے گھن آنے کی وجہ سے۔

(درمختار معہ ردالمحتار جلد اول صفحہ 353 دار عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع الریاض)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کرہ شربه والعجن به علی القول الصحیح بطھارته

یعنی مستعمل پانی پینا اور اس سے آٹا گوندھنا قولِ صحیح کے مطابق مکروہ ہے مستعمل پانی کے پاک ہونے کی وجہ سے۔

(درمختار معہ ردالمحتار جلد اول صفحہ 251 دار عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع الریاض)

الجوھرۃ النیرہ میں ہے:

ویکرہ شربه

یعنی اور مستعمل پانی کو پینا مکروہ (تنزیہی) ہے۔

(الجوھرۃ النیرۃ جلد اول صفحہ 51 مکتبہ رحمانیہ)

علامہ سید احمد طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یکرہ شربه والعجن به تنزیھا لا ستقذار النفس له

مستعمل پانی کو پینا اور اس کے ساتھ آٹا گوندھنا مکروہِ تنزیہی ہے کیونکہ دل اس سے گھن کرتا ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ 18 نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر اسے وضو نہ تھا اس حالت میں اس نے پانی پیا اور لبوں کے بال پانی کو لگے تو پانی مستعمل ہو گیا۔ مستعمل پانی کا پینا ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہم کے اصل مذہب میں حرام ہے۔ ان کے نزدیک وہ پانی ناپاک ہو گیا خود اس نے جو پیا ناپاک پیا اور اب جو پیئے گا ناپاک پیئے گا۔ اور مذہب مفتی بہ پر مستعمل پانی کا پینا مکروہ ہے۔ اس نے جو پیا مکروہ پیا اور اب جو بچا ہوا پیئے گا مکروہ پیئے گا۔ ہاں اگر اسے وضو تھا یا منہ دھلا تھا تو شرعا حرج نہیں۔ اگر چہ اس کی مونچھوں کا دھوون پینے سے قلب کراہت کرے گا۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 606 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر ہاتھ دھلا ہوا ہے مگر پھر دھونے کی نیّت سے ڈالا اور یہ دھونا ثواب کا کام ہو جیسے کھانے کے لیے یا وضو کے لیے تو یہ پانی مُستعمل ہو گیا یعنی وُضو کے کام کا نہ رہا اور اس کو پینا بھی مکروہ ہے۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ دوم صفحہ 333 مکتبۃ المدینہ کراچی)

شیخ طریقت امیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس کا پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہ لکھا ہے۔

فتاوی شامی میں ہے:

مستعمل پانی پینا اور اس سے آٹا گوندھنا قولِ صحیح کے مطابق مکروہ ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار جلد 1 صفحہ 271 دار المعرفہ بیروت)

یہاں مکروہ سے مراد مکروہِ تنزیہی ہے۔

(پانی کے بارے میں اہم معلومات صفحہ 12 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/25

تصدیق و تصحیح:

یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

بلی کے جھوٹے کا حکم

استفتاء نمبر:56

اگر بلی کسی کھانے وغیرہ میں منہ ڈال دے تو اس کھانے کے متعلق کیا حکم ہوگا؟

سائل : علی رضا کراچی پاکستان

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

چونکہ گھریلو بلی کا جوٹھا پاک اور مکروہِ تنزیہی (یعنی شرعاً ناپسندیدہ) ہے تو اگر کسی کھانے وغیرہ میں بلی نے منہ ڈال دیا اور وہ کھانا ایسا مائع (لِکْوِڈ) ہے کہ اس پورے کھانے میں بلی کا لعاب (تھوک) شامل ہو گیا یا کھانا کوئی ٹھوس چیز ہے اور اس ٹھوس حصے پر بلی کا لعاب لگ گیا تو ایسا کھانا اگر کسی مالدار شخص کا ہے تو بہتر ہے کہ وہ مالدار اس میں سے نہ کھائے اور اس جوٹھے کھانے کے علاوہ اور کھانا کھالے اور اگر مالدار یہ بلی کا جوٹھا کھالیتا ہے تب بھی جائز ہے لیکن مکروہِ تنزیہی (یعنی شرعاً ناپسندیدہ) ہے اور اگر وہ کھانا کسی غریب شخص کا ہے اور وہ اس جوٹھے کھانے کے علاوہ دوسرا کھانا نہیں پاتا تو اس کے لیے اس میں سے کھانا بغیر کسی کراہت جائز ہے اور اگر اس کے پاس اس جوٹھے کھانے کے علاوہ کھانا موجود ہے تو اس کے لیے بھی اس سے کھانا مکروہِ تنزیہی (یعنی ناپسندیدہ) ہوگا۔

اور اگر کھانا کوئی ٹھوس چیز ہو اور اس کے جس حصے کو بلی کا لعاب شامل نہ ہوا ہو تو اس کا کھانا مالدار و غریب دونوں کیلیے بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔

ہاں اگر بلی نے چوہا کھا کر فوراً کھانے میں منہ ڈال دیا تو ایسی صورت میں وہ کھانا بلی کے منہ میں لگی چوہے کی نجاست (خون وغیرہ) کی وجہ سے ناپاک ہوجائے گا، لیکن اگر چوہا کھانے کے تھوڑی دیر بعد (یعنی اپنے منہ کو اپنی زبان سے چاٹ چکنے کے بعد) کھانے میں منہ ڈالا تو پھر وہ کھانا ناپاک نہ ہوگا بلکہ ویسے ہی سابقہ حکم کی طرح مالدار کیلیے مکروہِ تنزیہی اور غریب کیلیے بغیر کسی کراہت کے جائز رہے گا۔

چنانچہ علامہ ابوالحسن احمد بن محمد بن احمد قدوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"وسؤر الهرة مكروه"

یعنی اور بلی کا جوٹھا مکروہ ہے۔

(المختصر القدروی صفحہ 27 مکتبہ امام احمد رضا)

الجوھرۃ النیرۃ میں ہے:

وكذا اذا اكلت من شئ يكره اكل باقيه

قال في الكامل: انما يكره ذلك في حق الغني، لانه يقدر على بدله. اما في حق الفقير لا يكره للضرورة. فان اكلت الهرة فارة و شربت على فورها تنجس الماء الا اذا مكثت ساعة لغسل فمها بلعابها.

یعنی اور ایسے ہی بلی جب کسی چیز میں سے کھالے تو اس کے بقیہ کھانے (یعنی جوٹھے) کو کھانا مکروہ ہے۔

الکامل میں فرمایا:

یہ تو صرف مالدار کے حق میں مکروہ ہے، اسلیے کہ مالدار اس کے بدلنے پر قادر ہوتا ہے۔ بہر حال فقیر کے حق میں ضرورت کی وجہ سے مکروہ نہیں ہے، پس اگر بلی نے چوہا کھایا اور اس کے فوراً اوپر پانی پی لیا تو پانی ناپاک ہوجائے گا مگر جب کچھ دیر ٹھہر جائے کیونکہ اس صورت میں اس کا منہ ضرور اس کے لعاب (تھوک) کے ساتھ دھل چکا ہوگا (تو پانی ناپاک نہ ہوگا)۔

(الجوھرۃ النیرۃ شرح نورالایضاح جلد اول صفحہ 62 مکتبہ رحمانیہ)

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

وسؤر هرة طاهر للضرورة (مكروه) تنزيها في الاصح ان وجد غيره. والا لم يكره اصلا كاكله لفقير

یعنی اور بلی کا جوٹھا ضرورت کی وجہ سے اصح قول کے مطابق پاک (اور) مکروہِ تنزیہی ہے اگر وہ اس کے علاوہ دوسرا پاتا ہو، وگرنہ بالکل مکروہ نہیں ہے جیسے فقیر کیلیے اس کا کھانا (مکروہ نہیں)۔

(ردالمحتار علی الدالمختار، کتاب الطھارۃ، جلد اول صفحہ 425، 426، 427 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "کاکلہ لفقیر" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

ای:اکل سؤرھا:ای موضع فمھا، وما سقط منہ من الخبز و نحوہ من الجامدات لانہ لایخلو فی لعابھا،ولیس المراد اکل ما بقی ،ای مما لم یخالطہ لعابھا،بخلاف المائع کما اوضحہ فی "الحلیۃ"۔ وافاد الشارح کراھتہ لغنی ولانہ یجد غیرہ

یعنی (فقیر کیلیے مکروہ نہیں ہے) بلی کا جوٹھا کھانا یعنی بلی کے منہ کی جگہ سے اور جو روٹی وغیرہ ٹھوس چیزوں میں سے اس کے منہ سے گر گئی ہو (اس میں سے کھانا)۔ اسلیے کہ وہ اس کے لعاب (تھوک) سے خالی نہیں ہے، اور (یہ) مراد نہیں ہے کہ جو باقی بچا اس سے کھانا یعنی اس میں سے کھانا جس کے ساتھ بلی کا لعاب نہیں ملا (مکروہ ہے) بخلاف مائع (لگوڑ) کے جیسا کہ اس کو ''الحلیہ'' واضح فرمایا ہے۔ اور شارح رحمۃ اللہ علیہ نے افادہ فرمایا ہے کہ اس کی کراہت غنی کے لیے ہے، اس لیے کہ وہ اس کے علاوہ کو پا سکتا ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الطھارۃ، مطلب :الکراھۃ حیث اطلقت فالمراد منھا التحریم، جلد اول صفحہ 427، 428 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

نور الایضاح مع مراقی الفلاح میں ہے:

(والثالث :مکروہ استعمالہ مع وجود غیرہ، وھو سؤر الھرۃ) الاھلیۃ لسقوط حکم النجاسۃ اتفاقاً بعلۃ الطواف المنصوص علیہ بقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : "انھا لیست بنجسۃ،انھا من الطوافین علیکم و الطوفات" قال الترمذی :حدیث حسن صحیح،لکن یکرہ سؤرھا تنزیھا علی الاصح،لانھا لا تتحامی عن النجاسۃ،والھرۃ البریۃ سؤرھا نجس لفقد علۃ الطواف فیھا۔ و یکرہ ان، یاکل بقیۃ ما اکلت منہ ان کان غنیا یجد غیرہ،ولا یکرہ اکلہ للفقیر للضرورۃ"

یعنی اور (جوٹھے پانی کی) تیسری قسم اس کے غیر کی موجودگی میں اس کا استعمال مکروہ ہے اور وہ (گھریلو) بلی کا جوٹھا ہے)، کیونکہ بالاتفاق اس طواف (بکثرت آمدورفت) کی علت کی وجہ نجاست کا حکم ساقط ہے، جس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے ساتھ صراحت ہوئی ہے کہ :

بے شک بلی (کا جوٹھا) ناپاک نہیں ہے، کیونکہ یہ تم پر بکثرت طواف کرنے والے اور بکثرت طواف کرنے والیوں میں سے ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(یہ) حدیث حسن صحیح ہے۔

لیکن (گھریلو) بلی کا جوٹھا اَصَحّ قول کے مطابق مکروہِ تنزیہی ہے، اسلیے کہ یہ نجاست سے نہیں بچتی، اور جنگلی بلی کا جوٹھا ناپاک ہے کیونکہ اس میں طواف کی علت (یعنی گھروں میں بکثرت آمدورفت والی علت) نہیں پائی جاتی۔

اور مکروہِ (تنزیہی) ہے کہ وہ اس بقیہ کھانے سے کھائے جس سے بلی نے کھایا ہے اگر وہ مالدار ہے کیونکہ وہ اس کھانے کے علاوہ پاسکتا ہے اور ضرورتاً تنگدست کیلیے اس کا کھانا مکروہ نہیں ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطھارۃ، فصل فی بیان احکام السؤر، جلد 1 صفحہ 58، 59 المکتبۃ الغوثیہ)

علامہ شیخ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "للضرورۃ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

افادبہ انہ لم یجد غیرہ والا کرہ لہ کالغنی

یعنی علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول "للضرورۃ" اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ فقیر اس کھانے کے علاوہ نہ پاتا ہو وگرنہ اس کے لیئے مالدار کی طرح (بلی کا جوٹھا) مکروہ ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح جلد اول صفحہ 59 المکتبۃ الغوثیہ)

واللہ اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/05/13

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

استحاضہ کی حالت میں ہمبستری کا حکم

استفتاء نمبر: 57

کیا استحاضہ کی حالت میں بیوی سے ہمبستری کی جاسکتی ہے؟

سائل: محمد شبیر

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب،اللھم ھدایة الحق و الصواب

جی ہاں!استحاضہ کی حالت میں بیوی سے ہمبستری کی جاسکتی ہے،اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

و دم الاستحاضہ :کالرعاف الدائم لا یمنع الصلاۃ و لا الصوم و لا الوطء کذا فی الھدایة

یعنی اور استحاضہ کا خون دائمی نکسیر کی طرح ہے جو نہ تو نماز کو منع کرتا ہے اور نہ روزے کو اور نہ ہی وطی (ہمبستری) کو، ایسے ہی "الھدایہ" میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الطھارۃ، الباب السادس فی الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع، جلد 1 صفحہ 44 دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(و دم استحاضة) حکمه (کرعاف دائم) وقتا کاملا (لا یمنع صومًا و صلاۃ) ولو نفلاً (و جماعًا) لحدیث توضئی و صلی وان قطر الدم علی الحصیر

یعنی اور استحاضہ کا خون، اس کا حکم دائمی نکسیر کی طرح ہے جو پورے وقت کو گھیر لے، یہ خون روزہ، نماز اگرچہ نفلی ہو اور جماع (ہمبستری) کو منع نہیں کرتا حدیثِ مبارکہ کی وجہ سے (کہ جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی حُبَیش سے فرمایا:) تو وضو کر اور نماز پڑھ اگرچہ خون کے قطرے چٹائی پر گریں۔

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ "جماعا" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

ظاھرہ جوازہ فی حال سیلانه وان لزم منه تلویث، و کذا ھو ظاھر غیرہ من المتون والشروح

یعنی اس کا ظاہر یہ ہے کہ خون کے بہنے کی حالت میں جماع جائز ہے اگرچہ اس سے (خون سے) آلودہ ہونا لازم آئے، اور ایسے ہی اس کے علاوہ متون اور شروح سے ظاہر ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار جلد 1 صفحہ 544، 545 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اِستحاضہ میں نہ نماز معاف ہے نہ روزہ، نہ ایسی عورت سے صحبت (ہمبستری) حرام۔

(بہارِ شریعت حصہ 2 جلد 1 صفحہ 385 مکتبۃ المدینہ کراچی)

نوٹ: وہ خون جو عورت کے آگے کے مقام سے کسی بیماری کے سبب سے نکلے تو اسے استحاضہ کہتے ہیں مثلاً اگر حیض کا خون تین دن (یعنی 72 گھنٹوں) سے تھوڑا پہلے ختم ہو جائے یا پہلی مرتبہ خون دس دن سے زیادہ آیا تو دس دن سے زائد والا خون استحاضہ کہلاتا ہے اور اگر پہلے دس دن سے کم کی عادت تھی مثلاً پانچ دن آتا تھا، اس بار گیارہ دن آیا تو اوپر والے چھ دن والا خون استحاضہ کا کہلائے گا۔

اسی طرح اگر پہلی مرتبہ نفاس ہوا اور اس میں چالیس دن سے زیادہ خون آیا تو وہ چالیس دن سے زائد والا خون بھی استحاضہ کا ہوگا اور اگر پہلے چالیس سے کم کی عادت تھی مثلاً تیس دن خون آیا تھا، اس بار پینتالیس دن آیا تو اوپر کے پندرہ دن کا خون استحاضہ کا ہوگا۔

یونہی حاملہ عورت کو جو خون آتا ہے وہ بھی استحاضہ کا خون ہوتا ہے۔

(ماخوذ از بہارِ شریعت حصہ 2 جلد 1 صفحہ 371، 372، 373، 377 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/07/24

تصدیق وتصحیح:

استحاضہ کے حوالے سے آپ کا لکھا ہوا جامع مانع فتویٰ درست ہے اور بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق وتصویب کرتا ہے، اللہ پاک علم وعمل میں برکتیں عطاء فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

کتاب الصلوٰۃ (نماز کا بیان)

اذان کے دوران بھونکنے والے کتے کا حکم

استفتاء نمبر:58

جب اذان ہوتی ہے تو بعض جگہوں پر کتے اذان شروع ہوتے ہی رونا، چلانا یا بھونکنا شروع کر دیتے ہیں تو کیا ایسے کتوں کو مار دینا چاہیے؟

سائل: محمد اسید رضا عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

جی نہیں! اس وجہ سے کہ کتے اذان سن کر روتے، چلاتے یا بھونکتے ہیں، ان کو نہیں مارنا چاہیے البتہ یہ ممکن ہے کہ جب وہ شیطان کو اذان کے وقت حواس باختہ دیکھتے ہوں تو روتے، چلاتے اور بھونکتے ہوں کیونکہ جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان اذان سننے سے بچنے کیلئے گوز مارتے ہوئے (یعنی آواز کے ساتھ ہوا نکالتے ہوئے) بھاگتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

اَذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهٗ ضُرَاط حَتّٰى لَا يَسْمَعُ التَّأْذِيْنَ

یعنی جب نماز کیلئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتے ہوئے (یعنی آواز کے ساتھ ہوا نکالتے ہوئے) بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان کو نہیں سنتا۔

(صحیح البخاری، باب فضل التاذین، رقم الحدیث 608 : ، جلد اول، صفحہ 153، مکتبہ رحمانیہ لاہور، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن دارمی، مسند امام احمد، موطا وغیرہ)

نوٹ: مسلم میں حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) کی حدیث میں ہے کہ روحا تک بھاگتا ہے، حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) ہی نے بتایا کہ روحا مدینے سے چھتیس (36) میل دور ہے۔

(نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد اول، صفحہ 293، 294 فرید بک سٹال لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/27

تصدیق و تصحیح:

یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابوالحسنین حکیم و مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اذان دی

استفتاء نمبر:59

کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بذاتِ خود اذان دی ہے؟

سائل: عبداللہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

آپ صلی اللہ علیہ و سلم سے بچے کے کان میں اذان دینا تو یقینی طور پر ثابت ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، بالاتفاق آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان دی اور ایک روایت کے مطابق امام حسین رضی اللہ عنہ کے کان میں بھی اذان دی۔

چنانچہ ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ :

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أذّن فی أُذن الحسن بن علی حین ولدته فاطمة بالصلاة

یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو دیکھا کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو جنا تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے حضرت امام حسن کے کان میں نماز والی اذان دی۔

(سنن ابی داؤد جلد دوم صفحہ جلد دوم صفحہ 696 میر محمد، جامع ترمذی جلد اول)

اسی طرح بالاتفاق حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان سکھانے کے لئے بھی اذان دی۔

المختصر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے کان میں اور سکھانے کیلیے اذان دینا تو ثابت ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے نماز کے لیے اذان دی یا نہیں؟ اس بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔

اس بارے میں علمائے کرام کے تین طرح کے اقوال ہیں:

1 — امام محی الدین نووی، امام تاج الدین سبکی، امام جلال الدین سیوطی، امام ابن حجر مکی، علامہ علاء الدین حصکفی، علامہ ابن عابدین شامی، امام اہلسنت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان اور علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیھم، وغیرہم اس بات کہ قائل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دورانِ سفر نماز کے لیے ایک مرتبہ اذان دی ہے۔

یہ علمائے کرام جامع الترمذی کی اس روایت سے دلیل پکڑتے ہیں جس میں ''اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اذان دی) کے الفاظ ہیں۔

چنانچہ حضرت یعلیٰ بن مُرّہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

أنّهم كانوا مع النبيّ صلى الله عليه وسلم في سفر فانتهوا إلى مضيق، فحضرت الصلاة، فمطروا السمآء من فوقهم والبلة من أسفل منهم، فأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على راحلته، وأقام، فتقدم على راحلته، فصلى بهم، إيمآءً يجعل السجود أخفض من الركوع

یعنی وہ ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ ایک تنگ جگہ میں پہنچے، پس جب نماز کا وقت ہوا تو ان کے اوپر سے بارش شروع ہوگئی، اور ان کے نیچے کیچڑ ہوگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی سواری پر اذان دی اور اقامت کہی، پھر اپنے جانور پر کچھ آگے بڑھے اور اشارے سے اس طرح ان کو نماز پڑھائی کہ سجدے کے لئے رکوع سے تھوڑا زیادہ جھکتے۔

(جامع ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی الصلوۃ علی الدابۃ فی الطین والمطر، جلد اول صفحہ 203 مکتبہ رحمانیہ)

اس کے علاوہ بھی ان کے پاس دلائل ہیں۔

2 — علامہ احمد ابن علی حجر عسقلانی، امام دارقطنی، علامہ بدرالدین محمود احمد عینی، علامہ مُلا علی بن سلطان محمد قاری اور امام سہیلی رحمۃ اللہ علیھم وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے اذان نہیں دی ہے۔ اور جامع ترمذی کی مذکورہ روایت کے الفاظ ''فأذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں تحریر فرمایا ہے کہ جس سند سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے، اسی سند سے یہ حدیث ''مسند احمد'' میں بھی موجود ہے، جس میں ''فأذن'' (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اذان دی) کے بجائے

''فأمر بلالا فاذن'' (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کواذان دینے کاحکم فرمایا توحضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی) کے الفاظ ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''جامع ترمذی'' کی روایت میں اختصار ہے، اور ''اَذَّنَ'' کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کواذان دینے کاحکم دیا۔

چنانچہ امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَمِمَّا كَثُرَ السُّؤَالُ عَنْهُ هَلْ بَاشَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَذَانَ بِنَفْسِهِ وَقَدْ وَقَعَ عِنْدَ السُّهَيْلِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَنَ فِي سَفَرٍ وَصَلَّى بِأَصْحَابِهِ وَهُمْ عَلَى رَوَاحِلِهِمْ السَّمَاءُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَالْبِلَّةُ مِنْ أَسْفَلِهِمْ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيقٍ تَدُورُ عَلَى عُمَرَ بْنِ الرَّمَّاحِ يَرْفَعُهُ إِلَى أَبِي هُرَيْرَةَ اه وَلَيْسَ هُوَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ وَإِنَّمَا هُوَ مِنْ حَدِيثِ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ وَكَذَا جَزَمَ النَّوَوِيُّ بِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَّنَ مَرَّةً فِي السَّفَرِ وَعَزَاهُ لِلتِّرْمِذِيِّ وَقَوَّاهُ وَلَكِنْ وَجَدْنَاهُ فِي مُسْنَدِ أَحْمَدَ مِنَ الْوَجْهِ الَّذِي أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَلَفْظُهُ فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ فَعَرَفَ أَنَّ فِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ اخْتِصَارًا وَأَنَّ مَعْنَى قَوْلِهِ أَذَّنَ أَمَرَ بِلَالًا بِهِ كَمَا يُقَالُ أَعْطَى الْخَلِيفَةُ الْعَالِمَ الْفُلَانِيَّ أَلْفًا وَإِنَّمَا بَاشَرَ الْعَطَاءَ غَيْرُهُ وَنُسِبَ لِلْخَلِيفَةِ لِكَوْنِهِ آمِرًا بِهِ

یعنی اور یہ جو اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذات خود اذان دی ہے؟

(تواس کا جواب یہ ہے کہ) تحقیق امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بات واقع ہوئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفر میں اذان دی اور اپنے اصحاب کونماز پڑھائی، حالانکہ وہ سواریوں پر سوار تھے، ان کے اوپر بارش تھی اور نیچے کیچڑ تھا، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کواس سند پر بیان کیا جس کا دارومدار حضرت عمر بن رباح پر ہے، جنہوں نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تک مرفوعاً بیان کیا حالانکہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نہیں ہے، بلکہ حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، اور ایسے ہی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر جزم کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی، اور اس کوانہوں نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا اور اسے قوی قرار دیا لیکن ہم نے اس حدیث کو "مسند احمد" میں اسی سند سے پایا ہے جس سند سے امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے اسے بیان کیا ہے اور (مسند احمد کی) حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کوحکم دیا توانہوں نے اذان دی، پس معلوم ہوا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اختصار ہے اور امام ترمذی کی روایت میں ''اذن'' (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے اذان دی) کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کواذان دینے کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ خلیفۃ نے فلاں عالم کو ہزار روپے دیے، حالانکہ خلیفۃ کا غیر دینے کا، کام کرتا ہے اوراس کو، خلیفۃ کی جانب منسوب کردیا جاتا ہے کیونکہ خلیفۃ دینے کا حکم دیتا ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد دوم صفحہ 79)

امام ابوقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد بن ابوحسن خثعمی سہیلی تحریر فرماتے ہیں:

و أما قول السائل هل أذن رسول صلى الله عليه وآله وسلم بنفسه قط فقد روى الترمذي من طريق يدور عمر بن الرماح يرفعه الى أبي هريرة أن رسول صلى الله عليه وآله وسلم أذن في سفر و صلى بأصحابه على رواحلهم و السماء من فوقهم و البلة من أسفلهم فنزع بعض الناس بهذا الحديث الى أنه أذن بنفسه و أسنده الدار قطني باسناد الترمذي الا أنه لم يذكر عمر بن الرماح فيما بعده من اسناد و متن لكنه قال فيه فقام المؤذن فاذن ولم يقل أذن رسول صلى الله عليه وآله وسلم

یعنی اب سائل کا یہ کہنا کہ کیارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بذاتِ خوداذان دی ہے؟

توتحقیق امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کوایسی سند سے بیان کیا ہے جس کا دارومدار حضرت عمر بن رباح پر ہے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تک مرفوعاً بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفر میں اذان دی اوراپنے اصحاب کوان کی سواریوں پرنماز پڑھائی، ان کے اوپر بارش تھی اور نیچے کیچڑ تھا۔

پس اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ معنی نکالا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ خوداذان دی۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اسناد کے ساتھ حدیث نقل کی مگرعمر بن رباح اوران کے بعد کی سند اورمتن کو ذکرنہیں کیا،لیکن اس میں فرمایا کہ:

مؤذن کھڑے ہوئے، پس انہوں نے اذان دی، یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دی۔

(الروض الانف جلد دوم صفحہ 21 عبدالتواب اکیڈمی بیرون بوہڑ گیٹ ملتان)

3۔تیسرا قول علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، وہ توقف فرماتے ہیں یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دی یانہیں، اس حوالے سے سکوت اختیار فرماتے ہیں اورکسی رائے کوترجیح نہیں دیتے۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ بنام "خير الخبر في أذان خير البشر" میں آئمہ محدثین کے درمیان

اختلاف ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا:

إنّما الخلاف فی أذان الصلاۃ ھل باشر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أم لا؟ وأمّا مطلق الأذان فلا شك فی مباشرتہ بہ۔۔ وبالجملۃ مباشرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بالأذان فی أذن المولود ثابت قطعًا، وأمّا مباشرتہ بأذان الصلاۃ فنحن نتوقف إلی الآن فی ذلك

یعنی اختلاف تو نماز کی اذان میں ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ خود اذان دی ہے یا نہیں؟ بہر حال مطلق اذان تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دینے میں شک نہیں ہے، اور بالجملہ بچے کے کان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اذان دینا تو یقینی طور پر ثابت ہے، اور بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نماز کے لئے اذان دینا، تو اب تک ہم اس میں توقف کرتے ہیں۔

(مجموعہ رسائل اللکنوی جلد 4 صفحہ 326، صفحۃ الرسالۃ 6 ادارۃ القرآن)

راجح اور تحقیقی قول:

راجح اور تحقیقی قول یہی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کیلیے بذاتِ خود اذان دی۔

چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و فی الضیاء انہ علیہ الصلاۃ والسلام اذن فی سفر بنفسہ و اقام و صلی الظھر و قد حققناہ فی الخزائن

یعنی اور "الضیاء" میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں بذاتِ خود اذان دی، تکبیر کہی اور ظہر کی نماز پڑھائی اور ہم نے "الخزائن" میں اس مسئلے کی تحقیق کی ہے۔

(درمختار علی ردالمحتار جلد دوم صفحہ 88 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ "جد الممتار" میں تحریر فرماتے ہیں:

اقول :لکن سیأتی صفۃ الصلاۃ عن تحفۃ للامام ابن حجر المکی :(انہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذن مرۃ فی سفر فقال فی تشھدہ "اشھد انی رسول اللہ") و قد اشار ابن حجر الی صحتہ، و ھذا نص مفسر لا یقبل التأویل، و بہ یتقوی تقویۃ الامام النووی

یعنی میں (یعنی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں:

لیکن عنقریب صفتِ نماز کے تحت (ذکر تشہد میں) امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "التحفۃ" سے آرہا ہے کہ:

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی سفر میں ایک مرتبہ اذان دی، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان کے کلماتِ شہادت میں یوں کہا" :اشھد انی رسول اللہ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ پاک کا رسول ہوں) اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ نص مُفَسّر ہے جو تاویل کو قبول نہیں کرتی اور اس کے ساتھ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (کے قول) کی تقویت مزید بڑھتی ہے۔

(جد الممتار علی رد المحتار جلد سوم صفحہ 81 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مفتی عبد القادر رافعی "السراج" کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

روی عقبۃ بن عامر قال :(کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فلما زالت الشمس أذن بنفسه وأقام و صلی الظهر) و قال السیوطی :ظفرت بحدیث آخر مرسل أخرجه سعید بن منصور فی سننه قال :(أذّن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرةً فقال :حی علی الفلاح) وهذه روایة لا تقبل التاویل۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا، پس جب سورج ڈھل گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بذاتِ خود اذان دی اور تکبیر کہی اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :میں ایک اور مرسل حدیث حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، جسے سعید بن منصور اپنی سنن میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اذان دی اور فرمایا" :حی علی الفلاح."

(علامہ رافعی فرماتے ہیں کہ) یہ روایت تاویل کو قبول نہیں کرتی۔

(رد المحتار علی در مختار جلد دوم صفحہ 89 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

نقل ذلك الرافعی من الشافعیة۔ و رده الحافظ بن حجر فی تخریج احادیثه بانه لا اصل لذلك. بل الفاظ التشهد متواترة عنه صلی اللہ علیه وآله وسلم انه کان یقول :اشهد

ان محمدا رسول اللہ وعبدہ ورسولہ

عن الزرقانی۔ قال فی التحفۃ :نعم ان اراد تشھد الاذان صح "لانہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذن مرۃ فی سفر فقال ذلك'

یعنی شافعیہ میں سے رافعی نے یہ قول نقل کیا ہے(کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشہد میں "اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ" کی جگہ "اشھد انی رسول اللہ" پڑھا کرتے تھے)۔اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی تخریج میں اس کارد اس بات کیساتھ کیا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ تشہد کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں کہ آپ اس طرح پڑھتے تھے :"اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ"

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ روایت ہے، آپ "التحفۃ" میں فرماتے ہیں :ہاں اگر اس سے تشہدِ اذان مراد ہے تو صحیح ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تو اس طرح پڑھا (یعنی "اشھد ان محمدا رسول اللہ" کی جگہ "اشھد انی رسول اللہ" پڑھا)۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد دوم صفحہ 269 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/01/01

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

ایک مٹھی سے کم داڑھی والے کی اذان کا حکم

استفتاء نمبر:60

اگر کسی مسلمان کی داڑھی، ایک مٹھی سے کم ہو یا وہ داڑھی کترواتا ہو تو اس کی اذان ہو جائے گی یا نہیں ہوگی اور کیا اس کی اذان دوبارہ لوٹانا پڑے گی یا نہیں؟

سائل : ذوالفقار علی لاہور

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

مستحب یہ ہے کہ اذان کہنے والا نیک ، پرہیزگار، سنت کو جاننے والا، عزت و وجاہت والا، لوگوں کے احوال کا نگراں اور جو جماعت سے رہ جانے والے ہوں، ان کو زجر کرنے والا ہو، اذان پر مداومت کرتا ہو اور ثواب کیلیے اذان کہتا ہو، جبکہ داڑھی منڈانے والا یا ایک مٹھی سے گھٹانے والا فاسقِ مُعلِن ہے، اور فاسق معلن کا اذان دینا مکروہِ تنزیہی (یعنی شرعاً ناپسندیدہ) ہے اور اس کی اذان کا اعادہ کرنا مستحب (ثواب) ہے (یعنی اگر فاسقِ معلن اذان دیدے تو اس کی دی گئی اذان کو دہرانا مستحب ہے)، لیکن اذان کو دہرانے میں فتنے کا اندیشہ ہو تو پھر اس کی اذان کو نہ لوٹایا جائے۔

البتہ جس کی داڑھی قدرتی طور پر ہی ایک مٹھی سے کم ہو، یا ابھی ایک مٹھی سے کم نکلی ہو یا بالکل ہی نہ نکلی ہو تو اس کی اذان بغیر کسی کراہت و ناپسندیدگی کے جائز ہے۔

1— چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ليوذن لكم خياركم

یعنی چاہیے کہ تمہارے لیے، تم میں سے بہترین لوگ اذان دیں۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الاذان باب فضل الاذان وثواب المؤذنین صفحہ 53 مکتبہ کراچی)

2—تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(يكره اذان جنب واقامته محدث لا اذانه) على المذهب (و) اذان (امراة) و خنثى (و فاسق) ولو عالما

یعنی بے غسلے کی اذان اور اقامت (اسی طرح) بے وضو کی اقامت مکروہ ہے نہ کہ اذان (مکروہ ہے) ایک مذہب پر اور عورت، خنثیٰ اور فاسق اگرچہ عالم ہو (ان سب کی اذان بھی مکروہ ہے)۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد دوم صفحہ 75 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

3—عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وحاصله انه يصح اذان الفاسق وان لم يحصل به الاعلام اى الاعتماد على قبول قوله فى دخول الوقت، بخلاف الكافر و غير العاقل فلا يصح اصلا. فتسوية الشارح بين الكافر و الفاسق غير مناسبة. فيعاد اذان الكل ندبا على الاصح"

یعنی اور اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ فاسق کی اذان صحیح ہے اگرچہ اس کے ساتھ اعلام حاصل نہیں ہوگا یعنی وقت کے داخل ہونے میں اس کے قول کو قبول کرنے پر اعتماد (حاصل نہیں ہوگا) بخلاف کافر اور غیر عاقل کی اذان کے پس (ان کی اذان) بالکل صحیح نہیں ہوگی، پس شارح کا کافر اور فاسق کے درمیان برابری کرنا مناسب نہیں۔

پس تمام کی اذان کا اعادہ اصح قول پر مندوب (مستحب) ہے۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد دوم صفحہ 76، 77 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

4۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فاسق کی اذان اگرچہ اقامتِ شعار کا کام دے مگر اعلام کہ اس کا بڑا کام ہے اس سے حاصل نہیں ہوتا، نہ فاسق کی اذان پر وقتِ روزہ و نماز میں اعتماد جائز لہذا مندوب (مستحب) ہے کہ اگر فاسق نے اذان دی ہو تو اس پر قناعت نہ کریں بلکہ دوبارہ مسلمان متقی پھر اذان دے۔

(فتاوی رضویہ جلد 6 صفحہ 376، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

5۔ صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ مؤذن مرد، عاقل، صالح، پرہیزگار، عالم بالسنۃ، ذی وجاہت، لوگوں کے احوال کا نگراں اور جو جماعت سے رہ جانے والے ہوں، ان کو زجر کرنے والا ہو، اذان پر مداومت کرتا ہو اور ثواب کیلیے اذان کہتا ہو یعنی اذان پر اجرت نہ لیتا ہو، اگر مؤذن نابینا ہو، اور وقت بتانے والا کوئی ایسا ہے کہ صحیح بتا دے، تو اس کا اور آنکھ والے کا، اذان کہنا یکساں ہے۔ (عالمگیری)

(بہار شریعت جلد اول حصہ سوم صفحہ 467 مکتبۃ المدینہ کراچی)

6۔ وقار الملۃ مفتی محمد وقار الدین امجدی قادری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

داڑھی منڈانے والا یا کاٹ کر حدِ شرع سے کم کرنے والا فاسق ہے، اور فاسق کی اذان مکروہ ہے، اس کا اعادہ کیا جائے گا۔

(وقار الفتاوی جلد 2 صفحہ 26 بزم وقار الدین)

7۔ فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اس (یعنی فاسقِ معلن) کی اذان مکروہ ہے، اگر کہہ دے تو دوبارہ کہی جائے۔

(فتاوی فیض الرسول جلد اول صفحہ 228 شبیر برادرز لاہور)

8۔ فتاوی فقیہ ملت میں ہے:

داڑھی منڈانے والا فاسق ہے۔

درمختار جلد پنجم صفحہ 261 میں ہے:

یحرم علی الرجل قطع لحیتہ

داڑھی منڈانے والے کی اذان مکروہ ہے اس لئے کہ وہ فاسق ہے۔

اور درمختار مع شامی جلد اول صفحہ 289 میں ہے :

یکرہ اذان فاسق اھ

اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

خنثیٰ وفاسق اگرچہ عالم ہی ہو اور نشہ والے اور پاگل اور ناسمجھ بچے اور جنب کی اذان مکروہ ہے۔ ان سب کی اذان کا اعادہ کیا جائے۔

(بہار شریعت حصہ سوم صفحہ 31)

واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاوی فقیہ ملت جلد اول صفحہ 86 شبیر برادرز لاہور)

9۔ صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

خنثیٰ وفاسق اگرچہ عالم ہی ہو، نشہ والے، پاگل اور ناسمجھ بچے اور جنب کی اذان مکروہ ہے۔ ان سب کی اذان کا اعادہ کیا جائے۔ (درمختار)

(بہار شریعت جلد اول صفحہ 466 مکتبۃ المدینہ کراچی)

10۔ شیخ طریقت امیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

خنثیٰ، فاسق اگرچہ عالم ہی ہو، نشہ والا، پاگل، بے غسلا اور ناسمجھ بچے کی اذان مکروہ ہے۔ ان سب کی اذان کا اعادہ کیا جائے۔

(نماز کے احکام صفحہ 149 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/11/01

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

جو شخص داڑھی ایک مٹھی سے کم رکھتا ہو اس کی الگ نماز کا حکم

استفتاء نمبر: 61

جو شخص داڑھی منڈاتا ہو یا کترواکر ایک مٹھی سے کم کرواتا ہو تو اس کی اپنی علیحدہ نماز کا کیا حکم ہوگا؟

(زید کہتا ہے کہ ایسا شخص کیونکہ داڑھی منڈاکر یا ایک مٹھی سے کم کرواکر واجب کو ترک کر رہا ہے لہذا اس کی نماز مکروہِ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی یعنی اس نماز کو داڑھی رکھ کر دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔)

سائل: جنید رضا عیسیٰ خیل

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے اور جو شخص ڈاڑھی منڈاتا ہے یا ایک مٹھی سے کم کرتا ہے تو ایسا شخص ترکِ واجب کی وجہ سے گناہگار ہوتا ہے لیکن داڑھی رکھنا نماز کے لئے واجب نہیں ہے لہذا اگر کوئی شخص داڑھی منڈاتا ہے یا کترواکر ایک مٹھی سے کم کرواتا ہے تو اس کی اپنی نماز ہوجائے گی، اس لیے کہ اس نے نماز کے کسی واجب کو ترک نہیں کیا اور اس کی نماز اپنے تمام واجبات اور تمام سنتوں کے ساتھ ادا ہوئی ہے، لہذا ایسے شخص کی نماز کے لئے زید کا مکروہِ تحریمی اور واجبُ الاعادہ کا قول کرنا درست نہیں، جیسے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب ہے تو اگر کوئی شخص بغیر عذرِ شرعی کے تنہا نماز پڑھے تو اگرچہ ترکِ واجب کی وجہ سے گنہگار ہوگا مگر اس کی نماز ہوجائے گی اور مکروہِ تحریمی و واجب الاعادہ نہیں ہوگی، اسی طرح اگر کسی شخص پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کا وقت ہوچکا ہو اور وہ ادائیگی پر قادر ہونے کے باوجود قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لے تو اس کی نماز ہوجائے گی، نہ مکروہِ تحریمی ہوگی، اور نہ ہی واجب الاعادہ، اسی طرح جو جان بوجھ کر الٹا قرآنِ پاک نماز میں پڑھے تو اگرچہ گنہگار ہوگا مگر اس کی نماز مکروہِ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہوگی حالانکہ یہ تمام اشخاص فسق سے متلبس ہیں لیکن یہ نماز کے کسی واجب کو ترک نہیں کر رہے، اسلیے ان کی نماز مکروہِ تحریمی اور واجب الاعادہ کے بغیر ہوجاتی ہے، اسی طرح داڑھی منڈانے یا ایک مٹھی سے کم کروانے والے کا معاملہ ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

والصحیح ان یقال: ان الشیء قد یکون واجبا فی نفسه وقد یکون واجبا لغیرہ.

ولا تلازم بينهما كالتقوى واجبة في نفسها لا للامامة، وكالطهارة واجبة للصلاة لا في نفسها، و الاعادة انما تجب لخلل تطرق الى نفس الفعل، و انما يكون ذلك للاخلال بشيء من واجباته. اما ما وجب في نفسه ولم يكن من الواجب لذلك الفعل و ان كان من آدابه و مستحباته، فهذا لا يوجب الاعادة قطعا، و الجماعة هكذا تجب، و لا تجب للصلاة

یعنی اور یہ کہنا صحیح ہے کہ : بیشک چیز کبھی بذاتِ خود واجب ہوتی ہے اور کبھی کسی دوسری چیز کے لئے واجب ہوتی ہے اور ان دونوں کے درمیان تلازم نہیں ہے جیسا کہ تقویٰ بذاتِ خود واجب ہے نہ کہ امامت کے لئے اور جیسے طہارت نماز کے لئے واجب ہے نہ کہ بذاتِ خود، اور اعادہ تو اس خلل کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جو خلل نفسِ فعل تک پہنچے اور وہ اس کے واجبات میں سے کسی شے میں خلل پیدا کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، بہر حال جو بذاتِ خود واجب ہے اور وہ اس فعل کے واجب سے نہیں ہے، اگر چہ وہ اس کے آداب اور مستحبات میں سے ہے تو یہ اعادہ کو بالکل واجب نہیں کرتا اور جماعت بھی ایسے ہی واجب ہے اور یہ نماز کے لئے واجب نہیں ہے۔

(جد الممتار علی رد المحتار جلد 3 صفحہ 147 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مزید ایک مقام پر فرماتے ہیں:

كيف تكره مع اشتمالها على واجباتها و سننها جميعا! نعم المصلي ملتبس بترك واجب او سنة، وذمته مشغولة به، وهذا لا يوجب كراهة الصلاة كمن صلى وعليه دين حل وهو مماطل لا يومر باعادتها قطعاً، كذا هذا، و اجلى نظيره من قرء القرآن معكوسا كما ستذكرون انفسكم

یعنی نماز کیسے مکروہ ہے باوجود اس کے کہ نماز اپنے تمام واجبات اور تمام سنتوں پر مشتمل ہے، ہاں نمازی واجب کو ترک کرنے کے ساتھ یا سنت کو ترک کرنے کے ساتھ ملتبس ہے اور اس کا ذمہ اس کے ساتھ مشغول ہے اور یہ نماز کی کراہت کو واجب نہیں کرتا جیسے کہ کوئی نماز پڑھے اور اس پر ایسا قرض ہو کہ جس کی ادائیگی کا وقت ہو چکا ہو اور وہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر رہا ہو تو اس کو نماز کے اعادہ کا حکم بالکل نہیں دیا جائے گا، ایسے ہی یہ ہے اور اس کی واضح و روشن نظیر یہ ہے کہ جس نے قرآنِ پاک الٹا پڑا (اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے) جیسا کہ عنقریب آپ خود ذکر کریں گے۔

(جد الممتار علی رد المحتار جلد 3 صفحہ 146 مکتبۃ المدینہ کراچی)

دارالافتاء اہل سنت (دعوتِ اسلامی) کی ویب سائٹ پر اس طرح کے سوال کا یوں جواب دیا گیا:

جو شخص داڑھی منڈاتا یا ایک مٹھی سے گھٹاتا ہو، اس کا امام بننا جائز نہیں، اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی نماز مکروہِ تحریمی، واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ البتہ اس کی اپنی ہو جائے گی، واجب الاعادہ نہیں ہوگی۔

اشکال: کچھ علمائے کرام اس قاعدے "كُلُّ صَلوٰةٍ اُدِّيَتْ مَعَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيْمِ تَجِبُ اِعَادَتُهَا" (ہر وہ نماز جو مکروہِ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی، اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے) سے استدلال کرتے ہوئے یہ مؤقف اختیار فرماتے ہیں کہ داڑھی منڈانا یا ایک مٹھی سے کم کرنا چونکہ مکروہِ تحریمی (بلکہ داڑھی منڈانے یا ایک مٹھی سے کم کرنے کی عادت بنالی ہو تو منڈانا اور ایک مٹھی سے کم کرنا حرام) ہے اور جب داڑھی منڈا نماز شروع کرتا ہے تو حالتِ نماز میں فسق کے ساتھ مُتَلَبِّس ہوتا ہے تو مذکورہ قاعدے کے مطابق نماز کراہتِ تحریمی (یا حرام کے ساتھ ادا کی گئی ہے) لہذا ایسی نماز کا اعادہ کرنا واجب ہوگا۔

تو اس اشکال کا کیا جواب ہوگا؟

جوابِ اشکال: مذکورہ قاعدے "کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا" سے فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کی مراد یہ ہے کہ:

اگر نماز کے واجبات میں سے کسی واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے خلل ڈالا تو نماز مکروہِ تحریمی ہوگی اور ایسی نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

اس قاعدے سے فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ:

جو چیز نمازی پر بذاتِ خود واجب ہو اور وہ نماز کے واجبات میں سے بھی نہ ہو، اور نمازی حالتِ نماز میں اس واجب کو چھوڑ کر کراہت کے ساتھ متلبس ہو جائے تو اس نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔"

اور یہ وہ جواب ہے جو عمدۃُ المحققین علامہ ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی ظاہر نہ ہو سکا بلکہ یہ جواب فقیہِ بے بدل، سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ پر ظاہر ہوا۔

چنانچہ تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(و) الا (لمن صلی الظهر و العشاء) وحده (مرة) فلا يكره خروجه بل تركه للجماعة

یعنی اور مگر اس کے لیے جس نے کبھی ظہر اور عشا کی نماز اکیلے پڑھ لی تو اس کا نکلنا مکروہ نہیں ہے بلکہ اس کا جماعت کو چھوڑنا (مکروہ ہے)۔

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قوله :(بل تركه للجماعة) يعني ان نفي الكراهة المفهوم من الاستثناء ليس من كل وجه، بل المراد نفي كراهة الخروج من حيث ذاته؛ واما من حيث سببه، وهو كونه قد صلى تلك الصلاة وحده فانه مكروه؛ بمعنى انه لو صلى وحده ليخرج يكره له ذلك؛ لان ترك الجماعة مكروه؛ لانها واجبة او سنة مؤكدة قريبة منه۔"

تنبیہ:

"يعلم من هنا و من قوله :وان صلى ثلاثاً منها اتم ثم اقتدى متنفلاً" ان من صلى منفردا لا يؤمر بالاعادة جماعة، مع انهم قالوا :كل صلاة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها۔ وزاد ابن الهمام و غيره" :و مع كراهة التنزيه تستحب الاعادة، ولاشك فى كراهة ترك الجماعة على القول بسنيتها او وجوبها لوجود الاثم على القولين، الا ان يجاب بحمل ماهنا على ما اذا تركها بعذر، وهو خلاف ما يتبادر من كلامهم، وقدمنا تمام الكلام على ذلك فى واجبات الصلاة، ولم يظهر لى جواب شافٍ

یعنی علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا کہ: (اس کا جماعت کو چھوڑنا مکروہ ہے) یعنی بے شک وہ کراہت جو استثناء سے سمجھی جا رہی ہے، اس کی نفی کرنا ہر صورت کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ نکلنے کی کراہت کی نفی اس کی ذات کے اعتبار سے مراد ہے اور بہر حال اس کے سبب کے اعتبار سے اور وہ یہ ہے کہ تحقیق اس نے اکیلے نماز پڑھی ہے تو یہ مکروہ ہے، اس معنی میں کہ اگر اس نے اکیلے نماز اس لیے پڑھی تاکہ وہ نکل جائے تو یہ اس کے لئے مکروہ ہے، اس لئے کہ جماعت کو چھوڑنا مکروہ ہے، اس لئے کہ جماعت واجب ہے یا سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے۔

تنبیہ:

اس مسئلہ سے اور علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "وان صلى ثلاثا منها اتم ثم اقتدى متنفلا" (اور اگر اس نے چار رکعتی فرض نماز میں سے تین رکعتیں پڑھ لیں تو چار پوری کر لے پھر نفل کے طور پر امام کی اقتداء کرے) سے معلوم ہوا کہ بے شک جس نے اکیلے نماز پڑھی اس کو جماعت کے ساتھ اعادے کا حکم نہیں دیا جائے گا باوجود اس کے کہ فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا" : ہر وہ نماز جو مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی، اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔

اور ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہاوران کے ان کے علاوہ نے یہ زیادتی کی ہے کہ:

جونماز کراہتِ تنزیہی کے ساتھ ادا کی جائے تو اس کا اعادہ مستحب ہوتا ہے۔

اور جماعت کو چھوڑنے کی کراہت میں کوئی شک نہیں ہے، جماعت کے سنیت کے قول پر یا جماعت کے واجب ہونے کی قول پر کیونکہ دونوں قولوں پر گناہ کا وجود ہے، مگر جو یہاں ہے اسے اس پر محمول کرنے کے ساتھ جواب دیا جاسکتا ہے کہ جب اس نے جماعت کو کسی عذر کی وجہ سے چھوڑا ہو، اور یہ (جواب) اس کے خلاف ہے جو فقہاے کرام کے کلام سے متبادر ہوتا ہے، اور نماز کے واجبات میں اس مسئلے پر مکمل کلام ہم پہلے کر چکے ہیں، اور میرے لئے (اس کا) شافی جواب ظاہر نہیں ہوا۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد 2 صفحہ 614 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کے قول (کل صلوۃ ادیت مع کراھۃ التحریم وجب اعادتھا) کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

اقول نعم! قالوا ذلك، وانما ارادوا ان تكون الصلاة مكروهة تحريماً للاخلال بشيء من واجباتها، لا ان يكون المصلّي متلبّساً بكراهة لتركه شيئاً يجب عليه، لا للصلاة

یعنی میں (امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ:

جی ہاں! فقہاے کرام (رحمة الله عليه) نے یہ (كل صلاة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها) فرمایا ہے اور انہوں نے (اس سے) یہی مراد لیا ہے کہ نماز کے واجبات میں سے کسی واجب میں خلل ڈالنے کی وجہ سے نماز مکروہِ تحریمی ہوگی، یہ مراد نہیں لیا کہ نمازی کسی ایسی کراہت کے ساتھ متلبس ہو کہ جو اس شئی کو چھوڑنے سے لازم آئی ہو جو اس پر واجب تھی، وہ کراہت نماز کیلیے کسی واجب کو چھوڑنے سے لازم نہ آئی۔

مزید سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابنِ عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول (ولم یظھر لی جوابٍ شافٍ) کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

اقول: لكني ظهر لي من بركتكم وخدمة كلامكم جواب شاف كاف والحمد لله رب العالمين۔

یعنی میں کہتا ہوں: لیکن آپ کی برکت اور آپ کے کلام کی خدمت کے بدولت میرے لیے شافی کافی جواب ظاہر ہوا ہے، اور سب تعریفیں اللہ پاک کے لئے ہیں، جو تمام جہان والوں کا پالنے والا ہے۔

(جد الممتار علی رد المحتار جلد 3 صفحہ 512، 513 مکتبۃ المدینہ کراچی)

نوٹ: علامہ ابن عابدین شامی اور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہم جیسے فقہاء کے کلام سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ مذکورہ قاعدہ (کل صلوۃ ادیت مع کراھۃ۔۔الخ) اس طرح مطلق نہیں ہے جیسا کہ ہمارے بعض علماء کرام نے اسے مطلق سمجھا ہوا ہے اور شاید وہ اسی وجہ سے داڑھی منڈے کی اپنی نماز کو مکروہِ تحریمی، واجب الاعادہ قرار دیتے ہیں، اور بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی صاحب نے بھی اسی قاعدے کو مطلق رکھ کر داڑھی منڈے کی اپنی نماز کو مکروہِ تحریمی، واجب الاعادہ قرار دیا ہے لہذا جو بھی علماء کرام اس قاعدے کو مطلق قرار دیتے ہیں ہم ان کے مطلق قرار دینے کو تسامح پر محمول کرتے ہیں۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/02/16

تصدیق وتصحیح:

1—الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

2—آپ کا یہ فتویٰ درست ہے، میں اس کی تائید وتصویب کرتا ہوں۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود قادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

3—داڑھی منڈے کی اپنی نماز جائز ہے، مکروہِ تحریمی، واجب الاعادہ نہیں ہے۔

مفتی محمد ابراہیم قادری دار الافتاء جامعہ غوثیہ رضویہ سکھر

4—جی ہاں! اس کی اپنی نماز درست ہے لیکن وہ قابلِ امامت نہیں۔

جامع المعقول والمنقول علامہ مفتی محمد اکمل مدنی الفرقان اسکالرز اکیڈمی کراچی

5—ماشاء اللہ بہت عمدہ تحقیق فرمائی آپ نے، اور مسئلہ بالکل واضح فرمادیا

فجزاکم اللہ احسن الجزاء

الجواب حق وصواب

مفتی محمد اسمٰعیل حسین نورانی مفتی ومدرس جامعہ انوارالقرآن، گلشن اقبال، کراچی

6-ذالك كذالك انی مصدق لذالك

مفتی راشد محمود رضوی

7—چونکہ داڑھی رکھنا واجبات صلواۃ سے نہیں ہے، جس کے ترک پر نماز مکروہِ تحریمی، واجبُ الاعادہ ہوتی ہے، اس تناظر میں جدُّ الممتار اور شامی کا فتوی قابلِ ترجیح ہونا چاہئے۔

قاضی نیپال مفتی محمد عثمان برکاتی مصباحی جنکپور

8—داڑھی منڈانے والے کی نماز کے حوالے سے جو آپ نے لکھا، ماشاء اللہ بہت اچھا ہے لیکن ہند کے (بعض) علماء کا کہنا کہ اس کی نماز کا اعادہ واجب ہے، یہ کسی طرح سے بھی درست نہیں ہے، ہاں اگر اتنے کہتے کہ اگر داڑھی منڈا، داڑھی رکھنے کے بعد اعادہ کر لے تو بہتر ہے تو ایسا کہنے میں حرج نہیں ہے، مگر (اعادے کے) واجب کا قول کرنا درست نہیں ہے۔

مفتی ابوالحسن محمد قاسم ضیاء القادری یوکے

9—لقد اصاب من اجاب

مفتی خالد تسنیم مدنی یوکے

10—ماشاء اللہ بہت عمدہ جواب

الجواب صحیح

خلیفہ حضور پیر ابوالبرکات ارشد سبحانی محمد آفتاب عالم رحمتی مصباحی دہلوی خطیب وامام جامع مسجد مہاسمند (چھتیس گڑھ)

11—اس (یعنی داڑھی منڈے) کی اپنی نماز ادا ہوجائے گی۔

کراہت تب ہوگی جب وہ امام ہوگا کیونکہ امام ہونا اس عزت کا مقام ہے اور داڑھی منڈے کی عزت درست نہیں۔

مفتی محمد شہزاد نوری حنفی لاہور

12—داڑھی منڈے کی اپنی نماز بلا کراہت جائز ہے، کوئی واجب الاعادہ نہیں ہے۔

مولانا لقمان شاہد صاحب

13—میں متفق ہوں آپ سے۔۔۔

اللھم زد فزد ثم زد

مولانا ابوحمزہ محمد آصف مدنی غفرلہ المولی القدیر

14۔ الجواب صحیح

مفتی محمد زبیر رضا سنی حنفی قادری دہلی ہند

15۔ الجواب صحیح

فقط مولانا ابوآصف کاشف قادری نعیمی کراچی پاکستان

16۔ ماشاء اللہ بہت خوبصورت انداز میں آپ نے تمہید باندھ کر ایک ایک مسئلہ کو پھر اشکال اور اس کے جواب کو واضح کیا ہے، بہت خوبصورت انداز ہے، حق اور درست مؤقف یہی ہے۔

نماز کے اعادے کا تعلق صرف انہی واجبات کے ساتھ ہوتا ہے جو نماز کے اپنے واجبات ہیں اور اگر کوئی نماز کا واجب نہیں بلکہ کسی دوسری چیز کا واجب ہے مثلاً قراءت کا واجب ہے تو ایسی صورت میں اگرچہ وہ عمل مکروہِ تحریمی ہوگا جیسے جان بوجھ کر الٹا قرآنِ پاک پڑھنا، گنہگار بھی ہوگا لیکن اعادہ واجب نہیں ہوگا۔

اور داڑھی منڈے کی اپنی نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟

اگر اس کی فقہاء کرام نے صراحت نہ بھی کی ہو تو ان عمومی قواعد کی روشنی میں یہی ثابت ہوگا کہ اس کی اپنی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، باقی رہا واجب الاعادہ کا قول کرنا تو نہ یہ مؤقف درست ہے اور نہ ہی استدلال۔ اللہ پاک آپ کو اس کاوش پر اجرِ عظیم عطاء فرمائے۔

علامہ مولانا طارق رضا کراچی

17۔ میری رائے یہ ہے کہ اپنی نماز اس کی ہوجائے گی لیکن امامت نہیں کرسکتا۔

مولانا مفتی عبدالعزیز احمد امجدی متخصص بلدیہ ٹاؤن کراچی

18۔ الجواب صحیح والمجیب مصیب ان شاء اللہ

لا تجب اعادة صلوة منفرد مقطوع اللحية بسبب كونه مقطوع اللحية

لان وجوب اللحية ليس من واجبات الصلوة و حكم الاعادة انما اذا اديت مع ترك

واجب من واجبات الصلوة

مفتی محمد زاہد محمود مدنی آف جڑانوالہ

رئیس دارالافتاء زاہدیہ رضویہ انٹرنیشنل

19— بہت خوب

مفتی محمد اظہار القیوم صدیقی دار الافتاء اہلسنت سانگلہ ہل

20— میں آپ کے فتوے سے اتفاق رکھتا ہوں

مولانا اشتیاق ہدوی انڈیا

21— داڑھی منڈے کی اپنی نماز مکروہِ تنزیہی ہے۔

مفتی فاروق مدنی

22— ماشاء اللہ آپ نے بہت پیارا لکھا ہے، اللہ پاک آپ کی یہ کوشش اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، مزید میری رائے یہ بھی ہے کہ اگر اس قاعدے ''کل صلوٰۃ ادیت۔الخ'' کو مطلق رکھ کر داڑھی منڈوں یا ایک مٹھی سے کم کرنے والوں کی نماز کو مکروہِ تحریمی، واجب الاعادہ قرار دیا جائے تو فی زمانہ ایسے لوگوں کی اکثریت ہے تو جب انہیں اس حکم کا علم ہوگا تو مزید ایسے افراد جو نماز کے پابند ہیں وہ بھی نماز ادا کرنے سے کترائیں گے کہ جب ہماری نماز مکروہِ تحریمی، واجب الاعادہ ہے تو پڑھنے کا کیا فائدہ؟ تو اس طرح یہ لوگ نماز سے دور ہو جائیں گے۔

فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عوام جس طرح بھی اللہ، رسول کا نام لے، وہی غنیمت ہے۔ لہٰذا اسی فتوے پر عمل کیا جائے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا محمد ذیشان مدنی متخصص فی الفقہ السلامی ایبٹ آباد

23— جو شخص داڑھی منڈاتا ہے یا کترواتا ہے اس نے اپنی نماز علیحدہ پڑھی تو اس کی نماز ہو جائے گی، اس کی علیحدہ پڑھی گئی نماز، داڑھی رکھ کر واجب الاعادہ ہو، ایسا نہیں ہے۔

باقی تفصیلی جواب جو حضرت علامہ مفتی ابو اسید عبید رضا مدنی صاحب قبلہ نے استفتاء نمبر 6 1 کے جواب میں لکھا ہے وہ درست ہے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و عمل اور عمر میں بے حساب برکتیں عطا فرمائے۔ آمین

واللہ اعلم

علامہ محمد فیروز القادری مصباحی

24–آپ کا یہ مسئلہ کہ :

جو داڑھی منڈاتا ہے، اس کی اپنی نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی

اور آپ نے اس مسئلے پر جو دلائل ذکر کیے ہیں، ان سے تو یہی استنباط ہوتا ہے اور استنباط بھی بالکل ظاہر و باہر ہے۔

اللہ رب العزۃ آپ کے علم وفضل میں، تقویٰ وطہارۃ میں، استنباط و اجتہاد (لغوی) میں مزید برکتیں اور مزید اضافے اور ترقیاں عطاء فرمائے۔

علامہ محمد حسین ساجد الہاشمی القادری یو کے

25۔ماشاء اللہ جواب داڑھی منڈوں کی اپنی نماز کے تعلق سے اپنے جمیع جزئیات و براہین کے ساتھ کافی وافی ہے، صح الجواب۔

احقر العباد محمد امجد علی نعیمی ہند

نماز کے دوران ہاتھوں کو چادر میں چھپانا

استفتاء نمبر:62

نماز کے دوران ہاتھوں کو چادر میں چھپانا کیسا ہے

سائلہ : مدنیہ عطاریہ پنجاب پاکستان

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملک الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

نماز میں اس طرح ہاتھوں کو چادر کے نیچے چھپانا کہ ان کو بآسانی باہر نکالا جا سکتا ہو تو یہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے اور اگر اس طرح کپڑا لپیٹ کر ہاتھوں کو چادر کے اندر چھپالیا کہ بآسانی ہاتھ باہر نہ نکل سکتے ہوں تو یہ مکروہِ تنزیہی اور شرعاً ناپسندیدہ ہے بلکہ نماز کے علاوہ بھی اس سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے دشمن سے بچاؤ مشکل ہوتا ہے اور نماز میں ہاتھ چھپانے کی جس صورت کو بعض فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیھم نے جیسے عمدۃ المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اور صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے مکروہِ تحریمی قرار دیا ہے، وہ ایک خاص صورت پر محمول ہے اور وہ صورت اشتمالِ صَمّاء کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک کپڑے کو جسم پر تہبند باندھے بغیر اس طرح لپیٹ لینا کہ جس سے ہاتھ بآسانی باہر نہ نکل سکتے ہوں

یہ وہ صورت ہے جس سے حدیثِ مبارکہ میں منع کیا گیا ہے اور اس کو یہودیوں کا طریقہ قرار دیا گیا ہے مگر اس خاص صورت کے مکروہِ تحریمی ہونے کا سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے رد فرمایا ہے، لہٰذا یہ خاص صورت مکروہِ تنزیہی اور شرعاً

ناپسندیدہ ہوگی.

چنانچہ نور الایضاح مع مراقی الفلاح میں ہے:

(اندراج فیہ) ای الثوب (بحیث لا) یدع منفذا (یخرج یدیہ) ای منہ وھی الاشتمالۃ الصماء، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

اذا کان لاحدکم ثوبان فلیصل فیھما فان لم یکن لہ الا ثوب فلیتزر بہ ولا یشتمل اشتمالۃ الیھود"

یعنی کپڑے میں داخل ہونا اس حیثیت سے کہ وہ کوئی جگہ نہ چھوڑے جس سے وہ اپنے ہاتھوں کو باہر نکال سکے اور یہی اشتمال صمّاء ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں:

جب تم میں سے کسی ایک کے پاس دو کپڑے ہوں تو وہ ان میں نماز ادا کرے پس اگر کسی کے لیے صرف ایک کپڑا ہو تو وہ اس کا تہبند بنالے اور اشتمالِ یہود اختیار نہ کرے۔

(نور الایضاح مع مراقی الفلاح، صفحہ 180، مکتبۃ المدینہ کراچی)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(یکرہ اشتمال الصماء) لنھیہ علیہ الصلوۃ والسلام عنھا وھی ان یاخذ بثوبہ فیخلل بہ جسدہ کلہ من رأسہ الی قدمہ ولا یرفع جانبا یخرج یدہ منہ سمی بہ لعدم منفذ یخرج منہ یدہ کالصخرۃ الصماء وقیل ان یشتمل بثوب واحد لیس علیہ ازار وھو اشتمال الیھود. زیلعی. وظاھر التعلیل بالنھی ان الکراھۃ تحریمیۃ کما مر فی نظائرہ

یعنی اشتمال صماء مکروہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور اشتمال صماء یہ ہے کہ وہ ایک کپڑے کو لے پس اس کے ساتھ اپنے پورے جسم کو سر سے پاؤں تک لپیٹ لے اور کوئی ایسی جانب نہ چھوڑے کہ جس سے اس کا ہاتھ باہر نکل سکے. اس کو اشتمال صماء اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ کوئی ایسی جگہ باقی نہیں رہتی جس سے اس کا ہاتھ باہر نکل سکے جیسے سخت چٹان ہوتی ہے اور بعض علما نے کہا کہ اشتمال صماء یہ ہے کہ وہ ایک کپڑے کے ساتھ اشتمال کرے یعنی اس کو لپیٹ لے جس میں تہبند نہ ہو اور یہی یہود کا اشتمال ہے (زیلعی) نہی کے ساتھ علت بیان کرنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ مکروہِ تحریمی ہے جیسا کہ اس کے نظائر میں گزر چکا۔

(رد المحتار علی الدر المختار جلد 2 صفحہ 511 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ ردالمحتار کی عبارت وظاهر التعليل ...... الخ کے تحت جد الممتار میں فرماتے ہیں:

اقول: "الظاهر ان النهي ارشادي حذرا عن عدو من الانسان او الحيوان فلا يفيد التحريم"

یعنی میں (امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ) کہتا ہوں کہ بیشک نہی انسان یا حیوان میں سے دشمنوں سے بچانے کے لئے ارشادی ہے پس یہ مکروہِ تحریمی کا فائدہ نہ دے گی۔

(جد الممتار علی ردالمحتار، المجلد الثالث، صفحہ 418، مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/03/05

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح:

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

چپکے ہوئے کپڑوں کو نماز میں دونوں ہاتھوں سے چھڑانا

استفتاء نمبر:63

رکوع سے اٹھنے کے بعد کبھی کبھار کپڑا جسم سے چپک جاتا ہے تو ایسی صورت میں دونوں ہاتھوں سے چھڑانا کیسا ہے؟

سائل: عبد الرحمن عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

رکوع سے اٹھنے کے بعد کبھی کبھار کپڑا جسم سے چپک جاتا ہے تو عملِ قلیل کے ساتھ اسے چھڑانے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ

عمل مفید ہے اور ایک ہاتھ سے بآسانی ہوسکتا ہے، اس لیے اس میں دونوں ہاتھوں کا استعمال نہ کیا جائے بلکہ ایک ہاتھ سے چھڑایا جائے اس لیے کہ یہاں دوسرے ہاتھ کو استعمال کرنا بے فائدہ ہونے کی وجہ سے مکروہِ تنزیہی (یعنی شرعاً ناپسندیدہ) ہے لیکن ایسا کرنے والا گناہگار نہیں ہوگا اور اس کی نماز بھی ادا ہوجائے گی۔

نوٹ: البتہ اگر دونوں ہاتھوں کا استعمال اس طرح کیا گیا کہ دور سے دیکھنے والے کا ظنِ غالب یہی ہو کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے تو پھر اس کا یہ عمل، عملِ کثیر ہوگا اور اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولا باس بان ینفض ثوبہ کیلا یلتف بجسدہ فی الرکوع

یعنی اور (نمازی کے لئے) اپنا کپڑا جھاڑنا تاکہ رکوع میں جسم سے نہ چپکے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 1 صفحہ 105 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال فی النهاية و حاصله ان کل عمل هو مفید للمصلی فلا باس به. اصله ماروی ان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم عرق فی صلاته فسلت العرق عن جبینه ای مسحه لانه کان یوذیه فکان مفیدا و فی زمن الصیف کان اذا قام من السجود نفض ثوبه یمنة او یسرة لانه کان مفیدا کی لاتبقی صورة. فاما مالیس بمفید فهو عبث

یعنی نہایہ میں فرمایا: ''خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر وہ عمل کہ جو نمازی کے لیے مفید ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کی اصل وہ ہے جو روایت کیا گیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو نماز میں پسینہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پسینہ پونچھ لیا یعنی اسے صاف کردیا، کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دے رہا تھا تو یہ (پسینہ صاف کرنا) مفید عمل تھا اور گرمی کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم جب سجدہ سے قیام فرماتے تو دائیں یا بائیں طرف سے کپڑا چھڑا لیتے کہ یہ بھی مفید عمل تھا تاکہ جسم کی ہیئت ظاہر نہ ہو، رہا وہ عمل کہ جو مفید نہ ہو تو وہ عبث (فضول) ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، جلد 2 صفحہ 490 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ''بہار شریعت'' میں نماز کے ''مکروہاتِ تنزیہی'' بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ہر وہ عملِ قلیل کہ مصلی (یعنی نمازی) کے لئے مفید ہو، جائز ہے اور جو مفید نہ ہو، مکروہِ (تنزیہی) ہے۔

(بہارِ شریعت جلد 1 حصہ 3 صفحہ 631 مکتبۃ المدینہ کراچی)

صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ "عملِ کثیر" کی تعریف یوں تحریر فرماتے ہیں:

عملِ کثیر کہ نہ اعمال نماز سے ہو نہ نماز کی اصلاح کے لیے کیا گیا ہو، نماز فاسد کر دیتا ہے، عملِ قلیل مفسد نہیں، جس کام کے کرنے والے کو دُور سے دیکھ کر اس کے نماز میں نہ ہونے کا شک نہ رہے، بلکہ گمان غالب ہو کہ نماز میں نہیں تو وہ عملِ کثیر ہے اور اگر دُور سے دیکھنے والے کو شبہہ و شک ہو کہ نماز میں ہے یا نہیں، تو عملِ قلیل ہے۔

(بہارِ شریعت جلد 1 حصہ سوم صفحہ 609 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/26

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

سجدے کے اندر دعا مانگنا

استفتاء نمبر: 64

کیا سجدے کے اندر دعا مانگ سکتے ہیں

سائلہ: بنتِ محمد منیر شہر لاہور

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

سجدہ میں دعا کرنے کی دو صورتیں بنتی ہیں:

1۔ نماز کے علاوہ سجدے میں دعا کرنا

2۔ نماز والے سجدے میں دعا کرنا

1—نماز کے علاوہ سجدے میں دعا کرنا:

نماز پڑھنے کے بعد صرف دُعا کرنے کے لیے سجدے میں جانا بغیر کسی سبب کے سجدہ کرنا ہے اور بلا سبب سجدہ کرنا فقہ حنفی میں جائز ہے جبکہ فقہِ شافعی میں ناجائز ہے، لہٰذا ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اختلاف سے بچتے ہوئے وہ راہ اختیار کی جائے جو بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ جس میں سب کا اتفاق ہے یعنی اللہ پاک کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے یا دُعا کی توفیق ملنے پر شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ ادا کرے کہ سجدہ شکر بالاتفاق جائز ہے۔ پھر اس میں جو چاہے دعا کرے کہ حالتِ سجدہ میں کی جانے والی دعا، قبولیت میں بلا شک وشبہ خاص تاثیر رکھتی ہے کہ اس حالت میں بندے کو اللہ پاک کی بارگاہ میں زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے جس کی بناء پر دعاؤں کی قبولیت کی امید بڑھ جاتی ہے۔

2—نماز والے سجدے میں دعا کرنا:

نفلی نماز جیسے تہجد وغیرہ کے سجدے میں دعا مانگ سکتے ہیں بشرطیکہ دعا عربی زبان میں ہو اور لوگوں کے کلام کے مشابہ نہ ہو۔

البتہ فرائض میں افضل یہ ہے کہ سجدے میں دعا نہ مانگی جائے بلکہ صرف سجدے کی تسبیح پڑھی جائے اور فرائض میں بھی کبھی کبھار دعا بھی مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ

یعنی بندہ سجدے کی حالت میں اپنے ربِ کریم سے بہت قریب ہوتا ہے، پس تم سجدے میں زیادہ دعا کیا کرو۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، صفحہ 183، رقم الحدیث 482 :، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیثِ مبارکہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

لانه حالة تدل على غاية تذلل و اعتراف بعبودية نفسه و ربوبية ربه، فكانت مظنة اجابة فلذلك امر عليه السلام باكثار الدعاء في السجود

یعنی اس لئے کہ سجدہ ایک ایسی حالت ہے جو انتہائی عاجزی، اپنے آپ کے بندہ ہونے اور اپنے رب کے رب ہونے پر دلالت کرتی ہے، پس یہ (سجدہ کی) حالت، قبولیتِ (دعا) کا سبب ہے اور اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کرنے میں دعا کی زیادتی کرنے کا حکم دیا ہے۔

(شرح سنن ابی داؤد، جلد 4 صفحہ 82 مطبوعہ ریاض)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

خیال رہے کہ نوافل کے سجدوں میں ہمیشہ دعا مانگے، فرائض کے سجدوں میں کبھی کبھی، بعض لوگ سجدوں میں گر کر دعائیں مانگتے ہیں، ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، جلد 2 صفحہ 75 حسن پبلشرز لاہور)

"احسن الوعاء لآداب الدعاء" میں ہے:

"ادب 10، 11، 12: دعا کے وقت باوضو، قبلہ رُو، مُؤدّب (باادب) دوزانو بیٹھے یا گھٹنوں کے بل کھڑا ہو۔

قال الرضا: یابہ نیتِ شکرِ توفیقِ دعاو التجاءالی اللہ، سجدہ کرے کہ یہ صورت سب سے زیادہ قُربِ رب کی ہے،

قالہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔

(یعنی یہ بات اللہ پاک کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے۔)"

(فضائل دعا صفحہ 62 مکتبۃ المدینۃ کراچی)

درمختار مع ردالمحتار میں ہے:

لا یأتی فی رکوعه و سجوده بغیر التسبیح علی المذهب، و ما ورد محمول علی النفل أی تهجدا أو غیره

وہ (نمازی) مذہب کے مطابق اپنے رکوع وسجود میں تسبیح کے علاوہ کو نہیں لائے گا، اور جو وارد ہوا ہے وہ نوافل پر محمول ہوگا یعنی تہجد ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور نفل نماز ہو۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 1 صفحہ 506 دارالفکر بیروت)

علامہ زین الدین ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و أشار المصنف إلی أنه لا یأتی فی رکوعه و سجوده بغیر التسبیحات، و ما ورد فی السنة من غیرها فمحمول علی النوافل تهجداً أو غیره

یعنی اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ (نمازی) رکوع وسجود میں تسبیحات کے علاوہ کو نہیں لائے گا، اور جو سنت میں غیر سے وارد ہوا ہے وہ نوافل پر محمول ہوگا خواہ تہجد ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور نفل نماز ہو۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، جلد 1 صفحہ 552 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

نوٹ: نماز میں اردو دعا کرنا جائز نہیں بلکہ مکروہِ تحریمی ہے، اسی طرح عربی میں ایسی دعا کرنا بھی درست نہیں جو لوگوں کے کلام

کے مشابہ ہو جیسے :

اللھم زوجنی فلانۃ

(اے اللہ فلانی کو میری بیوی بنا دے)

بلکہ اگر کسی ایسی چیز کی دعا کی گئی جس کا سوال بندوں سے بھی کیا جاسکتا ہے تو نماز ٹوٹ جائے گی.

چنانچہ خاتم المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز ابن عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولا یبعد أن یکون الدعاء بالفارسیۃ فی الصلاۃ مکروھاً تحریما فی الصلاۃ

اور یہ بات بعید نہیں کہ نماز کے اندر فارسی میں دعا مانگنا نماز کے مکروہِ تحریمی سے ہو۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 1 صفحہ 521 دار الفکر بیروت)

امام برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولا یدعو بما یشبہ کلام الناس تحرزا عن الفساد.

یعنی اور وہ دعا ان کلمات کے ساتھ نہیں مانگے گا جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہوں، فسادِ (نماز) سے بچتے ہوئے۔

(الہدایہ، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 115 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/27

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

سجدے میں جاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے شلوار اوپر کھینچنا

استفتاء نمبر:65

دورانِ نماز سجدے میں جاتے ہوئے ایک ساتھ دونوں ہاتھوں سے شلوار اوپر کی طرف کھینچنا کیسا ہے؟

سائل: اویس حماد، ابرار میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

دورانِ نماز سجدے میں جاتے ہوئے ایک ساتھ دونوں ہاتھوں سے شلوار اوپر کی طرف کھینچنا مکروہِ تحریمی (یعنی ناجائز وگناہ) ہے کیونکہ یہ کفِ ثوب (یعنی کپڑے لپیٹنے) میں داخل ہے اور کفِ ثوب سے حدیثِ مبارکہ میں منع کیا گیا ہے لہٰذا ایسی نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

یکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او لحیتہ او جسدہ و ان یکف ثوبہ بان یرفع ثوبہ من بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود کذا فی معراج الدرایۃ

یعنی نمازی کے لئے اپنے کپڑے، داڑھی یا جسم کے ساتھ کھیلنا مکروہ ہے اور یوں کپڑا سمیٹنا کہ سجدہ کا ارادہ کرتے وقت اپنے آگے سے یا اپنے پیچھے سے اپنا کپڑا اٹھالے (یہ بھی مکروہ ہے) ایسے ہی "معراج الدرایہ" میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 1 صفحہ 105 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ "بہارِ شریعت" میں "مکروہاتِ تحریمی" کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں:

کپڑا سمیٹنا، مثلاً سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے اٹھالینا، اگرچہ گرد سے بچانے کے لیے کیا ہو اور اگر بلا وجہ ہو تو اور زیادہ مکروہ ہے۔

(بہارِ شریعت جلد 1 حصہ 3 صفحہ 624 مکتبۃ المدینہ کراچی)

فقیہِ ملت مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کپڑا سمیٹنا جیسا کہ ناواقف لوگ سجدہ میں جاتے ہوئے آگے یا پیچھے کے کپڑے کو اٹھاتے ہیں، یہ مفسدِ نماز نہیں بلکہ مکروہِ تحریمی اور ناجائز ہے۔ جس نماز میں ایسا کیا گیا، اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔"

(فتاویٰ فیض الرسول جلد 1 صفحہ 276 شبیر برادرز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/25

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

رفع یدین کا شرعی حکم

استفتاء نمبر:66

رفع یدین جائز ہے یا نہیں اور شرعی حکم کیا ہے؟

سائل : محمد جاوید پنجاب پاکستان

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

احناف کے نزدیک نماز میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا سنت ہے اور کرنا خلافِ سنت اور مکروہِ تنزیہی ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے ہمیشہ رفع یدین کرنا ثابت نہیں بلکہ ہمیشہ رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے، آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پہلے رفع یدین کرتے تھے لیکن بعد میں رفع یدین کرنا چھوڑ دیا جو کہ اس بات کی علامت ہے کہ رفع یدین کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الا اخبرکم بصلاۃ رسول اللہ ﷺ قال :فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد

خبردار! کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی نماز کے بارے خبر دوں؟

راوی فرماتے ہیں کہ پھر، آپ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پس آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ اپنے ہاتھوں کو اٹھایا پھر دوبارہ ہاتھ نہ اٹھائے۔

(سنن نسائی جلد 2 صفحہ 182 مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب، سنن ابی داؤد جلد 1 صفحہ 199 المکتبۃ العصریہ بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الا اصلی بکم صلاۃ رسول اللہ ﷺ فصلی، فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ

کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم والی نماز نہ پڑھاؤں؟

توآپ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی، پس آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ کے سوا اپنے ہاتھوں کو نہ اٹھایا۔

(سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم یرفع الا فی اول مرۃ، صفحہ 83 دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

اس حدیثِ مبارکہ کے تحت امام محدث ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث ابن مسعود حدیث حسن۔

وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وآله وسلم و التابعين وهو قول سفيان الثوري و اهل الكوفة

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث، حسن حدیث ہے اور اسی کے ساتھ متعدد صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنھم نے قول کیا ہے، اور یہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ کوفہ کا قول ہے۔

(جامع ترمذی جلد 2 صفحہ 83 دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

حضرتِ براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا افتتح الصلاة رفع يديه الى قريب من أذنيه ثم لم لا يعود

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کو شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے مبارک کانوں کے قریب اٹھاتے پھر (اس کے بعد اخیر نماز تک دونوں ہاتھوں) کو نہ اٹھاتے۔

(سنن أبی داوٗد، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، صفحہ 130، رقم الحدیث 749 : دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال مالى أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب خيل شمس اسكنوا في الصلاة

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری جانب تشریف لائے، پس فرمایا:

یہ کیا بات ہے کہ تمہیں ہاتھ اٹھاتے دیکھتا ہوں، جیسے چنچل (سرکش) گھوڑے کی دُمیں، نماز میں سکون کے ساتھ رہو۔

(صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الامر بالسکون فی الصلاۃ۔۔۔الخ، رقم الحدیث 430 : صفحہ 168 دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رأيت رسول الله صلى الله عليه و سلم رفع يديه حين استقبل الصلاة، حتى رأيت

إبهاميه قريبًا من أذنيه، ثم لم يرفعهما

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھایا جب نماز شروع فرمائی، حتی کہ میں نے دیکھا کہ دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو دونوں کانوں کے قریب پہنچایا، پھر (اس کے بعد نماز کے آخر تک) دونوں ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔

(مسند أبي يعلى، مسند البراء بن عازب، جلد 3، صفحہ 249، دار المامون للتراث دمشق)

حضرت اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رأيت عمر بن الخطاب رضي الله عنه يرفع يديه في أول تكبيرة، ثم لا يعود

میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ نماز میں صرف شروع کی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے اس کے بعد کسی اور تکبیر میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

(شرح معانی الآثار، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود، جلد 1، صفحہ 227، مطبوعہ عالم الکتب)

حضرت عاصم بن کلیب جرمی رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت کلیب جرمی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

رأيت علي بن أبي طالب رفع يديه في التكبيرة الأولى من الصلاة المكتوبة و لم يرفعهما سوى ذلك

میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ فرض نماز کی تکبیر اولیٰ (یعنی تکبیر تحریمہ) میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، اور اس کے سوا (کسی اور تکبیر میں) ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔

(مؤطا امام محمد صفحہ 84، 85 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حضرت عاصم بن کلیب جرمی رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت کلیب جرمی رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ:

ان عليا كان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة ثم لا يعود

بیشک حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جب نماز کو شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر (اس کے سوا کسی اور تکبیر میں) ہاتھوں کو نہیں اٹھاتے تھے۔

(شرح معانی الآثار، باب التكبير للركوع، جلد 1، صفحہ 225، مطبوعہ عالم الکتب)

اس کے تحت علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وهو اثر صحيح

اور یہ اثر صحیح ہے۔

(شرح سنن ابی داؤد، باب فی رفع الیدین، جلد 3، صفحہ 301، مکتبۃ الرشد الریاض)

حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق دریافت کیا:

أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يرفع يديه إذا افتتح الصلاة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع؛ فقال: إن كان وائل رآه مرةً يفعل ذلك، فقد رآه عبد الله خمسين مرةً لا يفعل ذلك

کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع میں کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے، تو اس پر حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

اگر حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک اس طرح (رفع یدین) کرتے ہوئے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچاس بار دیکھا کہ انہوں نے رفع یدین نہیں کیا۔

(شرح معانی الآثار، للطحاوی، باب التکبیر عند الرکوع، جلد 1، صفحہ 224، مطبوعہ عالم الکتب)

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ما رایت ابن عمر، یرفع یدیه إلا فی أول ما یفتتح

میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ نماز کے شروع کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فهذا ابن عمر قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم يرفع، ثمَّ قد ترك هو الرفع بعد النبي صلى الله عليه وسلم فلا يكون ذلك إلا وقد ثبت عنده نسخ ما قد رأى النبي صلى الله عليه وسلم فعله وقامت الحجة عليه بذلك

پس یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا پھر اسی ہاتھ اٹھانے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ترک کر دیا، تو یہ نہیں ہوا ہوگا مگر اس وقت کہ ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے فعل (رفع یدین) کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا ہوگا اور (ان کے نزدیک) رفع یدین کے منسوخ ہونے پر دلیل قائم ہو چکی ہوگی۔

(شرح معانی الآثار، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود، جلد 1، صفحہ 225، مطبوعہ عالم الکتب)

علامہ امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

واما رفع اليدين عند التكبير، فليس بسنة في الفرائض عندنا الا في تكبيرة الافتتاح

اور بہر حال فرائض میں تکبیر کے وقت رفع الیدین (یعنی دونوں ہاتھوں کو اٹھانا) ہمارے نزدیک سنت نہیں ہے مگر صرف تکبیرِ افتتاح (یعنی تکبیرِ تحریمہ) میں۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، جلد 1، صفحہ 484 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/13

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

مرد کا چین والی گھڑی باندھنا / چین والی گھڑی میں نماز پڑھنا

استفتاء نمبر: 67

کیا مرد کے لئے چین والی گھڑی باندھنا جائز ہے اور چین والی گھڑی باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سائل : محسن مدنی فیصل آباد

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

فی زمانہ عمومِ بلوٰی کی وجہ سے چین والی گھڑی مردوں کے لئے باندھنا جائز ہے اور ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہے اور ان کو

باندھ کرنماز پڑھنا بھی جائز ہے البتہ بہتر ہے کہ ان کو اتار کرنماز پڑھی جائے کیونکہ بعض علمائے کرام اب بھی اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور وہ اس حدیثِ مبارکہ سے دلیل پکڑتے ہیں جس حدیث مبارکہ میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے جس نے پیتل کی انگوٹھی باندھ رکھی تھی، فرمایا:

مالی اجد منك ريح الاصنام فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال مالی اری عليك حلية اهل النار فطرحه فقال يا رسول الله صلى الله عليه واله وسلم من ای شئی اتخذه؟ قال من ورق ولا تتمه مثقالا

کہ کیابات ہے کہ میں تجھ سے بتوں کی بو پاتا ہوں اس نے وہ انگوٹھی اتاردی پھر آیا تولوہے کی انگوٹھی باندھ رکھی تھی توحضور علیہ السلام نے فرمایا کیا بات ہے کہ میں تجھ پر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں اس نے وہ بھی اتاردی اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں تو فرمایا چاندی کی انگوٹھی بناؤاور ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشے پورے نہ کرنا۔

(مشکاۃ المصابیح صفحہ 391 مکتبہ رحمانیہ)

لیکن فی زمانہ عمومِ بلویٰ ہو چکا ہے کہ ہر عام وخاص، امیر وغریب، عوام اور علماءِ کرام چین والی گھڑی استعمال کرتے ہیں لہذا عموم بلویٰ کا اعتبار کرتے ہوئے مشکوٰۃ شریف کی حدیث مبارکہ کو چین والی گھڑی کے علاوہ دیگر دھاتوں کے زیورات کیلئے خاص کر دیا جائے گا کہ مردان کو سوائے چاندی کی مخصوص انگوٹھی کے نہیں پہن سکتا اور چین والی گھڑی کو اس حدیثِ مبارکہ سے مستثنیٰ کر کے اس کے لئے جائز ہونے کا حکم دیا جائے گا۔

جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں ہے:

ذَكَرَ بَعْضُهُمْ اَنَّ الْاَمْرَ اِذَا ضَاقَ اِتَّسَعَ

یعنی بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جب کوئی معاملہ سختی کا باعث ہوتو اس میں وسعت آجاتی ہے۔

(الاشباہ والنظائر القاعدۃ الرابعہ صفحہ 84 میر محمد کتب خانہ کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اقول: ولسنا نعنی بهذا ان عامة المسلمين اذا ابتلوا بحرام حل بل الامر ان عموم البلوٰی من موجبات التخفيف شرعا وما ضاق امر الا اتسع فاذا وقع ذٰلك فی مسئلة مختلف فيها ترجح جانب اليسر صونا للمسلمين عن العسر ولا يخفی علی خادم الفقة ان هذا كما هو جار فی باب الطهارة والنجاسة كذٰلك فی باب الاباحة والحرمة

یعنی (میں کہتا ہوں کہ) اور ہماری اس سے مراد یہ نہیں کہ عام مسلمان اگر کسی حرام میں مبتلا ہوجائیں تو وہ حلال ہوجاتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عمومِ بلوی شرعی طور پر اسبابِ تخفیف میں سے ہے، کوئی تنگی نہیں جس میں وسعت نہ پیدا ہو، جب یہ معاملہ ایک اختلافی مسئلہ میں واقع ہوا تو مسلمانوں کو تنگی سے بچانے کے لئے آسانی کی جانب کو ترجیح ہوگی۔ خادمِ فقہ پر پوشیدہ نہیں کہ جیسے یہ ضابطہ طہارت ونجاست میں جاری ہے۔ ایسے ہی حرمت واباحت میں بھی جاری ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 25 صفحہ 89 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

و الحرج مدفوع بالنص و عموم البلوی من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل الطهارة والنجاسة

نص سے ثابت ہے کہ حرج دور کیا گیا اور عموم بلوی اسباب تخفیف سے ہے خصوصا مسائل طہارت اور نجاست میں۔

(فتاوی رضویہ جلد 4 صفحہ 391 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

لہٰذا عمومِ بلویٰ کی وجہ سے مردوں کے لیے چین والی گھڑی کا باندھنا جائز ہے۔

فائدہ: عمومِ بلویٰ سے مراد وہ امر ہے کہ بلادِ کثیرہ (یعنی کثیر شہروں) میں کثرت کے ساتھ رائج ہو، عوام وخواص سبھی اس میں مبتلا ہوں اور اس سے بچنا دشوار اور باعثِ حرج ہو۔

(ہمارے مسائل اور ان کا حل جلد 2 صفحہ 140 بحوالہ صحیفہ فقہ اسلامی)

شارحِ بخاری فقیہِ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمة الله عليه نے تو چین کی گھڑی میں عمومِ بلویٰ کا اعتبار کیے بغیر اس کو جائز قرار دیا ہے اور اسے باندھ کر نماز کے بلا کراہت درست ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

دھات کی چین گھڑی کے ساتھ باندھنا علماء کے مابین مختلف فیہ ہے بہت سے علمائے کرام اس کو ناجائز وحرام کہتے ہیں ایسی صورت میں اسے پہن کر نماز مکروہ تحریمی، واجب الاعادہ ہوگی۔

لیکن اس خادم نے بہت غور وفکر کیا اور کافی تلاش کیا، مگر اب تک اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی اور اصل اشیاء میں اباحت ہے اس لیے خادم یہ حکم دیتا ہے کہ اسے باندھنا جائز ہے اور اسے باندھ کر نماز پڑھنی بلا کراہت درست ہے۔

بعض لوگ اس سلسلے میں اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ انہوں نے اسے ناجائز فرمایا ہے جیسا کہ الملفوظ اور احکامِ شریعت میں ہے۔

لیکن ''الطیب الوجیز'' میں اعلی حضرت نے یہ فرمایا:

پس بچنا ہی بہتر ہے. ''او کما قال''۔

الملفوظ کا جو حال ہے وہ اہلِ علم پر مخفی نہیں، اس میں سینکڑوں غلطیاں اب تک مل چکی ہیں، احکامِ شریعت ایک میلاد خواں کی جمع کردہ ہے، یہ دونوں کتابیں اعلی حضرت کے وصال کے بعد چھپی ہیں، اس لئے اس میں غلطی کا امکان بعید نہیں ہے، اسی وجہ سے خادم اسی پر فتویٰ دیتا ہے۔

علاوہ ازیں اسٹیل کی چین جواب کلائی پر باندھی جاتی ہے، اعلی حضرت کے زمانے میں نہیں تھی، اعلی حضرت کے زمانے میں جیبی گھڑیوں میں چین لگائی جاتی تھی، اسی کے بارے میں ان تینوں کتابوں میں حکم ہے، اسی کے بارے میں احکامِ شریعت میں بھی ہے۔اس لیے اس کے ناجائز ہونے پر اعلیٰ حضرت کی کسی کتاب کا حوالہ دینا بے محل ہے۔

اب بات وہیں پہنچی کہ اصل اشیاء میں اباحت اور اس چین کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیلِ شرعی نہیں، اس لئے یہ جائز ہے مگر چوں کہ اختلافِ علماء سے بچنا اولی (بہتر) ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اسے نہ استعمال کیا جائے۔

(قلمی فتاویٰ شارح بخاری)

(فتاوی شارح بخاری جلد اول صفحہ 36 مکتبہ برکات المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/08/18

تصدیق و تصحیح:

استفتاء نمبر 67 کا جواب بھی بمطابق فقہ حنفی درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے ذریعے سے اہلسنت و جماعت کو مستفیض فرمائے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا

استفتاء نمبر:68

نماز میں سورہ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے؟

سائل : عبدالرحمن قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد جو سورۃ ملائی جاتی ہے اگر وہ ابتداءِ سورۃ سے پڑھی جائے تو اس سے پہلے بسم اللہ پڑھنا اگرچہ سنت نہیں ہے لیکن مستحب و مستحسن (یعنی اچھا) ہے۔

چنانچہ تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(لا) تسن (بين الفاتحة و السورة مطلقاً) ولو سرية، ولا تكره اتفاقاً

یعنی سورہ فاتحہ اور سورۃ سے قبل بسم اللہ پڑھنا سنت نہیں ہے اگرچہ سری نماز ہو، اور اتفاقی طور پر مکروہ نہیں ہے۔

(ردالمحتار علی الدالمختار جلد دوم صفحہ 235 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و لهذا صرح في الذخيرة و المجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة و السورة المقروئة سرا أو جهرا كان حسنا عند أبي حنيفة و رجحه المحقق ابن الهمام و تلميذه الحلبي. وقال في شرح المنية إنه الأحوط لأن الأحاديث الصحيحة تدل على مواظبته عليه الصلاة والسلام عليها

یعنی "ذخیرہ" اور "مجتبیٰ" میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اگر سورہ فاتحہ اور پڑھی جانے والی سورۃ چاہے سِرًّا (یعنی آہستہ) پڑھی جائے یا جہراً (یعنی اونچی آواز میں) ان کے درمیان بسم اللہ پڑھ لیا تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حسن (یعنی اچھا) ہے، اور اس کو راجح قرار دیا ہے محقق ابن ہمام نے اور ان کے شاگرد حلبی نے۔۔۔ اور علامہ حلبی نے شرح المنیہ میں فرمایا کہ یہ (یعنی سورہ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا) اَحوط ہے اس لیے کہ احادیثِ صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار جلد دوم صفحہ 235 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

بحر الرائق میں ہے:

فلا تسن التسمية بين الفاتحة و السورة مطلقا عندهما و قال محمد تسن إذا خافت لا إن جهر و صحح في البدائع قولهما و الخلاف في الاستنان أما عدم الكراهة فمتفق عليه و لهذا صرح في الذخيرة و المجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة و السورة كان حسنا عند أبي حنيفة سواء كانت تلك السورة مقروئة سرا أو جهرا و رجحه المحقق ابن الهمام

یعنی تو شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مطلقا سنت نہیں، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نماز سری ہو تو (سورہ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا) سنت ہے مگر جہری میں سنت نہیں، بدائع میں شیخین کے قول کو صحیح کہا گیا اور یہ اختلاف سنت ہونے میں ہے، بہر حال بسم اللہ پڑھ لینے کے مکروہ نہ ہونے پر اتفاق ہے، اور اسی لیے ذخیرہ اور مجتبیٰ اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھا تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اچھا ہے، برابر ہے کہ وہ سورۃ آہستہ آواز میں پڑھی جائے یا بلند آواز میں، اور اس کو محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے راجح قرار دیا ہے۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد اول صفحہ 312 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

مراقی الفلاح میں ہے:

فلا تسن التسمية بين الفاتحة و السورة و لا كراهة فيها ان فعلها اتفاقا للسورة سواء جهرا و خافت بالسورة

یعنی پس فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا سنت نہیں ہے اور بالاتفاق اس کے پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے خواہ سورۃ بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ آواز سے۔

(مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، فصل فی کیفیۃ ترکیب افعال الصلوۃ، صفحہ 154 مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

و اتفقوا على عدم الكراهة في ذكرها بين الفاتحة و السورة بل هو حسن سواء كانت الصلاة سرية أو جهرية

یعنی اور فقہائے کرام نے فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ ذکر کرنے کے مکروہ نہ ہونے پر اتفاق کیا ہے بلکہ یہ مستحسن ہے برابر ہے کہ نماز سری ہو یا جہری۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح جلد اول صفحہ 354 المکتبۃ الغوثیہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے علمائے محققین رحمۃ اللہ علیھم اجمعین کتب معتمدہ میں روشن تصریحیں فرما رہے ہیں کہ ابتدائے سورت پر بھی بسم اللہ شریف پڑھنی چاہیئے مطلقا مستحب و مستحسن ہے، خواہ نماز سریہ ہو یا جہریہ۔ اور صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا ناجائز ہونا درکنار ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالی عنھم میں کوئی اس کی کراہت کا بھی قائل نہیں بلکہ سب ائمہ کرام بالاتفاق اسے خوب بہتر جانتے ہیں اختلاف صرف سنیت میں ہے کہ جس طرح سرِ فاتحہ پر بسم اللہ شریف بلاشبہہ سنت ہے یونہی سرِ سورت پر بھی سنت ہے یا مستحب۔ امام محمد کے نزدیک سریہ میں سنت ہے، محیط و مضمرات و عتابیہ و مستصفی وغیرہا میں اسی کی تصحیح فرمائی اور مذہب امام، نفی استنان (یعنی سنت ہونے کی نفی) ہے اور اس پر فتوی اور یہی کلمات متون "لایاتی" و "لایمسی" (نہ لائے اور نہ بسم اللہ پڑھے) سے مراد بہرحال اس کی خوبی وحسن پر ہمارے سب ائمہ کا اتفاق ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 6 صفحہ 162 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فاتحہ کے بعد اگر اول سورت شروع کی تو سورت پڑھتے وقت بسم اللہ پڑھنا مستحسن ہے، قراءت خواہ سری ہو یا جہری، مگر بسم اللہ بہرحال آہستہ پڑھی جائے۔

(بہار شریعت جلد 1 حصہ 3 صفحہ 523، 524 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/05/30

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

دورانِ نماز کیڑا آنکھ میں چلا جائے تو وضو اور نماز کا حکم

استفتاء نمبر:69

زید کی آنکھ میں حالتِ نماز میں کیڑا اُڑ کر پہنچ گیا، جس بناء پر آنکھ میں درد کی وجہ سے پانی نکل آیا تو ایسی صورت میں وضو اور نماز کا کیا حکم ہوگا؟

سائل: محمد عیسیٰ قادری دیناج پوری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

دُکھتی آنکھ سے آنسو کا بہنا اس وقت وضو کو توڑ دیتا ہے جب بیماری کی وجہ سے دکھ رہی ہو کیونکہ بیماری کے وقت آنکھ میں زخم ہو جاتا ہے اور وہ اس زخم سے رِسنے والا پیپ اور پانی ہوتا ہے اسلیے وہ ناپاک ہوتا ہے اور آنکھ سے باہر نکلنے پر وضو کو توڑ دیتا ہے جبکہ سوال میں ذکر کی گئی صورت میں معاملہ ایسا نہیں ہے کہ ایسی بیماری کی وجہ سے پانی نکل رہا ہو جس میں آنکھ کے اندر زخم ہو گیا ہو بلکہ جب بھی آنکھ میں ریت کا ذرہ یا کوئی تنکا چلا جائے تو درد و چبھن کی وجہ سے آنکھ سے پانی بہتا ہے تو ایسا پانی نہ تو ناپاک ہوتا ہے اور نہ ہی وضو کو توڑتا ہے تو بالکل یہی معاملہ آنکھ میں کیڑا چلے جانے کا ہے کہ جیسے آنکھ میں کیڑا گیا تو اس کی وجہ سے آنکھ میں چبھن اور درد ہوئی اور اس وجہ سے آنکھ سے پانی بہنے لگا تو ایسا پانی چونکہ بیماری کی وجہ سے نہیں نکل رہا لہذا جس طرح تنکے اور ریت کے ذرے کی وجہ سے آنکھ سے پانی بہنا وضو نہیں توڑتا، بالکل اسی طرح کیڑے کی وجہ سے آنکھ سے پانی بہنا بھی وضو کو نہیں توڑے گا اور جب وضو نہیں ٹوٹے گا تو نماز بھی ہو جائے گی۔

چنانچہ تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(وان) خرج (بہ) ای :بوجع (نقض) لانہ دلیل الجرح، فدمع من بعینہ رمد او عمش ناقض

یعنی اور اگر پانی درد کے ساتھ نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا اسلیے کہ درد زخم کی دلیل ہے، تو جس کی آنکھ میں آشوب یا اندھاپن ہے، اس (کی آنکھ) کا آنسو (پانی) وضو کو توڑنے والا ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطھارۃ، جلد اول صفحہ 305، 306 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال فی "المنیۃ :"وعن محمد :اذا کان فی عینیہ رمد و تسیل الدموع منھا آمرہ

بالوضوء لوقت کل صلاۃ. لانی اخاف ان یکون ما یسیل منشا صدیدا فیکون صاحب العذر

یعنی "المنیہ" میں فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ " :اور جب اس کی آنکھوں میں آشوب ہو اور ان سے آنسو بہہ رہے ہوں تو میں اس کو ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کا حکم دیتا ہوں، اس لیے کہ مجھے خوف ہے کہ آنکھوں سے بہنے والا پانی پیپ ہو، پس وہ صاحبِ عذر ہوگا۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطھارۃ، جلد اول صفحہ 306 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہم یہ تحریر فرماتے ہیں:

وقولھم :العین و الاذن لعلۃ. دلیل علی ان من رمدت عینہ فسال منھا ماء بسبب الرمد ینقض وضوئہ. ھذہ مسالۃ الناس عنھا غافلون اھ. و ظاھرہ ان المدار علی الخروج لعلۃ وان لم یکن معہ وجع"

یعنی اور فقہائے کرام علیھم الرحمہ کا کہنا کہ : آنکھ اور کان (کا پانی) کسی بیماری کی وجہ سے ہو، (یہ) اس بات کی دلیل ہے کہ جس کی آنکھوں میں آشوب ہو پس آشوبِ چشم کی وجہ سے آنکھوں سے پانی بہے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، یہ وہ مسئلہ ہے جس سے لوگ غافل ہیں۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ (وضو ٹوٹنے کا) دارومدار بیماری کی وجہ سے (پانی) نکلنے پر ہے اگرچہ اس کے ساتھ درد (تکلیف) نہ ہو۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطھارۃ، جلد اول صفحہ 306 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ملفوظات اعلیٰ حضرت میں ہے:

عرض :اگر مٹی آنکھ میں پڑ جائے اور پانی نکلے تو ناقضِ وضو (یعنی وضو توڑنے والی) ہے یا نہیں؟

ارشاد : یہ وہ پانی نہیں جس سے وضو ٹوٹے، ہاں دکھتی آنکھ سے اگر پانی نکلے ناقضِ وضو ہے۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ سوم صفحہ 382، 383 مکتبۃ المدینہ کراچی)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آنکھ، کان، ناف، پستان وغیرہا میں دانہ یا ناصُور یا کوئی بیماری ہو، ان وُجوہ سے جو آنسو یا پانی بہے وُضو توڑ دے گا۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ دوم صفحہ 305 مکتبۃ المدینہ کراچی)

ان عبارات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آنکھوں سے پانی بہنا تب وضو کو توڑتا ہے جب وہ بیماری کی وجہ سے نکلے، چاہے

درد کے ساتھ نکلے یا درد کے بغیر نکلے۔ اور جہاں درد کے ساتھ پانی نکلنے کو وضوتوڑنے والا قرار دیا گیا ہے وہ اسی وجہ سے کہ درد بیماری کی خبر دیتا ہے جبکہ آنکھ میں کیڑا چلے جانے سے جو درد کی وجہ سے پانی نکلا تو یہ وضونہیں توڑے گا کیونکہ یہ درد بیماری کی خبر نہیں دے رہا بلکہ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ آنکھ میں کیڑا گیا ہے اور بالکل اسی طرح جب آنکھ میں مٹی، ریت یا کوئی تنکا وغیرہ جاتا ہے تو معمولی سا درد بھی ہوتا ہے اور پانی بھی نکلتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کو کوئی بھی وضوتوڑنے والا قرار نہیں دیتا کیونکہ یہ درد بیماری کی خبر نہیں دیتا۔

البتہ اگر کیڑے کی وجہ سے آنکھ میں الرجی اور انفیکشن ہوجائے تو پھر اس سے بہنے والا پانی وضوتوڑ دے گا کیونکہ اب آنکھ سے پانی بیماری کی وجہ سے بہہ رہا ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/05/20

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

نماز میں داڑھی چھپانا

استفتاء نمبر:70

نماز کی حالت میں داڑھی چھپانا کیسا ہے؟

سائل: سلیم سلطانی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب اللھم ھدایة الحق والصواب

نماز کی حالت میں داڑھی چھپانا جائز ہے مگر بہتر ہے کہ بغیر عذر کے داڑھی کو نہ چھپایا جائے، کیونکہ نماز میں داڑھی چھپانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے، جس کی بناء پر علمائے کرام نے اسے مکروہِ تنزیہی (یعنی شرعاً ناپسندیدہ عمل) قرار دیا ہے۔

چنانچہ فتاوی فقیہ ملت میں ہے:

بحالتِ نماز کان چھپانے میں حرج نہیں مگر داڑھی چھپانا مکروہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن تغطیۃ الفم واللحیۃ اھ

(فتاوی فقیہ ملت جلد اول ص 173 شبیر برادرز لاہور)

ابو اطہر مفتی اظہر عطاری مدنی صاحب اپنے ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

نماز میں داڑھی چھپانا تحریمی نہیں ہے۔

(دار الافتاء فیضانِ شریعت)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/12/22

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

کیا فنائے مسجد میں فرض نماز کا ثواب مسجد کے برابر ہوتا ہے

استفتاء نمبر: 71

کیا فنائے مسجد میں فرض نماز ادا کرنے سے مسجد کا ثواب حاصل ہوگا؟

سائل: عبد العزیز

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

اگر مسجد میں جگہ باقی ہو تو فنائے مسجد میں فرض نماز ادا کرنے سے مسجد کا ثواب حاصل نہیں ہوگا ، البتہ اگر مسجد میں جگہ باقی نہ ہو تو پھر فنائے مسجد میں فرض نماز ادا کرنے سے مسجد کا ثواب حاصل ہوگا.

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جب تک مسجد میں جگہ باقی ہو اس (فنائے مسجد) پر نمازِ فرض میں مسجد کا ثواب نہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 16 صفحہ 495 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اُسَید عبید رضا مدنی

2019/06/12

تصدیق وتصحیح:

جواب درست ہے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے نمازیوں کو سلام کرنا

استفتاء نمبر: 72

مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والوں کو بعد میں آنے والے کا سلام کرنا کیسا ہے اور اگر اس نے سلام کرلیا تو اس کے جواب کا کیا حکم ہے؟

سائل: غلام نبی قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

جو نمازی مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں تو انہیں سلام نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ لوگوں سے ملاقات کیلیے نہیں بیٹھے ہیں لہذا انہیں سلام کرنے کا موقع نہیں ہے اور اگر انہیں سلام کرلیا تو ان کو جواب دینے، نہ دینے کا اختیار ہے، ان پر اس کے سلام کا جواب

دیناواجب نہیں ہے۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

السلام تحية الزائرين، والذين جلسوا فی المسجد للقرائة والتسبيح أو لانتظار الصلاة ما جلسوا فيه لدخول الزائرين عليهم، فليس هذا أوان السلام فلا يسلم عليهم، ولهذا قالوا :لو سلم عليهم الداخل وسعهم أن لا يجيبوه، كذا فی القنية

یعنی سلام ملاقات کرنے والوں کی تحیت ہے، اور وہ لوگ جو مسجد میں قرآن پڑھنے اور تسبیح کیلیے یا نماز کے انتظار بیٹھے ہوں، وہ مسجد میں اس لیے نہ بیٹھے ہوں کہ زائرین ان پر داخل ہوں تو یہ سلام کا وقت نہیں ہے پس ان پر سلام نہ کرے، اور اسی لیے فقہائے کرام نے فرمایا :اگر انہیں داخل ہونے والا سلام کرے تو انہیں گنجائش ہے کہ اسے جواب نہ دے، ایسے ہی "قنیہ" میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب السابع فی السلام، جلد 5 صفحہ 325 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

سلام اس لیے ہے کہ ملاقات کرنے کو جو شخص آئے وہ سلام کرے کہ زائر اور ملاقات کرنے والے کی یہ تحیت ہے۔ لہٰذا جو شخص مسجد میں آیا اور حاضرینِ مسجد تلاوت قرآن و تسبیح و درود میں مشغول ہیں یا انتظارِ نماز میں بیٹھے ہیں تو سلام نہ کرے کہ یہ سلام کا وقت نہیں۔ اسی واسطے فقہا یہ فرماتے ہیں کہ ان کو اختیار ہے کہ جواب دیں یا نہ دیں۔ ہاں اگر کوئی شخص مسجد میں اس لیے بیٹھا ہے کہ لوگ اس کے پاس ملاقات کو آئیں تو آنے والے سلام کریں۔

(بہار شریعت جلد 3 حصہ 16 صفحہ 462 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/03

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

آرٹیفیشل جیولری کا حکم

استفتاء نمبر:73

آرٹیفیشل جیولری یعنی سونے اور چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کے زیورات عورت کے لئے پہننا کیسا ہے اور انہیں پہن کر نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

سائل : عبدالصمد

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق والصواب

فی زمانہ عموم بَلویٰ کی وجہ سے سونے چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کے زیورات (یعنی آرٹیفیشل جیولری) عورتوں کے لئے پہننا جائز ہے اور ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہے اور ان کو پہن کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے البتہ بہتر ہے کہ ان کو اتار کر نماز پڑھی جائے البتہ بعض علمائے کرام اب بھی ان کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور وہ اس حدیثِ مبارکہ سے دلیل پکڑتے ہیں جس حدیث میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے جس نے پیتل کی انگوٹھی پہن رکھی تھی فرمایا:

مالی اجد منك ريح الاصنام فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال مالی اری عليك حلية اهل النار فطرحه فقال يا رسول الله صلى الله عليه واله وسلم من ای شئی اتخذه؛ قال من ورق ولا تتمه مثقالا

کہ کیا بات ہے کہ میں تجھ سے بتوں کی بو پاتا ہوں. اس نے وہ انگوٹھی اتار دی پھر آیا تو لوہے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی. تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

کیا بات ہے کہ میں تجھ پر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں۔تو اس نے وہ بھی اتار دی اور عرض کی کہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟

تو فرمایا: چاندی کی انگوٹھی بناؤ اور ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشے پورے نہ کرنا".

(مشکاۃ المصابیح صفحہ 391 مکتبہ رحمانیہ)

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیثِ مبارکہ سے مرد و عورت دونوں کے لئے حرمت ثابت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

چاندی سونے کے سوا لوہے، پیتل، رانگ کا زیور عورتوں کو بھی مباح نہیں چہ جائیکہ مردوں کے لئے۔

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 153 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور ایسے ہی عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وفی الجوھرۃ :التختم بالحدید والصفر والنحاس والرصاص مکروہ للرجال والنساء

یعنی جوہرہ کتاب میں ہے کہ: لوہے پیتل تانبے اور قلعی کی انگوٹھی مردوں اور عورتوں کو پہننا مکروہ ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، جلد 9 صفحہ 594 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

لیکن فی زمانہ عمومِ بلوٰی ہو چکا ہے کہ ہر عام وخاص، امیر وغریب، عوام اور علماء کرام کی عورتیں آرٹیفیشل جیولری استعمال کرتی ہیں لہذا عمومِ بلویٰ کا اعتبار کرتے ہوئے مشکوٰۃ شریف کی حدیثِ مبارکہ کو مردوں کے لئے خاص کر دیا جائے گا اور عورتوں کے لئے جائز ہونے کا حکم ہوگا۔

چنانچہ "الاشباہ والنظائر" میں ہے:

ذَکَرَ بَعْضُھُمْ اَنَّ الْاَمْرَ اِذَا ضَاقَ اِتَّسَعَ

یعنی بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ:

جب کوئی معاملہ سختی کا باعث ہو تو اس میں وسعت آجاتی ہے۔

(الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الرابعۃ، صفحہ 84 میر محمد کتب خانہ کراچی)

اور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اقول :ولسنا نعنی بھذا ان عامۃ المسلمین اذا ابتلوا بحرام حل بل الامر ان عموم البلوی من موجبات التخفیف شرعا وما ضاق امر الا اتسع فاذا وقع ذلک فی مسئلۃ مختلف فیھا ترجح جانب الیسر صونا للمسلمین عن العسر ولا یخفی علی خادم الفقۃ ان ھذا کما ھو جار فی باب الطھارۃ والنجاسۃ کذلک فی باب الاباحۃ والحرمۃ

یعنی (میں کہتا ہوں کہ) اور ہماری اس سے مراد یہ نہیں کہ عام مسلمان اگر کسی حرام میں مبتلا ہو جائیں تو وہ حلال ہو جاتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عمومِ بلوٰی شرعی طور پر اسبابِ تخفیف میں سے ہے، کوئی تنگی نہیں جس میں وسعت نہ پیدا ہو، جب یہ معاملہ ایک اختلافی مسئلہ میں واقع ہوا تو مسلمانوں کو تنگی سے بچانے کے لئے آسانی کی جانب کو ترجیح ہوگی۔ خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں کہ جیسے یہ ضابطہ طہارت ونجاست میں جاری ہے، ایسے ہی حرمت واباحت میں بھی جاری ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 25 صفحہ 89 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

و الحرج مدفوع بالنص و عموم البلوی من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل الطھارۃ و النجاسۃ

نص سے ثابت ہے کہ حرج دور کیا گیا اور عموم بلوی اسباب تخفیف سے ہے خصوصا مسائل طہارت اور نجاست میں۔

(فتاوی رضویہ جلد 4 صفحہ 391 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

لہٰذا عمومِ بلویٰ کی وجہ سے عورتوں کے لیے آرٹیفیشل جیولری کا استعمال جائز ہے بلکہ اس پر "فتاویٰ عالمگیری" کا صریح جزیہ بھی موجود ہے جس میں اس کے جائز ہونے کی صراحت موجود ہے:

لاباس للنساء بتعلیق الخرز فی شعورھن من صفراء او نحاس او شبہ او حدید او نحوھا للزینۃ او سوار منھا

یعنی عورت کا زینت کی وجہ سے پیتل، تانبے یا لوہے وغیرہ کی چٹیا بنا کر بالوں میں لٹکانا یا ان کی کنگن بنا کر پہننا، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 5 صفحہ 439 قدیمی کتب خانہ)

فائدہ: عمومِ بلویٰ سے مراد وہ امر ہے کہ بلادِ کثیرہ (یعنی کثیر شہروں) میں کثرت کے ساتھ رائج ہو، عوام و خواص سبھی اس میں مبتلا ہوں اور اس سے بچنا دشوار اور باعثِ حرج ہو۔

(ہمارے مسائل اور ان کا حل جلد 2 صفحہ 140 بحوالہ صحیفہ فقہ اسلامی)

واللہ اعلم و رسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/03/31

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان)

شیشے کے سامنے نماز کا شرعی حکم

استفتاء نمبر:74

بعض مساجد میں دروازوں کے ساتھ شیشے لگے ہوتے ہیں توان شیشے والے دروازوں کے سامنے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سائل : عبداللہ عطاری

بسمه تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

شیشے والے دروازے ہوں یا ویسے شیشہ لگا ہو، اس کے سامنے نماز پڑھنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے کیونکہ شیشے میں نظر آنے والا عکس تصویر نہیں ہے۔

البتہ بہتر یہی ہے کہ شیشے کے سامنے نماز ادا نہ کی جائے تا کہ نماز میں کامل توجہ اور خشوع وخضوع حاصل ہو سکے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سُئِلْتُ عَمَّنْ صَلّٰی وَاَمَامُهٗ مِرْآةٌ فَاَجَبْتُ بِالجَوَازِ آخِذاً مِمَّا هَاهُنَا، اِذِ الْمِرْآةُ لَمْ تُعْبَدْ وَلاَ الشَّبَحُ الْمُنْطَبَعُ فِيْهَا، وَلاَ هُوَ مِنْ صَنِيْعِ الْكُفَّارِ ،نَعَمْ! اِنْ كَانَ بِحَيْثُ يَبْدُوْ لَه فِيْه صُوْرَتُه وَاَفْعَالُه رُكُوْعاً وسُجُوْداً وقياماً وقعوداً وَظَنَّ اَنَّ ذٰلِكَ يَشْغُلُه وَيَلْهِي فَاِذَنْ لاَيَنْبَغِيْ قَطْعاً

یعنی مجھ سے سوال کیا گیا اس شخص کے بارے میں جس نے نماز پڑھی اس حال میں کہ اس کے سامنے شیشہ ہو تو میں نے جائز ہونے کا جواب دیا حکمِ جواز کو اس سے لیتے ہوئے جو یہاں ہے کیونکہ شیشے کی عبادت نہیں کی جاتی اور نہ شیشے میں ڈھالی گئی صورت (تصویر) ہوتی ہے اور نہ یہ کفار کی بنائی ہوئی چیز میں سے ہے، البتہ شیشہ اس طرح ہو کہ اس شیشے میں اس کی صورت اور اس کے افعال (رکوع وسجود اور قیام وقعود) اس کے لئے ظاہر ہوں اور وہ گمان کرے کہ یہ اس کو غافل کردے گا اور وہ غافل ہو جائے گا تو اس وقت اس کیلئے شیشے کے سامنے نماز پڑھنا ہرگز مناسب نہیں ہوگا۔

(جدالممتار علی ردالمحتار، جلد3، صفحہ416، مکتبۃ المدینہ کراچی)

صدرالشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آئینہ سامنے ہو تو نماز میں کراہت نہیں، کہ سبب کراہت تصویر ہے اور وہ یہاں موجود نہیں اور اگر اسے تصویر کا حکم دیں تو آئینہ کا رکھنا بھی مثلِ تصویر ناجائز ہو جائے حالانکہ بالاجماع جائز ہے۔

(فتاوی امجدیہ، جلد 1، صفحہ 184، مکتبہ رضویہ کراچی)

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/03/19

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

پرفیوم لگانے اور لگا کر نماز پڑھنے کا حکم

استفتاء نمبر: 75

1— پرفیوم لگانا کیسا ہے؟

2— کیا پرفیوم لگا کر نماز پڑھنا جائز ہے؟

سائل: ابرار رضا

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

فی زمانہ پرفیوم لگانا جائز ہے اور اس کو لگا کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ اب لوگوں کا پرفیوم لگانے میں ابتلائے عام ہو چکا ہے، لہذا عمومِ بلویٰ کی وجہ سے الکوحل والے پرفیوم کو پاک قرار دیا جائے گا تاکہ مسلمانوں کو گناہگار ہونے اور ان کی نمازوں کو برباد ہونے سے بچایا جا سکے۔

چنانچہ الاشباہ والنظائر میں ہے:

ذَكَرَ بَعْضُهُمْ اَنَّ الْاَمْرَ اِذَا ضَاقَ اِتَّسَعَ

یعنی بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جب کوئی معاملہ سختی کا باعث ہو تو اس میں وسعت آجاتی ہے۔

(الاشباہ والنظائر القاعدۃ الرابعہ صفحہ 84 میر محمد کتب خانہ کراچی)

اور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اقول :ولسنا نعنی بھذا ان عامۃ المسلمین اذا ابتلوا بحرام حل بل الامر ان عموم البلوٰی من موجبات التخفیف شرعا وماضاق امر الا اتسع فاذا وقع ذٰلك فی مسئلۃ مختلف فیھا ترجح جانب الیسر صونا للمسلمین عن العسر ولا یخفی علی خادم الفقۃ ان ھذا کما ھو جار فی باب الطھارۃ والنجاسۃ کذٰلك فی باب الاباحۃ والحرمۃ

یعنی (میں کہتا ہوں کہ) اور ہماری اس سے مراد یہ نہیں کہ عام مسلمان اگر کسی حرام میں مبتلا ہوجائیں تو وہ حلال ہوجاتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عمومِ بلوٰی شرعی طور پر اسبابِ تخفیف میں سے ہے، کوئی تنگی نہیں جس میں وسعت نہ پیدا ہو، جب یہ معاملہ ایک اختلافی مسئلہ میں واقع ہوا تو مسلمانوں کو تنگی سے بچانے کے لئے آسانی کی جانب کو ترجیح ہوگی۔ خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں کہ جیسے یہ ضابطہ طہارت ونجاست میں جاری ہے۔ ایسے ہی حرمت واباحت میں بھی جاری ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 25 صفحہ 89 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

والحرج مدفوع بالنص وعموم البلوی من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل الطھارۃ والنجاسۃ

نص سے ثابت ہے کہ حرج دور کیا گیا اور عموم بلوی اسباب تخفیف سے ہے خصوصا مسائل طہارت اور نجاست میں۔ (ت)

(فتاوی رضویہ جلد 4 صفحہ 391 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

فائدہ: عمومِ بلویٰ سے مراد وہ امر ہے کہ بلادِ کثیرہ (یعنی کثیر شہروں) میں کثرت کے ساتھ رائج ہو، عوام وخواص سبھی اس میں مبتلا ہوں اور اس سے بچنا دشوار اور باعثِ حرج ہو۔

(ہمارے مسائل اور ان کا حل جلد 2 صفحہ 140 بحوالہ: صحیفہ فقہ اسلامی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/10/14

تصدیق و تصحیح:

یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

نماز میں آنکھیں بند کرنا

استفتاء نمبر:76

آنکھیں بند کر کے نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

سائل : محمد بشیر مدنی میانوالی

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب.اللھم ھدایة الحق و الصواب

آنکھیں بند کر کے نماز ادا کرنا مکروہِ تنزیہی (یعنی شرعاً ناپسندہ عمل) ہے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے نماز کی حالت میں آنکھیں بند کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسلیے بھی کہ (حالتِ قیام میں) سجدہ کی جگہ کو دیکھنا سنت ہے اور آنکھیں بند کرنے سے یہ سنت ترک ہو جاتی ہے، اور اسلیے بھی کہ ہر عضو کیلیے نماز میں سے ایک حصہ ہوتا ہے اور آنکھیں بند کرنے سے آنکھیں وہ حصہ حاصل نہیں کر پاتیں۔

البتہ اگر آنکھیں کھلی رکھنے سے خشوع وخضوع حاصل نہ ہوتا ہو بلکہ آنکھیں بند کرنے سے خشوع وخضوع حاصل ہوتا ہو تو پھر مکروہِ تنزیہی بھی نہیں بلکہ اس صورت میں تو آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا بہتر ہے۔

چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے:

ویکرہ أن یغمض عینیه فی الصلاة؛ لما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه نهی عن تغمیض العین فی الصلاة؛ ولأن السنة أن یرمی ببصرہ إلی موضع سجودہ وفی التغمیض ترك هذہ السنة؛ ولأن کل عضو وطرف ذو حظ من هذہ العبادة فکذا العین

یعنی اور اپنی آنکھوں کو نماز میں بند رکھنا مکروہ (تنزیہی) ہے، بوجہ اس کے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے روایت کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں انکھ بند کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اس لیے کہ (قیام کی حالت میں) اپنے سجدے کی جگہ پر اپنی آنکھ کے ساتھ دیکھنا سنت ہے، اور آنکھیں بند رکھنے میں اس سنت کا ترک ہے، اور اس لیے کہ ہر عضو اور طرف کیلئے اس عبادت میں سے حصہ ہوتا ہے پس آنکھ بھی ایسے ہی ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد اول صفحہ 507 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

نماز میں آنکھ بند رکھنا مکروہ ہے، مگر جب کھلی رہنے میں خشوع نہ ہوتا ہو تو بند کرنے میں حرج نہیں، بلکہ بہتر ہے۔

(درمختار، ردالمحتار) (بہار شریعت جلد اول، حصہ سوم، صفحہ 634 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/11/18

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

امامت کی نیت

استفتاء نمبر: 77

امام، امامت کی نیت کیسے کرے؟

سائل: محمد سہیل

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

اگر امام تنہا نماز پڑھنے والے کی طرح صرف اپنی نماز کی نیت کر لے تو اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی کیونکہ امام کے لئے اپنے مقتدیوں کی امامت کی نیت کرنا، امامت کے صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے البتہ بہتر یہی ہے کہ امام امامت کی نیت اس طرح کرے کہ "میں اپنے پیچھے ان تمام لوگوں کی امامت کروا رہا ہوں، کیونکہ امام کو جماعت کا ثواب اسی وقت ملے گا جب وہ لوگوں کی امامت کی نیت بھی کرے گا۔

ہاں اگر کوئی عورت اس امام کے پیچھے نماز پڑھ رہی ہو اور وہ کسی مرد کے ساتھ کھڑی ہو اور وہ نماز، نمازِ جنازہ بھی نہ ہو تو عورت کی نماز اسی صورت میں صحیح ہو گی جب وہ امام عورت کی امامت کی نیت کرے گا۔

چنانچہ درمختار میں ہے:

والإمام ینوی صلاته فقط ولا یشترط لصحة الاقتداء نیة إمامة المقتدی بل لنیل الثواب عند اقتداء أحد به

یعنی اور امام صرف اپنی نماز کی نیت کرے گا اور اقتداء کے صحیح ہونے کے لئے مقتدی کی امامت کی نیت شرط نہیں بلکہ ثواب حاصل کرنے کے لئے (مقتدی کی امامت کی نیت کرنا شرط ہے) اس وقت جب کوئی اس اس امام کی اقتداء کرنا رہا ہو۔

(ردالمحتار علی درالمختار، کتاب الصلاۃ، باب شروط الصلاۃ، جلد2، صفحہ 121 دار الکتب العلمیہ بیروت)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فتاوی عالمگیری اور درمختار کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

مقتدی کو اقتدا کی نیت بھی ضروری ہے اور امام کو نیت اِمامت مقتدی کی نماز صحیح ہونے کے لیے ضروری نہیں، یہاں تک کہ اگر امام نے یہ قصد کرلیا کہ میں فلاں کا امام نہیں ہوں اور اس نے اس کی اقتدا کی نماز ہوگئی، مگر امام نے اِمامت کی نیت نہ کی تو ثوابِ جماعت نہ پائے گا اور ثوابِ جماعت حاصل ہونے کے لیے مقتدی کی شرکت سے پیشتر نیت کرلینا ضروری نہیں، بلکہ وقتِ شرکت بھی نیت کرسکتا ہے۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ سوم صفحہ 497 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مزید تحریر فرماتے ہیں:

ایک صورت میں امام کو نیتِ اِمامت بالاتفاق ضروری ہے کہ مقتدی عورت ہو اور وہ کسی مرد کے محاذی (برابر) کھڑی ہو جائے اور وہ نماز، نمازِ جنازہ نہ ہو تو اس صورت میں اگر امام نے اِمامت زناں (عورتوں کی امامت) کی نیت نہ کی، تو اس عورت کی نماز نہ ہوئی

(درمختار)

اور امام کی یہ نیت شروع نماز کے وقت درکار ہے، بعد کو اگر نیت کر بھی لے، صحتِ اقتدائے زَن کے لیے کافی نہیں۔ (ردالمحتار)

(بہار شریعت جلد اول حصہ سوم صفحہ 497 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/02/04

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

امام صاحب آمین کہیں گے یا نہیں

استفتاء نمبر:78

جماعت میں سورۃ فاتحہ میں ولاالضآلّین کے بعد آمین امام صاحب بھی کہیں گے یا صرف مقتدی نے کہنا ہے؟

سائل : قاری محمد عمران عطاری

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

تمام نمازوں میں مقتدی کی طرح امام کے لئے بھی آہستہ آواز سے آمین کہنا سنت ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال" :اذا امن الامام فامنوا، فانه من وافق تامينه تامين الملئكة،غفر له ما تقدم من ذنبه

یعنی بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی،اس کے سابقہ گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری، کتاب الاذان،صفحہ 150،رقم الحدیث 780 :، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی معافی اس نمازی کے لیے ہے،جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو اور فرشتے آہستہ آواز سے آمین کہتے ہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا فرغ من الفاتحة قال آمين و السنة فيه الاخفاء و المنفرد و الامام سواء و كذا المأموم اذا سمع

یعنی جب سورہ فاتحہ سے فارغ ہو تو آمین کہے اور آمین کہنے میں سنت یہ ہے کہ آہستہ کہے اور امام ومنفرد برابر ہیں اور ایسے ہی

مقتدی کے لئے (آہستہ آواز سے آمین کہنا سنت) ہے جب وہ سنے۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 74، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آمین سب کو آہستہ کہنا چاہیے امام ہو خواہ مقتدی خواہ اکیلا۔ یہی سنت ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد 6، صفحہ 332، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/11/12

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی

جس کی امامت لوگوں کو ناپسند ہو اس کا حکم

استفتاء نمبر: 79

جس امام کی امامت کو لوگ ناپسند کرتے ہوں تو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

سائل: جنید رضا عیسیٰ خیل

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوہّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جس امام کی امامت کو لوگ ناپسند کرتے ہوں تو ناپسندیدگی کی وجہ کو دیکھا جائے گا، اس اعتبار اس کی چند صورتیں بنیں گی:

1۔ اگر شرعی عذر کے بغیر کسی دنیوی لڑائی جھگڑے کی وجہ سے اس کی امامت کو لوگ ناپسند کرتے ہوں تو ان کی ناپسندیدگی کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ یہ امامت پر اثر انداز ہوگی۔

2۔ اگر کسی جسمانی عیب کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوں مثلاً وہ اندھا ہے لیکن دوسروں سے افضل اور زیادہ علم والا ہے تو پھر بھی لوگوں کی ناپسندیدگی کوئی معنی نہیں رکھتی اور نہ یہ امامت پر اثر انداز ہوگی۔

3۔۔ اگر کسی جسمانی عیب کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوں مثلاً وہ اندھا ہو اور دوسروں سے افضل اور زیادہ علم والا نہ ہو یا اس نابینا سے افضل اور زیادہ علم والا غیر نابینا شخص موجود ہو تو پھر لوگوں کی ناپسندیدگی کی وجہ سے اس کا امامت کرنا مکروہِ تحریمی اور ناجائز و گناہ ہوگا۔

4۔۔ اگر شرعی عذر کی وجہ سے امامت کو لوگ ناپسند کرتے ہوں مثلاً وہ فاسق و فاجر ہو تو اس کا امامت کرنا مکروہِ تحریمی اور ناجائز و گناہ ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر قوم کی کراہت شرعی عذر کے بغیر ہو جیسا صالح اور عالم کی امامت کو اپنے بعض دنیوی تنازعے (جھگڑے) کی وجہ سے مکروہ (ناپسند) سمجھتے ہوں یا غلام، نابینا وغیرہ کی امامت کو مکروہ سمجھتے ہوں حالانکہ وہ قوم سے افضل ہوں تو ایسی صورت میں قوم کی اپنی ناپسندیدگی کوئی معنی نہیں رکھتی لہذا ان افراد کی امامت میں وہ اثر انداز نہ ہوگی، اگر کراہت کسی شرعی عذر سے ہو مثلاً امام فاسق یا بدعتی ہو یا چار مذکورا افراد غلام، اعرابی، ولد الزنا اور نابینا دوسروں سے افضل و اعلم نہ ہوں یا قوم میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جس میں شرعی ترجیحات ہوں، مثلاً علم زیادہ رکھتا ہے، تجوید و قرآت کا ماہر ہے تو یہ خود امامت کے زیادہ لائق اور حقدار ہے، ایسی صورت میں جس شخص کو امام بنانا قوم مکروہ جانے، اس شخص کو امام بننا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 6 صفحہ 471 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/26

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

ایک امام کی چند خرابیوں کا شرعی حکم

استفتاء نمبر:80

ایک شخص جو کہ امام ہے،

1۔۔اس کی بیوی چند نوجوان لڑکیوں کو لے کر محفلِ میلاد پر اونچی اونچی آواز میں تلاوت، نعت اور بیان کرتی ہے، آواز اس قدر بلند ہوتی ہے کہ پورے محلے میں سنائی دیتی ہے، اور پردے کا بھی خاص انتظام نہیں ہوتا، منع کرنے پر کہتے ہیں کہ یہ ہمارا کاروبار ہے۔

2۔۔رمضان میں صلاۃالتسبیح اور جمعہ کی نماز کے نام پر عورتوں کو مسجد میں جمع کر کے جماعت کرواتے ہیں۔

3۔۔وہ امام نہ حافظ ہے، نہ عالم لیکن اپنے آپ کو حافظ کہلواتا ہے۔

4۔۔مسجد کے احاطے میں بیٹھ کر سگریٹ پیتا ہے، منع کرنے پر قرآن وحدیث سے منع کا ثبوت مانگتا ہے۔

5۔۔اگر کوئی مسجد میں دین کا کام شروع کرے تو بھرپور مخالفت کرتا ہے، کام حد سے بڑھ جائے تو بدمعاش لڑکوں کے ذریعے لڑائی اور فتنہ وفساد کرواتا ہے۔

6۔۔جب امام رکوع سے کھڑا ہوتا ہے تو دونوں ہاتھوں سے قمیض درست کرتا ہے۔

7۔۔سجدے میں جائے تو شلوار اوپر کو دونوں ہاتھوں سے کھینچتا ہے۔

8۔۔اس کے نائب امام کا ذہنی توازن درست نہیں ہے، وہ دو کے بجائے چار اور چار کی بجائے تین رکعات نماز پڑھا دیتا ہے لیکن اس کے باوجود امام نے اسے نائب امام کے طور پر مقرر کیا ہوا ہے۔

9۔۔وہ امام مسجد کے صحن میں سبزی لگا کر پانی مسجد کے پمپ سے لگاتا ہے اور استعمال خود کرتا ہے۔

ایسے امام کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

سائل: ڈاکٹر امجد اور محمد رفاقت

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

1۔۔عورتوں کا میلاد کی محافل ومجالس میں نعتیں، بیانات، قرآنِ پاک پڑھنا اور دیگر ذکر واذکار کرنا جائز اور اجر وثواب کا باعث ہیں لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ عورت کی خوش الحانی (یعنی ترنم والی آواز) نامحرم مردوں تک نہ جائے کیونکہ اگر عورت کی ترنم والی آواز اتنی بلند ہو کہ غیر محرموں تک اس کی آواز پہنچے گی تو اس کا اتنی بلند آواز سے پڑھنا ناجائز وگناہ ہوگا اس لیے کہ

عورت کی خوش الحانی کو غیر محرم مرد (اجنبی مرد) کا سننا محلِ فتنہ ہے جس کی وجہ سے اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

ناجائز ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اور عورت کی خوش الحانی کہ اجنبی سے محلِ فتنہ ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 240 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

عورت کا خوش الحانی سے بآواز ایسا پڑھنا کہ نامحرموں کو اس کے نغمہ کی آواز جائے، حرام ہے۔

نوازل امام فقیہ ابو اللیث میں ہے:

نغمۃ المرأۃ عورۃ

یعنی عورت کا خوش آواز کر کے کچھ پڑھنا عورت یعنی محلِ ستر ہے۔

کافی امام ابو البرکات نسفی میں ہے:

لا تلبی جھراً لان صوتھا عورۃ

یعنی عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ پڑھے، اس لیے کہ اس کی آواز قابلِ ستر ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 242 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

لہٰذا مذکورہ امام پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اتنی آواز میں میلاد پڑھنے سے روکے کہ جس سے اس کی آواز غیر محرم مردوں تک جائے اور اگر قدرت کے باوجود امام نہیں روکتا تو یہ خود فاسقِ معلن ہے، جس کی بناء پر اس کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز و گناہ، مکروہِ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی (یعنی جتنی نمازیں اس کے پیچھے اس فسق کی حالت کے دوران ادا کی ہیں، ان کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا)۔

نوٹ: اس کے ساتھ ساتھ پردے کا مکمل انتظام کرنا ضروری ہے، جہاں پردے کا انتظام نہ وہاں عورتوں کا جانا، جمع ہونا ہی جائز نہ ہوگا۔

2— عورتیں مسجد میں مردوں کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے نہیں جاسکتیں کیونکہ وہاں پر مردوں کے ساتھ ان کا اختلاط (ملاپ) ہوگا جو کہ جائز نہیں ہے البتہ اگر درج ذیل شرائط کا لحاظ کر کے جائیں تو پھر ان کے لئے جانا جائز ہوگا لیکن پھر بھی عورتوں

کے لئے افضل یہی ہوگا کہ وہ مسجد کے بجائے گھر پر ہی نماز ادا کریں:

1۔مسجد میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا اختلاط (ملاپ) نہ ہو۔

2—عورتوں کیلیے نماز کے لیے علیحدہ باپردہ جگہ موجود ہو۔

3—عورتوں کی جگہ پر غیر مردوں کا گزر نہ ہو۔

4—عورتیں باپردہ ہو کر جائیں۔

5—شادی شدہ عورتیں اپنے شوہر سے اجازت لے کر جائیں۔

6۔کنواری عورتیں اپنے والدین سے اجازت لے کر جائیں۔

7—عورتیں غیر مردوں پر اپنی زیب وزینت ظاہر نہ کریں۔

8—عورتوں پر کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو اور نہ عورتوں کی وجہ سے کسی اور پر فتنے کا اندیشہ ہو۔

9—ایسی خوشبو لگا کر نہ جائیں جو غیر مردوں تک پہنچے۔

نوٹ: چونکہ ان شرائط کا لحاظ رکھنا بہت مشکل ہے لہٰذا عافیت اسی میں ہے کہ عورتیں کسی بھی قسم کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد نہ جائیں۔

3—غیر حافظ کا اپنے آپ کو حافظ کہلوانا درست نہیں بلکہ یہ جھوٹ اور دھوکے کے زمرے میں آتا ہے بالخصوص اس وقت کہ اس کے اس طرح کہلوانے سے واقعی لوگ اسے حافظِ قرآن سمجھتے ہوں، لہٰذا مذکورہ امام پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو حافظ کہلوانے سے باز رہے۔

چنانچہ فقیہِ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسلم شریف کی حدیث ہے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ان الکذب فجور

یعنی جھوٹ بولنا فسق وفجور ہے۔

(صحیح مسلم)

اور جو شخص علانیہ فسق وفجور کرتا ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں۔"

(فتاوی فیض الرسول جلد 1 صفحہ 285 شبیر برادرز لاہور)

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جس امام کا جھوٹ بولنا ثابت ہو گیا وہ فاسق ہے۔اور فاسق کو امام بنانا گناہ ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے:

فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجبت اھانتہ شرعاً

یعنی اس کو امامت کے لئے آگے بڑھانے میں اس کی تعظیم ہے۔جبکہ شریعت میں اس کی توہین کرنا واجب ہے.اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی،انہیں دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

(وقار الفتاوی، کتاب الصلوٰۃ،امامت،جلد 2صفحہ 184بزم وقار الدین)

نوٹ:فی زمانہ ہمارے لوگوں کا عرف ہے کہ دینی حلیے والے یا امام صاحب کو حافظ کہہ دیتے ہیں اور اس سے وہ مذہبی آدمی مراد لیتے ہیں اور یہ ارادہ نہیں کرتے کہ اس نے قرآن یاد کیا ہوا ہے تو اس عرف کی بنیاد پر غیر حافظ کو حافظ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

4—اس مسئلے کی چند صورتیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

(1)—اگر مذکورہ امام فنائے مسجد میں اس جگہ سگریٹ پیتا ہے کہ جہاں نماز ہوتی ہے اور سگریٹ کا بدبودار دھواں عینِ مسجد (یعنی مسجد کے ہال اور صحن وغیرہ) تک پہنچتا ہے۔

2—اگر مذکورہ امام فنائے مسجد میں اس جگہ سگریٹ پیتا ہے کہ جہاں نماز نہیں ہوتی جیسے جوتے رکھنے کی جگہ اور استنجاء خانہ وغیرہ کی جگہ اور سگریٹ کا بدبودار دھواں عینِ مسجد (یعنی مسجد کے ہال اور صحن وغیرہ) تک پہنچتا ہے۔

3—اگر مذکورہ امام فنائے مسجد میں اس جگہ سگریٹ پیتا ہے کہ جہاں نماز نہیں ہوتی جیسے جوتے رکھنے کی جگہ اور استنجاء خانہ وغیرہ کی جگہ اور سگریٹ کا بدبودار دھواں عینِ مسجد (یعنی مسجد کے ہال اور صحن وغیرہ) تک بھی نہیں پہنچتا لیکن منہ میں سگریٹ کی بو باقی ہوتی ہے اور اسی حالت میں مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔

4—یا مذکورہ امام عینِ مسجد (یعنی مسجد کے ہال اور صحن وغیرہ) میں سگریٹ پیتا ہے۔

تو ان مذکورہ چاروں صورتوں میں امام کے لئے سگریٹ پینا ناجائز اور ایسا امام گناہگار ہوگا اور اس پر اس طرح سگریٹ پینے سے بچنا ضروری ہوگا۔

لہٰذا اگر مذکورہ امام اس سے نہ بچے اور بار بار اعلانیہ یہ فعل کرے تو پھر اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے،اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے اور ان تمام نمازوں کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔

اور اگر فنائے مسجد میں اس جگہ سگریٹ پیتا ہے کہ جہاں نماز ہوتی ہے اور وہاں سے سگریٹ کا بدبودار دھواں عینِ مسجد تک نہیں پہنچتا اور وہ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے منہ کو بھی اچھی طرح سے صاف کر لیتا ہے تو اگرچہ اس کا اس طرح سگریٹ پینا جائز لیکن بے ادبی ضرور ہے لہذا اس سے بھی احتراز کرے (یعنی بچے)۔

اور اگر فنائے مسجد میں ایسی جگہ سگریٹ پیتا ہے کہ جہاں نماز نہیں ہوتی جیسے جوتے رکھنے کی جگہ اور استنجاء خانہ وغیرہ کی جگہ اور بدبو بھی عینِ مسجد تک نہیں پہنچتی اور وہ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے منہ کو بھی اچھی طرح سے صاف بھی کر لیتا ہے تو پھر اس کے لئے اس طرح سگریٹ پینا جائز ہے اور اس پر اعتراض کرنا بیجا ہے۔

چنانچہ نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے کچا پیاز اور لہسن کھانے سے منع کیا اور فرمایا:

من اکلهما فلا یقربن مسجدنا

یعنی جس نے پیاز اور لہسن کھائی تو وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الثوم، صفحہ 604 رقم الحدیث 3827 : دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، مشکوۃ المصابیح صفحہ 70)

اور فرمایا: ان کنتم لابد آکلیهما فامیتوهما طبخا

یعنی اگر کھانا ہی چاہتے ہو تو پکا کر ان کی بُو دور کر لو۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الثوم، صفحہ 604، رقم الحدیث 3827 : دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، مشکوۃ المصابیح صفحہ 70)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

هر چه بوئے ناخوش دارد از ماکولات وغیر ماکولات دریں حکم داخل ست

یعنی ہر وہ چیز کہ جس کی بو ناپسند ہو، اس حکم میں داخل ہے خواہ وہ کھانے والی چیزوں سے ہو یا نہ ہو۔

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 328)

غمز عیون البصائر میں ہے:

لأن تنظيف المسجد واجب

یعنی اس لئے کہ مسجد کو صاف ستھرا رکھنا واجب ہے۔

(غمز عیون البصائر، الفن الثانی، القول فی احکام المسجد، جلد 4 صفحہ 53، 54، 55 دار الکتب العلمیہ بیروت)

البحر الرائق میں ہے:

إنما الحرمة للمسجد ولكون المسجد يصان عن القاذورات ولو كانت طاهرة

یعنی بیشک یہ مسجد کی حرمت کی وجہ سے ہے تا کہ مسجد کو ہر قسم کی گندی چیزوں سے بچایا جائے اگرچہ وہ چیزیں پاک ہی کیوں نہ ہو۔

(البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، جلد 2 صفحہ 61 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مُنہ میں بدبُو ہونے کی حالت میں (گھر میں پڑھی جانے والی) نَماز بھی مکروہ ہے اور ایسی حالت میں مسجد جانا حرام ہے جب تک مُنہ صاف نہ کرلے۔ اور دوسرے نَمازی کو اِیذا پہنچنی حرام ہے، اور دوسرا نَمازی نہ بھی ہو تو بھی بدبُو سے ملائکہ کو اِیذا پہنچتی ہے۔

حدیث میں ہے:

جس چیز سے انسان تکلیف مَحسوس کرتے ہیں فِرشتے بھی ان سے تکلیف مَحسوس کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم صفحہ 282 رقم الحدیث 564 :) (فتاویٰ رضویہ جلد 7 صَفْحَہ 384 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مزید ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

جس کے بدن میں بدبو ہو کہ اُس سے نَمازیوں کو اِیذا ہو مَثَلاً مَعَاذَ اللہ عَزَّ وَجَلَّ گندہ دَھَن (یعنی جس کو مُنہ سے بدبو آنے کی بیماری ہو)، گندہ بَغَل (یعنی جس کے بغل سے بدبو آنے کا مرض ہو) یا جس نے خارِش وغیرہ کے باعِث گندھک ملی (یا کوئی سا بدبودار مرہم یا لوشن لگایا) ہو اُسے بھی مسجد میں نہ آنے دیا جائے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 8 صفحہ 72 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد میں کچّا لہسن اور کچّی پیاز کھانا یا کھا کر جانا جائز نہیں جب تک کہ بو باقی ہو اور یہی حکم ہر اُس چیز کا ہے جس میں بُو ہو جیسے گَندَنا (یہ لہسن سے ملتی جُلتی ترکاری ہے) مُولی، کچا گوشت اور مِٹّی کا تیل، وہ دِیا سَلائی جس کے رگڑنے میں بُو اُڑتی ہو، رِیاح خارِج کرنا وغیرہ وغیرہ۔ جس کو گندہ دَہنی کا عارِضہ (یعنی منہ سے بدبو آنے کی بیماری) یا کوئی بدبودار زَخم ہو یا کوئی بدبودار دوا لگائی ہو تو جب تک بُو مُنقَطِع (یعنی ختم) نہ ہو اُس کو مسجد میں آنے کی مُمانَعت ہے۔

(بہارِ شریعت جلد 1 صفحہ 648 مکتبۃ المدینہ کراچی)

فقیہِ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

معتکف بیڑی، سگریٹ، حقہ پینے کے لیے فنائے مسجد میں نکل سکتا ہے، اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

فنائے مسجد میں جو جگہ مسجد سے باہر اس سے ملحق ضروریات مسجد کے لئے مثلاً جوتا اتارنے کی جگہ اور غسل خانہ وغیرہ، ان میں جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔

(فتاوی امجدیہ صفحہ 399 جلد 1)

لیکن خوب منہ صاف کرنے کے بعد مسجد میں داخل ہو اس لئے کہ بیڑی اور سگریٹ وغیرہ کی بو جب تک باقی ہو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔

(فتاوی فیض رسول جلد اول صفحہ 535 شبیر برادرز لاہور)

5— امام کا مسجد میں اجازتِ شرعیہ کے بغیر دین کے کام کی مخالفت کرنا اور اس سے روکنے کی کوشش کرنا اور لڑائی جھگڑے اور فتنہ وفساد پیدا کرنا سخت ناجائز و گناہ ہے، امام پر لازم ہے کہ اس توبہ کرے اور اگر وہ اپنی اسی روش پر باقی رہے اور توبہ نہ کرے تو اہلِ محلہ کے لئے اس کا ساتھ دینا اور اس کے پیچھے نمازیں پڑھنا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ فقیہِ ملت مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جو شخص کہ کسی مسجد کو برباد کرنے کی کوشش کرے اور ازراہِ نفسانیت مصلیوں میں تفرقہ (پھوٹ) ڈالے، (تو) اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور جو لوگ ایسے شخص کا ساتھ دیں، (تو) وہ گناہگار ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ

(یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ"

ترجمہ: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

(پارہ 7، رکوع 14، سورۃ الانعام 68 :)، (فتاویٰ فیض الرسول جلد 1 صفحہ 327 شبیر برادرز لاہور)

6— رکوع سے اٹھنے کے بعد کبھی کبھار کپڑا جسم سے چپک جاتا ہے تو عملِ قلیل کے ساتھ اسے چھڑانے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ عمل مفید ہے اور ایک ہاتھ سے بآسانی ہو سکتا ہے، اس لیے اس میں دونوں ہاتھوں کا استعمال نہ کیا جائے لہٰذا اس موقع پر امام کا دوسرے ہاتھ کو استعمال کرنا بے فائدہ ہونے کی وجہ سے مکروہِ تنزیہی (یعنی شرعاً ناپسندیدہ) ہے لیکن امام گناہگار نہیں ہوگا اور اس کی نماز بھی ہو جائے گی۔

نوٹ: البتہ اگر دونوں ہاتھوں کا استعمال اس طرح کیا کہ دور سے دیکھنے والے کا ظنِ غالب یہی ہو کہ یہ امام نماز میں نہیں ہے تو

پھر امام کا یہ عملِ کثیر ہوگا اور اس کی نماز ٹوٹ ہو جائے گی۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولا باس بان ینفض ثوبه کیلا یلتف بجسده فی الرکوع

یعنی اور (نمازی کے لئے) اپنا کپڑا جھاڑنا تاکہ رکوع میں جسم سے نہ چپکے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 1 صفحہ 105 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال فی النهاية و حاصله ان كل عمل هو مفيد للمصلی فلا باس به. اصله ماروی ان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم عرق فی صلاته فسلت العرق عن جبینه ای مسحه لانه کان یوذیه فکان مفیدا و فی زمن الصیف کان اذا قام من السجود نفض ثوبه یمنة او یسرة لانه کان مفیدا کی لا تبقی صورة. فاما ما لیس بمفید فهو عبث

یعنی نہایہ میں فرمایا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر وہ عمل کہ جو نمازی کے لیے مفید ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کی اصل وہ ہے جو روایت کیا گیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز میں پسینہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسینہ پونچھ لیا یعنی اسے صاف کر دیا، کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف دے رہا تھا تو یہ (پسینہ صاف کرنا) مفید عمل تھا اور گرمی کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سجدہ سے قیام فرماتے تو دائیں یا بائیں طرف سے کپڑا چھڑا لیتے کہ یہ بھی مفید عمل تھا تاکہ جسم کی ہیئت ظاہر نہ ہو، رہا وہ عمل کہ جو مفید نہ ہو تو وہ عبث (فضول) ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 2 صفحہ 490 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ "بہارِ شریعت" میں نماز کے "مکروہاتِ تنزیہی" بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ہر وہ عملِ قلیل کہ مصلی (نمازی) کے لئے مفید ہو، جائز ہے اور جو مفید نہ ہو، مکروہ ہے۔

(بہارِ شریعت جلد 1 حصہ 3 صفحہ 631 مکتبۃ المدینہ کراچی)

7= سجدے میں جاتے وقت امام کا ایک ساتھ دونوں ہاتھوں سے شلوار اوپر کی طرف کھینچنا مکروہِ تحریمی (یعنی ناجائز و گناہ) ہے کیونکہ یہ کفِ ثوب (کپڑے لپیٹنے) میں داخل ہے، جس سے حدیثِ مبارکہ میں منع کیا گیا ہے اور ایسی نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے، جو امام ایسا کرتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور جو ایسی حالت میں اس کی پیچھے نمازیں پڑھیں گے ان کو

دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

یکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او لحیتہ او جسدہ و ان یکف ثوبہ بان یرفع ثوبہ من بین یدیہ او من خلفہ اذا ارادالسجود کذا فی معراج الدرایۃ

یعنی نمازی کے لئے اپنے کپڑے، داڑھی یا جسم کے ساتھ کھیلنا مکروہ ہے اور یوں کپڑا سمیٹنا کہ سجدہ کا ارادہ کرتے وقت اپنے آگے سے یا اپنے پیچھے سے اپنا کپڑا اٹھالے (یہ بھی مکروہ ہے) ایسے ہی "معراج الدرایہ" میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 1 صفحہ 105 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ "بہارشریعت" میں "مکروہات تحریمی" کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں:

کپڑا سمیٹنا، مثلاً سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے اٹھالینا، اگرچہ گرد سے بچانے کے لیے کیا ہو اور اگر بلاوجہ ہو تو اور زیادہ مکروہ ہے۔

(بہارشریعت جلد 1 حصہ 3 صفحہ 624 مکتبۃ المدینہ کراچی)

فقیہِ ملت مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کپڑا سمیٹنا جیسا کہ ناواقف لوگ سجدہ میں جاتے ہوئے آگے یا پیچھے کے کپڑے کو اٹھاتے ہیں، یہ مفسدِ نماز نہیں بلکہ مکروہِ تحریمی اور ناجائز ہے۔ جس نماز میں ایسا کیا گیا، اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

(فتاویٰ فیض الرسول جلد 1 صفحہ 276 شبیر برادرز لاہور)

8۔۔اگر واقعی امام کے نائب کا ذہنی توازن درست نہیں ہے اور وہ معتوہ (یعنی خفیف العقل) ہے تو ایسا شخص صحیح العقل مردوں کا امام نہیں بن سکتا، نہ اس کو امامت کے لیے مقرر کرنا جائز ہے اور نہ اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے اور جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھیں ہیں ان کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔

چنانچہ علامہ شیخ احمد طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولا تصح امامۃ المعتوہ وھو الذی ینسب الی الخزف

یعنی معتوہ کی امامت درست نہیں ہے اور یہ وہ ہوتا ہے جسے عقل کے فساد کی طرف منسوب کیا جاتا ہے (یعنی نیم پاگل)۔

(حاشیۃ طحطاوی علی مراقی الفلاح، جلد 1 صفحہ 391 المکتبۃ الغوثیہ)

غنیۃ المستملی میں ہے:

وکذا لا یجوز اقتداء العاقل بالمعتوہ

اور ایسے ہی عاقل کا معتوہ (یعنی خفیف العقل) کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

(غنیۃ المستملی المعروف بہ کبیری، صفحہ 477 بحوالہ حبیب الفتاوی صفحہ 216 شبیر برادرز لاہور)

حبیب الفتاوی میں ہے:

ایسا شخص (یعنی خفیف العقل) صحیح العقل مردوں کا امام نہیں ہوسکتا، ایسے امام کی قتداء جائز نہیں۔ لہذا امام مذکور کو ہرگز ہرگز امام نہ بنایا جائے، ان کے پیچھے جتنی نمازیں پڑھی گئیں، سب واجب الاعادہ ہیں۔

(حبیب الفتاوی صفحہ 215 شبیر برادرز لاہور)

9— مذکورہ امام کا مسجد میں سبزیاں لگا کر اور مسجد کے پانی سے سیراب کر کے انہیں اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ سبزیاں اب مسجد کی قرار پائیں گی اور انہیں بیچ کر ان کی قیمت کو مسجد پر خرچ کیا جائے گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

واذا غرس شجراً فی المسجد فالشجر للمسجد

یعنی اور جب کسی نے مسجد میں درخت لگائے تو درخت مسجد کے ہیں (درخت لگانے والے کے نہیں)۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، جلد 2، صفحہ 474 مطبوعہ دار الفکر)

امام فخر الدین ابوالمحاسن حسن بن منصور المعروف قاضیخان اوزجندی فرغانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولو غرس فی المسجد یکون للمسجد، لانہ لا یغرس لنفسہ فی المسجد

یعنی اور اگر کسی نے مسجد میں درخت لگایا تو درخت مسجد کا ہے، اس لیے کہ کوئی اپنے لیے مسجد میں درخت نہیں لگا سکتا۔

(فتاویٰ قاضیخان، کتاب الوقف، فصل فی الاشجار، جلد 3، صفحہ 118، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

مسجد فیہ شجرۃ التفاح، قال بعضھم یباح للقوم ان یفطروا بھذا التفاح، و الصحیح: انہ لا یباح، لان ذلک صار للمسجد یصرف الی عمارۃ المسجد

یعنی مسجد میں سیب کا درخت ہو تو بعض نے کہا کہ قوم (نمازیوں) کے لئے اس سیب کو کھانا مباح (جائز) ہے، اور صحیح یہ ہے کہ مباح نہیں ہے، اس لئے یہ مسجد کے لئے ہو گیا ہے، اسے مسجد کی عمارت پر خرچ کیا جائے گا۔

(فتاویٰ قاضی خان، کتاب الوقف،فصل فی الاشجار، جلد3،صفحہ118، دارالکتب)

صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد میں کسی نے درخت لگائے تو درخت مسجد کا ہے لگانے والے کا نہیں۔

مسجد میں انار یا امرود وغیرہ پھلدار درخت ہے، مصلیوں (نمازیوں) کو اسکے پھل کھانا جائز نہیں بلکہ جس نے بویا ہے وہ بھی نہیں کھا سکتا کہ درخت اُسکا نہیں بلکہ مسجد کا ہے، پھل بیچ کر مسجد پر صرف کیا جائے۔

(بہار شریعت جلد 2 حصہ 10 صفحہ 567 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مذکورہ امام اپنے تمام فسق وفجور سے توبہ کرلیتا ہے تو اسے امامت کے منصب پر برقرار رکھنا جائز ہے اور وہ ان تمام ناجائز باتوں سے باز نہیں آتا تو اسے امامت کے منصب سے معزول کرنا ضروری ہے، اور اگر اہلِ محلہ پھر بھی اسے امامت پر باقی رکھ کر اس کے پیچھے نمازیں ادا کریں گے تو سب گناہگار بھی ہوں گے اور اس کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کو دوبارہ پڑھنا بھی واجب ہوگا۔

لہٰذا اہلِ محلہ اور مسجد کی کمیٹی کو چاہیے کہ اپنی مسجد میں امام ایسے شخص کو بنائیں جو صحیح عقیدے والا سنی ہو، اس کی قراءت درست ہو، نماز اور طہارت کے مسائل کو جاننے والا ہو، فاسق وفاجر نہ ہو، نیک عمل کرنے والا ہو، شرعی معذور نہ ہو اور نہ اس میں ایسا کوئی روحانی وجسمانی عیب ہو کہ جس سے لوگوں کو گھن آئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یؤم فاجر مؤمناً الا ان یقھرہ بسلطان یخاف سیفہ او سوطہ

یعنی ہرگز کوئی فاسق کسی مؤمن کی امامت نہ کرے مگر یہ کہ وہ اس کو بادشاہ کے زور سے مجبور کردے کہ اس کی تلوار یا کوڑے کا خوف ہو۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب فی فرض الجمعۃ، صفحہ 176 دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

ایک اور مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم

یعنی تم اپنے نیک لوگوں کو اپنا امام مقرر کرو کیونکہ یہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان تمہارے وفد (وسائط) ہیں۔

(سنن دارقطنی جلد 2 صفحہ 88 مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

امام اُسے کیا جائے جو سنّی العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأۃ، مسائلِ نماز وطہارت کا عالم، غیر فاسق ہو نہ اُس میں کوئی ایسا جسمانی یا

روحانی عیب ہو، جس سے لوگوں کو تنفر ہو۔

(فتاوی رضویہ جلد 6 صفحہ 626 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

نوٹ: شرعی عذر کی وجہ سے جس شخص کی امامت کو لوگ ناپسند کرتے ہوں تو اس کا امامت کرنا مکروہِ تحریمی اور ناجائز و گناہ ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر قوم کی کراہت شرعی عذر کے بغیر ہو جیسا صالح اور عالم کی امامت کو اپنے بعض دنیوی تنازعے کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہوں یا غلام، نابینا وغیرہ کی امامت کو مکروہ سمجھتے ہوں حالانکہ وہ قوم سے افضل ہوں تو ایسی صورت میں قوم کی اپنی ناپسندیدگی کوئی معنی نہیں رکھتی لہذا ان افراد کی امامت میں وہ اثر نہ ہوگی، اگر کراہت کسی شرعی عذر سے ہو مثلاً امام فاسق یا بدعتی ہو یا چار مذکور افراد غلام، اعرابی، ولد الزنا اور نابینا دوسروں سے افضل و اعلم نہ ہوں یا قوم میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جس میں شرعی ترجیحات ہوں، مثلاً علم زیادہ رکھتا ہے، تجوید و قرأت کا ماہر ہے تو یہ خود امامت کے زیادہ لائق اور حقدار ہے ایسی صورت میں جس شخص کو امام بنانا قوم مکروہ جانے اس شخص کو امام بننا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد 6 صفحہ 471 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/26

تصدیق و تصحیح:

1 = ماشاء اللہ، بارک اللہ، آپ کا فتویٰ جو ایک امام کے مختلف احوال کے متعلق ہے کہ اس کے یہ افعال و احوال خلافِ شرع ہیں تو اس کے بارے میں جو شرعی حکم آپ سے پوچھا گیا تو اس پر آپ نے بہت جاندار اور شاندار، تحقیقی اور تفصیلی فتویٰ رقم فرمایا بر تقدیرِ صدقِ سائلان آپ کا یہ فتویٰ بالکل درست ہے، میں اس کی تائید و توثیق کرتا ہوں، ہاں خاص کسی امام کے نام سے ایسا مسئلہ آئے تو لازم ہے کہ مدعیان کو آپ بلا کر آپ شہادتِ شرعیہ طلب کریں، اور اگر وہ شہادت نہ دے سکیں تو مدعیٰ علیہ پہ حلف رکھا جائے اور پھر فیصلہ کیا جائے۔

مفتی و حکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

2۔۔۔استفتاء نمبر 80 کے جواب نمبر 2 میں ہمارے دارالافتاء کے مطابق عورت کو مسجد میں نماز کے لیے جانا جائز نہیں کیونکہ اس میں فتنہ کا ظن غالب ہے اور فقہ میں ظن غالب ملحق بالیقین ہے۔

باقی تمام جوابات صحیح ہیں۔

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

عورت کی امامت

استفتاء نمبر: 81

عورت کا دیگر عورتوں کی امامت کروانا کیسا ہے؟

سائلہ: ام عمارہ عطاریہ پنجاب پاکستان

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

کسی عورت کا دیگر عورتوں کی امامت کروانا خواہ فرائض میں ہو یا نوافل میں، مکروہِ تحریمی اور ناجائز و گناہ ہے۔

علامہ برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(ویکرہ للنساء أن یصلین وحدھن الجماعۃ) لانھا لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ (وإن فعلن قامت الإمام وسطھن) لان عائشۃ (رضی اللہ عنھا) فعلت کذلك وحمل فعلھا الجماعۃ علی ابتداء الاسلام ولان فی التقدم زیادۃ الکشف

یعنی اور عورتوں کے لئے (مردوں کے بغیر) اکیلے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ ان کا جماعت کروانا حرام (یعنی مکروہِ تحریمی) کے ارتکاب سے خالی نہ ہوگا اور وہ امام (عورت) کا صف کے درمیان کھڑا ہونا ہے پس یہ برہنہ لوگوں (کی جماعت) کی طرح مکروہ ہے، اور وہ ایسا کریں (یعنی اکیلے جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں) تو امام (عورت) دیگر عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہوگی، اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایسے ہی کیا تھا اور ان کے جماعت والے فعل کو ابتداءِ اسلام پر محمول کیا جائے گا اور اس لیے کہ (امام عورت کے) آگے ہونے میں بے پردگی کی زیادتی ہے۔

(الہدایہ جلد 1 صفحہ 125 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(یکرہ للنساء ان یصلین جماعۃ لانہن فی ذلک لا یخلون عن ارتکاب محرم) ای مکروہ لان امامتہن اما ان تتقدم علی القوم او تقف وسطہن، وفی الاول زیادۃ الکشف وھی مکروھۃ. وفی الثانی ترک الامام مقامہ وھو مکروہ والجماعۃ سنۃ وترک ما ھو سنۃ اولی من ارتکاب مکروہ

یعنی اکیلی عورتوں کے لئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس صورت میں عورتیں حرام (مکروہِ تحریمی) کے ارتکاب سے خالی نہ ہوں گی کیونکہ امام عورتوں کی امام نماز پڑھنے والیوں کے آگے ہوگی یا صف کے درمیان میں کھڑی ہوگی، پہلی صورت میں تو بے پردگی کی زیادتی ہے اور یہ مکروہ ہے اور دوسری صورت میں امام کا اپنی جگہ کو چھوڑنا ہے اور یہ بھی مکروہ ہے، اور جماعت سنت ہے اور مکروہ کا ارتکاب کرنے سے سنت کو چھوڑ دینا اولیٰ (بہتر) ہے۔

(فتح القدیر جلد 1 صفحہ 362 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ ابوبکر بن علی حداد رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(یکرہ للنساء ان یصلین وحدھن جماعۃ) یعنی بغیر رجال، وسواء فی ذلک الفرائض و النوافل والتراویح

یعنی اکیلے عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے یعنی مردوں کے بغیر اور یہ حکم فرائض، نوافل اور تراویح سب میں برابر ہے۔

(الجوھرۃ النیرۃ جلد 1 صفحہ 162 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ویکرہ امامۃ المراۃ للنساء فی الصلوۃ کلھا من الفرائض والنوافل، وصلوتھن فرادی افضل

یعنی اور عورت کا دیگر عورتوں کی امامت کرانا فرائض اور نوافل تمام نمازوں میں مکروہ ہے، اور عورتوں کا (باجماعت نماز ادا کرنے کے بجائے) تنہا نماز ادا کرنا افضل ہے۔

(فتاوی عالمگیری جلد 1 صفحہ 75 دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ شیخ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

(و کرہ جماعۃ النساء) تحریماً للزوم احد المحظورین قیام الامام فی الصف الاول و هو مکروہ او تقدم الامام و هو ایضاً مکروہ فی حقهن

یعنی عورتوں کی جماعت مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ اس سے دو ممنوع چیزوں میں سے ایک کے لازم ہونے کی وجہ سے، ایک امام (عورت) کا پہلی صف میں کھڑا ہونا اور یہ مکروہ ہے یا امام (عورت) کا آگے (امام کی جگہ پر) کھڑا ہونا اور یہ بھی عورتوں کے حق میں مکروہ ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح جلد 1 صفحہ 411 المکتبۃ الغوثیہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اور عورت و خنثیٰ عورت کے امام ہو سکتے ہیں، مگر عورت کو مطلقاً امام ہونا مکروہِ تحریمی ہے، فرائض ہوں یا نوافل پھر بھی اگر عورت عورتوں کی اِمامت کرے، تو امام آگے نہ ہو بلکہ بیچ میں کھڑی ہو اور آگے ہوگی جب بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

(بہار شریعت، امامت کا بیان، جلد 1 حصہ سوم صفحہ 569 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/23

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

امام اور مقتدیوں کی جگہ کا مختلف ہونا

استفتاء نمبر:82

اگر امام اکیلا مسجد کے ہال کے دروازے میں کھڑا ہو اور اس کے تمام مقتدی مسجد کے صحن میں کھڑے ہوں تو

اس طرح امامت کروانا کیسا ہے؟

سائل : محمد امین مدنی وہاڑی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق والصواب

اس مسئلے کی تین صورتیں بنتی ہیں:

1— اگر امام اکیلا مسجد کے ہال کے دروازے کے اندر مکمل طور پر اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے دونوں پاؤں بھی دروازے کے اندر ہوں اور تمام مقتدی مسجد کے صحن میں کھڑے ہوں تو اس طرح اس کا امامت کروانا مکروہِ تنزیہی ہے، کیونکہ اس صورت میں امام بنسبت تمام مقتدیوں کے ایک ایسے ممتاز (الگ) مقام میں (یعنی مسجد کے ہال کے دوروازے کے اندر مکمل طور پر) کھڑا ہوتا ہے جو ہیئت اور صورت کے اعتبار سے مقتدیوں کے مقام (یعنی مسجد کے صحن) سے مختلف ہے کیونکہ جب فقہاء کرام علیھم الرحمہ نے محراب اور مسجد کے ہال کو ہیئت اور صورت کے اعتبار سے دو الگ مکان قرار دیے ہیں تو مسجد کا ہال (جس کو مسجدِ شتوی بھی کہتے ہیں یعنی چھت والا حصہ) اور مسجد کا صحن (جس کو مسجدِ صیفی بھی کہتے ہیں یعنی چھت کے بغیر والا حصہ) تو بدرجہ اولیٰ ہیئت اور صورت کے اعتبار سے دو الگ مکان قرار پائیں گے تو جب ثابت ہوا کہ مسجد کا ہال اور مسجد کا صحن ہیئت اور صورت کے اعتبار سے دو الگ مکان ہیں تو اس فرق کی وجہ سے اہلِ کتاب کے ساتھ امرِ مذموم میں مشابہت لازم آئے گی کیونکہ اہلِ کتاب اپنے امام کو مقتدیوں کے مکان سے الگ دوسرے مخصوص مکان میں کھڑا کرتے ہیں تو اس مشابہت کی وجہ سے امام کا مکمل طور پر مسجد کے ہال کے دوروازے کے اندر کھڑا ہونا مکروہِ تنزیہی ہوگا۔

یاد رہے کہ مسجد کا ہال (یعنی مسجدِ شتوی) اور مسجد کا صحن (یعنی مسجدِ صیفی) صرف ہیئت اور صورت کے اعتبار سے دو الگ مکان ہیں لیکن دونوں درحقیقت ایک ہی مکان ہیں، اس لئے امام کا تنہا مکمل طور پر دروازے کے اندر کھڑا ہونا مکروہِ تنزیہی ہے ورنہ اگر مسجد کا ہال اور مسجد کا صحن درحقیقت دو الگ مکان ہوتے تو ایسی الگ جگہ پر کھڑے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نماز ہی نہ ہوتی کیونکہ امام اور مقتدی کے مکان کا درحقیقت ایک ہونا اقتداء کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔

2— اگر امام کے پاؤں مسجد کے ہال سے باہر، صحن میں ہوں تو پھر اس طرح امامت کروانا مکروہِ تنزیہی بھی نہیں ہوگا کیونکہ اصل میں اعتبار پاؤں کا ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب نیچے درمختار کی عبارت سے اس پر صراحت آئے گی۔

3— اگر مسجد کے ہال میں امام کے ساتھ مقتدیوں کی ایک صف کھڑی ہو جاتی ہے تو بھی امامت کروانا مکروہِ تنزیہی نہیں ہوگا کیونکہ صرف امام کا مکان مقتدیوں کے مکان سے ممتاز نہیں ہوا۔

چنانچہ تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(وقیام الامام فی المحراب لاسجود فیه) وقدماه خارجه لان العبرة للقدم (مطلقاً) وان لم یشتبه حال الامام ان علل بالتشبه وان بالاشتباه ولا اشتباه فلا اشتباه فی نفی الکراهة

یعنی اور امام کا (مکمل طور پر) محراب میں کھڑا ہونا (مکروہِ تنزیہی ہے) نہ یہ کہ امام کا سجدہ محراب میں ہو اور امام کے قدم محراب سے باہر ہوں (کہ یہ مکروہِ تنزیہی نہیں ہے) اس لیے کہ قدم کا اعتبار ہوتا ہے۔ (یہ مکروہ ہونا) مطلقاً (یعنی کسی قید کے) ہے اگرچہ امام کا حال (اہلِ کتاب سے) مشابہ نہ ہو، اگر (مکروہ ہونے کی) علت، مشابہ ہونے کے کو قرار دیا جائے۔ اور اگر (مکروہ ہونے کی) علت (مقتدیوں پر امام کی حالت کا) مشتبہ ہونا قرار دیا جائے اور (امام کی حالت مقتدیوں پر) مشتبہ نہ ہو تو مکروہ ہونے کی نفی میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

(درمختار معہ ردالمحتار جلد دوم صفحہ 499,500 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

خاتم المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ درمختار کی عبارت "ان علل بالتشبہ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"قوله: (ان علل بالتشبه الخ) قید للکراهة. وحاصله: انه صرح محمد فی الجامع الصغیر بالکراهة ولم یفصل، فاختلف المشایخ فی سببها: فقیل کونه یصیر ممتازا عنهم فی المکان، لان المحراب فی معنی بیت آخر وذلك صنیع اهل الکتاب، واقتصر علیه فی الهدایة واختاره الامام السرخسی وقال: انه الاوجه: وقیل اشتباه حاله عن من فی یمینه و یساره فعلی الاول یکره مطلقاً وعلی الثانی لایکره عند عدم الاشتباه. و اید الثانی فی الفتح بان امتیاز الامام فی المکان مطلوب، و تقدمه واجب و غایته اتفاق الملتین فی ذلك، وارتضاه فی الحلیة و ایده. لکن نازعه فی البحر بان مقتضی ظاهر الروایة الکراهة مطلقا، و بان امتیاز الامام المطلوب حاصل بتقدمه بلا وقوف فی مکان آخر، ولهذا قال فی الولوالجیة وغیرها: اذا لم یضق المسجد بمن خلف الامام لاینبغی له ذلك، لانه یشبه تباین المکانین انتهی. یعنی و حقیقة اختلاف المکان تمنع

الجواز فشبهه الاختلاف توجب الكراهة، و المحراب و ان كان من المسجد فصورته و هيئته اقضت شبهة الاختلاف اه. ملخصاً.

قلت: أى لأن المحراب إنما بنى علامة لمحل قيام الإمام ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة، لا، لأن يقوم فى داخله، فهو وإن كان من بقاع المسجد لكن أشبه مكاناً آخر، فأورث الكراهة، و لا يخفى حسن هذا الكلام، فافهم، لكن تقدم أن التشبه إنما يكره فى المذموم و فيما قصد به التشبه لا مطلقاً، و لعل هذا من المذموم. تأمل. هذا و فى حاشية البحر للرملى :الذى يظهر من كلامهم أنها كراهة تنزيه. تأمل اه؟.

تنبیہ:

فى معراج الدراية من باب الإمامة :الأصح ما روى عن أبى حنيفة أنه قال :أكره للإمام أن يقوم بين الساريتين أو زاوية أو ناحية المسجد أو إلى سارية لأنه بخلاف عمل الأمة اه.؟و فيه أيضاً :السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد و هى قد عينت لمقام الإمام اه؟.و فى التتارخانية :و يكره أن يقوم فى غير المحراب إلا لضرورة اه؟.و مقتضاه أن الإمام لو ترك المحراب و قام فى غيره يكره و لو كان قيامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة، و هو ظاهر فى الإمام الراتب دون غيره و المنفرد، فاغتنم هذه الفائدة فإنه وقع السؤال عنها و لم يوجد نص فيها"

یعنی علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

(اگر تشبہ کو علت قرار دیا جائے۔آخر تک) یہ مکروہ ہونے کیلئے قید ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے "الجامع الصغیر" میں مکروہ ہونے کی صراحت (تو) فرمائی ہے (لیکن) تفصیل بیان نہیں فرمائی، پس (تفصیل نہ کرنے کی وجہ سے) مشائخ نے مکروہ ہونے کے سبب میں اختلاف کیا، بعض مشائخ نے فرمایا :امام کا مقتدیوں سے مکان میں ممتاز ہونا کیونکہ محراب ایک معنی میں دوسرا مکان ہے اور یہ اہلِ کتاب کا طریقہ ہے، اور ہدایہ میں اس (سبب کے بیان کرنے) پر اقتصار فرمایا اور اس کو امام سرخسی رحمہ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا اور فرمایا" :بیشک یہی اَوْجَہ ہے۔

اور بعض مشائخ نے فرمایا :امام کے دائیں بائیں کھڑے ہونے والے مقتدیوں پر امام کی حالت کا مشتبہ (مشکوک) ہوجانا تو پہلی علت کی بنیاد پر مطلقاً مکروہ ہے اور دوسری علت کی بنیاد پر اشتباہ نہ ہونے کے وقت مکروہ نہیں ہے ۔ ''فتح القدیر'' میں دوسری علت کی تائید کی گئی ہے اس بات کے ساتھ کہ امام کا مکان میں ممتاز ہونا (شرعاً) مطلوب ہے اور امام کا آگے بڑھنا واجب ہے اور اس کی غایت یہ ہے کہ اس مسئلے میں دوملتوں (اہل اسلام اور اہل کتاب) کا اتفاق ہے اور ''حلیہ'' میں اس کو پسند فرمایا اور اس کی تائید کی، لیکن بحر الرائق میں اس کی مخالفت کی ہے اس بات کے ساتھ کہ ظاہر الروایہ کا مقتضیٰ مطلقاً مکروہ ہونا ہے اور اس بات کے ساتھ کہ امام کا آگے بڑھنا جو (شرعاً) مطلوب ہے وہ کسی دوسرے مکان میں ٹھہرے بغیر اس کے آگے بڑھنے سے حاصل ہورہا ہے اور اسی وجہ سے ولوالجیہ وغیرہ میں فرمایا" :جب مسجد، ان کی وجہ سے جو امام کے پیچھے ہیں (یعنی مقتدیوں کی وجہ سے) تنگ نہ ہو تو امام کیلئے یہ (یعنی محراب کے علاوہ میں کھڑا ہونا) مناسب نہیں ہے، اس لئے یہ دومختلف مکانوں کے مشابہ ہے". (ولوالجیہ وغیرہ کی عبارت ختم ہوئی) . یعنی اگر حقیقی طور پر مکان مختلف ہوجائے تو یہ (نماز کے) جائز ہونے کو روک دے گا پس مکان مختلف ہونے کا شُبہ (شک) مکروہ ہونے کو ثابت کرے گا اور محراب اگرچہ مسجد میں سے ہے لیکن اس کی صورت وہیئت مکان مختلف ہونے کے شبہ کا تقاضہ کرتی ہے۔

میں نے کہا :یعنی اسلیے کہ محراب کو امام کے کھڑا ہونے کی جگہ کے لئے علامت بنایا گیا ہے تا کہ امام کا کھڑا ہونا صف کے درمیان ہو جیسا کہ یہی سنت ہے، اس لیے محراب کو نہیں بنایا گیا کہ امام محراب کے اندر کھڑا ہوجائے ,پس وہ (محراب) اگرچہ مسجد کا ایک حصہ ہے لیکن دوسرے مکان کے مشابہ ہے پس اس (مشابہت) نے کراہت کو پیدا کردیا (یعنی مکروہ ہونے کو ثابت کردیا) اور اس کلام کا حسن پوشیدہ نہیں ہے، پس تو (اچھی طرح) سمجھ لے لیکن (یہ کلام پہلے) گزر چکا کہ بے شک (اہلِ کتاب کے ساتھ) تشبہ، مذموم امر میں ہی مکروہ ہے اور امر مذموم اسی صورت میں ہے جب اس کے ساتھ تشبہ کا ارادہ کیا جائے، نہ کہ مطلقاً اور شاید یہ (امام کا مکمل محراب میں کھڑا ہونا) مذموم امر میں سے ہے۔ (خوب غور کرلیجیے) بحر الرائق پر خیر الرملی کے حاشیہ میں ہے : "علماء کرام کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکروہِ تنزیہی ہے". (خوب غور کرلیجیے)

تنبیہ:

''معراج الدرایۃ'' میں باب الامامۃ سے ہے :زیادہ صحیح وہی ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ :میں امام کے لئے مکروہ سمجھتا ہوں کہ وہ دوستونوں کے درمیان یا مسجد کے کسی گوشے میں یا کنارے میں یا کسی ستون کے پاس کھڑا ہو، اس لئے کہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے. اور اس میں یہ بھی ہے کہ :امام کا درمیانِ صف کے برابر (مقابل) میں کھڑا ہونا سنت ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ محرابیں مساجد کے درمیان میں ہی نصب کی جاتی ہیں اور یہ (محرابیں) امام کے

کھڑے ہونے کی جگہ کو معین کرتی ہیں۔اور ''تاترخانیہ'' میں ہے کہ :اور امام کے لیے بغیر ضرورت کے محراب کے علاوہ جگہ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ بیشک اگر امام محراب کو چھوڑ کر کسی اور جگہ میں کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہے اگر چہ اس کا کھڑا ہونا صف کے درمیان ہو،اس لئے کہ یہ امت کے عمل کے خلاف ہے اور یہ (مکروہ ہونے کا حکم) امامِ راتب کے حق میں ہے،اس کے علاوہ (دوسری جماعت کے) امام اور منفرد (علیحدہ نماز پڑھنے والے) کے لیے نہیں ہے،پس اس فائدے کو غنیمت سمجھیں،کیونکہ اس کے بارے میں سوال واقع ہوتا ہے مگر اس (جواب) کے متعلق صراحت (کسی اور کتاب میں) نہیں پائی گئی۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد دوم صفحہ 500 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فی الواقع امام کا بے ضرورت محراب میں کھڑا ہونا کہ پاؤں محراب کے اندر ہوں یہ بھی مکروہ (ہاں پاؤں باہر اور سجدہ محراب کے اندر ہو تو کراہت نہیں) اور امام کا در میں کھڑا ہونا بھی مکروہ مگر اسی طرح پاؤں باہر اور سجدہ در میں ہو تو کراہت نہیں بشرطیکہ در کی کرسی بلند نہ ہو ورنہ اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کے موضع سے چارہ گرہ سے زیادہ اونچی ہوئی تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوگی اور چارہ گرہ یا کم بلندی ممتاز ہوئی تو کراہت سے خالی نہیں۔

(فتاوی رضویہ،جلد 6،صفحہ 131،رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مفتی حبیب اللہ نعیمی اشرفی بھاگلپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد کے دو دروازوں کے بیچ والے دروازے میں یا مسجد کے کسی دروازہ میں یا دو ستون کے درمیان تنہا امام کا اس طرح کھڑا ہونا کہ اس کے دونوں قدم دروازوں اور ستونوں کے اندر ہوں،مکروہِ تنزیہی ہے،خواہ وہ دروازے یا ستون اینٹ کے ہوں یا لکڑی کے یا لوہے یا پتھر وغیرہ کے ہوں۔

مزید آگے تحریر فرماتے ہیں:

اور امام کا تنہا دالان یا دالان کے چھجے کے اندر یا کسی قسم کی چھت کے اندر طریقہ مذکور پر کھڑا ہونا اور تمام مقتدیوں کا باہر کھڑا ہونا یہ بھی مکروہِ تنزیہی ہے،یہ مسئلہ بالتصریح کتب فقہیہ میں میری نظر سے نہیں گزرا لکن سمعت مرارا من سیدی وسندی واستاذی استاذ العلماء فخر الکملاء بدر الاماثل صدر الافاضل العلامہ السید نعیم الدین المرادابادی قدس سرہ العزیز (یعنی یہی مسئلہ میں نے اپنے استاذ صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے بار بار ایسے ہی سنا ہے.)

اب سوال آنے پر کتب فقہیہ کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اس فقہی جزئیہ سے مستنبط ہوتا ہے،جس میں بتایا گیا ہے کہ تنہا امام کا بتمامہ محرابِ مسجد میں اس طرح کھڑا ہونا کہ اس کے دونوں قدم محراب کے اندر ہوں،مکروہِ تنزیہی ہے۔

(حبیب الفتاویٰ صفحہ 347، 348 شبیر برادرز لاہور)

استاذ الفقہ والحدیث مفتی محمد ہاشم خان عطاری المدنی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

امامِ مسجد کا مکمل طور پر محراب کے اندر بلا ضرورت کھڑا ہونا یوں کہ پاؤں بھی محراب کے اندر ہوں، مکروہِ تنزیہی ہے۔

مزید آگے تحریر فرماتے ہیں:

یہی (مکروہِ تنزیہی والا) حکم اس صورت میں ہے جب امام کمرے میں اور مقتدی برآمدے میں ہو یا امام برآمدے میں اور مقتدی صحن میں ہوں یا امام مکمل طور پر پلر وں سے آگے اور تمام مقتدی پلر وں سے پیچھے ہوں۔

(فیضان فرض علوم جلد اول صفحہ 368 مکتبہ امام اہل سنت)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/10

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

2—آپ کا استفتاء نمبر 82 کہ اگر امام اکیلا مسجد کے ہال کے دروازے میں مکمل کھڑا ہو اور اس کے تمام مقتدی مسجد کے صحن میں ہوں تو اس میں کراہت ہے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب لکھا کہ محض کراہت تنزیہی ہے یعنی یہ شرعاً جائز ہے، اس کے جملہ حوالہ جات اور آپ کا فتویٰ بالکل درست ہے، میں اس کی تائید وتوثیق کرتا ہوں.

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری

قعدہ کے بعد امام پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو تو اس کو لقمہ دینے کا حکم

استفتاء نمبر:83

امام نے چار رکعتی فرض نماز میں قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور بھول کر سیدھا کھڑا ہو گیا، مقتدی نے لقمہ دیا، امام لوٹ آیا اور سجدہ سہو کے

ساتھ نماز پوری کی تو اس صورت میں امام اور مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

سائل :ابوبکر عطاری مدنی انڈیا

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

پوچھی گئی صورت میں امام اور مقتدیوں کی نماز ہوگئی کیونکہ جب امام قعدہ اخیرہ کیے بغیر پانچویں رکعت کیلیے کھڑا ہوجائے تو اس صورت میں امام کو لقمہ دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی مصری شرنبلالی حنفی رحمۃ اللہ علیہ "نورالایضاح" میں تحریر فرماتے ہیں:

وان قام الأمام قبل القعود الاخير ساهيا انتظره المأموم

یعنی اور اگر امام قعدہ اخیرہ سے پہلے بھول کر (پانچویں رکعت کیلیے) کھڑا ہوجائے تو مقتدی امام کا انتظار کرے۔

اس عبارت کے تحت خود ہی علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ مراقی الفلاح میں تحریر فرماتے ہیں:

وسبح ليتنبه امامه

یعنی مقتدی تسبیح کہے(یعنی لقمہ دے) تا کہ وہ اپنے امام کو خبردار کرسکے۔

(نورالایضاح مع مراقی الفلاح صفحہ 167 مکتبۃ المدینہ کراچی)

نوٹ: بالکل یہی عبارت امداد الفتاح میں ہے اور علامہ سید احمد طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے "حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی" کے صفحہ 251 پر اسی بات کی تائید فرمائی ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/10/30

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

جن کے پیچھے نماز پڑھنا

استفتاء نمبر:84

کیا جن کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

سائل : عبدالحکیم

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

اگر جن انسانی صورت میں ظاہر ہوا ہوتو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز و درست ہے۔

چنانچہ علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وتصح امامة الجنی

یعنی اور جن کی امامت درست ہے۔

عمدۃ المحققین محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ علامہ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت "وتصح امامۃ الجنی" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

لانه مكلف، بخلاف الملك فانه متنفل وامامة جبريل لخصوص التعليم مع، احتمال الاعادة من النبی صلی الله علیه وآله وسلم

یعنی اسلیے کہ جن مکلف ہوتا ہے، بخلاف فرشتے کی امامت کے کیونکہ فرشتہ نفل پڑھنے والا ہوتا ہے، اور حضرت جبریل علیہ السلام کی امامت بالخصوص تعلیم کے لیے تھی، باوجود اس کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی طرف سے اعادہ کا بھی احتمال ہے۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد دوم صفحہ 345 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی ررحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جنّ نے اِمامت کی، اقتدا صحیح ہے اگر انسانی صورت میں ظاہر ہوا۔

(درمختار، ردالمحتار)، (بہارِ شریعت جلد اول حصہ سوم صفحہ 574 مکتبۃ المدینہ کراچی)

علامہ مفتی فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

شیخ ابوالبقا مکبری حنبلی سے جن کے متعلق سوال کیا گیا کہ اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

انہوں نے فرمایا:

درست ہے، کیونکہ یہ بھی مکلف ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ان کی طرف بھی مبعوث فرمائے گئے ہیں۔

مسئلہ: یہ اقتداء تب درست ہوگی، جب انسان کو جن کے امام ہونے کی اقتداء کا کامل علم ہو، صرف آواز سنے پر اقتداء درست نہیں ہوگی یعنی اگر وہ امامت کرانے والا جن نظر آ رہا ہو تو اقتداء درست ہوگی ورنہ نہیں۔

(جن ہی جن صفحہ 135 ناشر بزمِ فیضانِ اویسیہ (باب المدینہ) کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/01/05

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

مسافر پر جماعت واجب ہے یا نہیں

استفتاء نمبر :85

کیا مسافر پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے؟

سائل: شہزاد عطاری میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

نفسِ سفر جماعت کو چھوڑنے کے لئے عذر نہیں ہے بلکہ حرج اور مشقت ہی جماعت کو چھوڑنے کا اور جماعت کے معاف ہونے کا اصل سبب ہے لہذا اگر مسافر کو سفر میں اطمینان و سکون ہو تو پھر مسافر پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے مثلاً وہ شرعی مسافت طے کر کے کسی جگہ پر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کے ارادے سے رکا ہے اور وہاں پر اب اس کو قافلے اور گاڑی وغیرہ کے چلے جانے کا کوئی ڈر نہیں ہے اور حالتِ امن میں ہے تو اب جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اس پر واجب ہے اور اگر وہ ایسی جگہ پر ہے جہاں پر اس کو خوف و رواروی اور گھبراہٹ ہے مثلاً قافلے اور گاڑی وغیرہ کے چلے جانے کا خوف ہے تو ایسی صورت میں اس پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب نہیں ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے:

وارادة سفر

یعنی سفر کا ارادہ (بھی جماعت چھوڑنے کے اعذار میں سے ہے)۔

(درمختار مع ردالمحتار جلد 2 صفحہ 349 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مگر اس کے تحت خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قوله :(وارادة سفر) ای :واقیمت الصلاة ویخشی ان تفوته القافلة. بحر. واما السفر نفسه فلیس بعذر کما فی القنیة۔

(علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول سفر کا ارادہ جماعت چھوڑنے کے اعذار میں سے ہے) یعنی اس وقت ہے جب نمازِ (باجماعت) کھڑی ہو گئی ہو اور مسافر کو خوف ہو کہ اس سے (جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی وجہ سے) قافلہ چھوٹ جائے گا۔ بحر اور بہر حال نفسِ سفر (بذاتِ خود سفر) (جماعت چھوڑنے کے لیے) عذر نہیں ہے، جیسا کہ قنیہ میں ہے۔

(ردالمحتار جلد 2 صفحہ 349 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "فلیس بعذر کما فی القنیۃ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

اقول :لکن فی عمدة القاری باب فضل الجماعة آخر 2/ :690(ان الجماعة لا تتأکد فی حق المسافر لوجود المشقة) اه. و ان حمل هذا علی الفرار و ذلك علی القرار حصل التوفیق۔

میں (امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ:

عمدۃ القاری باب فضل الجماعۃ کے آخر میں جلد 2 صفحہ 690 پر ہے کہ:

مسافر کے حق میں مشقت کی وجہ سے جماعت مؤکد نہیں ہے، اور اگر اِس (عمدۃ القاری کے) قول کو رواروی و گھبراہٹ پر محمول کیا جائے اور اُس (ردالمحتار کے) قول کو اطمینان و سکون پر (محمول کیا جائے) تو (دونوں اقوال میں) موافقت حاصل ہو جائے گی۔

(جدالممتار علی ردالمحتار، جلد 3، صفحہ 276، مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/29

الجواب صحیح والمجیب نجیح فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

سفر میں سنتیں پڑھنے کا شرعی حکم

استفتاء نمبر:86

شرعی مسافر، سفر میں سنتیں پڑھے گا یا نہیں؟

سائل: عبداللہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق والصواب

شرعی مسافر، سفر میں سنتیں پڑھے گا یا نہیں، اس کی دو صورتیں ہیں:

1— اگر امن وسکون کی حالت میں ہو تو سنتیں پڑھے گا

2— اور اگر خوف وخطرے کی حالت میں ہو تو سنتیں معاف ہیں۔

1— چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

وبعضهم جوزوا للمسافر ترك السنن والمختار انه لا ياتی بها فی حال الخوف ویاتی بها فی حال القرار والامن هكذا فی الوجيز الكردری

یعنی بعض فقہائے کرام نے مسافر کے لیے سنتوں کو چھوڑنا جائز قرار دیا ہے اور مختار یہ ہے کہ خوف کی حالت میں سنتیں ادا نہ کرے اور قرار (سکون) اور امن کی حالت میں سنتوں کو ادا کرے، ایسے ہی "وجیز کردری" میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، جلد اول، صفحہ 139، مکتبہ دار الفکر بیروت)

2—علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وقال الهندوانی :الفعل حال النزول و الترك حال المسير، و فی التجنيس و المختار انه ان كان حال امن و قرار ياتی بها، لانها شرعت مكملات و المسافر اليه محتاج

یعنی اور امام ہندوانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ پڑاؤ کی حالت میں سنتیں ادا کرنا اور چلنے کی حالت میں سنتیں کو چھوڑنا ہے"۔ اور " تجنیس "میں ہے : مختار یہ ہے کہ اگر وہ (مسافر) امن اور قرار کی حالت میں ہوتو وہ سنتوں کو ادا کرے کیونکہ سنتوں کو (فرضوں کی) تکمیل کرنے والی کے طور پر مشروع کیا گیا ہے حالانکہ مسافر اس (تکمیل) کی جانب محتاج ہے۔

(البحر الرائق جلد دوم صفحہ 130 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

3—حلبی کبیر میں ہے:

و يرخص للمسافر ترك السنن و قيل لا و الاعدل ما قاله الهندوانی ان فعلها افضل حالة النزول و الترك افضل حالة السير الا سنة الفجر

یعنی مسافر کیلیے سنتوں کو چھوڑنے کی رخصت ہے اور بعض علماء نے کہا کہ سنتیں چھوڑنے کی رخصت نہیں اور سب سے زیادہ انصاف والی بات وہ ہے جو امام ہندوانی علیہ الرحمۃ نے فرمائی کہ اس (مسافر) کا نزول (منزلِ مقصود پر ٹھہرنے) کی حالت میں سنتوں کو ادا کرنا افضل ہے اور سیر (چلنے) کی حالت میں سنتوں کو چھوڑنا افضل ہے سوائے فجر کی سنتوں کے۔

(حلبی الکبیر صفحہ 244)

4—صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

سنتوں میں قصر نہیں بلکہ پوری پڑھی جائیں گی، البتہ خوف اور رواروی کی حالت میں ہو معاف ہیں، اور امن کی حالت میں پڑھی جائیں گی۔

(بہار شریعت، جلد اول، حصہ چہارم، صفحہ 744، مکتبۃ المدینہ کراچی)

5—شیخِ طریقت امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

سنتوں میں قصر نہیں بلکہ پوری پڑھی جائیں گی، خوف اور رواروی (یعنی بھاگم بھاگ، گھبراہٹ) کی حالت میں سنتیں معاف ہیں اور امن کی حالت میں پڑھی جائیں گی۔

(مسافر کی نماز صفحہ 13 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/11

تصدیق وتصحیح:

1—آیا مسافر سنتیں ادا کرے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں استفتاء نمبر 86 کا جواب، جو آپ نے بصورتِ فتوی رقم فرمایا ہے، وہ بالکل درست ہے، بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری

2—الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم دار الحدیث ودار الافتاء جامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان (کراچی)

ایک شخص کا خطبہ پڑھنا اور دوسرے کا امامت کروانا

استفتاء نمبر :87

اگر ایک شخص جمعہ کا خطبہ پڑھے اور دوسرا شخص جمعہ کی نماز پڑھائے، تو ان کا ایسا کرنا کیسا ہے؟ اور اس طرح کرنے سے جمعہ کی نماز ہو گی یا نہیں؟

سائل: غلام رسول

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر ایک شخص (یعنی خطیب) جمعہ کا خطبہ پڑھے اور دوسرا شخص خطیب کی اجازت سے جمعہ کی نماز پڑھائے تو ان کا ایسا کرنا بالکل بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، اور اس طرح کرنے سے جمعہ کی نماز بھی ہو جائے گی، البتہ بہتر ومناسب یہی ہے کہ جو شخص جمعہ کا خطبہ پڑھے، وہی شخص جمعہ کی نماز بھی پڑھائے کیونکہ جمعہ کا خطبہ اور نماز دونوں ایک چیز کی طرح ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

لاینبغي أن یصلی غیر الخطیب. لأن الجمعة مع الخطبة کشيءٍ واحد فلا ینبغي ان یقیمها اثنان، وإن فعل اه۔ وهذا یکون باستخلاف مع الخطیب؛ ثم قال ایضا :خطب صبي بأذن السلطان و صلی بالغ جاز، کذا في الخلاصة اه۔

یعنی خطیب کے علاوہ کسی اور کا نماز پڑھانا مناسب نہیں ہے کیونکہ جمعہ، خطبہ کے ساتھ ایک ہی چیز کی طرح ہے، پس مناسب نہیں ہے کہ اس کو دو شخص قائم کریں، اور اگر خطیب کے علاوہ کسی اور شخص نے جمعہ پڑھایا تو (بھی) جائز ہے. اور یہ خطیب کے خلیفہ بنانے کی طرح ہے؛ پھر انہوں نے یہ بھی فرمایا :(اگر) بادشاہ کی اجازت کے ساتھ سمجھدار بچے نے خطبہ پڑھا اور بالغ نے نماز پڑھائی تو جائز ہے، ایسے ہی "الخلاصة" میں ہے۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد 3 صفحہ 12 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ شیخ احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وفي القنیة :واتحاد الخطیب والإمام لیس بشرط علی المختار نهر

وفي الذخیرة :لو خطب صبي عاقل وصلی بالغ جاز لکن الاولی الاتحاد کما في شرح الآثار۔"

یعنی "القنیۃ" میں ہے : مختار قول پر خطیب اور امام کا ایک ہونا، شرط نہیں ہے (نھر)۔

اور "الذخیرہ" میں ہے :اگر سمجھدار بچے نے خطبہ دیا اور بالغ نے نماز پڑھائی تو جائز ہے، لیکن (امام و خطیب کا) ایک ہونا اولیٰ (بہتر) ہے جیسا کہ "شرح الآثار" میں ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، جلد دوم صفحہ 120 المکتبۃ الغوثیہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جس نے خطبہ پڑھا وہی نماز پڑھائے، دوسرا نہ پڑھائے اور اگر دوسرے نے پڑھا دی جب بھی ہو جائے گی جبکہ وہ ماذون ہو (یعنی اسے اجازت دی گئی ہو)۔ یوہیں اگر نابالغ نے بادشاہ کے حکم سے خطبہ پڑھا اور بالغ نے نماز پڑھائی، جائز ہے۔

(درمختار، ردالمحتار) (بہار شریعت جلد اول حصہ چہارم صفحہ 776 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/01/04

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

جمعہ کے بعد والی دو رکعتیں مؤکدہ ہیں یا غیر مؤکدہ

استفتاء نمبر:88

جمعہ کی بعد والی دو رکعتیں سنتِ مؤکدہ ہیں یا غیر مؤکدہ؟

سائل: محمد شفیق عطاری فیصل آباد

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملک الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

راجح قول کے مطابق جمعہ کی بعد والی دو رکعتیں سنتِ غیر مؤکدہ ہیں، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سنتِ مؤکدہ ہیں تو احتیاط اور بہتری اسی میں ہے کہ ان کو بلا ضرورت نہ چھوڑا جائے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدھا اربعا

یعنی جب تم میں سے کوئی ایک جمعہ پڑھ لے تو چاہیے کہ وہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھ لے۔

(صحیح مسلم، باب فی استحباب اربع رکعات اوالرکعتین بعد الجمعۃ، جلد 1 صفحہ 288، مشکوٰۃ المصابیح، باب السنن وفضائلھا، الفصل الاول، رقم الحدیث 1098)

اس حدیثِ مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ حدیث امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کی دلیل ہے کہ بعدِ جمعہ چار سنت مؤکدہ ہیں، امام یوسف (رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاں چھ۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد دوم صفحہ 218 قادری پبلشرز لاہور)

شارحِ بخاری فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

اور اسی میں احتیاط ہے کہ (جمعہ کے بعد) چھ (رکعتیں) پڑھی جائیں تا کہ تمام احادیث پر عمل ہوجائے، یہی ہمارا مختار ہے۔
(نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد دوم صفحہ 563 فرید بک سٹال لاہور)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما السنة قبل الجمعة وبعدها فقد ذكر في الأصل :وأربع قبل الجمعة، وأربع بعدها، وكذا ذكر الكرخي، وذكر الطحاوي عن أبي يوسف أنه قال :يصلي بعدها ستاً، وقيل: هو مذهب علي رضي الله عنه- وما ذكرنا أنه كان يصلي أربعاً مذهب ابن مسعود۔
وأما بعد الجمعة فوجه قول أبي يوسف إن فيما قلنا جمعًا بين قول النبي صلى الله عليه وسلم وبين فعله؛ فإنه روى "أنه أمر بالأربع بعد الجمعة"، وروى أنه "صلى ركعتين بعد الجمعة"، فجمعنا بين قوله وفعله، قال أبو يوسف :ينبغي أن يصلي أربعاً، ثم ركعتين كذا روي عن علي رضي الله عنه كي لا يصير متطوعاً بعد صلاة الفرض بمثلها، وجه ظاهر الرواية ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال" :من كان مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً ."وما روي من فعله صلى الله عليه وسلم فليس فيه ما يدل على المواظبة، ونحن لا نمنع من يصلي بعدها كم شاء، غير أنا نقول :السنة بعدها أربع ركعات لا غير؛ لما روينا۔

یعنی اور بہر حال سنت، جمعہ سے پہلے اور، بعد تو تحقیق اصل میں ذکر فرمایا: کہ چار رکعت جمعہ سے پہلے اور چار رکعت جمعہ کے بعد اور ایسے ہی امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا، اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر فرمایا کہ بیشک وہ فرماتے ہیں کہ: جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھے گا اور کہا گیا ہے کہ یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذھب ہے اور جو ہم نے ذکر کیا کہ وہ چار رکعت سنتیں پڑھے وہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذھب ہے۔

اور بہر حال جمعہ کے بعد (کی سنتوں میں) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل (اس میں جس کو ہم نے ذکر کیا ہے) وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور فعل دونوں کو جمع کرنا ہے کیونکہ روایت کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کا حکم دیا اور روایت کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے بعد دو رکعت سنتیں ادا فرمائیں تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور فعل کو جمع کر دیا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :

چاہیے کہ وہ (پہلے) چار رکعتیں پڑھے پھر دو رکعتیں، ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے تا کہ فرض نماز کے بعد اسی طرح نفل پڑھنے والا نہ ہو اور ظاہر الروایہ کی دلیل وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

جو جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ چار رکعت پڑھے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل سے روایت کیا گیا اس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو مواظبت پر دلالت کرے اور ہم منع نہیں کرتے جو چار رکعت کے بعد جتنی چاہے نماز پڑھے، مگر ہم کہتے ہیں کہ جمعہ کے بعد صرف چار رکعات سنت (مؤکدہ) ہیں بوجہ اس کے جس کو ہم نے روایت کیا ہے۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد اول صفحہ 285)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

سنتِ مؤکدہ یہ ہیں:

(۱) دو رکعت نماز فجر سے پہلے

(۲) چار ظہر کے پہلے، دو بعد

(۳) دو مغرب کے بعد

(۴) دو عشا کے بعد اور

(۵) چار جمعہ سے پہلے، چار بعد یعنی جمعہ کے دن جمعہ پڑھنے والے پر چودہ رکعتیں ہیں اور علاوہ جمعہ کے باقی دنوں میں ہر روز بارہ رکعتیں۔"

(بہار شریعت جلد اول حصہ چہارم صفحہ 663 مکتبۃ المدینہ کراچی)

معلوم ہوا کہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی راجح یہی ہے کہ جمعہ کے بعد والی دو سنتیں مؤکدہ نہیں بلکہ غیر مؤکدہ ہیں کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جمعہ والے دن سنتِ مؤکدہ چودہ رکعتیں ہیں یعنی دو سنتِ فجر، چار رکعت سنت جمعہ سے پہلے اور چار بعد میں، دو رکعت سنت، فرضِ مغرب کے بعد اور دو رکعت سنت، فرضِ عشاء کے بعد تو اس طرح ان کو جمع کیا جائے تو چودہ رکعتیں بنتی ہیں، اگر جمعہ کی دو سنتیں بھی مؤکدہ ہوتیں تو جمعہ والے دن کل سولہ رکعتیں سنتِ مؤکدہ بن جاتیں۔

فتاویٰ حنفیہ میں ہے:

اور (نمازِ جمعہ کی) دو بعد والی سنت غیر مؤکدہ ہے۔

(فتاویٰ حنفیہ جلد اول صفحہ 165 اکبر بک سیلرز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/06/08

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

جمعہ کے دن کی مبارک باد دینا

استفتاء نمبر: 89

جمعہ کے دن کی مبارک باد دینا کیسا ہے؟

سائل: محمد جنید رضا عطاری عیسیٰ خیل میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

جمعہ کے دن کی مبارک باد دینا بالکل جائز ہے کیونکہ:

پہلی بات:

تو یہ ہے کہ شریعت نے اس سے منع نہیں کیا اور جس کام سے شریعت منع نہ کرے، وہ کام بالکل جائز ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ، و مَا سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ مِمَّا عَفَا عَنْہُ

یعنی حلال وہ ہے جسے اللہ پاک نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ پاک نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی اختیار فرمائی (یعنی منع نہ فرمایا) تو وہ معاف ہے (یعنی اس کے کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔

(سنن ترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی لُبْسِ الفِرَاء، صفحہ 434، رقم الحدیث 1726: دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

دوسری بات:

یہ ہے کہ جمعہ کا دن ہمارے لیے مبارک اور اچھا ہے اور مبارک و اچھی بات کی مبارک باد دینے کی اصل صحیح حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

چنانچہ معراج کی رات جب نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا گزر آسمانوں سے ہوا تو انبیاءِ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ و السلام نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معراج پر مبارک باد پیش کی۔

چنانچہ حضرت مالک بن صعصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حدثهم لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِهِ فَانْطَلَقَ بِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ. قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ. قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ. قَالَ :نَعَمْ. قيل :مَرْحَبًا بِهِ فَنعم الْمَجِيء جَاءَ ففُتح فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا فِيهَا آدَمُ فَقَالَ :هَذَا أَبُوكَ آدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثمَّ قَالَ :مَرْحَبًا بالابن الصَّالح وَالنَّبِيّ الصَّالح ثمَّ صعد بِي حَتَّى السَّماءَ الثانيةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ. قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ. قِيلَ :وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ. قَالَ :نَعَمْ. قِيلَ :مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَفُتِحَ. فَلَمَّا خَلَصْتُ إِذَا يَحْيَى وَعِيسَى وَهُمَا ابْنَا خَالَةٍ. قَالَ :هَذَا يَحْيَى وَهَذَا عِيسَى فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا فَسَلَّمْتُ فَرَدَّا ثُمَّ قَالَا :مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ. ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ. قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ. قِيلَ :وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :نَعَمْ. قِيلَ :مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ ففُتح فَلَمَّا خَلَصْتُ إِذَا يُوسُفُ قَالَ :هَذَا يُوسُفُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ. ثُمَّ قَالَ :مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الرَّابِعَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ. قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ. قِيلَ :وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :نَعَمْ. قِيلَ: مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا إِدْرِيسُ فَقَالَ :هَذَا إِدْرِيسُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ :مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتَّى

أَتَى السَّمَاءَ الْخَامِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ. قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ : مُحَمَّدٌ. قِيلَ :وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :نَعَمْ. قِيلَ :مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَفتح فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا هَارُونُ قَالَ :هَذَا هَارُونُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ : مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ : مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ. قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ. قِيلَ :وهل أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ :مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا مُوسَى قَالَ :هَذَا مُوسَى فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ :مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِح فَلَمَّا جَاوَزت بَكَى قيل :مَا بيكيك؟ قَالَ :أَبْكِي لِأَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرَ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا مِنْ أُمَّتِي ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ.

قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ. قِيلَ :وهل أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :نَعَمْ. قَالَ :مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا مُوسَى قَالَ :هَذَا مُوسَى فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ :مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِح فَلَمَّا جَاوَزت بَكَى قيل :مَا بيكيك؟ قَالَ :أَبْكِي لِأَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرَ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا مِنْ أُمَّتِي ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ. قِيلَ : وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ. قِيلَ :وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ :نَعَمْ. قِيلَ :مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ :هَذَا أَبُوكَ إِبْرَاهِيمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فرد السَّلَام ثمَّ قَالَ :مَرْحَبًا بالابن الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ"

یعنی نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں اس رات کے متعلق خبر دی جس میں حضور کو معراج کرائی گئی۔ پھر مجھے جبرئیل علیہ السلام لے چلے حتی کہ وہ دنیا کے آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا کہا گیا کون فرمایا جبریل، کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے، فرمایا حضور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں، کہا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں ان کی خوش آمدید ہو وہ خوب آئے پھر دروازہ کھول دیا گیا، جب میں داخل ہوا تو وہاں جناب آدم علیہ السلام تھے کہا یہ تمہارے والد آدم علیہ السلام ہیں انہیں سلام کرو میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا، پھر فرمایا صالح فرزند صالح نبی تم خوب تشریف لائے پھر مجھے جبرئیل علیہ السلام اوپر لے گئے حتی کہ

دوسرے آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا، کہا گیا کون بولے میں ہوں جبریل، کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں، کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم، کہا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں، کہا خوش آمدید تم بہت ہی اچھا آنا آئے، پھر دروازہ کھول دیا گیا تو جب میں اندر پہنچا تو نا کہاں وہاں حضرت یحیی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام تھے وہ دونوں خالہ زاد ہیں جبریل علیہ السلام نے کہا یہ یحیی علیہ السلام ہیں یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں انہیں سلام کرو میں نے سلام کیا ان دونوں نے جواب دیا پھر کہا صالح بھائی صالح نبی آپ خوب آئے، پھر جبریل علیہ السلام مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے گئے دروازہ کھلوایا، کہا گیا کون وہ بولے جبریل علیہ السلام ہوں، کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے، کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں، کہا گیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں خوش آمدید تم خوب ہی آئے پھر دروازہ کھول دیا گیا جب میں داخل ہوا تو وہاں حضرت یوسف علیہ السلام تھے جبریل علیہ السلام نے کہا یہ یوسف علیہ السلام ہیں انہیں سلام کرو میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا پھر کہا صالح بھائی صالح نبی آپ خوب آئے پھر مجھے اوپر لے گئے حتی کہ چوتھے آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا گیا، کہا گیا کون ہیں فرمایا میں جبریل ہوں، کہا گیا تمھارے ساتھ کون ہے کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، کہا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے، کہا ہاں، کہا گیا خوش آمدید اچھا آنا آپ آئے، دروازہ کھولا گیا جب ہم اندر داخل ہوئے تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام تھے جبریل علیہ السلام نے کہا یہ ادریس علیہ السلام ہیں آپ انہیں اسلام کریں میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا کہا خوش آمدید اے صالح بھائی صالح نبی پھر مجھے اوپر چڑھایا گیا حتی کہ پانچویں آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا، کہا گیا کون ہے کہا میں جبریل علیہ السلام ہوں، کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کہا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں بلایا گیا ہے، کہا گیا خوش آمدید آپ اچھا آنا آئے دروازہ کھولا گیا جب میں اندر گیا تو وہاں حضرت ہارون علیہ السلام تھے جبریل علیہ السلام نے کہا یہ ہارون علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا پھر کہا خوش آمدید اے صالح بھائی صالح نبی پھر مجھے اوپر لے گئے حتی کہ چھٹے آسمان پر پہنچے دروازہ کھلوایا، کہا گیا کون ہے کہا میں جبریل علیہ السلام ہوں، کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں، کہا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں، کہا گیا خوش آمدید آپ اچھا آنا آئے دروازہ کھولا گیا میں جب اندر پہنچا تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے جبریل علیہ السلام نے کہا یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا پھر کہا خوش آمدید اے صالح بھائی صالح نبی جب وہاں سے آگے بڑھے تو وہ رونے لگے ان سے کہا گیا کیا چیز آپ کو رُلا رہی ہے فرمایا اس لیے کہ ایک فرزند میرے بعد نبی بنائے گئے ان کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں جائے گی پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف اٹھایا گیا جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا، کہا گیا کون ہے کہا میں جبریل علیہ السلام ہوں، کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہے، کہا حضور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں، کہا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے کہا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید آپ بہت اچھا آنا آئے، پھر جب میں وہاں داخل

ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں تھے جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے والد ابراہیم علیہ السلام ہیں آپ انہیں سلام کریں میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے جواب دیا پھر کہا خوب آئے اے صالح فرزند صالح نبی۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی المعراج، المجلد الثانی، صفحہ 423، 424، 425 رقم الحدیث 5861 : ملتقطاً المکتبۃ البشریٰ کراچی پاکستان)،

(صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلوات فی الاسراء، صفحہ 81، رقم الحدیث 349 : دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، صحیح مسلم)

تیسری بات:

یہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "وصول الامانی" میں درج ذیل عبارت سے بھی اس کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

قال القمولی فی الجواهر :لم أر لأصحابنا كلاما فی التهنئة بالعیدین والأعوام والأشهر كما یفعله الناس ورأیت فیما نقل من فوائد الشیخ زكی الدین عبد العظیم المنذری أن الحافظ أبا الحسن المقدسی سئل عن التهنئة فی أوائل الشهور والسنین أهو بدعة أم لا"؟

فأجاب بأن الناس لم یزالوا مختلفین فی ذلك.

قال :والذی أراه أنه مباح لیس بسنة ولا بدعلیه

ونقله الشرف الغزی فی شرح المنهاج ولم یزد علیه

یعنی (احمد بن محمد) قمولی (شافعی) رحمۃ اللہ علیہ نے "جواہر" میں فرمایا:

میں نے عیدین، سالوں اور مہینوں کی مبارکباد دینے کے بارے میں اپنے اصحاب کا کوئی کلام نہیں دیکھا جیسا کہ لوگ اسے کرتے ہیں (یعنی مبارکباد دیتے ہیں) اور میں نے اس میں دیکھا جس میں شیخ زکی الدین عبدالعظیم منذری کے فوائد سے نقل کیا گیا کہ بیشک حافظ ابوالحسن مقدسی رحمۃ اللہ علیہ سے مہینوں اور سالوں کی مبارکباد دینے کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا وہ بدعت ہے یا نہیں؟

تو جواب دیا کہ لوگ ہمیشہ اس بارے میں مختلف رہیں ہیں، (اور) فرمایا :اور وہ جسے میں خیال کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ (مبارکباد دینا) مباح (جائز) ہے، نہ سنت ہے اور نہ بدعت ہے۔

اوراس کو شرف غزی نے "شرح المنہاج" نقل فرمایا ہے اوراس پر زیادتی نہیں کی۔

(وصول الامانی باصول التھانی صفحہ 52،51)

لٰہذا ثابت ہوا کہ جمعہ کے دن کی مبارک باد دینا بالکل درست وجائز ہے اوراس سے روکنے والا جاہل واحمق ہے۔

والله اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلى الله عليه وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/01/22

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

حالت سفر میں قصر کی بجائے پوری نماز پڑھنا

استفتاء نمبر:90

اگر مسافر قصر کے بجائے پوری نماز پڑھ لے یعنی سفر میں چار رکعتی فرض نماز (یعنی ظہر، عصر یا عشاء) دو کے بجائے چار پوری پڑھ لے تو کیا حکم ہوگا؟

سائل: عبداللہ

بسمه تعالىٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

اگر کوئی 92 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کی نیت سے اپنے شہر یا گاؤں کی آبادی سے باہر نکل آئے تو وہ شرعی طور پر مسافر ہے اوراس پر قصر کرنا واجب ہے یعنی جو فرض نمازیں چار رکعت والی ہیں جیسے ظہر، عصر اور عشاء، ان کی چار رکعتوں کے بجائے دو رکعتین پڑھنا واجب ہے لہذا اگر کوئی مسافر دو کے بجائے چار پوری پڑھ لے تو پھر دو صورتیں ہیں کہ :

1۔ اگراس نے دوسری رکعت پر قعدہ کیا یعنی دوسری رکعت کے بعد التحیات پڑھنے کی مقدار بیٹھا تو فرض ادا ہو گئے لیکن گناہ گار بھی ہوگا اوراس نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب بھی ہوگا۔

2۔ اگر دوسری رکعت پر قعدہ نہ کیا تو فرض ادا نہ ہوئے اور وہ ساری نماز نفل ہو گئی لہذا دوبارہ نماز پڑھنا فرض ہوگا۔

البتہ مقیم امام کے پیچھے ظہر، عصر اور عشاء کی نماز پڑھنے کی صورت میں مسافر قصر کے بجائے پوری چار رکعتیں پڑھے گا۔

ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

من جاوز بیوت مصرہ مریدا سیرا وسطا ثلاثۃ ایام فی بر او بحر او جبل قصر الفرض الرباعی فلو اتم وقعد فی الثانیہ صح والالا

یعنی جو شخص خشکی یا دریا یا پہاڑ میں تین دن درمیانی چال کے ارادہ سے اپنے شہر کے گھروں سے تجاوز کر جائے (باہر نکل جائے) تو وہ چار رکعتی فرض نماز میں قصر کرے گا، پس اگر اس نے پوری نماز پڑھ لی اور دوسری رکعت پر قعدہ کیا تو نماز درست ہوگی ورنہ نہیں۔

(کنز الدقائق صفحہ 49، 50 ضیاء العلوم پبلیکیشنز راولپنڈی)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(فلو اتم مسافر ان قعد فی) القعدۃ (الأولی تم فرضہ و) لکنہ (أساء) لو عامداً لتاخیر السلام و ترک واجب القصر و واجب تکبیرۃ افتتاح النفل و خلط النفل بالفرض، و ھذا لایحل کما حررہ القھستانی بعد ان فسر "اساء" ب "اثم" و استحق النار (و ما زاد نفل) کمصلی الفجر اربعاً (وان لم یقعد بطل فرضہ) و صار الکل نفلا لترک القعدۃ المفروضۃ

یعنی پس اگر مسافر نے پوری (چار رکعتیں) پڑھیں، اگر وہ قعدہ اولیٰ میں بیٹھا تو اس کا فرض پورا ہو گیا لیکن وہ گناہگار ہوا، اگر جان بوجھ کر ایسا کیا سلام کو مؤخر کرنے، قصر کے واجب اور نفل شروع کرنے کی تکبیر کے واجب کو چھوڑنے اور نفل کو فرض کے ساتھ ملانے کی وجہ سے اور یہ حلال نہیں ہے جیسا کہ قہستانی نے تحریر فرمایا بعد اس کے کہ انہوں نے "اساء" کی تفسیر "اثم" کے ساتھ کی، اور وہ مستحقِ نار ہوا اور جو (دو رکعت سے) زائد نماز ادا کی وہ نفل ہو گئی جس طرح فجر کی نماز پڑھنے والا چار رکعتیں پڑھ لے اور اگر وہ (دوسری رکعت پر) نہ بیٹھا تو اس کے فرض باطل ہو گئے اور فرض قعدہ کو چھوڑنے کی وجہ سے ساری نماز نفل ہو گئی۔

(رد المحتار علی الدر المختار جلد 2 صفحہ 733، 734 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جس پر شرعاً قصر ہے اور اس نے جَہلاً (لاعلمی کی وجہ سے، پوری) پڑھی، اس پر مواخذہ ہے اور اس نماز کا پھیرنا (یعنی دوبارہ پڑھنا) واجب۔

(فتاوی رضویہ جلد 8 صفحہ 270 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسافر پر واجب ہے کہ نماز میں قصر کرے یعنی چار رکعت والے فرض کو دو پڑھے اس کے حق میں دو ہی رکعتیں پوری نماز ہے اور قصداً چار پڑھیں اور دو پر قعدہ کیا تو فرض ادا ہو گئے اور پچھلی دو رکعتین نفل ہوئیں مگر گنہگار و مستحق نار ہوا کہ واجب ترک کیا لہٰذا توبہ کرے اور دو رکعت پر قعدہ نہ کیا تو فرض ادا نہ ہوئے اور نماز نفل ہو گئی۔

(بہارِ شریعت جلد اول حصہ 4 صفحہ 743 مکتبۃ المدینہ کراچی)

شیخِ طریقت امیرِ اہلسنت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسافر اگر روزہ رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے مگر چار رکعت والی فرض نمازوں میں اُسے قَصر کرنا واجب ہے، نہیں کرے گا تو گناہگار ہوگا۔ اور قَصداً چار پڑھیں اور دو پر قَعدہ کیا تو فرض ادا ہو گئے اور پچھلی دو رَکعتیں نَفل ہو گئیں مگر گنہگار و عذابِ نار کا حقدار ہے کہ واجب ترک کیا لہٰذا توبہ کرے (اور نماز کا اعادہ بھی واجب ہے) اور دو رکعت پر قعدہ نہ کیا تو فرض ادا نہ ہوئے اور وہ نماز نفل ہو گئی۔

(فیضانِ رمضان مُرمَّم صفحہ 143 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/27

تصدیق و تصحیح:

الجواب الصحیح والمجیب مصیب

ابو الحسنین حکیم و مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

تہجد کے لیے سونے کی شرط

استفتاء نمبر:91

کیا نمازِ تہجد کے لیے نمازِ عشاء کے بعد سونا شرط ہے؟

سائل: عبیدالرحمن قادری

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب،اللھم ھدایة الحق و الصواب

تہجد کے لیے نمازِ عشاء پڑھنے کے بعد رات میں سونا شرط ہے اگر چہ کچھ دیر کے لیے ہی کیوں نہ ہو.

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

يحسب احدكم اذا قام من الليل يصلي حتى يصبح انه قد تهجد انما التهجد المرء يصلي الصلوٰة بعد رقدة

یعنی تم میں کسی کا یہ گمان ہے کہ رات کو اٹھ کر صبح تک نماز پڑھے جبھی تہجد ہو تہجد صرف اس کا نام ہے کہ آدمی ذرا سو کر نماز پڑھے۔

(المعجم الکبیر مروی از حجاج بن عمرو جلد 3 صفحہ 225 رقم الحدیث 3216 : مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اور نمازِ تہجد وہ نفل کہ بعد فرض عشا قدرے سو کر طلوعِ فجر سے پہلے پڑھے جائیں،

طبرانی حجاج بن عمرو رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے راوی۔

انما تهجّد المرء يصلي الصلوٰة بعد رقدة

قدرے سو کر آدمی جو نماز ادا کرے اسے تہجد کہا جاتا ہے.

معالم میں ہے:

التهجد لا يكون الا بعد النوم

تہجد سونے کے بعد ہی ہوتی ہے۔

(معالم التنزیل علی حاشیۃ الخازن تحت قولہ تعالیٰ ومن الیل فتہجد بہ جلد 4 صفحہ 174 مطبوعہ مصطفی البابی مصر)

حلیہ میں قاضی حسین سے ہے:

انہ فی الاصطلاح صلوۃ التطوع فی اللیل بعد النوم

اصطلاح میں رات کو سونے کے بعد نوافل کی ادائیگی کو تہجد کہا جاتا ہے۔

(حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی)

ولہذا ردالمحتار میں فرمایا:

صلوۃ اللیل و قیام اللیل اعم من التھجد

رات کی نماز اور قیام لیل تہجد سے عام ہے۔

(ردالمحتار مطلب فی صلوۃ اللیل جلد 2 صفحہ 24 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

یہ مستحب سے زائد نہیں ورنہ سونا بھی سنتِ موکدہ ہوجائے اور شب بیداری گناہ ٹھہرے کہ تہجد سنتِ موکدہ ہوئی اور وہ بے نوم حاصل نہیں ہوسکتی اور سنتِ مؤکدہ کا حصول جس پر موقوف ہے وہ سنتِ مؤکدہ ہے

لان حکم المقدمۃ حکم ماھی مقدمۃ لہ،

(کیونکہ مقدمہ کا حکم وہی ہوتا ہے جواس پر موقوف ہونے والے کا ہے۔)

اور سنتِ مؤکدہ کا ترک مطلقًا یا بعدِ عادت گناہ اور بعدِ اصرار کبیرہ شب بیداری کی غایت یہ تھی کہ مستحب ہوتی مگر جب وہ ترک سنتِ مؤکدہ کی موجب تو مستحب کیسی، مکروہ وممنوع ہونی لازم، کوئی مستحب کیسی ہی فضیلت والا ہو جب کسی سنتِ مؤکدہ کے فوت کا موجب ہو مستحب نہیں ہوسکتا مذموم ہوگا، ہمارے امامِ مذہب سیّدنا امام اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پینتالیس 45 برس عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی، کیا معاذ اللہ پینتالیس 45 سال کامل ترک سنتِ مؤکدہ پر اصرار فرمایا۔

(فتاوی رضویہ جلد 7 صفحہ 410، 411 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اسی طرح صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

صلاۃ اللیل کی ایک قسم تہجد ہے کہ عشا کے بعد رات میں سو کر اُٹھیں اور نوافل پڑھیں، سونے سے قبل جو کچھ پڑھیں وہ تہجد نہیں۔

(بہارشریعت جلد 1 صفحہ 677 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

تہجد کا وقت رات میں سو کر جاگنے سے شروع ہوتا ہے صبح صادق پر ختم مگر آخری تہائی رات میں پڑھنا بہتر ہے اور قبل تہجد عشا پڑھ کر سونا شرط ہے اور بعد تہجد کچھ سونا یا لیٹ جانا سنت ہے۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد 2 صفحہ 233)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/03/04

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

موبائل یا ٹیلی ویژن پر آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت کا حکم

استفتاء نمبر:92

کیا موبائل یا ٹیلی ویژن پر آیتِ سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے؟

سائل: عبد المصطفیٰ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

موبائل یا ٹیلی ویژن پر آیتِ سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے چاہے براہِ راست (Live) سنی جائے یا ریکارڈ شدہ سنی جائے.

کیونکہ یہ صدائے بازگشت (گونج) کے حکم میں ہے اور فقہاءِ کرام کے مطابق جو آیت سجدہ صدائے بازگشت سے سنی جائے اس سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا.

نوٹ: صدائے بازگشت سے مراد وہ آواز ہے، جو پہاڑ یا صحراء وغیرہ میں آپ کو آپ کی آواز کی طرح جواب دے.

چنانچہ تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(لا) تجب (بسماعہ من الصدی والطیر)

یعنی صدی (صدائے بازگشت، گونج) اور پرندے سے (آیتِ سجدہ) سننے کی وجہ سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔

(رد المحتار علی درمختار جلد 2 صفحہ 702 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قوله: (من الصدى) هو ما يجيبك مثل صوتك في الجبال والصحاري ونحوهما كما في الصحاح"

یعنی شیخ شمس الدین تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ کا قول صدی (یعنی صدائے بازگشت) سے مراد وہ آواز ہے ,جو پہاڑ یا صحراء وغیرہ میں آپ کو آپ کی آواز کی طرح جواب دے۔

(ردالمحتار جلد دوم صفحہ 702 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اللباب فی شرح الکتاب میں ہے:

فلو سمعها من طير او صدى لا تجب عليه

یعنی پس اگر کسی نے آیتِ سجدہ پرندے یا صدائے بازگشت سے سنی تو اس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔

(اللباب فی شرح الکتاب جلد اول صفحہ 103 بیروت)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یونہیں پرندے سے آیتِ سجدہ سنی یا جنگل اور پہاڑ وغیرہ میں آواز گونجی اور بجنسہ آیت کی آواز کان میں آئی تو سجدہ واجب نہیں۔

(بہارِ شریعت جلد اول حصہ چہارم صفحہ 730 مکتبۃ المدینہ کراچی)

فتاوی حنفیہ میں ہے:

موبائل پر آیتِ سجدہ سننے کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ ریکارڈ کی ہوئی آواز ہو

دوسری یہ کہ بات کرنے والا آیتِ سجدہ تلاوت کرے یا اس کے برابر میں کوئی شخص قرآن کی تلاوت کے دوران آیت سجدہ پڑھے اور اس کی آواز دوسری طرف موبائل سے بات کرنے والے کے کانوں میں پہنچے۔

احقر کے نزدیک دونوں صورتوں میں سجدہ تلاوت واجب نہیں ,اس لئے کہ ریکارڈ سے سننا اور موبائل سے سننا دونوں سماعِ معاد کے حکم میں ہیں اور سماعِ معاد (صدائے بازگشت) پر سجدہ واجب نہیں .

حضور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سجدہ سماعِ اول پر ہے نہ معاد پر، اگرچہ اس سامع کی نظر سے مکرر نہ ہو۔

(الکشف شافیا فتاوی رضویہ) (فتاوی حنفیہ صفحہ 210, 211 اکبر بک سیلر لاہور)

دارالافتاء اہلسنت کے ایک فتوے میں ہے:

ٹیلی ویژن پر سجدہ تلاوت (والی آیت) سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

اَبُواُسَید عُبَید رَضا مَدنی

2019/06/18

1۔ تصدیق وتصحیح:

آیت سجدہ کے حوالے سے آپ کا یہ فتوی بالکل درست ہے اور میں اس سے متفق ہوں.

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

2۔ تصدیق وتصحیح:

(آپ کا جواب) ٹھیک ہے.

واللہ تعالی ورسولہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اعلم بالصواب

مفتی عطاء المصطفی اعظمی صاحب آف کراچی

کتاب الجنائز (جنازے کا بیان)

چھوٹے بچے کا کفن

استفتاء نمبر: 93

پانچ (5) دن کے بچے کو کتنا کفن دینا چاہیے؟

سائل: ساجد عطاری میاں چنوں

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق و الصواب

پانچ (5) دن کے بچے کو پورا کفن دینا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کو ایک کپڑے میں بھی کفن دے سکتے ہیں مگر اسے دو کپڑوں میں کفن دینا بہتر ہے اور سب سے بہتر یہی ہے کہ مکمل کفن دیا جائے یعنی تین کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

نابالغ اگر حدِ شہوت کو پہنچ گیا ہے جب اس کا کفن جوان مرد وعورت کی مثل ہے، اور یہ حکم یعنی حدِ شہوت کو پہنچنا پسر میں بارہ (12) اور دختر میں نو (9) برس کی عمر کے بعد نہیں رکتا، اور ممکن کہ کبھی اس سے پہلے بھی حاصل ہو جائے جبکہ جسم نہایت قوی اور مزاج گرم اور حرارت جوش پر ہو۔ لڑکوں میں یہ اُس کا عورتوں کی طرف رغبت کرنے لگے اور لڑکیوں میں یہ کہ اُسے دیکھ کر مردوں کو اس کی طرف میل پیدا ہو۔ جو بچّے اِس عُمر وحالت کو نہ پہنچیں اُن میں پسر (لڑکے) کو ایک اور دختر (لڑکی) کو دو کپڑوں میں کفن دیں تو کوئی حرج نہیں، اور پسر (لڑکے) کو دو (2)، دختر (لڑکی) کو تین (3) دیں تو اچھا ہے۔ اور دونوں کو پورا کفن مرد وعورت کا دیں تو سب سے بہتر۔

(فتاوی رضویہ، جلد 9، صفحہ 100، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اُسَید عبید رضا مدنی

2019/06/12

تصدیق و تصحیح:

جواب درست ہے ۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

عشق مجازی میں مرنے والے کے لیے شہادت کا حکم

استفتاء نمبر: 94

کیا کوئی ایسی صورت بھی ہے کہ جس میں کسی کے عشق میں مرنے والا شہیدِ حکمی کا مرتبہ پاتا ہے؟

سائل : عبداللہ میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

جی ہاں ایک صورت ایسی ہے کہ جس میں کسی کے عشق میں مرنے والا، شہیدِ حکمی کا مرتبہ پاتا ہے (یعنی اسے شہادت کا ثواب ملتا ہے) لیکن اس کی کچھ شرائط ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1—وہ اپنے عشق کا کسی پر اظہار نہ کرے، نہ معشوق پر اور نہ ہی کسی اور پر۔

2—اپنے آپ کو پاکدامنی کے ساتھ متصف رکھے۔

3—اور اسی حالت پر (یعنی عشق کو چھپاتے ہوئے اور پاکدامن رہتے ہوئے) وہ مرجائے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من عشق فكتم وعف ثم مات، مات شهيدا

یعنی جس نے عشق کیا، پھر اسے پوشیدہ رکھا اور پاکدامن رہا، پھر (اسی کے باعث) مر گیا تو شہید مرا۔

(میٹھا زہر صفحہ 97 مکتبہ اعلیٰ حضرت بحوالہ البدایہ والنہایہ لابن کثیر)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من عشق فعف وكتم ثم مات فهو شهيدا

یعنی جو کسی پر عاشق ہوا، پس اُس نے پاکدامنی اختیار کی اور عشق کو چھپایا پھر (اسی حال میں) مر گیا تو وہ شہید ہے۔

(تاریخ بغداد جلد 13 صفحہ 185 رقم الحدیث 7160 : دار الکتب العلمیہ بیروت، ذم الھوی صفحہ 314، العلل المتناھیہ جلد دوم صفحہ 771)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

من عشق فعف ثم مات، مات شهيدا

یعنی جو کسی پر عاشق ہوا، پس اس نے پاکدامنی اختیار کی پھر (اسی حالت میں) مر گیا تو شہید ہو کر مرا۔

(کنز العمال جلد 4 صفحہ 416 مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

معلوم ہوا کہ کسی کے عشق میں مرنے والا شہیدِ حکمی تب بنے گا (یعنی شہادت کا ثواب تب حاصل کرے گا) جب وہ پاکدامنی اختیار کرے اور اپنے عشق کو ہر ایک سے حتیٰ کہ محبوبہ سے بھی چُھپائے رکھے کیونکہ روایات میں عشق چھپانے کا حکم مطلقاً ہے (یعنی بغیر کسی قید کے ہے) لہذا شہادت کا مرتبہ پانے کے لئے ہر ایک سے عشق چھپانا ہوگا۔

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

بالعشق مع العفاف والكتم وان كان سيئة حماما

یعنی (اگر کوئی) عشق کے ساتھ (مرا) باوجود یہ کہ وہ پاکدامن رہا اور اس کو چھپایا (تو اسے شہادت کا ثواب ملے گا) اگرچہ از روئے موت کے یہ بُرا ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الشہید، مطلب فی تعداد الشہداء، جلد 3 صفحہ 195 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عشق میں مرا بشرطیکہ پاکدامن ہو اور چھپایا ہو (تو اسے شہادت کا ثواب ملے گا)۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ چہارم صفحہ 859 مکتبۃ المدینہ کراچی)

شیخِ طریقت امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر مرد کی کسی غیر عورت پر اچانک نظر پڑ گئی اور فوراً نظر ہٹا لینے کے باوُجود اگر وہ دل میں گڑ گئی اور اس کے بعد نہ قصداً اُسکا تصوُّر جمایا نہ ہی اِرادۃً اس کو دیکھا، نہ کبھی اُس سے ملاقات کی، نہ ہی فون پر بات کی، نہ اُس کو عِشقیہ خط لکھا اور نہ ہی کبھی کوئی تُحفہ بھجوایا اَلغَرَض اُس ہوجانے والے غیر اختیاری عشقِ مَجازی کو ایسا چُھپایا کہ کسی دوسرے پر کُجا خود اُس لڑکی کو بھی پتا نہ چلنے دیا تو ایسا "عاشقِ صادِق" اگر عِشق میں گُھل گُھل کر مَر جائے تو شہید ہے۔

(پردے کے بارے میں سوال جواب 319 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/06/05

تصدیق و تصحیح:

1— جواب درست ہے، جزاک اللہ، ماشاء اللہ۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود قادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

2— الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

زوال کے وقت نماز جنازہ

استفتاء نمبر: 95

زوال کے وقت نمازِ جنازہ پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سائل: حافظ محمد اکرام قادری شہر کوٹ ملیار

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق و الصواب

اگر زوال (ضَحْوِیٰ کُبریٰ) کے وقت سے پہلے میت کو جنازہ گاہ میں لایا گیا اور تاخیر کی گئی یہاں تک کہ زوال کا وقت شروع ہو گیا تو ایسی صورت میں زوال کے وقت نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہِ تحریمی اور ناجائز و گناہ ہے اور اگر زوال (ضَحْوِیٰ کُبریٰ) کے وقت ہی میت کو جنازہ گاہ میں لایا گیا تو ایسی صورت میں زوال کے وقت نمازِ جنازہ پڑھنا بلا کراہت جائز بلکہ افضل ہے کہ زوال کے وقت گزرنے کا انتظار کیے بغیر اسی وقت نمازِ جنازہ پڑھ لیا جائے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

إِذَا وَجَبَتْ صَلَاةُ الْجِنَازَةِ وَ سَجْدَةُ التِّلَاوَةِ فِي وَقْتٍ مُبَاحٍ وَأُخِّرَتَا إِلَى هذا الْوَقْتِ فإنه لَا يَجُوزُ قَطْعًا أَمَّا لو وَجَبَتَا فِي هذا الْوَقْتِ وَأُدِّيَتَا فيه جَازَ"

یعنی جب نمازِ جنازہ اور سجدہ تلاوت مباح وقت میں واجب ہوئے اور انہیں اس (مکروہ) وقت تک مؤخر کیا گیا تو یہ ادائیگی یقینی طور پر جائز نہیں ہوگی، بہر حال اگر یہ دونوں اس (مکروہ) وقت میں واجب ہوں اور (بغیر تاخیر کے) اسی وقت ادا کر دیئے گئے ہوں تو یہ ادائیگی جائز ہے۔

(فتاوی عالمگیری جلد 1 صفحہ 52 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(و کرہ) تحریما (صلاۃ) مطلقاً (و لو) قضاء أو واجبة أو نفلا أو (علی جنازة..) (مع شروق)...(و استواء).. (و غروب، إلا عصر یومه) فلا یکرہ فعله لأدائه کما وجب..

فلو وجبتا فیها لم یکرہ فعلهما ای: تحریما. و فی "التحفة" الافضل ان لا تؤخر الجنازة

یعنی اور مطلقاً نماز مکروہِ تحریمی ہے اگرچہ قضاء ہو یا واجب ہو یا نفل ہو یا نمازِ جنازہ ہو، طلوعِ آفتاب کے وقت اور استواءِ (زوال) کے وقت اور غروب کے وقت، مگر اس کے دن کی عصر ادا کرنا مکروہ نہیں کیونکہ جس طرح واجب ہوئی، اسی طرح ادائیگی کی گئی، پس اگر یہ (سجدہ تلاوت اور نمازِ جنازہ) دونوں واجب ہوں تو انہیں ادا کرنا مکروہِ تحریمی نہیں ہے اور تحفہ میں ہے کہ جنازے کو مؤخر نہ کرنا افضل ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، مطلب: یشترط العلم بدخول الوقت، جلد 2 صفحہ 37 تا 43 ملتقطا، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جنازہ اگر اوقاتِ ممنوعہ میں لایا گیا تو اسی وقت پڑھیں کوئی کراہت نہیں کراہت، اس صورت میں ہے کہ پیشتر سے طیار موجود ہے اور تاخیر کی یہاں تک کہ وقتِ کراہت آ گیا۔

(بہار شریعت جلد 1 حصہ سوم (3) صفحہ 454 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/11/13

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

دیوبندی امام کے پیچھے نماز جنازہ

استفتاء نمبر:96

کیا دیوبندی امام کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

سائل : ڈاکٹر ضیاء الحق سعودی عرب

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

دیوبندی امام کی دوصورتیں ہیں:

1— یہ وہی کفریہ عقائد رکھتا ہے کہ جن پر علمائے عرب وعجم نے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

2— یہ وہی کفریہ عقائد نہیں رکھتا کہ جن پر علمائے عرب وعجم نے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

پہلی صورت کی تفصیل:

پہلی صورت میں اس کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھنے کی چار صورتیں ہیں:

1— اگر اس امام کے کفریہ عقائد پر مطلع ہو کر اس کو مسلمان سمجھتے ہوئے اس کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا اور بیعت بھی ٹوٹ جائے گی، لہٰذا ایسی صورت میں اس پر توبہ وتجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح لازم ہے اور پیر کامل سے دوبارہ بیعت بھی کرے گا۔

2— اور اگر اس امام کے کفریہ عقائد پر مطلع ہو کر اس کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی لیکن اس کو مسلمان نہیں سمجھتا بلکہ دنیاداری کی وجہ سے مُرَوَّتاً اس کے پیچھے نمازِ جنازہ ادا کی تو وہ اسلام سے خارج نہ ہوگا اور نہ اس کا نکاح ٹوٹے گا اور نہ بیعت ٹوٹے گی، لیکن سخت گناہ گار ہوگا، لہٰذا ایسی صورت اس پر فقط توبہ لازم ہوگی۔

3— اور اگر اس امام کے کفریہ عقائد پر مطلع نہیں تھا لیکن اسے اتنا پتہ تھا کہ یہ امام دیوبندی ہے اور اسے مسلمان سمجھ کر اس کی اقتدا میں نمازِ جنازہ ادا کی تو وہ اسلام سے خارج نہ ہوگا اور نہ اس کا نکاح ٹوٹے گا اور نہ بیعت ٹوٹے گی لیکن سخت گناہ گار ہوگا، لہٰذا ایسی صورت اس پر فقط توبہ لازم ہوگی۔

4— اور اگر اس امام کے کفریہ عقائد پر مطلع نہیں تھا اور نہ اسے یہ پتہ تھا کہ یہ امام دیوبندی ہے اور اسے سنی مسلمان سمجھ کر اس کی اقتدا میں نمازِ جنازہ ادا کی تو وہ اسلام سے خارج نہ ہوگا اور نہ اس کا نکاح ٹوٹے گا اور نہ بیعت ٹوٹے گی اور نہ گناہ گار ہوگا لیکن ایسی

صورت معلوم ہونے پر کہ وہ امام دیوبندی ہے، اس سے بیزاری ظاہر کرے اور استغفار کرے۔

نوٹ: ان چاروں صورتوں میں مسلمان میت کا نمازِ جنازہ ادا نہیں ہوا لہٰذا اس کی نمازِ جنازہ دوبارہ پڑھی جائے گی اگر چہ اسے دفنا دیا گیا ہو البتہ دفنانے کے بعد اتنا عرصہ گزر گیا کہ جتنے میں انسانی جسم پھول پھٹ جاتا ہے تو پھر قبر پر جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا۔

دوسری صورت کی تفصیل:

اگر مذکورہ دیوبندی امام وہ کفریہ عقائد نہیں رکھتا کہ جن پر علمائے عرب و عجم نے کفر کا فتویٰ دیا ہے تو پھر اس کے پیچھے نمازِ جنازہ ادا کرنا اگر چہ کفر نہیں ہے لیکن گناہ ضرور ہے، البتہ ایسی صورت نمازِ جنازہ بھی ہو جائے گی۔

چنانچہ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اذ ادی لا کلام فی کراهة الصلاة خلف الفاسق و المبتدع. هٰذا اذا لم یؤد الفسق او البدعة الی حد الکفر، واما اذا ادیٰ فلا کلام فی عدم جواز الصلاة خلفه

کیونکہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں، کراہت اسی وقت تک ہے کہ اس کا فسق یا اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچا دے اور اگر حد کفر تک پہنچا دے تو اس کے پیچھے نماز کے ناجائز ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

(شرح عقائد نسفی صفحہ 339، 340 مکتبۃ المدینہ کراچی)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ان الصلٰوۃ خلف اهل الاهواء لا تجوز

اہلِ ہواء اور اہلِ بدعت کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

(فتح القدیر، باب الامامۃ، جلد 1 صفحہ 304 مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

بحر الرائق میں ہے:

لا تجوز الصلاة خلف من ینکر شفاعة النبی صلی الله علیه وآله وسلم او ینکر الکراما الکاتبین او ینکر الرویة لانه کافر. والرافضی ان فضل علیا علی غیره فهو مبتدع وان انکر خلافة الصدیق فهو کافر

یعنی اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا انکار کرے یا کراماً کاتبین کا انکار کرے یا دیدارِ باری تعالیٰ کا انکار کرے، اس لیے کہ یہ کافر ہے۔ اور رافضی اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیگر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی

ہے اور اگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔

(البحر الرائق جلد 1 صفحہ 611 دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

علامہ جلیل حسن بن عمار بن علی شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فلا تصح امامة منكر البعث أو خلافة الصديق او صحبته او يسب الشيخين او ينكر الشفاعة او نحو ذالك ممن يظهر الاسلام مع ظهور صفته المكفرة له

یعنی بعث کے منکر یا خلافت صدیق یا ان کی صحابیت کے منکر یا شیخین کو گالی دینے والے یا شفاعت کا انکار کرنے والے کے منکر کی امامت درست نہیں، یہ اس میں سے ہیں کہ جو ایک طرف اسلام ظاہر کرتا ہے، اس کے باوجود دوسری طرف اپنی ایسی صفت بھی ظاہر کرتا ہے جو اسے کافر بنا رہی ہے۔

(نور الایضاح مع مراقی الفلاح صفحہ 155 مکتبۃ المدینہ کراچی)

علامہ شیخ احمد طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

ان انكر خلافة الصديق كفر و الحق فى الفتح عمر بالصديق فى هذا الحكم و الحق فى البرهان عثمان بهما ايضاً و لاتجوز الصلوة خلف منكر المسح على الخفين او صحبة الصديق و من يسب الشيخين او يقذف الصديقة و لا خلف من انكر بعض ما علم من الدين ضرورة لكفره و لايلتفت الى تاويله و اجتهاده

یعنی اگر اس نے خلافتِ صدیق کا انکار کیا تو کافر ہے اور "فتح القدیر" میں اس حکم میں (خلافتِ) عمر رضی اللہ عنہ کو (خلافتِ) صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ملایا ہے اور "برھان" (خلافتِ) عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی ان دونوں (کی خلافت) کے ساتھ ملایا ہے اور نماز اس کے پیچھے جائز نہیں جو مسحِ موزہ یا صحابیتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر ہو یا شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہے یا سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھے، اور نہ اس کے پیچھے کہ جو ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا منکر ہو کہ وہ کافر ہے اور اُس کی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا نہ اس جانب کہ اس نے رائے کی غلطی سے ایسا کہا۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الامامۃ، صفحہ 165 نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

غنیّۃ شرح منیہ میں ہے:

المراد بالمبتدع من يعتقد شيئا على خلاف مايعتقده اهل السنة و الجماعة و انما يجوز الاقتداء به مع الكراهة اذا لم يكن ما يعتقده يؤدى الى الكفر عند اهل السنة

اما لو کان مؤدیا الی الکفر فلا یجوز اصلا کالغلاۃ من الروافض الذین یدعون الالوھیۃ لعلی رضی اللہ تعالی او ان النبوۃ کانت لہ فغلط جبریل و نحو ذلک مما ھو کفر و کذا من یقذف الصدیقۃ او ینکر صحبۃ الصدیق او خلافتہ او یسب الشیخین

یعنی بد مذہب سے وہ مراد ہے جو کسی بات کا اہلسنت و جماعت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اور اس کی اقتداء کراہت کے ساتھ اس حال میں جائز ہے جب اس کا عقیدہ اہلسنت کے نزدیک کفر تک نہ پہنچا تا ہو، اگر کفر تک پہنچائے تو اصلا جائز نہیں، جیسے غالی رافضی کہ مولی علی کرم اللہ تعالی وجہہ کو خدا کہتے ہیں، یا یہ کہ نبوت ان کے لئے تھی جبریل نے غلطی کی۔ اور اسی قسم کی اور باتیں کہ کفر ہیں، اور یونہی جو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کو معاذ اللہ اس تہمت ملعونہ کی طرف نسبت کرے یا صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی صحابیت یا خلافت کا انکار کرے یا شیخین رضی اللہ تعالی عنہما کو برا کہے۔

(غنیۃ المستملی شرح منیہ فصل الاولی بالامامۃ ،صفحہ 525 سہیل اکیڈمی لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

دیوبندی عقیدے والوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے، ہوگی ہی نہیں، فرض سر پر رہے گا اور ان کے پیچھے پڑھنے کا شدید عظیم گناہ۔ علاوہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہمارے تینوں ائمہ مذہب امامِ اعظم و امامِ ابو یوسف و امامِ محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل فرماتے ہیں:

ان الصلوٰۃ خلف اھل الھواء لاتجوز

اہل بدعت کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ (ت)

اس میں سب برابر ہیں، نماز پنجگانہ ہو خواہ جمعہ یا عید یا جنازہ یا تراویح، کوئی نماز ان کے پیچھے ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اگر (ان کو قابلِ امامت یا مسلمان جاننا بھی درکنار) ان کے کفر میں شک ہی کرے تو خود کافر ہے جبکہ ان کے خبیث اقوال پر مطلع ہو۔ علمائے حرمین شریفین بالاتفاق فرماتے ہیں:

من شك فی عذابہ و کفرہ فقد کفر

جوشخص ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (ت)

(فتاوی رضویہ جلد 6 صفحہ 573 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/30

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

نمازجنازہ کی افضل صف

استفتاء نمبر: 97

1—نمازِ جنازہ کی کونسی صف میں کھڑے ہونا افضل ہے؟

2—نمازِ جنازہ کی جس صف میں کھڑے ہونا افضل ہے اس کی افضلیت کی وجہ کیا ہے؟

سائل: شفیق فیصل آباد

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق والصواب

1—نمازِ جنازہ کی سب سے آخری صف میں کھڑے ہونا افضل ہے۔

2—اور نمازِ جنازہ میں پچھلی (یعنی آخری) صف میں کھڑے ہونا تواضع (یعنی عاجزی) کی وجہ سے افضل ہے۔

اور جنازہ کی آخری صف کی افضلیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جنازہ میں مطلوب ہے کہ زیادہ صفیں بنائی جائیں تو اگر پہلی صف کو افضل قرار دیا جاتا تو سارے پہلی صف میں کھڑے ہونے کی کوشش کرتے اور آخری صف میں کھڑے ہونے سے بچتے جو کہ مطلوب کے خلاف ہوتا۔

چنانچہ درِمختار میں ہے:

وخير صفوف الرجال اولها في غير جنازة

یعنی مردوں کی صفوں میں سے سب سے بہتر پہلی صف ہے نمازِ جنازہ کے علاوہ میں:

اس کے تحت خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"قوله: في غير جنازة" أما فيها فآخرها إظهارًا للتواضع لأنهم شفعاء فهو أحرى بقبول شفاعتهم، ولأن المطلوب فيها تعدد الصفوف فلو فضل الأول امتنعوا عن التأخر عند قلتهم"

(یعنی علامہ حصکفی رحمہ اللہ علیہ کا قول نمازِ جنازہ کے غیر میں) بہر حال جنازہ میں پس آخری صف سب سے زیادہ بہتر ہے عاجزی کو ظاہر کرنے کے لیے اس لیے کہ یہ سفارشی ہیں پس یہ (آخری صف میں کھڑا ہونا) ان کی شفاعت (سفارش) کی قبولیت کا زیادہ حقدار ہے اور اس لیے کہ جنازہ میں مطلوب صفوں کا متعدد ہونا ہے۔ پس اگر پہلی صف کو فضیلت دی جاتی تو لوگ اپنی تعداد کی کمی کے وقت پیچھے رہنے سے رک جاتے (یعنی سب پہلی صف میں کھڑے ہوجاتے)۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد 2 صفحہ 372 تا 374 دار المعرفۃ بیروت لبنان)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/08/22

تصدیق و تصحیح:

آپ کے استفتاء 97 کا جواب بالکل درست ہے اور بندہ ناچیز اس کی تائید و توثیق کرتا ہے۔

ابو الحسنین محمد عارف محمود معطر القادری عطاری غفر لہ الباری

غیر محرم عورت کی میت کو کندھا دینا

استفتاء نمبر: 98

کیا جنازے میں عورت کی میت کو محارم کے علاوہ کوئی اور مرد کندھا دے سکتا ہے؟

سائل: عبدالعزیز قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

عورت کے جنازے کو محارم کے علاوہ کوئی اور مرد کندھا دے سکتا ہے بلکہ اس کے جنازہ کو کندھا دینا اجر و ثواب کا کام ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

مَنِ اتَّبَعَ جِنَازَةً فَلْيَحْمِلْ بِجَوَانِبِ السَّرِيرِ كُلِّهَا، فَإِنَّهُ مِنَ السُّنَّةِ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ فَلْيَتَطَوَّعْ، وَإِنْ شَاءَ فَلْيَدَعْ

جو شخص جنازہ کے پیچھے چلے اُسے چاہیے کہ چار پائی کے پورے (چاروں) پائے پکڑے کیونکہ یہ سنت میں سے ہے پھر (اس کے بعد) اگر چاہے تو پکڑے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی شھود الجنائز، جلد 1 صفحہ 474، رقم الحدیث 1478 : دار الفکر بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جنازے کو محض اجنبی ہاتھ لگاتے، کندھوں پر اُٹھاتے، قبر تک لے جاتے ہیں، شوہر نے کیا قصور کیا ہے۔ یہ مسئلہ جاہلوں میں محض غلط مشہور ہے۔ ہاں شوہر کو اپنی زنِ مردہ کا بدن چھونا، جائز نہیں، دیکھنے کی اجازت ہے۔

کما نص علیہ فی التنویر والدر وغیرھما...

شوہر کو بعدِ انتقالِ زوجہ قبر میں خواہ بیرونِ قبر اس کا منہ یا بدن دیکھنا جائز ہے، قبر میں اتارنا، جائز ہے اور جنازہ تو محض اجنبی تک اٹھاتے ہیں۔

(ملتقطاً فتاویٰ رضویہ جلد 9 صفحہ 138 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

فتاویٰ اہلسنّت میں ہے:

جنازہ کو کندھا دینا باعثِ اجر و ثواب کام ہے، جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا اس کا کچھ فرق نہیں۔ لہٰذا غیر محرم عورت کے جنازے کو بھی کندھا دیا جاسکتا ہے۔ البتہ قبر میں اتارنے والے مَحارِم ہونے چاہئیں۔ یہ نہ ہوں تو دیگر رشتہ دار تدفین کریں اور یہ بھی نہ ہوں تو پرہیزگار مسلمان قبر میں اتاریں۔

نیز عورت کے جنازے میں مزید یہ احتیاط بھی کی جائے گی کہ اس کے جنازے کی چار پائی کسی کپڑے سے چُھپی ہوئی ہو اور سلیپ یا تختوں سے قبر بند ہونے تک اس کی قبر کو کسی چادر سے ڈھانپ کر رکھیں۔

(ماہنامہ فیضان مدینہ مارچ 2018)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/28

تصدیق وتصحیح:

1 — جنازے میں عورت کی میت کو محارم کے علاوہ کوئی اور مرد کندھا دے سکتا ہے یا نہیں، اس حوالے سے آپ کے فتوے کی میں تائید وتصویب کرتا ہوں، احناف کے مذہب مختار کے مطابق یہ فتویٰ بالکل درست ہے، اللہ پاک آپ کے علم وعمل میں برکتیں عطاء فرمائے۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

2 — الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑنا

استفتاء نمبر: 99

کیا نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد دونوں ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرنا چاہیے؟

سائل: عبدالمصطفیٰ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد دونوں ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرنا چاہیے اور یہی سنت ہے، جو لوگ سیدھی طرف سلام پھیرتے وقت سیدھا ہاتھ چھوڑتے ہیں اور الٹی طرف سلام پھیرتے وقت الٹا ہاتھ چھوڑتے ہیں تو ان کا یہ عمل سنت نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و لا يعقد بعد التكبير الرابع لانه لايبقى ذكر مسنون حتى يعقد فالصحيح انه يحل اليدين ثم يسلم تسليمتين هكذا في الذخيرة

یعنی اور چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ نہیں باندھے گا کیونکہ کوئی مسنون ذکر باقی نہیں رہا یہاں تک کہ (اس کے لیے) ہاتھ باندھے، پس صحیح یہی ہے کہ وہ دونوں ہاتھ کھول دے گا پھر دونوں سلام پھیرے گا۔ ایسے ہی "الذخیرۃ" (نامی کتاب) میں ہے۔

(خلاصۃ الفتاوی جلد 1 صفحہ 225 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ عبدالرحمن بن محمد بن سلیمان کلیبولی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال شمس الأئمة الحلواني :ان كل قيام ليس فيه ذكر مسنون فالسنة فيه الارسال وكل قيام فيه ذكر مسنون فالسنة فيه الوضع وبه كان يفتي شمس الأئمة السرخسي والصدر الكبير برهان الأئمة والصدر الشهيد

یعنی شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : بے شک ہر وہ قیام جس میں مسنون ذکر نہیں تو اس میں سنت ہاتھ چھوڑنا (لٹکانا) ہے اور ہر وہ قیام جس میں مسنون ذکر ہے، تو اس میں سنت ہاتھ باندھنا ہے اور اسی کے ساتھ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ، صدرِ کبیر برہان الائمہ رحمۃ اللہ علیہ اور صدرِ شہید رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ دیا کرتے تھے۔

(مجمع الانھر جلد 1 صفحہ 141 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

درمختار میں ہے:

هو اى الوضع سنة قيام له قرار فيه ذكر مسنون فيضع حالة الثناء وفي القنوت لا في قيام بين ركوع و سجود و تكبيرات العيد مالم يطل القيام فيضع. سراجية اه ملخصا

وہ یعنی ہاتھ باندھنا اس قیام کی سنت ہے جس میں طول اور کوئی ذکر مشروع ہو (یعنی جس کے پڑھنے کا حکم ہو خواہ وہ ذکر فرض، واجب یا سنت ہو) پس ثنا اور قنوت کے موقع پر ہاتھ باندھے جائیں، رکوع اور سجود کے درمیان (یعنی قومہ میں) اور تکبیرات عید کے قیام میں ہاتھ نہ باندھے جب تک قیام کو طویل نہ کرے، اگر طویل کرے تو باندھ لے، سراجیہ اھ ملخصًا۔

(درمختار، فصل واذا اراد الشروع الخ، جلد 1 صفحہ 74 مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ہاتھ باندھنا سُنّت اس قیام کی ہے جس کے لئے قرار ہو، " کمافی الدر المختار وغیرھا من الاسفار" (جیسا کہ درمختار وغیرہ کتابوں میں ہے۔ت)

سلام وقتِ خروج ہے اُس وقت ہاتھ باندھنے کی طرف کوئی داعی نہیں، تو ظاہر یہی ہے کہ تکبیر چہارم کے بعد ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔

(فتاوی رضویہ جلد 9 صفحہ 194 رضا فاونڈیشن لاہور)

صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(نمازِ جنازہ میں) ہاتھ کھول کر سلام پھیرنا چاہیے۔ یہ خیال کہ تکبیرات میں ہاتھ باندھے رہنا مسنون ہے لہٰذا سلام کے وقت بھی ہاتھ باندھے رہنا چاہیے، یہ خیال غلط ہے۔ وہاں ذکر طویل مسنون موجود ہے، اس پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے۔

(فتاویٰ امجدیہ جلد 1 صفحہ 317 مکتبہ رضویہ کراچی)

صدرالشریعہ رحمۃ اللہ علیہ "بہارِ شریعت" میں تحریر فرماتے ہیں:

چوتھی تکبیر کے بعد بغیر کوئی دُعا پڑھے ہاتھ کھول کر سلام پھیر دے، سلام میں میّت اور فرشتوں اور حاضرین نماز کی نیت کرے، اُسی طرح جیسے اور نمازوں کے سلام میں نیت کی جاتی ہے یہاں اتنی بات زیادہ ہے کہ میّت کی بھی نیت کرے۔

(بہارِ شریعت جلد 1 حصہ چہارم صفحہ 835 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/26

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

عورتوں کا قبرستان جانا

استفتاء نمبر:100

عورتیں قبرستان جاسکتی ہے یا نہیں؟

سائلہ: سائرہ عطاریہ لاہور پاکستان

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے روضہ انور کی حاضری جو کہ واجب کے قریب ہے اور بہت بڑی نیکی اور سعادت کی بات ہے، اس سے عورتوں کو منع نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پاک در کی حاضری کے آداب سکھائے جائیں گے، اس مزارِ پر انوار

کے علاوہ دیگر مزاراتِ اولیاء اور عام رشتہ دار مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کے لیے قبرستان جانا عورتوں کے لئے شرعاً منع ہے، اسلیے کہ اگر مزاراتِ اولیاء پر جائیں گی تو دو باتوں میں سے ایک کا اندیشہ ہے کہ یا تو حد سے زیادہ ادب کریں گی یا بے ادبی کریں گی اور یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں، اسی طرح اگر اپنے رشتہ داروں کی قبروں پر جائیں گی بالخصوص جب ان کی فوتگی کو زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو تو اس سے غم تازہ ہوگا اور وہ جزع وفزع (یعنی رونا دھونا اور آہ وزاری) کریں گی اور یہ چیزیں بھی شرعاً ممنوع ہیں۔

ہاں اگر کسی اور مقصد کے لئے عورت گھر سے نکلے اور راستے میں کسی بزرگ کا مزار یا کسی مسلمان کی قبر آجائے تو وہاں پر کھڑے ہو کر فاتحہ کرنا بالاتفاق اس کے لئے جائز ہے۔

نوٹ: اگر عورتیں اس طرح زیارتِ قبور کرنے کے لئے جائیں کہ وہاں پر غیر مردوں کے ساتھ اختلاط (میل جول) اور تنہائی نہ ہو اور ان پر کسی قسم کے فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو اور ان کی وجہ سے کسی اور پر فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو، باپردہ ہو کر جائیں، ایسی خوشبو لگا کر نہ جائیں کہ جو غیر مردوں تک پہنچے، قبروں پر جا کر جزع وفزع (رونا دھونا، آہ وزاری) نہ کریں، اور نہ حد سے زیادہ ادب کریں اور نہ ہی بے ادبی کریں تو پھر ان کا زیارتِ قبور کے لئے جانا جائز ہوگا لیکن عموماً ان پابندیوں کا لحاظ عورتیں نہیں رکھ پاتیں، اسی لیے علمائے کرام نے عورتوں کو مطلقاً زیارتِ قبور سے منع کر دیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ نجیم مصری حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وقيل: تحرم على النساء إلخ) قال الرملي: أما النساء إذا أردن زيارة القبور إن كان ذلك لتجديد الحزن و البكاء و الندب على ما جرت به عادتهن فلا تجوز لهن الزيارة، و عليه حمل الحديث: لعن الله زائرات القبور، و إن كان للاعتبار و الترحم و التبرك بزيارة قبور الصالحين فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب، كحضور الجماعة في المساجد

(یعنی اور یہ کہا گیا ہے کہ زیارتِ قبور عورتوں پر حرام ہے۔ الخ) امام رملی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بہرحال اگر عورتیں زیارتِ قبور کا ارادہ کریں، اگر زیارتِ قبور غم کو تازہ کرنے، رونے اور نُدبہ (آہ وزاری) کرنے کے لئے ہو جیسا کہ عورتوں کی عادت جاری ہے تو ان کے لئے زیارتِ قبور جائز نہیں ہے، اور اسی صورت پر حدیثِ مبارکہ محمول ہوگی (کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:) "قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ پاک کی لعنت ہو۔" اور اگر زیارتِ قبور عبرت حاصل کرنے، طلبِ رحمت اور نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت سے برکت حاصل کرنے کے لئے ہو تو کوئی حرج نہیں جبکہ عورتیں بوڑھی

ہوں اور مکروہ ہے جبکہ عورتیں جوان ہوں جیسے مساجد میں جماعت کی حاضری کا حکم ہے۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، جلد 2 صفحہ 210)

علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(ولا باس) بزیارۃ القبور و لو للنساء لحدیث" : کنت نهیتکم عن زیارۃ القبور الا، فزوروها

یعنی اور قبروں کی زیارت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ عورتوں کے لئے ہو اس حدیثِ مبارکہ کی وجہ سے (کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:)

میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا، سن لو پس (اب) تم قبروں کی زیارت کیا کرو۔

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "ولو للنساء" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

و قیل تحرم علیهن. و الاصح ان الرخصة ثابتة لهن. بحر. و جزم فی شرح المنیة بالکراهة لما مر فی اتباعهن الجنازة. و قال الخیر الرملی :ان کان ذلك لتجدید الحزن و البکاء و الندب علی ما جرت به عادتهن فلا تجوز، و علیه حمل حدیث" :لعن الله زائرات القبور". و إن کان للاعتبار و الترحم من غیر بکاء و التبرك بزیارة قبور الصالحین فلا بأس إذا کن عجائز، و یکره إذا کن شواب، کحضور الجماعة فی المساجد اه. وهو توفیق حسن

اور کہا گیا ہے کہ زیارتِ قبور عورتوں پر حرام ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ عورتوں کے لئے رخصت ثابت ہے۔ بحر۔ اور "شرح المنیۃ" میں اس کی کراہت پر جزم فرمایا جو جنازے کے پیچھے عورتوں کے جانے کے بارے میں گزر گیا۔ اور امام خیر رملی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :اگر زیارتِ قبور غم کو تازہ کرنے، رونے اور نُدبہ (آہ وزاری) کرنے کے لئے ہو جیسا کہ عورتوں کی عادت جاری ہے تو (ان کے لئے زیارتِ قبور) جائز نہیں ہے، اور اسی صورت پر حدیثِ مبارکہ محمول ہو گی (جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ:) "قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ پاک کی لعنت ہو۔" اور اگر زیارتِ قبور عبرت حاصل کرنے، بغیر روئے رحم طلب کرنے کے لئے اور نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت سے برکت حاصل کرنے کے لئے ہو تو کوئی حرج نہیں جبکہ

عورتیں بوڑھی ہوں اور مکروہ ہے جبکہ عورتیں جوان ہوں جیسے مساجد میں جماعت کی حاضری کا حکم ہے اھ۔۔ اور یہ اچھی توفیق (تطبیق) ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار جلد 3 صفحہ 177، 178 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ "نور الایضاح" میں تحریر فرماتے ہیں:

نُدِبَ زِيَارَتُهَا لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ عَلَى الْأَصَحِّ

یعنی زیادہ صحیح قول کے مطابق قبروں کی زیارت کرنا مردوں اور عورتوں کے لئے مندوب (یعنی مستحب) ہے۔

اس کے تحت علامہ شیخ احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال البدر العينى فى شرح البخارى :و حاصل الكلام انها تكره بل تحرم فى هذا الزمان لاسيما نساء مصر، لان خروجهن على وجه فيه فساد و فتنة اه۔

وفى السراج :و أمّا النّساء إذا أردن زيارة القبور إن كان ذالك لتجديد الحزن، و البكاء، و الندب كما جرت به عادتهن فلا تجوز لهن الزيارة، و عليه يحمل الحديث الصحيح "لعن الله زائرات القبور" .و إن كان للاعتبار، و التّرحّم، و التّبرّك بزيارة قبور الصّالحين من غير ما يخالف الشّرع فلا بأس به، إذا كنّ عجائز و كره ذالك للشّابات، كحضورهن فى المساجد للجماعات و حاصله أن محل الرخص لهن إذا كانت الزيارة على وجه ليس فيه فتنة و الأصحّ أن الرّخصة ثابتة للرّجال و النّساء لأن السّيدة فاطمة رضى الله عنها كانت تزور قبر حمزة كل جمعة و كانت عائشة رضى الله عنها تزور قبر أخيها عبد الرحمٰن بمكة. كذا ذكره البدر العينى فى شرح البخارى"

یعنی علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح میں فرمایا:

اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ زیارتِ قبور عورتوں کے لئے مکروہ بلکہ حرام ہے اس زمانے میں بالخصوص مصر کی عورتوں کے لئے، اس لئے کہ ان کا (زیارتِ قبور کے لئے) نکلنا اس طریقے پر ہوتا ہے کہ جس میں فساد اور فتنہ ہوتا ہے۔

اور "سراج" میں ہے :اور بہرحال عورتوں جب زیارتِ قبور کا ارادہ کریں تو اگر زیارتِ قبور غم کو تازہ کرنے، رونے اور نُدبہ (آہ وزاری) کرنے کے لئے ہو جیسا کہ عورتوں کی عادت جاری ہے تو (ان کے لئے زیارتِ قبور) جائز نہیں ہے، اور اسی صورت پر حدیثِ مبارکہ محمول ہوگی (جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:) "قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اللہ

پاک کی لعنت ہو۔" اور اگر زیارتِ قبور عبرت حاصل کرنے، بغیر روئے رحم طلب کرنے کے لئے اور نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت سے برکت حاصل کرنے کے لئے ہو تو کوئی حرج نہیں جبکہ عورتیں بوڑھی ہوں اور مکروہ ہے جبکہ عورتیں جوان ہوں جیسے مساجد میں جماعت کی حاضری کا حکم ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کی رخصت اس وقت ہے جب ایسے طریقے پر زیارت قبور ہو کہ جس میں فتنہ نہ ہو اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ زیارتِ قبور کی رخصت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ثابت ہے اسلیے کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کیا کرتی تھیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کی قبر کی مکہ میں زیارت کرتی تھیں۔ اسی کو علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی شرح (عمدۃ القاری) میں ذکر فرمایا ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح جلد 2 صفحہ 273، 274 المکتبۃ الغوثیۃ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اصح یہ ہے کہ عورتوں کو قبروں پر جانے کی اجازت نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

اقول: (میں کہتا ہوں) قبورِ اقرباء پر خصوصاً بحال قرب عہد ممات تجدید حزن لازم نساء ہے اور مزاراتِ اولیاء پر حاضری میں احد الشناعتین (یعنی دو خرابیوں میں سے ایک) کا اندیشہ یا ترکِ ادب یا ادب میں افراط ناجائز، تو سبیلِ اطلاق منع ہے ولہٰذا غنیۃ میں کراہت پر جزم فرمایا، البتہ حاضری و خاکبوسی آستان عرش نشان سرکارِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظم المندوبات، بلکہ قریب واجبات ہے، اس سے نہ روکیں گے اور تعدیلِ ادب سکھائیں گے۔

(ملتقطاً فتاویٰ رضویہ جلد 9 صفحہ 537، 538 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عورتوں کے لیے بعض علماء نے زیارتِ قبور کو جائز بتایا، درمختار میں یہی قول اختیار کیا، مگر عزیزوں کی قبور پر جائیں گی، تو جزع و فزع کریں گی، لہٰذا ممنوع ہے اور صالحین کی قبور پر برکت کے لیے جائیں، تو بوڑھیوں کے لیے حرج نہیں اور جوانوں کے لیے ممنوع اور اسلم (یعنی زیادہ سلامتی والی بات) یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً منع کی جائیں کہ اپنوں کی قبور کی زیارت میں تو وہی جزع و فزع ہے اور صالحین کی قبور پر یا تعظیم میں حد سے گزر جائیں گی یا بے ادبی کریں گی کہ عورتوں میں یہ دونوں باتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

(بہارِ شریعت جلد 1 حصہ 4 صفحہ 849 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/08/29

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

اپنی قبر کے لیے پیسے جمع کرنا

استفتاء نمبر: 101

آسٹریلیا میں قبر سترہ (17) سے اٹھارہ (18) لاکھ کی ملتی ہے تو اگر کوئی شخص اپنی قبر کے لئے پیسے جمع کر کے رکھے تو کیا یہ جائز ہے؟

سائل: حکیم میلاد رضا قادری کراچی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

اپنی قبر کے لئے پیسے جمع کر کے رکھنا بالکل جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ علماء کرام نے یہ ضرور فرمایا ہے کہ اپنی موت سے پہلے اپنی قبر نہیں بنانی چاہیے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کی موت کس جگہ پر ہونی ہے، البتہ اگر موت اور آخرت کی یاد ہانی کے لئے کوئی اپنی قبر بنائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور ایسا کرنا کئی بزرگوں سے ثابت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ

ترجمہ: اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔

(پارہ 21، سورۃ لقمن 34:)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته فلا بأس به و يؤجر عليه. هكذا عمل عمر بن عبد

العزیز والربیع بن خیثم وغیرھم

یعنی اور جس نے اپنی موت سے پہلے اپنے لیے قبر کھودی تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس پر وہ اجر دیا جائے گا اور ایسے حضرت عمر بن عبد العزیز اور ربیع بن خیثم وغیرہ نے کیا۔

(تاتارخانیہ، کتاب الصلاۃ، الجنائز، القبر والدفن، جلد 3 صفحہ 76 مطبوعہ زکریا)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ومن حفر قبرا لنفسه فلا باس به ويوجر عليه كذا فى التتار خانيه

یعنی اور جس نے اپنے لیے قبر کھودی تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس پر وہ اجر دیا جائے گا، ایسے ہی تتارخانیہ میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری جلد 1 صفحہ 166 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کفن پہلے سے تیار رکھنے میں حرج نہیں اور قبر پہلے سے نہ بنانا چاہئے۔ کمافی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

قال الله تعالى: "وما تدرى نفس باى ارض تموت

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کوئی جان نہیں جانتی کہ اس کی موت کس زمین میں ہوگی۔ (ت)

(فتاویٰ رضویہ جلد 9 صفحہ 265 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

والله اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلى الله عليه وآله وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/11/01

تصدیق وتصحیح

الجواب صحیح والمجیب نجیح

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود قادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

قبروں کو پکا کرنا

استفتاء نمبر:102

قبروں کو پکا کرنا کیسا ہے؟

سائل : عبدالرحمن سعودی عرب

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

قبر کے دو حصے ہوتے ہیں:

1— بیرونی حصہ جو لوگوں کو نظر آتا ہے۔

2— اندرونی حصہ جو میت کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔

قبر کے بیرونی حصے کو پکّا کرنا:

بغیر کسی وجہ کے عام لوگوں کی قبروں کے بیرونی (اوپر والے) حصے کو پکا (پختہ) کرنا مکروہِ تنزیہی (یعنی شرعاً ناپسندیدہ) ہے لہذا بہتر یہی ہے کہ بغیر کسی وجہ کے صرف زیب وزینت کے لئے ان کو اوپر سے پکا نہ کیا جائے لیکن اگر کوئی پکا کرتا بھی ہے تو گناہگار نہیں ہوگا۔

اور اگر عام لوگوں کی قبروں کو اوپر سے پکا کرنے کی کوئی ضرورت ہو جیسے درندوں کا خوف ہو کہ وہ قبر کو نقصان پہنچائیں گے یا کچی قبر کو شہید کر دیئے جانے کا خوف ہو وغیرہ وغیرہ تو ایسی صورت عوام الناس کی قبروں کو اوپر سے پکا مکروہِ تنزیہی بھی نہیں ہوگا۔

اور دینی عظمت رکھنے والوں (یعنی علماء کرام ومشائخ عظام) کی قبروں کو تعظیم کے لئے اوپر سے پکا کرنا بلا کراہت جائز ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت قائم رہے۔

قبر کا اندرونی حصے کو پکّا کرنا:

قبروں کے اندرونی حصوں کو بلا ضرورت پکا کرنا مکروہِ تحریمی اور ناجائز وگناہ ہے البتہ اگر زمین نرم ہو اور قبریں زیادہ دیر قائم نہ رہتی ہوں یا درندے ایذا پہنچاتے ہوں تو اندر سے بھی پکا کر سکتے ہیں اور اس صورت میں بہتر یہ ہے پکی اینٹوں پر مٹی کا لیپ کر دیا جائے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ویکرہ الآجر فی اللحد اذا کان یلی المیت کذا فی فتاوی قاضیخان

یعنی لحد میں میت سے متصل پکی اینٹیں لگانا مکروہ ہے، ایسے ہی فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل من مکان الی آخر، جلد 1 صفحہ 166 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(یسوی اللبن علیه و القصب لا الأجر) المطبوخ و الخشب لو حوله اما فوقه فلا یکره ابن ملك و جاز ذلك حوله بارض رخوة کالتابوت

یعنی اس پر کچی اینٹیں اور بانس لگا دے، پکی اینٹیں اور لکڑی اس (میت) کے گرد نہ لگائے، بہر حال اوپر ہو تو مکروہ نہیں، ابن الملک۔ اور نرم زمین ہو تو اس کے گرد بھی جائز ہے جیسے تابوت۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، باب صلوٰۃ الجنائز، فی دفن المیت، جلد 3 صفحہ 167 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد بن امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کرهوا الأجر و الواح الخشب و قال الامام التمرتاشی هذا ان کان حولٍ المیّت و ان کان فوقه لایکره لانه یکون عصمة من السبع و قال مشائخ بخارا لایکره الأجر فی بلدتنا لمساس الحاجة لضعف الاراضی

یعنی علماء نے پکی اینٹوں اور لکڑی کے تختوں کو مکروہ کہا ہے اور امام تمرتاشی نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب میّت کے گرد ہو، اور اگر اس کے اوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ یہ درندے سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، مشائخ بخارا نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں پکی اینٹیں مکروہ نہیں کیونکہ زمین کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، باب صلوٰۃ الجنائز، فی دفن المیت، جلد 3 صفحہ 167 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

امام قاضی حسن بن منصور بن محمود اوزجندی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یکره الأجر فی اللحد اذا کان یلی المیّت اما فیما وراء ذلك لاباس به و یستحب للبن و القصب

یعنی لحد میں پکّی اینٹ مکروہ ہے جبکہ میّت سے متصل ہو اس کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں، اور مستحب کچی اینٹ اور بانس ہے۔

(فتاویٰ قاضی خاں، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 92، منشی نولکشور لکھنؤ)

علامہ شیخ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال فی الخانیة یکرہ الآجر اذا کان مما یلی المیت اما فیما وراء ذلك فلا باس

یعنی امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے خانیہ میں فرمایا: قبر پکی کرنا مکروہ ہے جب میت کے متصل ہو، اگر اس کے علاوہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی حملها ودفنها، جلد 1، صفحہ 610، دار الکتب العلمیہ بیروت)

مزید تحریر فرماتے ہیں:

یفید ان ما ذکرہ مکروہ تحریمی

یعنی افادہ ہوتا ہے کہ جس کو امام قاضی خان نے ذکر کیا (یعنی بلاوجہ قبروں کو اندر سے پکا کرنا) مکروہِ تحریمی ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی حملها ودفنها، جلد 1، صفحہ 611، دار الکتب العلمیہ بیروت)

غنیۃ میں ہے:

اختاروا الشق فی دیارنا لرخاوۃ الاراضی فیتعذر اللحد فیها اجازوا الآجر و رفوف الخشب والتابوت ولو کان من حدید

یعنی ہمارے دیار میں شق اختیار کی گئی ہے اس لیے کہ زمین نرم ہے جس میں لحد متعذر ہے یہاں تک کہ علماء نے پکّی اینٹ، لکڑی کے صندوق اور تابوت کی اجازت دی ہے اگرچہ لوہے کا ہو۔

(غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الجنائز، صفحہ 595، سہیل اکیڈمی لاہور)

علامہ زین الدین نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قیدہ الامام السرخسی بان لایکون الغالب علی الاراضی النز و الرخاوۃ فان کان فلا باس بهما کاتخاذ تابوت من حدید لهذا

یعنی امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکم کو اس سے مقید کیا ہے کہ زمین پر تری اور نرمی غالب نہ ہو۔ اگر ایسی ہو تو پکی اینٹ اور لکڑی لگانے میں کوئی حرج نہیں، جیسے اس بناء پر لوہے کا تابوت لگانے میں حرج نہیں۔

(بحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلوتہ، جلد 2 صفحہ 194 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ابوبکر بن علی بن محمد حداد عبادی زبیدی یمنی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و قال التمرتاشی انما یکرہ الآجر اذا کان مما یلی المیت اما اذا کان من فوق اللبن لایکرہ لانہ یکون عصمۃ من السبع و صیانۃ عن النبی

اور تمرتاشی نے فرمایا: قبر کے اس حصے میں پکی اینٹیں لگانا مکروہ ہیں جو میت سے متصل ہو، بہرحال جب قبر کا اوپر والا حصہ پکا ہو تو مکروہ نہیں اس لئے کہ اس میں درندوں اور اکھیڑنے سے تحفظ ہے۔

(الجوهرة النیرة، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، جلد 1، صفحہ 272 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

فتح المعین میں ہے:

و قیدہ فی شرح المجمع بان یکون حولہ اما لو کان فوقہ لایکرہ لانہ یکون عصمۃ من السبع

شرح مجمع میں یہ قید لگائی ہے کہ اس کے گرد ہو لیکن اگر اوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ اس سے درندوں سے حفاظت رہے گی۔

(فتح المعین علی شرح الکنز لملا مسکین، باب الجنائز، فصل فی الصلوۃ علی المیّت، جلد 2 صفحہ 194، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

درر الحکام میں ہے:

یسوی اللبن و القصب لا الخشب و الأجر و جوز فی ارض رخوۃ

کچّی اینٹ اور بانس چُنا جائے، لکڑی اور پکی اینٹ نہ ہو اور نرم زمین میں اس کی بھی اجازت ہے۔

(درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، باب الجنائز، جلد 1 صفحہ 167، مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ دار سعادت بیروت)

شرح نقایہ برجندی میں ہے:

انما یکرہ الاجر فی اللحد ان کان یلی المیّت اما فی وراء ذلك فلا باس بہ کذا فی الخلاصۃ

و قال الامام علی السغدی اتخاذ التابوت فی دیارنا افضل من ترکہ

لحد میں پکّی اینٹ اسی صورت میں مکروہ ہے کہ میّت سے متصل ہو، اس کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں، ایسا ہی خلاصہ میں ہے۔

امام علی سغدی نے فرمایا: ہمارے دیار میں تابوت لگانا نہ لگانے سے بہتر ہے۔

(شرح نقایہ برجندی، فصل فی صلوۃ الجنازۃ، جلد 1، صفحہ 182، منشی نولکشور لکھنؤ)

مجمع الانہر میں ہے:

یکرہ الأجر و الخشب ای کرہ ستر اللحد بھما و بالحجارۃ و الجص لکن لو کانت الارض

رخوۃ جاز استعمال ماذکر

پکی اینٹ اور لکڑی مکروہ ہے صرف لحد کو ان سے اور پتھروں سے اور گچ سے چھپانا مکروہ ہے لیکن اگر زمین نرم ہو تو ان سب کا استعمال جائز ہے۔

(مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، فصل فی الصلوٰۃ المیّت، جلد 1، صفحہ 186، دار احیاء التراث العربی بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اور قبر پختہ بنانے میں حاصل ارشاد علمائے امجاد رحمہم اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ اگر پکی اینٹ میّت کے متصل یعنی اس کے آس پاس کسی جہت میں نہیں کہ حقیقۃً قبر اسی کا نام ہے بلکہ گڑھا کچا اور بالائے قبر پختہ ہے تو مطلقاً ممانعت نہیں، یہاں تک کہ امام اجل فقیہ مجتہد اسمٰعیل زاہدی نے خاص لحد میں پکی اینٹ پر نص فرمایا جبکہ نیچے کچے چوکے کی تہ ہو اور اپنی قبر مبارک میں یونہی کرنے کی وصیت فرمائی اور متصل میّت ممنوع مکروہ، مگر جبکہ بضرورت تری ونرمی زمین ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 9 صفحہ 421 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

آپ رحمۃ اللہ علیہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

قبر پختہ نہ کرنا بہتر ہے، اور کریں تو اندر سے کڑا کچا رہے، اوپر سے پختہ کرسکتے ہیں، طول وعرض موافق قبر میت ہو، اور بلندی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو، اور صورت ڈھلوان بہتر ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 9 صفحہ 425 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

قبر جس قدر میّت سے متصل ہوئی اس اندرونی حصہ کو پختہ کرنا ممنوع ہے اور باہر سے پختہ کرنے میں حرج نہیں، اور معظمان دینی کے لئے ایسا کرنے میں بہت مصالح شرعیہ ہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد 9 صفحہ 365 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

علماء مشائخ کی قبور کو اوپر سے پختہ کرنا جائز ہے عوام کے لئے مکروہ۔

(فتاویٰ امجدیہ جلد 3 صفحہ 389 مکتبہ رضویہ کراچی)

فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علماء متقدمین نے علماء ومشائخ کی قبروں کو صرف باہر سے پختہ بنانا جائز لکھا ہے اور عامہ مومنین کی قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا

ہے لیکن اب ہندوستان میں جبکہ کفار اور بعض دنیا دار مسلمان ان قبرستانوں پر قبضہ کر رہے ہیں کہ جن میں سب قبریں خام ہوتی ہیں، اس لئے ہر قبرستان میں کچھ قبروں کے پختہ ہونے کی اجازت ہے۔"

(فتاویٰ فیض الرسول جلد 2 صفحہ 531 شبیر برادرز لاہور)

مفتی اعظم پاکستان وقار الدین قادری امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

دینی عظمت والے لوگوں کی قبریں اوپر سے پکی بنا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ اندر کی طرف کسی ایسی چیز کا لگانا مکروہ ہے جو آگ سے بنائی گئی ہو مثلاً سیمنٹ یا پکی اینٹیں وغیرہ۔

(وقار الفتاویٰ جلد 2 صفحہ 362 بزم وقار الدین کراچی)

حکیم الامت مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

خیال رہے کہ قبر میں تین چیزیں ہیں: ایک اس کا اندرونی حصہ جو میت کے جسم سے ملا ہوا ہوتا ہے اسے پختہ کرنا، وہاں لکڑی یا پکی اینٹ لگانا مطلقاً ممنوع ہے خواہ ولی کی قبر ہو یا عام مسلمان کی، جسم میت مٹی میں رہنا چاہیئے حتی کہ اگر کسی وقت مجبوراً میت کو تابوت یا صندوق میں دفن کرنا پڑے تب بھی اس کے اندرونی حصے میں مٹی سے کہگل کر دی جائے۔ دوسرا قبر کا بیرونی حصہ جو لوگوں کو نظر آتا ہے اس کا پختہ کرنا عوام کی قبروں میں منع، اولیاء ومشائخ وعلماء کی قبور کا جائز کیونکہ عوام کے لیے یہ بیکار ہے اور خاص قبروں کی حرمت و تعظیم کا باعث اسی پر ہمیشہ مسلمانوں کا عمل رہا اور ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر لگایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کے آس پاس چبوترہ پختہ ہو اور تعویذ قبر کچا یہ مطلقاً جائز ہے۔ لہذا یہاں قبر سے مراد قبر کا اندرونی حصہ ہے اسی لیئے عَلَی الْقَبْرِ نہ فرمایا گیا، یا عام قبریں مراد ہیں جن سے مشائخ اور علماء کی قبریں مستثنیٰ ہیں۔ ابھی اسی باب میں آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق وفاروق کی قبور پر عہد صحابہ میں سرخ بجری بچھادی گئی تھی بالکل خام نہ رکھی گئی۔

(مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح جلد 2 صفحہ 489 نعیمی کتب خانہ گجرات)

مفتی منیب الرحمن صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

عام مسلمانوں کی قبروں کو پختہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ ہاں تعظیم کے لئے اولیاء کرام کی قبور کو پختہ کرنا جائز ہے تا کہ لوگوں کے دلوں میں عظمت واحترام قائم ہو۔

(تفہیم المسائل جلد 7 صفحہ 115 مکتبہ ضیاء القرآن لاہور)

نوٹ: اس تفصیل اور دلائل سے واضح ہو گیا کہ جس روایت میں قبر کو پکی کرنے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد بلا وجہ قبر کو اندر سے پکا کرنا ہے، لہذا اس روایت کو لے کر احناف پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/29

تصدیق وتصحیح

الجواب صحیح والمجیب نجیح

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود قادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

مرنے کے بعد روح کا مقام

استفتاء نمبر:103

(1)ـــمرنے کے بعد انسان کی روح کہاں رہتی ہے؟

(2)ـــبری روح کو سزا کہاں ملتی ہے؟

(3)ـــقبر اور عالم برزخ ایک ہیں یا الگ؟

سائل: مولانا تاج الدین انڈیا

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملک الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(2،1)ـــمرنے کے بعد روحیں، جسموں سے جدا ہو کر فنا نہیں ہوتی بلکہ روحوں کے رہنے کے لیے مقامات مقرر ہیں، نیک لوگوں کی روحوں کے لیے الگ اور برے لوگوں کی روحوں کے لیے الگ مقامات ہیں، جہاں وہ اپنے مرتبے کے لحاظ سے چلی جاتی ہیں، لیکن وہ جہاں کہیں بھی ہوں، جسموں سے ان کا تعلق باقی رہتا ہے، جسموں کی تکلیف سے روحوں کو تکلیف ہوتی ہے اور جسموں کی راحت سے روحوں کو راحت ملتی ہے۔

چنانچہ صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مرنے کے بعد مسلمان کی روح حسب مرتبہ مختلف مقاموں میں رہتی ہے، بعض کی قبر پر، بعض کی چاہِ زمزم شریف (یعنی زمزم شریف کے کنویں) میں، بعض کی آسمان وزمین کے درمیان، بعض کی پہلے، دوسرے، ساتویں آسمان تک اور بعض کی آسمانوں سے بھی بلند، اور بعض کی روحیں زیرِ عرش قندیلوں (قندیل کی جمع، ایک قسم کا فانوس جس میں چراغ جلا کر لٹکاتے ہیں) میں، اور بعض کی

اعلیٰ علّیین (جنت کے نہایت ہی بلند و بالا مکانات) میں مگر کہیں ہوں، اپنے جسم سے اُن کو تعلق بدستور رہتا ہے۔ جو کوئی قبر پر آئے اُسے دیکھتے، پہچانتے، اُس کی بات سنتے ہیں، بلکہ روح کا دیکھنا قُربِ قبر ہی سے مخصوص نہیں، اِس کی مثال حدیث میں یہ فرمائی ہے کہ:

ایک طائر پہلے قفص (یعنی ایک پرندہ پہلے پنجرہ) میں بند تھا اور اب آزاد کر دیا گیا

ائمہ کرام فرماتے ہیں:

إِنَّ النُّفُوْسَ الْقُدْسِيَّةَ إِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْأَعَلَائِقِ الْبَدَنِيَّةِ اتَّصَلَتْ بِالْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَتَرٰى وَتَسْمَعُ الْكُلَّ كَالْمُشَاهِدِ۔"

بیشک پاک جانیں جب بدن کے عَلاقوں سے جدا ہوتی ہیں، عالمِ بالا سے مل جاتی ہیں اور سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں حاضر ہیں۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، حرف الصاد، تحت الحدیث 5016 : جلد 4، صفحہ 263 بألفاظ متقاربۃ)

حدیث میں فرمایا:

إِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ يُخَلّٰى سَرْبُهٗ يَسْرَحُ حَيْثُ شَآءَ

یعنی جب مسلمان مرتا ہے تو اُس کی راہ کھول دی جاتی ہے، جہاں چاہے جائے۔

(شرح الصدور، باب فضل الموت، صفحہ 13، المصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب الزھد، کلام عبداللّٰہ بن عمرو، الحدیث 10 : جلد 8، صفحہ 189)

شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:

روح را قُرب و بُعد مکانی یکساں است

یعنی روح کے لیے کوئی جگہ دور یا نزدیک نہیں، بلکہ سب جگہ برابر ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 29، صفحہ 545 رضا فاؤنڈیشن لاہور بحوالہ فتاوی عزیزیہ)

کافروں کی خبیث روحیں بعض کی اُن کے مرگھٹ (ہندوؤں کے مردے جلانے کی جگہ)، یا قبر پر رہتی ہیں، بعض کی چاہِ برہُوت میں کہ یمن میں ایک نالہ ہے، بعض کی پہلی، دوسری، ساتویں زمین تک، بعض کی اُس کے بھی نیچے سجّین میں، اور وہ کہیں بھی ہو، جو اُس کی قبر یا مرگھٹ پر گزرے اُسے دیکھتے، پہچانتے، بات سُنتے ہیں، مگر کہیں جانے آنے کا اختیار نہیں، کہ قید ہیں۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ اول صفحہ 102، 103، 104 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مزید فرماتے ہیں:

مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق بدنِ انسان کے ساتھ باقی رہتا ہے، اگرچہ روح بدن سے جُدا ہوگئی، مگر بدن پر جو گزرے گی رُوح ضرور اُس سے آگاہ ومتأثر ہوگی، جس طرح حیاتِ دنیا میں ہوتی ہے، بلکہ اُس سے زائد۔ دنیا میں ٹھنڈا پانی، سرد ہَوا، نرم فرش، لذیذ کھانا، سب باتیں جسم پر وارِد ہوتی ہیں، مگر راحت ولذّت روح کو پہنچتی ہے اور ان کے عکس بھی جسم ہی پر وارِد ہوتے ہیں اور کُلفت واذیّت روح پاتی ہے، اور روح کے لیے خاص اپنی راحت واَلم کے الگ اسباب ہیں، جن سے سرور یا غم پیدا ہوتا ہے، بعینہ (بالکل) یہی سب حالتیں برزخ میں ہیں۔

(بہارشریعت جلداول حصہ اول صفحہ 101 مکتبۃ المدینہ کراچی)

(3)— دنیا اور آخرت کے درمیان عالم کو برزخ کہتے ہیں جس میں مرنے کے بعد قیامت تک ہر جن وانس کو رہنا ہے، قبر بھی عالمِ برزخ میں شامل ہے۔

پارہ 18 سورۃ المؤمنون کی آیت نمبر 100 کے تحت امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

البرزخ :ما بين الدنيا والآخرة

یعنی دنیا اور آخرت کے درمیان جو عالم ہے اسے برزخ کہتے ہیں۔

(تفسیر الطبری جلد 9 صفحہ 244)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

علماء فرماتے ہیں : دنیا کو برزخ سے وہی نسبت ہے جو رحم مادر کو دنیا سے، پھر برزخ کو آخرت سے یہی نسبت ہے جو دنیا کو برزخ سے''۔

(فتاوی رضویہ جلد 9 صفحہ 707 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

بہارِ شریعت میں ہے:

دنیا اور آخرت کے درمیان ایک اور عالَم ہے جس کو برزخ کہتے ہیں، مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے تمام اِنس وجن کو حسب مراتب اُس میں رہنا ہوتا ہے، اور یہ عالَم اِس دنیا سے بہت بڑا ہے۔ دنیا کے ساتھ برزخ کو وہی نسبت ہے جو ماں کے پیٹ کے ساتھ دنیا کو ، برزخ میں کسی کو آرام ہے اور کسی کو تکلیف۔

(بہارشریعت جلداول حصہ اول صفحہ 99 مکتبۃ المدینہ کراچی)

الحدیقۃ الندیۃ میں ہے :

(وعذاب القبر) قيد القبر جرى على الغالب أو قبر كل إنسان بحسبه.

وقال العلماء :

عذاب القبر هو عذاب البرزخ أضيف إلى القبر، لأنّه الغالب وإلاّ فكل ميت أراد الله تعالى تعذيبه ناله ما أراد الله به قبر أو لم يقبر ولو صلب أو غرق في بحر أو أكلته الدواب أو حرق حتى صار رماداً، وذرى في الريح ...

(وتنعيم أهل الطاعة) من المؤمنين (فيه) أي القبر يعني كائن ذلك فيه (بما) أي: بالوصف الذي (يعلمه الله تعالى ويريده) للعبد المؤمن كما قال صلى الله عليه وسلم: (القبر روضة من رياض الجنة أو حفرة من حفر النيران)

و كما تقدم في عذاب القبر يقال في نعيمه سواء قبر العبد أو لم يقبر حتى لو صلب أو غرق في بحر أو أكلته الدواب أو حرق... إلخ).

(الحدیقۃ الندیۃ جلد اول صفحہ 266، 267)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/02/05

تصدیق و تصحیح

الجواب صحیح والمجیب نجیح

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود قادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی نماز جنازہ

استفتاء نمبر: 104

حضرت آدم علیہ السلام کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی ہے؟

سائل : محمد علی قادری سیتامڑھی (بہار)

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایة الحق و الصواب

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی؟

اس حوالے سے دو اقوال ہیں:

1 – پہلا قول یہ ہے کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی نمازِ جنازہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پڑھائی اور ان کی اقتداء میں فرشتوں نے پڑھی، اور یہ اکثر علمائے کرام کا قول ہے۔

چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الملائكة صلت على آدم و كبرت عليه اربعا، وقالوا :هذه سنتكم يابنى آدم

یعنی بے شک فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام نمازِ جنازہ پڑھی اور ان پر چار تکبیریں کہیں اور فرمایا :اے بنی آدم! یہ تمہارا طریقہ ہے۔

(المنتظم فی تاریخ الملوک والامم جلد 1 صفحہ 227 دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

صلى جبريل على آدم، كبر عليه اربعًا و صلى جبريل بالملائكة يومئذٍ و دفن فى مسجد الخيف واحد من قبل القبلة و لحد له و كتم قبره

یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام پر نمازِ جنازہ پڑھی، ان پر چار تکبیریں کہیں اور اسی دن فرشتوں کو لے کر نمازِ جنازہ پڑھائی اور کسی ایک نے مسجد خیف میں قبلہ کی جانب دفن کر دیا اور ان کی بغلی قبر تیار کی اور ان کی قبر کو چھپا دیا۔

(المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، باب ذکر آدم علیہ السلام، جلد 1 صفحہ 228 دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اتاہ جبریل بثیاب من الجنۃ و حنوط من حنوطھا، فکفنہ و حنطہ و حملتہ الملائکۃ حتی وضعتہ بباب الکعبۃ و صلی علیہ جبریل ثم حملتہ الملائکۃ حتی دفنتہ فی مسجد الخیف

یعنی حضرت جبریل علیہ السلام جنتی کفن اور جنتی خوشبو لائے پھر حضرت آدم علیہ السلام کو کفن پہنایا اور ان پر خوشبو ملی اور فرشتوں نے ان (کے جسدِ اقدس) کو اٹھایا یہاں تک کہ کعبہ کے دروازے پر رکھ دیا اور ان پر جبریل علیہ السلام نے نمازِ جنازہ پڑھی، پھر فرشتوں نے انہیں اٹھایا یہاں تک کہ انہیں مسجدِ خیف (کے قرب) میں دفن کر دیا۔

(المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، باب ذکر آدم علیہ السلام، جلد 1 صفحہ 228 دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جنازہ کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام کے دور سے ہے۔ ملائکہ نے سیدنا آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں کہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 5 صفحہ 376 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ملائکہ ان کا لاشہ مبارک کعبہ میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نمازِ جنازہ ادا کی، جس میں حضرت جبرئیل امام تھے اور باقی فرشتے مقتدی اور اس نماز چار تکبیریں کہیں۔ جیسے کہ آج ہوتی ہیں۔

(تفسیر نعیمی جلد 1 صفحہ 261 مکتبہ اسلامیہ لاہور بحوالہ تفسیرِ عزیزی، تذکرۃ الانبیاء صفحہ 84 مکتبہ امام احمد رضا)

فتاوی علیمیہ ہے: سنن دار قطنی میں ہے:

عن ابن عباس قال صلی جبریل علیہ السلام علی آدم علیہ السلام کبر علیہ اربعا صلی جبریل بالملٰئکۃ یومئذ و دفن فی مسجد الخیف

یعنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی چار تکبیر کہہ کر نماز جنازہ پڑھی، اس دن حضرت جبریل نے فرشتوں کو نماز پڑھائی اور حضرت آدم علیہ السلام مسجدِ خیف میں مدفون ہوئے۔

(سنن الدار قطنی، کتاب الجنائز، جلد 2، صفحہ 70)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی نمازِ جنازہ حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑھائی۔

(فتاویٰ علیمیہ جلد 1 صفحہ 352 شبیر برادرز لاہور)

2—دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی نمازِ جنازہ حضرت شیث علیہ السلام نے پڑھائی ہے۔

چنانچہ ابوصالح رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قال شيث لجبريل :صل على آدم ,فقال :تقدم انت و كبر عليه ثلاثين تكبيرة

حضرت شیث علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا:

آپ آدم علیہ السلام پر نمازِ جنازہ پڑھیں۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ علیہ السلام آگے بڑھیے اور اوران پر تیس تکبیریں کہیں۔

(المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، باب ذکر آدم علیہ السلام، جلد 1 صفحہ 228 دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

10/08/2020

تصدیق و تصحیح

الجواب صحیح والمجیب نجیح

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود قادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی۔

کتاب الصوم (روزے کا بیان)

دوران روزہ حیض کا حکم

استفتاء نمبر:105

اگر روزے کے دوران کسی عورت کو حیض آجائے تو اس کے روزے کا کیا حکم ہوگا نیز اس کو باقی دن کھانا پینا جائز ہے یا روزہ دار کی طرح کھائے پیئے بغیر رہنا ہوگا؟

سائلہ :ام عمارہ عطاریہ

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق و الصواب

اگر کسی عورت کو روزے کے دوران حیض آ گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر وہ روزہ فرض تھا تو بعد میں اس کی قضا اس پر فرض ہوگی اور اگر وہ روزہ نفل تھا تو بعد میں اس کی قضا اس پر واجب ہوگی اور دن کا بقیہ حصہ روزہ دار کی طرح بھوکا پیاسا رہنا اس پر واجب نہیں ہے بلکہ وہ حیض آنے کے بعد کھا پی سکتی ہے البتہ اس کے لیے چھپ کر کھانا پینا بہتر ہے .

چنانچہ مختصر القدوری مع الجوہرہ میں ہے:

و اذا حاضت المرأة افطرت و قضت) و كذا اذا نفست, و هل تأكل سرا او جهرا؟قيل سرا و قيل :جهرا, و لا يجب عليه التشبه.

یعنی اور جب عورت کو حیض آجائے تو وہ روزہ توڑ دے اور اس کی قضا رکھے اور ایسے ہی جب اسے نفاس آجائے، اور کیا وہ چھپ کر کھائے گی یا ظاہری طور پر؟

بعض علماء نے فرمایا کہ چھپ کر کھائے۔اور بعض نے فرمایا کہ: ظاہری طور پر کھائے اور اس پر روزہ دار سے تشبہ (یعنی روزہ دار کی طرح بھوکا پیاسا رہنا) واجب نہیں ہے .

(الجوھرۃ النیرۃ شرح مختصر القدوری جلد اول صفحہ 348 مکتبہ رحمانیہ)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

و اذا حاضت المرأة او نفست افطرت كذا فى الهداية

یعنی اور جب عورت حیض یا نفاس والی ہوجائے تو روزہ توڑ دے، ایسے ہی ہدایہ میں ہے .

(فتاوی عالمگیری جلد اول صفحہ 228 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

خاتم المحققین علامہ محمد بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

واجمعوا علی انہ لا یجب علی الحائض والنفساء والمریض والمسافر

یعنی اور اہل علم نے اجماع کیا ہے اس پر کہ حیض ونفاس والی عورت، مریض اور مسافر پر (روزہ دار کی طرح بقیہ دن کھانے پینے سے رکنا) واجب نہیں ہے۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد 3 صفحہ 440 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی مصری حنفی شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

بخلاف الحائض والنفساء والمریض والمسافر حیث لا یجب علیھم الامساك تشبھا عند وجود العذر اتفاقاً

یعنی بخلاف حیض ونفاس والی عورت، مریض اور مسافر کے، اس حیثیت سے کہ ان سب پر عذر کے پائے جانے کے وقت روزہ دار سے تشبہ کی بناء پر امساک (دن کا بقیہ حصہ کھانے پینے سے رکنا) بالاتفاق واجب نہیں ہے۔

(امداد الفتاح شرح نور الایضاح صفحہ 694 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

روزے کی حالت میں حیض یا نفاس شروع ہو گیا تو وہ روزہ جاتا رہا اس کی قضا رکھے، فرض تھا تو قضا فرض ہے اور نفل تھا تو قضا واجب۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ 2 صفحہ 382 مکتبۃ المدینہ کراچی)

ایک اور مقام پر صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مگر (حیض ونفاس والی عورت کے لیے) چھپ کر کھانا اولیٰ ہے خصوصاً حیض والی کے لیے۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ 5 صفحہ 1004 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/05/06

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

عصراور مغرب کے درمیان روزہ

استفتاء نمبر:106

عصر اور مغرب کے دوران روزہ رکھنا (یعنی عصر سے مغرب تک نہ کھانا، نہ پینا) کیسا ہے؟

سائل: جاوید قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

ہمارے پاکستان میں اسے عصر اور مغرب کے درمیان والا روزہ کہا جاتا ہے جبکہ بعض جگہوں پر اس کو عصر کا روزہ بھی کہتے ہیں، حدیث وفقہ میں اس کی اصل نہیں ہے اور نہ ہی یہ روزہ ہے البتہ بعض بزرگوں کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ عصر اور مغرب کے درمیان کچھ کھاتے پیتے نہیں تھے تو جو بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عصر تا مغرب کھانے پینے سے باز رہے گا اتنا ہی نفسانی شہوات و لذات سے بچا رہے گا اور جتنا نفسانی خواہشات سے بچے گا اتنا ہی اس کے لیے برکت اور خیر کا باعث ہوگا۔

چنانچہ سیدی اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا:

حدیث، فقہ میں اس کی اصل نہیں، معمولاتِ بعض مشائخ سے ہے اور اس پر عمل میں حرج نہیں، انسان جتنی دیر شہواتِ نفسی سے بچے، بہتر ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 23 صفحہ 106 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/02/27

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

روزے کی حالت میں آنکھ میں دوا ڈالنا

استفتاء نمبر: 107

1— کیا روزے کی حالت آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

2— روزے کی حالت میں آنکھ میں سرمہ اور کاجل لگانا کیسا ہے؟

سائل: جمشید قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

1— اصول یہ ہے ہر وہ دوا یا غذا وغیرہ جو کسی مَنفَذ (Passage، Route، واضح سوراخ) کے ذریعے جَوف (یعنی معدہ یا معدہ تک جانے والے راستوں کے اندرونی حصے) یا دماغ تک پہنچ جائے تو وہ روزہ توڑ دیتی ہے اور جو دوا یا غذا وغیرہ مساموں (یعنی جسم میں موجود انتہائی باریک سوراخوں) کے ذریعے جوف یا دماغ تک پہنچے تو وہ روزہ نہیں توڑتی۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ تو اس مسئلے کا دارومدار اس بات پر ہے کہ آنکھ اور حلق کے درمیان کوئی مَنفَذ ہے یا نہیں؟

ہمارے قدیم فقہائے کرام علیہم الرحمہ کے نزدیک آنکھ اور حلق کے درمیان منفذ نہیں تھا، اس لیے انہوں نے آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہ ٹوٹنے کا حکم دیا لیکن جدید طبی ریسرچ (تحقیق) اور اناٹومی (Anotomy، علم تشریح الاعضاء) کے مطابق آنکھ اور حلق کے درمیان منفذ موجود ہے، اِس طرح کہ آنکھ کے کنارے میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہے جو ایک لیکری مل ڈکٹ (Lacri Mal Duct) نامی نالی میں کھلتا ہے، تو جب آنکھ میں دوا ڈالی جاتی ہے تو وہ دوا اس سوراخ سے داخل ہو کر لیکری مل ڈکٹ میں پہنچتی ہے، پھر وہاں سے ناک میں پہنچتی ہے اور پھر ناک کے ذریعے حلق کی ایک پھیرنکس (Pharynx) نامی نالی میں پہنچ جاتی ہے۔

لہذا آنکھ میں کسی بھی طرح دوا ڈالی جائے وہ روزے کو توڑ دے گی۔

چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ ''فتح القدیر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

والمفطر الداخل من المنافذ کالمدخل والمخرج لا من المسام

یعنی روزہ وہ چیز توڑتی ہے جو کسی منافذ سے (جسم میں) داخل ہو جیسے مَدخَل (یعنی منہ، ناک وغیرہ) اور مَخرَج (یعنی پاخانہ کا مقام، عورت کی اگلی شرمگاہ)۔ مسام کے ذریعے داخل ہونے والی چیز روزہ نہیں توڑتی۔

(فتح القدیر، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارۃ، جلد 2 صفحہ 257 مطبوعہ کوئٹہ)

علامہ ابنِ نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

والداخل من المسام لا من المسالك فلا ینافیه کما لو اغتسل بالماء البارد ووجد بردہ فی کبدہ

یعنی جو چیز مسام کے ذریعے داخل ہو راستوں (منافذ) کے ذریعے داخل نہ ہو تو وہ روزے کے منافی نہیں جیسے اگر کسی نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور اس کی ٹھنڈک اپنے جگر میں محسوس کی (تو روزہ نہیں ٹوٹے گا)۔

(بحر الرائق شرح کنز الدقائق کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ، جلد 2 صفحہ 476 مطبوعہ کوئٹہ)

فتاویٰ عالمگیری میں ''شرح المجمع'' کے حوالے سے ہے:

وما یدخل من مسام البدن من الدهن لا یفطر

جو چیز یعنی تیل (وغیرہ) بدن کے مسام کے ذریعے (جسم میں) داخل ہو تو روزہ نہیں توڑے گی۔

(فتاویٰ عالمگیری کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد ومالایفسد، جلد 1 صفحہ 203 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

والمفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد بردہ فی باطنه انه لایفطر

یعنی اور روزہ توڑنے والی وہ چیز ہے جو منافذ کے ذریعے (جوف یا دماغ تک) داخل ہو، کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے پانی میں غسل کیا پس اس نے پانی کی ٹھنڈک اپنے باطن (اندر) میں محسوس کی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹا۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ، جلد 3 صفحہ 421 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

2— جب جدید طبی تحقیق اور اناٹومی کے مطابق آنکھ اور حلق کے درمیان منفذ موجود ہے تو اصول وقیاس کے مطابق آنکھ میں سرمہ ڈالنے سے بھی روزہ ٹوٹ جانا چاہیے لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے کی حالت میں سرمہ لگانے کی

اجازت خود عطا فرمائی ہے لہذا خلافِ قیاس استحساناً روزے کی حالت میں سرمہ لگانا جائز ہوگا اور اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں:

جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال اشتکت عینی افاکتحل و انا صائم؟ فقال (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) :نعم

یعنی ایک مرد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، پس اس نے عرض کی: میری آنکھیں دکھ رہی ہیں تو کیا میں روزے کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔

(جامع ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی الکحل للصائم، جلد اول صفحہ 273 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

انہ کان اکتحل وھو صائم

یعنی آپ رضی اللہ عنہ روزے کی حالت میں سرمہ لگایا کرتے تھے۔

(سنن ابی داؤد جلد اول صفحہ 344 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وسیاتی ان کلا من الکحل والدھن غیر مکروہ

یعنی اور عنقریب آئے گا کہ (روزے کی حالت میں) سرمہ اور تیل دونوں میں سے ہر ایک مکروہ نہیں ہے۔

(ردالمحتار علی الدالمختار جلد 3 صفحہ 421 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

نوٹ روزے کی حالت میں آنکھوں میں کاجل نہیں لگا سکتے کیونکہ کاجل سرمہ نہیں ہے بلکہ اس کے اندر مختلف چیزیں شامل ہوتی ہے لہذا کاجل کے لئے سرمہ والا حکم نہیں ہوگا۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/05/09

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

روزے کی حالت میں کان میں دوا ڈالنا

استفتاء نمبر:108

کیا روزے کی حالت میں کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

سائل: عبدالرحمن

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

اصول یہ ہے کہ ہر وہ دوا یا غذا وغیرہ جو کسی مَنْفَذْ (Passage، Route، واضح سوراخ) کے ذریعے جَوْف (یعنی معدہ یا معدہ تک جانے والے راستوں کے اندرونی حصے) یا دماغ تک پہنچ جائے تو وہ روزہ توڑ دیتی ہے اور جو دوا یا غذا وغیرہ مساموں (یعنی جسم میں موجود انتہائی باریک سوراخوں) کے ذریعے جوف یا دماغ تک پہنچے تو وہ روزہ نہیں توڑتی۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ تو اس مسئلے کا دارومدار اس بات پر ہے کہ کان اور حلق کے درمیان کوئی مَنْفَذْ ہے یا نہیں؟

ہمارے قدیم فقہائے کرام علیہم الرحمہ کے نزدیک کان اور حلق کے درمیان منفذ تھا، اسلیے انہوں نے کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹنے کا حکم دیا لیکن جدید طبی ریسرچ (تحقیق) اور اناٹومی (Anotomy، علم تشریح الاعضاء) کے مطابق کان اور حلق کے درمیان منفذ موجود نہیں بلکہ درمیان میں پردہ ہے لہذا اگر کان کا پردہ سلامت ہو تو کان میں کسی بھی طرح کی دوا ڈالی جائے، روزے کو نہیں توڑے گی کیونکہ یہ دوا مساموں کے ذریعے حلق میں داخل ہو رہی ہے اور جو دوا مساموں کے ذریعے اندر داخل ہو وہ روزہ نہیں توڑتی۔

البتہ اگر کان کا پردہ پھٹا ہوا ہو تو کان میں دوا ڈالنا روزے کو توڑ دے گا کیونکہ اس صورت میں دوا مَنْفَذْ (یعنی واضح سوراخ) کے ذریعے حلق میں داخل ہو رہی ہے اور جو دوا منفذ کے ذریعے اندر داخل ہو وہ روزہ توڑ دیتی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ "فتح القدیر" میں تحریر فرماتے ہیں:

والمفطر الداخل من المنافذ کالمدخل و المخرج لا من المسام

یعنی روزہ وہ چیز توڑتی ہے جو کسی منافذ سے (جسم میں) داخل ہو جیسے مَدْخَل (یعنی منہ، ناک وغیرہ) اور مَخْرَج (یعنی پاخانہ کا مقام، عورت کی اگلی شرمگاہ)۔ مسام کے ذریعے داخل ہونے والی چیز روزہ نہیں توڑتی۔

(فتح القدیر، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارۃ، جلد 2 صفحہ 257 مطبوعہ کوئٹہ)

علامہ ابنِ نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

والداخل من المسام لا من المسالك فلا ينافيه كما لو اغتسل بالماء البارد ووجد بردہ فی کبدہ

یعنی جو چیز مسام کے ذریعے داخل ہو راستوں (منافذ) کے ذریعے داخل نہ ہو تو وہ روزے کے منافی نہیں جیسے اگر کسی نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور اس کی ٹھنڈک اپنے جگر میں محسوس کی (تو روزہ نہیں ٹوٹے گا)۔

(بحر الرائق شرح کنز الدقائق کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ، جلد 2 صفحہ 476 مطبوعہ کوئٹہ)

فتاویٰ عالمگیری میں ''شرح المجمع'' کے حوالے سے ہے:

وما یدخل من مسام البدن من الدھن لا یفطر

جو چیز یعنی تیل (وغیرہ) بدن کے مسام کے ذریعے (جسم میں) داخل ہو تو روزہ نہیں توڑے گی۔

(فتاوی عالمگیری کتاب الصوم، الباب الرابع فیمایفسد ومالایفسد، جلد 1 صفحہ 203 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

والمفطر انما ھو الداخل من المنافذ للاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد بردہ فی باطنہ انہ لا یفطر

یعنی اور روزہ توڑنے والی وہ چیز ہے جو منافذ کے ذریعے (جوف یا دماغ تک) داخل ہو،

کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے پانی میں غسل کیا پس اس نے پانی کی ٹھنڈک اپنے باطن (اندر) میں محسوس کی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ، جلد 3 صفحہ 421 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/05/09

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

روزے کی حالت میں ڈرپ اور انجکشن لگوانا

استفتاء نمبر: 109

1– کیا روزے کی حالت میں انجکشن (ٹیکہ) لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

2– کیا روزے کی حالت میں گلوکوز کی ڈرپ یا خون کی بوتل لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

سائل: جنید عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

1، 2: روزے کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے رگ میں لگوائیں یا پٹھوں (گوشت) میں، اسی طرح ہر طرح کی ڈرپ لگوانے یا خون کی بوتل لگوانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ اصول یہ ہے ہر وہ دوا یا غذا وغیرہ جو کسی مَنْفَذْ (Passage، Route)، واضح سوراخ مثلاً حلق، آنکھ، ناک، پاخانے کا مقام اور عورت کے پیشاب کا مقام) کے ذریعے جَوْف (یعنی معدہ یا معدہ تک جانے والے راستوں کے اندرونی حصے) یا دماغ تک پہنچ جائے تو وہ روزہ توڑ دیتی ہے اور جو دوا یا غذا وغیرہ مساموں (یعنی جسم میں موجود انتہائی باریک سوراخوں) کے ذریعے جوف یا دماغ تک پہنچے تو وہ روزہ نہیں توڑتی، اور انجکشن، ڈرپ یا خون کی بوتل لگوانے میں دوا اور خون منفذ کے ذریعے معدے یا دماغ تک نہیں جاتا بلکہ مساموں کے ذریعے جاتا ہے اور جو چیز مساموں کے ذریعے معدے یا دماغ تک پہنچے وہ روزہ نہیں توڑتی، اس کی نظیر روزے کی حالت میں سانپ، بچھو کا ڈسنا اور غسل وغیرہ کرنا ہے کہ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیھم نے ان کو روزہ توڑنے والا قرار نہیں دیا کیونکہ سانپ، بچھو کا زہر اور غسل کا پانی منفذ کے ذریعے اندر داخل نہیں ہوتا بلکہ مساموں کے ذریعے اندر داخل ہوتا ہے، لہٰذا اسی طرح بوقتِ ضرورت انجکشن، ڈرپ اور خون کی بوتل وغیرہ لگوانا جائز ہے اور ان سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

والمفطر الداخل من المنافذ کالمدخل والمخرج لا من المسام

یعنی روزہ وہ چیز توڑتی ہے جو کسی منافذ سے (جسم میں) داخل ہو جیسے مَدخَل (یعنی منہ، ناک وغیرہ) اور مَخرَج (یعنی پاخانہ کا مقام، عورت کی اگلی شرمگاہ)۔ مسام کے ذریعے داخل ہونے والی چیز روزہ نہیں توڑتی۔

(فتح القدیر، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارۃ، جلد 2 صفحہ 257 مطبوعہ کوئٹہ)

علامہ ابنِ نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

والداخل من المسام لا من المسالک فلا ینافیہ کما لو اغتسل بالماء البارد ووجد بردہ فی کبدہ

یعنی جو چیز مسام کے ذریعے داخل ہو راستوں (منافذ) کے ذریعے داخل نہ ہو تو وہ روزے کے منافی نہیں جیسے اگر کسی نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور اس کی ٹھنڈک اپنے جگر میں محسوس کی (تو روزہ نہیں ٹوٹے گا)۔

(بحر الرائق شرح کنز الدقائق کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ، جلد 2 صفحہ 476 مطبوعہ کوئٹہ)

فتاویٰ عالمگیری میں "شرح المجمع" کے حوالے سے ہے:

ومایدخل من مسام البدن من الدھن لایفطر

جو چیز یعنی تیل (وغیرہ) بدن کے مسام کے ذریعے (جسم میں) داخل ہو تو روزہ نہیں توڑے گی۔

(فتاوی عالمگیری کتاب الصوم، الباب الرابع فیمایفسد ومالایفسد، جلد 1 صفحہ 203 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

والمفطر انما ھو الداخل من المنافذ للاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد بردہ فی باطنہ انہ لایفطر

یعنی اور روزہ توڑنے والی وہ چیز ہے جو منافذ کے ذریعے (جوف یا دماغ تک) داخل ہو، کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے پانی میں غسل کیا پس اس نے پانی کی ٹھنڈک اپنے باطن (اندر) میں محسوس کی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹا۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ، جلد 3 صفحہ 421 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا محمد مصطفی رضا خان قادری نوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

پھر واقعی انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ انجکشن سے دوا جوف میں نہیں جاتی، انجکشن ایسا ہی ہے جیسے سانپ کاٹے، بچھو

کاٹے، جیسے ان کے دانت یا ڈنگ جوف میں نہیں جاتے اور روزہ فاسد نہیں ہوتا، یوں ہی انجکشن۔

(فتاوی مفتی اعظم جلد 3 صفحہ 302 شبیر برادرز لاہور)

فقیہ اعظم ابوالخیر مفتی محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ہر ایک ٹیکہ مفسدِ روزہ نہیں۔

(فتاوی نوریہ جلد دوم صفحہ 217 دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور اوکاڑہ)

شارحِ بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کہ انجکشن خواہ گوشت کا ہو یا رگ کا انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(فتاویٰ شارح بخاری جلد اول صفحہ 42 مکتبہ برکات المدینہ کراچی)

فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

تحقیق یہ ہے کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے رگ میں لگایا جائے چاہے گوشت میں۔

(فتاوی فیض الرسول جلد 1 صفحہ 516 شبیر برادرز لاہور)

فتاویٰ فقیہِ ملت میں ہے:

انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا چاہے گوشت میں لگوایا جائے یا رگ میں۔

(فتاویٰ فقیہِ ملت جلد اول صفحہ 344 شبیر برادرز لاہور)

فتاوی بریلی شریف میں ہے:

صورتِ مسؤلہ (یعنی روزے کی حالت میں گلوکوز کی ڈرپ لگوانے) میں اگر اضطرار کی حالت ہو تو حرج نہیں ورنہ مکروہ ہے اور اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ بھوک ختم ہو جاتی ہے۔

(فتاوی بریلی شریف صفحہ 362 شبیر برادرز لاہور)

مفتی عبد الواجد قادری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

انجکشن اور ٹیکہ کی دوائیں نہ تو کسی منفذ کے ذریعہ معدہ میں پہنچتی ہیں اور نہ دماغ میں تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(فتاوی یورپ صفحہ 307 شبیر برادرز لاہور)

فتاوی اہلسنت میں ہے: حالتِ روزہ میں انسولین کا انجکشن لگانا جائز ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(فتاویٰ اہلسنت احکامِ روزہ واعتکاف صفحہ 10 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مفتی محمد اکمل عطاء قادری مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

انجکشن یا ڈرپ کی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(روزوں کے مسائل صفحہ 26 مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

15/05/2020

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

مسجد کے احاطے میں سگریٹ پینا

استفتاء نمبر:110

مُعتَکِف یا غیر معتکف کا مسجد کے احاطے میں سگریٹ پینا کیسا ہے؟

سائل: ڈاکٹر امجد

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

اس مسئلے کی چند صورتیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

1۔۔اگر معتکف یا غیر معتکف فنائے مسجد میں اس جگہ سگریٹ پیتا ہے کہ جہاں نماز ہوتی ہے اور سگریٹ کا بدبودار دھواں عینِ مسجد (یعنی مسجد کے ہال اور صحن وغیرہ) تک پہنچتا ہے تو اس کا سگریٹ پینا ناجائز ہے۔

2۔۔اگر معتکف یا غیر معتکف فنائے مسجد میں اس جگہ سگریٹ پیتا ہے کہ جہاں نماز نہیں ہوتی جیسے جوتے رکھنے کی جگہ اور استنجاء خانہ وغیرہ کی جگہ اور سگریٹ کا بدبودار دھواں عینِ مسجد (یعنی مسجد کے ہال اور صحن وغیرہ) تک پہنچتا ہے۔

3۔۔اگر معتکف یا غیر معتکف فنائے مسجد میں اس جگہ سگریٹ پیتا ہے کہ جہاں نماز نہیں ہوتی جیسے جوتے رکھنے کی جگہ اور استنجاء

خانہ وغیرہ کی جگہ اور سگریٹ کا بدبودار دھواں عینِ مسجد (یعنی مسجد کے ہال اور صحن وغیرہ) تک بھی نہیں پہنچتا لیکن منہ میں سگریٹ کی بو باقی ہوتی ہے اور اسی حالت میں مسجد میں داخل ہوجاتا ہے۔

4- یا پھر معتکف یا غیر معتکف عینِ مسجد (یعنی مسجد کے ہال اور صحن وغیرہ) میں سگریٹ پیتا ہے۔

تو ان مذکورہ چاروں صورتوں میں سگریٹ پینا ناجائز اور ایسا شخص گناہگار ہوگا اور اس پر اس طرح سگریٹ پینے سے بچنا ضروری ہوگا۔

اور اگر فنائے مسجد میں اس جگہ سگریٹ پیتا ہے کہ جہاں نماز ہوتی ہے اور وہاں سے سگریٹ کا بدبودار دھواں عینِ مسجد تک نہیں پہنچتا اور وہ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے منہ کو بھی اچھی طرح سے صاف کرلیتا ہے تو اگرچہ اس کا اس طرح سگریٹ پینا جائز ہے لیکن بے ادبی ضرور ہے لہذا اس سے بھی احتراز کرے (یعنی بچے)۔

اور اگر فنائے مسجد میں ایسی جگہ سگریٹ پیتا ہے کہ جہاں نماز نہیں ہوتی جیسے جوتے رکھنے کی جگہ اور استنجاء خانہ وغیرہ کی جگہ اور بدبو بھی عینِ مسجد تک نہیں پہنچتی اور وہ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے منہ کو بھی اچھی طرح سے صاف بھی کرلیتا ہے تو پھر اس کے لئے اس طرح سگریٹ پینا جائز ہے اور اس پر اعتراض کرنا بیجا ہے۔

چنانچہ نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسلم نے کچا پیاز اور لہسن کھانے سے منع کیا اور فرمایا:

من اکلھما فلا یقربن مسجدنا

یعنی جس نے پیاز اور لہسن کھائی تو وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الثوم، صفحہ 604 رقم الحدیث 3827 : دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، مشکوۃ المصابیح صفحہ 70)

اور فرمایا:

ان کنتم لابد آکلیھما فامیتوھما طبخا

یعنی اگر کھانا ہی چاہتے ہو تو پکا کر ان کی بُو دُور کرلو۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی اکل الثوم، صفحہ 604، رقم الحدیث 3827 : دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، مشکوۃ المصابیح صفحہ 70)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ھر چہ بوئے ناخوش دارد از ماکولات وغیر ماکولات دریں حکم داخل ست

یعنی ہر وہ چیز کہ جس کی بو ناپسند ہو، اس حکم میں داخل ہے، خواہ وہ کھانے والی چیزوں سے ہو یا نہ ہو۔

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ المصابیح، جلد 1، صفحہ 328)

غمز عیون البصائر میں ہے:

لأن تنظيف المسجد واجب

یعنی اس لئے کہ مسجد کو صاف ستھرا رکھنا واجب ہے۔

(غمز عیون البصائر، الفن الثانی، القول فی احکام المسجد، جلد 4 صفحہ 53،54، 55 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

البحر الرائق میں ہے:

إنما الحرمة للمسجد ولكون المسجد يصان عن القاذورات ولو كانت طاهرة

یعنی بیشک یہ مسجد کی حرمت کی وجہ سے ہے تاکہ مسجد کو ہر قسم کی گندی چیزوں سے بچایا جائے اگرچہ وہ چیزیں پاک ہی کیوں نہ ہوں۔

(البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، جلد 2 صفحہ 61 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مُنہ میں بدبُو ہونے کی حالت میں (گھر میں پڑھی جانے والی) نَماز بھی مکروہ ہے اور ایسی حالت میں مسجد جانا حرام ہے جب تک مُنہ صاف نہ کرلے۔ اور دوسرے نَمازی کو اِیذا پہنچنی حرام ہے، اور دوسرا نَمازی نہ بھی ہو تو بھی بدبُو سے ملائکہ کو اِیذا پہنچتی ہے۔

حدیث میں ہے:

جس چیز سے انسان تکلیف مَحسوس کرتے ہیں فِرِشتے بھی ان سے تکلیف مَحسوس کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد و موضع الصلاۃ، باب النھی من اکل ثوما او بصلا او کراثا ونحوھا، صفحہ 206، رقم الحدیث 564 :، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

(فتاویٰ رضویہ جلد 7 صَفْحہ 384 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مزید ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

جس کے بدن میں بدبو ہو کہ اُس سے نَمازیوں کو اِیذا ہو مَثَلاً مَعَاذَ اللہ عَزَّ وَجَلَّ گندہ دَہَن (یعنی جس کو مُنہ سے بدبو آنے کی بیماری ہو)، گندہ بَغَل (یعنی جس کے بغل سے بدبو آنے کا مرض ہو) یا جس نے خارِش وغیرہ کے باعِث گندھک ملی (یا کوئی سا بدبودار مرہم یا لوشن لگایا) ہو اُسے بھی مسجد میں نہ آنے دیا جائے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 8 صفحہ 72 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد میں کچّا لہسن اور کچّی پیاز کھانا یا کھا کر جانا جائز نہیں جب تک کہ بو باقی ہو اور یہی حکم ہر اُس چیز کا ہے جس میں بُو ہو جیسے

گندنا (یہ لہسن سے ملتی جلتی ترکاری ہے) مُولی، کچا گوشت اور مٹّی کا تیل، وہ دِیا سلائی جس کے رگڑنے میں بُو اُڑتی ہو، رِیاح خارِج کرنا وغیرہ وغیرہ۔ جس کو گندہ دَہنی کا عارِضہ (یعنی منہ سے بدبو آنے کی بیماری) یا کوئی بدبودار زخم ہو یا کوئی بدبودار دوا لگائی ہو تو جب تک بُو منقطع (یعنی ختم) نہ ہو اُس کو مسجد میں آنے کی مُمانعت ہے۔

(بہارِ شریعت جلد 1 صفحہ 648 مکتبۃ المدینہ کراچی)

فقیہِ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

معتکف بیڑی، سگریٹ، حقہ پینے کے لیے فنائے مسجد میں نکل سکتا ہے، اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

فنائے مسجد میں جو جگہ مسجد سے باہر اس سے ملحق ضروریات مسجد کے لئے مثلاً جوتا اتارنے کی جگہ اور غسل خانہ وغیرہ، ان میں جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔

(فتاوی امجدیہ صفحہ 399 جلد 1)

لیکن خوب منہ صاف کرنے کے بعد مسجد میں داخل ہو اس لئے کہ بیڑی اور سگریٹ وغیرہ کی بو جب تک باقی ہو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔

(فتاوی فیض رسول جلد اول صفحہ 535 شبیر برادرز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/25

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

اعتکاف کے دوران کال یا میسج کرنا

استفتاء نمبر:111

کیا مُعتَکِف (اعتکاف کرنے والا) اعتکاف کے دوران موبائل پر کال (Call) یا میسج (SMS) کے ذریعے گفتگو کرسکتا ہے؟

سائل: عبدالرشید قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

جس طرح معتکف، بغیر موبائل کے مجبوری کے وقت صرف ضرورت کی جائز گفتگو مسجد میں کرسکتا ہے، اسی طرح موبائل پر بھی کال یا میسج کے ذریعے ضرورت کے وقت صرف جائز گفتگو کرسکتا ہے، بشرطیکہ اس سے کسی نمازی کی نماز اور دیگر عبادات میں خلل واقع نہ ہو اور موبائل کی رنگ ٹون (بیل) بھی ایسی ہو کہ کسی کی نماز وعبادت میں خلل واقع نہ ہو اور نہ ہی رنگ ٹیون گانے باجے پر مشتمل ہو، البتہ بہتر یہی ہے کہ جب تک سخت مجبوری نہ ہو موبائل کو ہرگز استعمال نہ کیا جائے کیونکہ جس طرح فی زمانہ ہمارے ہاں معتکفین موبائل استعمال کرتے ہیں کہ بلا ضرورت دوستوں سے اور دیگر لوگوں سے گپ شپ کا سلسلہ ہوتا ہے یہ اعتکاف کی روحانیت کے خلاف بھی ہے اور شرعاً اس کی اجازت بھی نہیں، البتہ دینی کاموں کے لئے موبائل استعمال کرنے میں حرج نہیں ہے.

چنانچہ تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(وتكلم الا بخير) وهو مالا اثم فيه ومنه المباح عند الحاجة اليه لا عند عدمها وهو محمل مافي الفتح انه مكروه في المسجد ياكل الحسنات كما تاكل النار الحطب كما حققه في النهر

یعنی (معتکف کیلیے مکروہِ تحریمی ہے) گفتگو کرنا مگر خیر کے ساتھ اور خیر سے مراد وہ ہے جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور مباح بھی اسی میں ہے (یعنی اس میں گناہ نہیں) مباح گفتگو کی حاجت کے وقت نہ کہ بلا حاجت ، اور اس کا محمل وہ ہے جو "فتح" میں ہے کہ مباح گفتگو مسجد میں مکروہ ہے وہ نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے جس طری صاحبِ نہر نے اسکی تحقیق نہر کے اندر کی ہے۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد 3 صفحہ 508 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس کے تحت خاتم المحققین محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وظاهر الوعيد ان الكراهة فيه تحريمية

یعنی اور وعید کا ظاہر یہی ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد 3 صفحہ 508 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر شریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

جس بات میں نہ ثواب ہو نہ گناہ یعنی مباح بات بھی معتکف کو مکروہ ہے مگر بوقتِ ضرورت (معتکف مباح بات کرسکتا ہے) اور بے ضرورت مسجد میں مباح کلام نیکیوں کو ایسے کھاجاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ 5 صفحہ 1027 مکتبۃ المدینہ کراچی)

احکام تراویح و اعتکاف میں ہے:

معتکف چند شرائط کے ساتھ موبائل استعمال کرسکتا ہے:

1—اس کی بیل گانے یا باجے پر مشتمل نہ ہو،

2—اس پر فضول گفتگو نہ کرے صرف ضرورت کی جائز گفتگو کرے،

3—اس کی گفتگو سے کسی کی نماز یا دیگر عبادات میں خلل نہ آئے،

4—اپنے موبائل کی خود حفاظت کرے یہ نہ ہو کہ گم ہونے کی صورت میں مسجد میں تلاش کرتا پھرے، کیونکہ مسجد میں گمشدہ چیز کو تلاش کرنا منع ہے، اگر ان میں سے کسی شرط کی پابندی نہیں کرسکتا، تو موبائل استعمال کرنے کی اجازت نہیں اور بہتر یہی ہے کہ اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو موبائل کو استعمال نہ کرے۔

(احکام تراویح و اعتکاف صفحہ 169، 170 مکتبہ امام اہلسنت)

والله اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلى الله عليه واله وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/05/04

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

تراویح کے لے حفاظ کا داڑھیاں بڑھا دینا

استفتاء نمبر:112

رمضان المبارک میں جو حفاظ داڑھی بڑھا کر بعد میں کم کر دیتے ہیں کیا ایسے حُفاظ کے پیچھے نماز درست ہے؟

سائل: سید شمس الدین بخاری (عمان)

بسمه تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

چونکہ ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے اور ایک مٹھی سے کم کرنا یا بالکل منڈوانا ناجائز وحرام ہے اور ایسا کرنے والا چونکہ علانیہ طور پر تسلسل کیساتھ گناہ کررہا ہوتا ہے لہذا ایسا شخص فاسقِ مُعلِن کہلائے گا اور فاسقِ معلن (بالکل داڑھی منڈانے یا ایک مٹھی سے گھٹانے والے) کو اپنا امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز ادا کرنا ناجائز و گناہ ہے چاہے نماز فرض ہو یا تراویح، وتر ہو یا نفل۔ اور اگر ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی ہو تو وہ نماز مکروہِ تحریمی (یعنی حرام کے قریب) ہوگی اور اس نماز کا اعادہ کرنا (یعنی اسے دوبارہ پڑھنا) واجب ہوگا، لہٰذا ایسے حفاظ جن کے بارے میں یہی تجربہ ہے کہ وہ رمضان المبارک میں تراویح سنانے کے لیے کچھ ماہ تک داڑھی کٹوانا چھوڑ دیتے ہیں اور تراویح سنانے کے بعد پھر دوبارہ داڑھی منڈوا کر اسی حالت پر آجاتے ہیں تو ایسے حفاظ کو ہرگز تراویح کے لئے امام نہ بنایا جائے ۔ اگرچہ وہ کہیں کہ ہم نے توبہ کرلی ہے پھر بھی ان کو امام نہ بنایا جائے جب تک ان کی ظاہری حالت قابلِ اطمینان نہ ہوجائے اور اس کے لیے رمضان المبارک کے بعد کچھ عرصہ تک ان کو دیکھا جائے کہ کیا وہ واقعی اپنی حالت پر برقرار ہیں، اگر وہ اپنی حالت و توبہ پر برقرار رہتے ہیں تو پھر ان کو امام بنایا جاسکتا ہے۔ اور اگر وہ داڑھی پھر سے منڈانے یا ایک مٹھی سے گھٹانے لگیں تو پھر وہ قابل بھروسہ نہیں، ان کو امام نہیں بنایا جاسکتا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خالفوا المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب وكان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض على لحيته فما فضل اخذه

یعنی مشرکین کی مخالفت کرو داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم اجب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی مٹھی میں لیتے اور جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے تھے۔

(صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 398 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

واما الاخذ منها وهی دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد

یعنی داڑھی ایک مٹھی سے کم کروانا جیسا کہ بعض مغربی لوگ اور زنانہ وضع کے مرد کرتے ہیں، اسے کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا۔

(فتح القدیر جلد 2 صفحہ 352 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی، کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔"

(فتاوی رضویہ جلد 6 صفحہ 603 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر توبہ کرنے والے فاسقِ معلن امام کی امامت کے حوالے سے سوال ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

جب بعد توبہ صلاح حال (درست حال) ظاہر ہو، اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں، اگر کوئی مانع شرعی نہ ہو۔

(فتاوی رضویہ جلد 6 صفحہ 605 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مفتی اعظم پاکستان مفتی وقار الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مذہب صحیح پر ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، منڈانے والا یا کاٹ کر حدِ شرعی سے کم کرنے والا فاسق ہے، فاسق کی امامت مکروہ اور اس کو امام بنانا گناہ ہے، اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی جائیں گی ان کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے، فرض اور تراویح سب کا حکم ایک ہی ہے، جو حفاظ ایسا کرتے ہیں کہ رمضان میں داڑھی رکھتے ہیں اور رمضان کے بعد کٹوا دیتے ہیں وہ عوام اور شریعت کو دھوکا دیتے ہیں اور شریعت کو دنیا کمانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، ان لوگوں کے قول و فعل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(وقار الفتاوی جلد 2 صفحہ 223 بزم وقار الدین کراچی)

فتاوی فقیہ ملت میں ہے:

اور جو حافظ داڑھی منڈانے اور کتروانے سے توبہ کر کے تراویح پڑھاتے ہیں اور بعد رمضان پھر منڈوا لیتے ہیں اور دو ماہ پہلے پھر تھوڑی سی داڑھی رکھ لیتے ہیں اور عین موقع پر توبہ کر کے تراویح پڑھاتے ہیں یہاں تک کہ ہر سال ایسے ہی کرتے ہیں تو ان کی یہ

توبہ قبول نہیں اوران کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کہ وہ لوگ صرف تراویح پڑھانے کے لئے مصلحۃً ایسا کرتے ہیں تاکہ تراویح پڑھا کر پیسے وصول کریں ,لہذا ایسے حافظ کوتوبہ کے بعد کچھ دنوں تک دیکھیں کہ وہ اپنی توبہ پر قائم ہے یا نہیں، جب خوب اطمینان ہوجائے تب اس کے پیچھے نماز پڑھیں ,جیسے شرابی اور زناکار جب توبہ کرلے تو فوراً اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، فتاوی عالمگیری مع خانیہ جلد سوم صفحہ 468 میں ہے :

الفاسق اذا تاب لاتقبل شهادته مالم یمض علیه زمان یظهر علیه اثر التوبة

(فتاوی فقیہ ملت جلد اول صفحہ 206 شبیر برادر لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/04/24

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب ۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی ۔

کتاب الحج والعمرۃ (حج اور عمرے کا بیان)

عمرہ کے نوافل نمازِ فجر کے بعد ادا کرنا

استفتاء نمبر:113

اگر کسی نے عمرہ کے بعد والے نوافل نمازِ فجر کے بعد اور طلوعِ شمس سے پہلے ادا کر لیے تو کیا حکم ہے؟
(کوئی دم وغیرہ لازم تو نہیں آئے گا؟)

سائل: محمد قادری عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

عمرہ ادا کرنے کے بعد جو نوافل ادا کیے جاتے ہیں وہ واجب لغیرہ ہوتے ہیں، انہیں نوافل کی طرح نمازِ فجر کا وقت داخل ہونے سے لے کر طلوعِ آفتاب تک اور نمازِ عصر کے بعد اور سورج غروب ہونے سے 20 منٹ پہلے تک پڑھنا مکروہِ تحریمی اور ناجائز و گناہ ہے، لہٰذا طواف کے دو نوافل نمازِ فجر کے بعد اور طلوعِ شمس سے پہلے ادا کرنا مکروہِ تحریمی ہے اور اگر کسی نے ایسے وقت میں طواف کے نوافل شروع کر دیئے ہوں تو اس پر واجب ہے کہ ان کو توڑ کر کسی غیر مکروہ (یعنی مباح و جائز) وقت میں انہیں ادا کرے اور اگر کسی نے ایسے وقت میں نوافل ادا کر دیے تو کراہت کے ساتھ نوافل ہو جائیں گے اور اس کو توبہ کرنی ہوگی مگر مکروہ وقت میں طواف کے نوافل ادا کرنے کی وجہ سے دم وغیرہ لازم نہیں آئے گا۔

عمدۃ المحققین محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ان الواجب ولو لغيره كركعتي الطواف و النذر لا تنعقد في ثلاثة من الاوقات المنهية اعني: الطلوع و الاستواء و الغروب بخلاف ما بعد الفجر و صلاة العصر فانها تنعقد مع الكراهة فيهما

یعنی بیشک واجب (نماز) اگرچہ (واجب) لغیرہ ہو جیسے طواف اور نذر کی دو رکعتیں (یہ) تین اوقاتِ منہیہ (اوقاتِ مکروہہ) یعنی طلوع (سورج طلوع ہونے سے 20 منٹ بعد تک)، استواء (زوال کے وقت) اور غروب (سورج غروب ہونے سے 20 منٹ پہلے، ان تین مکروہ اوقات میں) میں منعقد نہیں ہوں گی بخلاف فجر اور نمازِ عصر کے بعد کے کہ بیشک یہ نمازیں ان دونوں اوقات میں کراہت کے ساتھ منعقد ہو جائیں گی۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 3، صفحہ 585، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

و النوع الثانی ینعقد فیه جمیع الصلوات التی ذکرناها من غیر کراهة الا النفل و الواجب لغیره فانه ینعقد مع الکراهة فیجب القطع والقضاء فی وقت غیر مکروه

یعنی اور دوسری قسم (یعنی نمازِ فجر کا وقت داخل ہونے سے لیکر سورج طلوع ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے سے 20 منٹ پہلے تک) میں تمام نمازیں جن کو ہم نے ذکر کر دیا، وہ بغیر کراہت کے منعقد ہو جائیں گی سوائے نوافل اور واجب لغیرہ کے کہ یہ کراہت کے ساتھ منعقد ہوں گی، پس (اگر کسی نے ایسے وقت میں ان کو شروع کر دیا تو انہیں) توڑنا اور غیر مکروہ وقت میں قضا کرنا واجب ہوگا۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 2، صفحہ 42، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اُسَید عبید رضا مدنی

2019/06/14

تصدیق وتصحیح

الجواب صحیح والمجیب مصیب

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

احصار اور محصر کی تعریف

استفتاء نمبر: 114

بعض لوگ عمرہ کی ادائیگی کیلیے پہلے مکۃ المکرمہ میں گئے اور عمرہ ادا کر کے مدینۃ المنورہ میں زیارت کے لیے حاضر ہوئے پھر وہاں دوبارہ مکۃ المکرمہ میں عمرہ ادا کرنے کی نیت سے حاضر ہوئے اور عمرہ کی نیت سے احرام بھی باندھ لیا لیکن اچانک سعودی حکومت نے عمرہ پر پابندی لگادی، ان کے احتجاج پر گولی مارنے کی دھمکی بھی دی تو اب احرام میں موجود لوگوں کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے؟

سائل: غلام مصطفیٰ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق و الصواب

چونکہ ان لوگوں کو عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد عمرہ کرنے سے روک دیا گیا ہے اور احرام باندھنے کے بعد کسی وجہ حج یا عمرہ پورا کرنے سے روک دیا جانا "اِحْصَار" کہلاتا ہے اور جس محرم کو روک دیا گیا وہ "مُحْصَرْ" کہلاتا ہے۔

اور اگر مُحْصَر احرام سے باہر آنا چاہے تو اُس کے لئے حکمِ شرع یہ ہے کہ وہ حَرَم کو قربانی کا جانور بھیج دے، جب قربانی ہو جائے گی تو اُس کا احرام کھل جائے گا یا قیمت بھیج دے کہ وہاں جانور خرید کر ذبح کر دیا جائے، اِس کے بغیر احرام نہیں کھول سکتا جب تک مکۃ المکرمہ پہنچ کر طواف، سعی اور حلق نہ کرلے، روزہ رکھنے یا صدقہ دینے سے کام نہ چلے گا اگرچہ قربانی کی استطاعت نہ ہو، البتہ یہ ضروری امر ہے کہ جس کے ہاتھ قربانی بھیجے اس سے یہ طے کرلے کہ فلاں دن فلاں وقت قربانی ذبح ہو اور وہ وقت گزرنے کے بعد احرام سے باہر ہوگا پھر اگر اسی وقت قربانی ہوئی جو طے کیا تھا یا اس طے شدہ وقت سے پہلے ہوئی تو ٹھیک ہے اور اگر طے شدہ وقت سے بعد میں قربانی ہوئی اور اسے اب معلوم ہوا تو ذبح سے پہلے چونکہ احرام سے باہر ہوا لہذا دم دے، محصر کو احرام سے باہر آنے کے لیے حلق شرط نہیں مگر بہتر ہے۔

اور فی زمانہ قربانی کے متعلق موبائل کے ذریعے معلوم کرلے تاکہ دم ادا ہو جانے کے بعد مُحْصَر ممنوعاتِ احرام میں سے کسی کام کو بھی کرے گا تو اُس پر کوئی دم وغیرہ لازم نہ ہو اور نہ ہی وہ گنہگار ہو۔ نیز مُحْصَر پر اس عمرہ کی ایک قضاء بھی واجب ہوگی جب چاہے یہ قضاء عمرہ ادا کرسکتا ہے۔

چنانچہ مُحْصَر کے حوالے سے قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا:

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ

ترجمہ: اگر تم روکے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسر آئے اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے۔

(پارہ 2 سورۃ البقرہ 196 :)

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب 6 ہجری میں عمرہ کرنے کے لیے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے گئے اور دشمنوں نے حدیبیہ کے مقام پر مکۃ المکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا، اس وقت یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانور ذبح کر کے احرام سے نکلے تھے۔

جامع ترمذی کے باب "ما جاء فی الذی یهل بالحج فیکسر او یعرج" میں ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

جس شخص کا کوئی عضو ٹوٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا تو اس کو حلال ہونے کی اجازت ہے اور اس پر آئندہ ایک حج کرنا لازم ہے۔

وقال الترمذی ھذا حدیث حسن واخرجہ الحاکم فی المستدرک جلد 1 صفحہ 470

وقال صحیح علی شرط الشیخین واقرہ الذھبی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب محصر قربانی کا جانور ذبح کرا کر حلال ہو جائے تو اس کے ذمہ قضاء بھی لازم ہوتی ہے۔

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَإِذَا أُحْصِرَ الْمُحْرِمُ بِعَدُوٍّ أَوْ أَصَابَهُ مَرَضٌ فَمَنَعَهُ مِنَ الْمُضِيِّ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ

یعنی اور جب دشمن کی وجہ سے محرم روک لیا گیا یا اسے کوئی بیماری لاحق ہو گئی اور اس نے اسے (حج یا عمرہ) کرنے سے روک دیا تو اس کے لیے احرام سے حلال ہونا جائز ہے۔

(الہدایۃ جلد 1 صفحہ 180 المکتبۃ الاسلامیۃ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وَأَمَّا حُكْمُ الْإِحْصَارِ :فَهُوَ أَنْ يَبْعَثَ بِالْهَدْيِ, أَوْ بِثَمَنِهِ لِيَشْتَرِيَ بِهِ هَدْيًا, وَيَذْبَحَ عَنْهُ, وَمَا لَمْ يَذْبَحْ, لَا يَحِلُّ, وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ, سَوَاءٌ شَرَطَ عِنْدَ الْإِحْرَامِ الْإِهْلَالَ بِغَيْرِ ذَبْحٍ عِنْدَ الْإِحْصَارِ, أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ, وَيَجِبُ أَنْ يُوَاعِدَ يَوْمًا مَعْلُومًا يَذْبَحُ عَنْهُ, فَيَحِلُّ بَعْدَ الذَّبْحِ, وَلَا يَحِلُّ قَبْلَهُ, حَتَّى لَوْ فَعَلَ شَيْئًا مِنْ مَحْظُورَاتِ الْإِحْرَامِ قَبْلَ ذَبْحِ الْهَدْيِ يَجِبُ عَلَيْهِ مَا يَجِبُ عَلَى الْمُحْرِمِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُحْصَرًا"

یعنی اور بہر حال احصار کا حکم یہ ہے کہ وہ قربانی کا جانور یا اس کی قیمت مکۃ المکرمہ میں بھیج دے تا کہ اس کی قربانی خرید کر حرم شریف میں اس کی طرف سے ذبح کی جائے اور جب تک وہ قربانی ذبح نہ ہو وہ احرام سے حلال نہ ہوگا۔ اور یہی اکثر علماء کا قول ہے، برابر ہے کہ احرام باندھتے وقت احصار کی صورت میں قربانی ذبح کرنے کی شرط لگائی ہو یا شرط نہ لگائی ہو، اور یہ واجب ہے کہ ایک دن مقرر کر کے وعدہ لے لے جس میں اس کی طرف سے قربانی ذبح کی جائے گی، تو وہ اس قربانی کے ذبح ہونے کے بعد احرام سے حلال ہو جائے گا اور ذبح سے پہلے احرام سے حلال نہ ہوگا، حتیٰ کہ اگر اس نے اس قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے احرام کے ممنوعہ کاموں میں سے کوئی کام کیا تو اس پر وہی کچھ واجب ہوگا جو محرم پر واجب ہوتا ہے جب کہ وہ محصر نہ ہو۔

(فتاوی عالمگیری جلد 1 صفحہ 255 دار الفکر بیروت)

شیخ الاسلام شمس الدین سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں "مُحْصَر" کے بیان کے تحت تحریر فرمایا ہے:

وإذا كان محرما بعمرة فأحصر يتحلل بالهدى

یعنی اور جب کوئی عمرہ کرنے کیلیے احرام باندھے پھر اس کو (کسی وجہ سے) روک دیا جائے تو وہ ایک قربانی کے ذریعہ احرام سے باہر آئے۔

مزید شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

والمعتمر فى هذا كالحاج فيتحلل بالهدى. وإذا حل من عمرته فعليه عمرة مكانها لأن الشروع فيها قد صح"

یعنی اس مسئلہ میں عمرہ کرنے والا حج کرنے والے کی طرح ہے پس یہ قربانی کے احرام سے حلال ہوگا۔۔۔۔اور جب یہ اپنے عمرہ سے حلال ہوجائے تو اس عمرہ کے بدلے اس پر ایک عمرہ واجب ہوگا کیونکہ عمرہ کو شروع کرنا درست ہو چکا تھا۔

(المبسوط کتاب المناسک باب المحصر جلد 2 جزء 4 صفحہ 121)

نیز فرمایا کہ "وإن حل المحصر قبل ان ينحر هديه فعليه دم لإحلاله. و يعود حراما كما كان حتى ينحر هديه"

یعنی جس شخص کو احرام باندھنے کے بعد روک دیا جائے اگر وہ قربانی سے پہلے احرام سے نکل جائے تو احرام سے نکلنے کی وجہ سے اس پر ایک دم لازم ہوجائے گا۔

اور وہ احرام میں لوٹ آئے گا جیسا کہ احرام کی حالت میں تھا یہاں تک کہ قربانی ہوجائے۔

(المبسوط کتاب المناسک باب المحصر جلد 2 جزء 4 صفحہ 124)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مُحصر کو یہ اجازت ہے کہ حرم کو قربانی بھیج دے، جب قربانی ہوجائے گی اس کا احرام کھل جائے گا یا قیمت بھیج دے کہ وہاں جانور خرید کر ذبح کر دیا جائے بغیر اس کے احرام نہیں کھل سکتا، جب تک مکہ معظمہ پہنچ کر طواف وسعی وحلق نہ کرلے، روزہ رکھنے یا صدقہ دینے سے کام نہ چلے گا اگرچہ قربانی کی استطاعت نہ ہو۔ احرام باندھتے وقت اگر شرط لگائی ہے کہ کسی وجہ سے وہاں تک نہ پہنچ سکوں تو احرام کھول دوں گا، جب بھی یہی حکم ہے اس شرط کا کچھ اثر نہیں۔

(عالمگیری، درمختار، ردالمحتار)

یہ ضروری امر ہے کہ جس کے ہاتھ قربانی بھیجے اس سے ٹھہرا لے کہ فُلاں دن فُلاں وقت قربانی ذبح ہو اور وہ وقت گزرنے کے بعد احرام سے باہر ہوگا پھر اگر اسی وقت قربانی ہوئی جو ٹھہرا تھا یا اس سے پیشتر فبہا اور اگر بعد میں ہوئی اور اُسے اب معلوم ہوا تو ذبح

سے پہلے چونکہ احرام سے باہر ہوا لہٰذا دَم دے۔

مُحصر کو احرام سے باہر آنے کے لیے حلق شرط نہیں مگر بہتر ہے۔"

(عالمگیری وغیرہ، بہار شریعت جلد اول حصہ ششم صفحہ 1196 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/04/16

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

کتاب النکاح والطلاق

(نکاح وطلاق کا بیان)

دلہن کے سر پر قرآن پاک رکھ کر رخصت کرنا

استفتاء نمبر:115

دلہن کے سر پر قرآنِ پاک رکھ کر رخصت کرنا کیسا ہے؟

سائلہ :ام محمد عطاریہ کراچی

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق والصواب

اگر باوضو شخص دلہن کے سر پر قرآنِ پاک اٹھائے تو بالکل جائز ہے یا جُزدان (یعنی لکڑی کا بکس یا تھیلی یا غلاف وغیرہ) میں قرآنِ پاک ہو تو بغیر وضو بھی اٹھا سکتے ہیں اور یہ اچھی علامت ہے بلکہ برکت کا باعث ہے، البتہ اس میں ضرور غور کرنا چاہیے کہ جب قرآنِ پاک کے سائے میں دلہن کو رخصت کریں تو برکتیں نصیب ہوتی ہیں تو جس کی شادی اور رخصتی قرآنِ پاک کی تعلیمات کے مطابق ہو گی تو کتنی برکتیں نصیب ہوں گی۔

''رسم ورواج کی شرعی حیثیت'' نامی کتاب میں ہے:

رخصتی کی ایک رسم یہ ہے کہ دلہن کے سر پر قرآن اٹھا کر رکھا جاتا ہے، جہاں تک قرآن سر پر اٹھانے کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے کہ یہ بطورِ برکت ہوتا ہے۔

(رسم ورواج کی شرعی حیثیت صفحہ 247 مکتبہ اشاعۃ الاسلام لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/01/19

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

دولہا کا شادی والی رات مہندی لگوانا

استفتاء نمبر:116

دولہا کو شادی والی رات مہندی لگوانا جائز ہے یا ناجائز؟

سائل : محمد عبداللہ کپاھی مظفر گڑھ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب. اللهم هداية الحق و الصواب

فی زمانہ مہندی کی رائج رسم میں مرد کے ہاتھوں پر دولہے کے خاندان کی نامحرم عورتیں بلکہ نوجوان لڑکیاں بھی مہندی لگاتی ہیں حالانکہ مرد کے لئے ہاتھ پر مہندی لگانا ویسے ہی حرام ہے اوپر سے نامحرم عورتیں اور لڑکیاں مہندی لگائیں تو یہ حرام دَر حرام اور گناہ پر گناہ ہوا، پھر اس پر مزید تباہی یہ کہ مہندی لگانے والی عورتیں اور لڑکیاں دولہے سے ہنسی مذاق کرتی ہیں اور ساتھ عشقیہ وفسقیہ اشعار و گانے بھی گنگنارہی ہوتی ہیں یا پھر گانوں کی دھنوں پر یہ رسم ادا کی جاتی ہے تو چونکہ فی زمانہ رسمِ مہندی چند گناہوں کے مجموعے پر مشتمل ہوتی ہے، لہٰذا رسمِ مہندی میں دولہے کے ہاتھوں پر مہندی لگانا بھی ناجائز وحرام ہے اور دولہے کا لگوانا بھی ناجائز وحرام ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مرد کو ہتھیلی یا تلوے بلکہ صرف ناخنوں ہی میں مہندی لگانا حرام ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ جلد 24 صفحہ 542 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مفتی اعظم ہند علامہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ؛ دولہا کو مہندی لگانا درست ہے یا نہیں؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا: ''مرد کو ہاتھ پاؤں میں (مہندی) لگانا ناجائز ہے۔''

(فتاوی مفتی اعظم جلد 5 صفحہ 121 ناشر اکبر بک سیلرز لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اجنبی جوان عورت کو جوان مرد کے ہاتھ پاؤں چھونا جائز نہیں اگرچہ (وہ مرد اس عورت کا) پیر ہو۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 22 صفحہ 245 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

حکیمُ الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ شادی بیاہ کی غیر شَرعی رُسومات کی ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

ان تمام رَسموں میں بدتر رَسم مائیوں، اُبٹن کی رسمیں ہیں جس میں اپنی پرائی عورتیں جمع ہو کر دُولھا کے اُبٹن، مہندی لگاتی ہیں، آپس میں ہنسی مذاق، دل لگی، دُولھا سے مذاق وغیرہ بہت بے عزّتی کی باتیں ہوتی ہیں۔

(اسلامی زندگی صفحہ 35 مکتبۃ المدینہ کراچی)

صدرُالشَّریعہ حضرت علّامہ مولانا مفتی محمد اَمجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اکثر جاہلوں میں رَواج ہے کہ محلّہ یا رشتہ کی عورتیں جمع ہوتی ہیں اور گاتی بجاتی ہیں یہ حرام ہے کہ اولاً ڈھول بجانا ہی حرام پھر عورتوں کا گانا مزید براں (یعنی اس سے بڑھ کر گناہ) عورت کی آواز نامَحرَموں کو پہنچنا اور وہ بھی گانے کی اور وہ بھی عشق وہجر و وِصال کے اَشعار یا گیت۔ جو عورتیں اپنے گھروں میں چلاّ کر بات کرنا پسند نہیں کرتیں، گھر سے باہر آواز جانے کو معیوب جانتی ہیں ایسے موقعوں پر وہ بھی شریک ہوجاتی ہیں گویا اُن کے نزدیک گانا کوئی عیب ہی نہیں، کتنی ہی دُور تک آواز جائے کوئی حرج نہیں نیز ایسے گانے میں جوان جوان کنواری لڑکیاں بھی ہوتی ہیں، ان کا ایسے اَشعار پڑھنا یا سننا کس حد تک اُن کے دبے ہوئے جوش کو اُبھارے گا اور کیسے کیسے وَلوَلے پیدا کریگا اور اَخلاق وعادات پر اِس کا کہاں تک اثر پڑے گا، یہ باتیں ایسی نہیں جن کے سمجھانے کی ضرورت ہو، ثبوت پیش کرنے کی حاجت ہو۔"

(بہارشریعت جلد 2 حصہ 7 صفحہ 105 مکتبۃ المدینہ کراچی)

شیخ طریقت امیر اہلسنّت بانیٔ دعوتِ اسلامی حضرت علّامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطّار قادری رضوی ضیائی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ شادی کی رُسومات میں کی جانے والی غیر شَرْعی حرکات پر کُڑھن کا اظہار کرتے ہوئے اور ان کے دُوررَس منفی اثرات کے متعلّق جھنجھوڑتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: غور کیجئے! کون سا ''جوڑا'' آج سکھی ہے؟

کم وبیش ہر جگہ خانہ جنگی ہے، کہیں ساس بہو میں مور چابندی ہے تو کہیں نَنَد اور بھاوج میں ٹھیک ٹھاک ٹھنی ہے۔ بات بات پر'' روٹھ مَن'' کا سلسلہ ہے۔ ایک دوسرے پر جادو ٹونے کروانے کے اِلزامات ہیں، یہ سب کہیں شادیوں میں غیر شَرْعی حرکات کا نتیجہ تو نہیں؟ کیوں کہ آج کل جس کے یہاں شادی کا سلسلہ ہوتا ہے وہاں اتنے گُناہ کئے جاتے ہیں کہ اُن کا شُمار نہیں ہوسکتا۔

ہاتھ جوڑ کر میری مدنی التجاء ہے کہ گھر کے جملہ افراد دو رکعت نمازِ توبہ ادا کریں اور گڑ گڑا کر اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا عہد کریں۔"

(تذکرہ امیر اہلسنت، قسط3، صفحہ68، 69 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/10/10

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

ہمبستری کرنے کا مسنون طریقہ

استفتاء نمبر: 117

بیوی سے ہمبستری کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

سائل: عبداللہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جو وقت تمام شرعی ممانعتوں سے خالی ہو، اس میں (درج ذیل) تین نیتوں سے (ہمبستری کرنی چاہیے)

1۔ طلبِ وَلَدِ صالح کہ توحید ورسالت شہید دے، تکثیرِ اُمّتِ مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کرے (یعنی نیک بچے کو طلب کرنے کیلیے جو توحید ورسالت کی گواہی دے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی امت میں اولاد کے ذریعے اضافہ کرے)

2۔ عورت کا ادائے حق (یعنی اس کے ہمبستری کے حق کو ادا کرنا) اور اسے پریشان خاطری (اداسی وفکرمندی) وپریشان نظری سے بچانا،

3۔ یادِالٰہی واعمالِ صالحہ کے لئے اپنے قلب (دل) کا اس تشویش (بے چینی) سے فارغ کرنا (خالی کرنا) یوں کہ نہ اپنی برہنگی ہو نہ عورت کی (دونوں ننگے نہ ہوں) کہ حدیث میں فرمایا:

ولا یتجردان تجرد العیر

دونوں (میاں بیوی) گدھوں کی طرح ننگے نہ ہوں (ہمبستری کے وقت)۔

(کنز العمال بحوالہ ابن سعد عن ابی قلابہ جلد 16 صفحہ 348 رقم الحدیث 44863: موسسۃ الرسالہ بیروت)

اور اس وقت نہ رو بقبلہ ہو نہ پشت بقبلہ (یعنی نہ قبلہ کو منہ کرے اور نہ پشت کرے)، عورت چت (پشت کے بَل، سینے کے

رخ) ہو اور یہ اکڑوں بیٹھے (یعنی تلوں کے بل اس طرح بیٹھے کہ پاؤں کے تلوے زمین پر رہیں، بوجھ پاؤں پر ہو اور گھٹنے کھڑے ہوں) اور بوس و کنار (یعنی چومنے، kising) و مساعی و ملاعبت (یعنی ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ) سے شروع کرے، جب اسے (یعنی عورت کو) بھی متوجہ پائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم: جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا

(اللہ تعالیٰ کے نام سے ابتداء جو بے حد رحم کرنے والا مہربان ہے۔ اے اللہ ہمیں شیطان کے وار سے بچا اور جو کچھ تو نے ہمیں عطا فرمایا اس میں شیطان کو ہم سے دور رکھ۔)

کہہ کر (ہمبستری کا) آغاز کرے اور اس وقت کلام (نہ کرے) اور فرج (شرمگاہ) پر نظر نہ کرے۔ بعدِ فراغ فوراً (انزال کے فوراً بعد) جدا نہ ہو، یہاں تک کہ عورت کی بھی حاجت پوری ہو، (یعنی اگرچہ مرد کو انزال ہو جائے، فارغ ہو جائے لیکن جب تک عورت کو انزال نہ ہو جائے، اس سے الگ نہ ہو بلکہ دخول کو برقرار رکھے) حدیث میں اس کا بھی حکم ہے۔

(کنز العمال بحوالہ حم، ق عن ابن عباس جلد 16 صفحہ 345 رقم الحدیث 44847 : موسسۃ الرسالہ بیروت)

اللہ عزوجل کی بے شمار درودیں ان پر جنھوں نے ہم کو ہر باب میں تعلیم دی اور ہماری کشتی حاجت دینی و دنیوی کو مہمل نہ چھوڑا، صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وبارک علیہ والہ وصحبہ اجمعین۔

(فتاوی رضویہ جلد 23 صفحہ 386، 387 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/10/01

تصدیق و تصحیح:

یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

دیوث کی تعریف اور سزا

استفتاء نمبر: 118

1۔ دیوث کسے کہتے ہیں؟

2۔ دیوث کی سزا کیا ہے؟

3۔ کیا دیوث کو بے غیرت کہہ سکتے ہیں؟

سائل : محمد بلال رضامدنی فائدہ آباد

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

1۔ دیوث اس بے حیاء مرد کو کہتے ہیں جو قدرت کے باوجود اپنی بیوی یا کسی محرم کو بے پردگی سے منع نہ کرے اور اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ وہ کس کس غیر مرد سے ملتی ہیں۔

چنانچہ شیخ علاء الدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

هو من لايغار على امرأته او محرمه

یعنی دَیُّوث وہ ہے جو اپنی بیوی یا اپنی کسی محرم پر غیرت نہ کھائے۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد 6 صفحہ 113 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

حکیم الاُمَّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جو اپنی بیوی بچّوں کے زِنا یا بے حیائی، بے پردگی، اجنبی مردوں سے اِختلاط، بازاروں میں زینت سے پھرنا، بے حیائی کے گانے ناچ وغیرہ دیکھ کر باوجود قدرت کے نہ روکے وہ بے حیاء دیّوث ہے۔

(مراۃ المناجیح جلد 5 صفحہ 337 ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

شیخ طریقت امیر اہلسنت، بانی دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

جو لوگ باوجودِ قدرت اپنی عورتوں اور محارِم کو بے پردگی سے منع نہ کریں وہ "دَیُّوث" ہیں۔

(پردے کے بارے میں سوال جواب صفحہ 65 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مزید اسی کتاب کے ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں :

باوجود قدرت اپنی زوجہ، ماں، بہنوں اور جوان بیٹیوں وغیرہ کو گلیوں، بازاروں، شاپنگ سینٹروں اور مخلوط تفریح گاہوں میں بے پردہ گھومنے پھرنے، اجنبی پڑوسیوں، نامحرم رشتہ داروں، غیر محرم ملازموں چوکیداروں اور ڈرائیوروں سے بے تکلفی اور بے پردگی سے منع نہ کرنے والے دیوث، جنت سے محروم اور جہنم کے حقدار ہیں۔

(پردے کے بارے میں سوال جواب صفحہ 66 مکتبۃ المدینہ کراچی)

علامہ محمد ظفر القادری العطاری تحریر فرماتے ہیں:

ایسا نادان آدمی کہ جسے اس بات کی پرواہ ہی نہ ہو کہ اس کی بیوی کس کس غیر محرم یعنی غیر مرد سے ملتی ہے دیوث کہلاتا ہے۔

(کنز التعریفات صفحہ 91 مکتبہ کنز الایمان پاکستان)

2— دیوث کے متعلق احادیثِ مبارکہ میں مختلف سزائیں وارد ہوئی ہیں بعض روایات میں ہے کہ دیوث پر جنت حرام ہے اور بعض روایات میں ہے کہ دیوث جنت میں داخل نہیں ہوگا اور بعض روایات میں ہے کہ دیوث کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا اور یہاں کبھی بھی جنت میں داخل نہ ہونے سے مراد لمبے عرصے تک جنت میں داخل ہونے سے محروم رہنا ہے.

چنانچہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے:

ثَلَاثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْعَاقُّ وَالدَّيُّوثُ الَّذِيْ يُقِرُّ فِيْ اَهْلِهِ الْخَبَثَ

یعنی تین شخص ہیں جن پر اللہ تعالٰی نے جنّت حرام فرمادی ہے ایک تو وہ شخص جو ہمیشہ شراب پئے، دوسرا وہ شخص جو اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرے، اور تیسرا وہ دیُّوث (یعنی بے حیا) کہ جو اپنے گھر والوں میں بے غیرتی کے کاموں کو برقرار رکھے۔

(مسند امام احمد جلد دو صفحہ 351، رقم الحدیث 5372 : دار الفکر بیروت, مشکوٰۃ المصابیح)

حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیثِ پاک کے الفاظ ''وہ دَیُّوث (یعنی بے حیا) کہ جو اپنے گھر والوں میں بے غیرتی کے کاموں کو برقرار رکھے'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

بعض شارِحین نے فرمایا کہ یہاں خَبَث سے مُراد زِنا اور اسبابِ زنا ہیں یعنی جو اپنی بیوی بچّوں کے زِنا یا بے حیائی، بے پردگی، اجنبی مردوں سے اِختلاط، بازاروں میں زینت سے پھرنا، بے حیائی کے گانے ناچ وغیرہ دیکھ کر باوُجود قدرت کے نہ روکے وہ بے حیاء دیّوث ہے۔

(مراۃ المناجیح جلد 5 صفحہ 337 ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

ایک اورحدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَا یَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ أَبَدًا :الدَّیُّوثُ مِنَ الرِّجَالِ، وَالرَّجُلَةُ مِنَ النِّسَاءِ، وَمُدْمِنُ الْخَمْرِ۔

یعنی تین شخص کبھی جنت میں نہ جائیں گے: دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت اور شرابی۔

(شعب الایمان، رقم الحدیث 10310 :؛المعجم الکبیر، رقم الحدیث 13180 :؛مجمع الزوائد، رقم الحدیث 7722 :؛فتح الکبیر، رقم الحدیث 5636 :)

(کنز العمال، رقم الحدیث 43808 :؛جمع الفوائد، رقم الحدیث 4361 :)

مزید ایک اورحدیث مبارکہ میں ہے:

ثَلَاثَةٌ لَا یَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ :الْعَاقُّ لِوَالِدَیْهِ، وَالدَّیُّوثُ، وَرَجُلَةُ النِّسَاءِ

یعنی تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ کو آزار دینے والا اور دیوث اور مرد بننے والی عورت۔

(المستدرک الحاکم، رقم الحدیث 244 :، وقال :ھذا حدیث صحیح الاسناد۔ ووافقہ الذھبی ؛السنن الکبری للبیھقی، رقم الحدیث 21025:؛شعب الایمان، رقم الحدیث 10309 :؛مسند ابی یعلی، رقم الحدیث 5556 :؛التوحید لابن خزیمۃ، صفحہ 859 :؛المعجم الاوسط، رقم الحدیث 2443 :؛الخلصیات، رقم الحدیث: 2668؛فتح الکبیر، رقم الحدیث 5637 :)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

دیوث سخت اَخْبَث فاسِق اور فاسِقِ معلن کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی۔ اسے امام بنانا حلال نہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور پڑھی تو پھیرنا واجب۔

(فتاوی رضویہ جلد 6 صفحہ 583 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

3—جس کے اندر غیرت وحیاء نہ ہو اس کو بے غیرت اور بے حیاء کہتے ہیں اور دیوث کے اندر بھی چونکہ غیرت اور حیاء نہیں ہوتی تو اس کو بھی بے غیرت اور بے حیاء کہہ سکتے ہیں۔

چنانچہ اوپر مرآۃ المناجیح کا ایک حوالہ گزرا ہے جس میں مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے دیوث کو بے حیاء بتایا ہے۔

اور غیرت کی تعریف کرتے ہوئے علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

الغیرۃ کراھۃ شرکۃ الغیر فی حقہ

یعنی اپنے حق میں غیر کے شریک ہونے کو ناپسند کرنا غیرت کہلاتا ہے۔

(کتاب التعریفات صفحہ 116)

اور عمدۃ القاری میں ہے:

غیرت دل کی حالت تبدیل ہونے کو کہتے ہیں یعنی میاں بیوی کے کسی خاص حق میں کوئی غیر شریک ہو جائے تو دل میں پیدا ہونے والی غیظ وغضب کی کیفیت کو غیرت کہتے ہیں۔

(غیرت مند شوہر صفحہ 15 بحوالہ عمدۃ القاری)

غیرت کی تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دیوث کے اندر مذکورہ غیرت کی کیفیت نہیں پائی جاتی لہٰذا دیوث کو بے غیرت کہہ سکتے ہیں بلکہ وہ بے غیرت ہی ہوتا ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/09/08

تصدیق وتصحیح:

1—دیوث کے تعلق سے آپ کا فتوی بالکل درست اور صحیح ہے بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

والسلام مع الاکرام

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری

2—الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

گھر سے باہر نکلتے ہوئے بیوی کا بوسہ لینا

استفتاء نمبر:119

اگر گھر سے باہر کسی کام کیلیے جانا ہو تو کیا اپنی بیوی کا بوسہ لینا کسی حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے؟

سائل: غلام طٰہٰ قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

گھر سے باہر کسی کام کے لیے جانا ہو یا نہ جانا ہو، اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ حدیثِ

مبارکہ سے اتنا ضرور ثابت ہے کہ کبھی کبھار نماز کے لیے جانے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی بعض ازواج کا (اور بعض احادیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا) بوسہ لیتے تھے پھر اس کے بعد نماز کے لیے جاتے تھے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لربما توضأ النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فقبلنی ثم یمضی فیصلی ولا یتوضأ

یعنی کبھی کبھار نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم وضو فرماتے پھر میرا بوسہ لیتے پھر (نماز کے لیے باہر) تشریف لے جاتے پس نماز ادا فرماتے اور (بوسہ لینے کی وجہ سے دوبارہ) وضو نہیں فرماتے تھے۔

(سنن دارقطنی جلد اول صفحہ 336 رقم الحدیث 497: دار المعرفہ بیروت لبنان)

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قبل بعض نسائہ ثم خرج الی الصلاۃ ولم یتوضأ

یعنی بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کا بوسہ لیتے پھر نماز کی جانب نکلتے اور (بوسہ لینے کی وجہ سے دوبارہ) وضو نہ کرتے۔

(سنن دارقطنی جلد اول صفحہ 332 رقم الحدیث 487 : دار المعرفہ بیروت لبنان)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

14/08/2019

تصدیق وتصحیح:

1— اگر مذی آنے کا اندیشہ ہو تو نماز کے لیے نکلتے وقت بوسہ لینے سے اجتناب کرے۔

والجواب صحیح؛ عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

2— استفتاء نمبر 119 کا جواب بھی بمطابق فقہ حنفی درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے ذریعے سے اہلسنت وجماعت کو مستفیض فرمائے۔

ابو الحسنین حکیم ومفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

حیض ونفاس کی حالت میں بیوی کے ہاتھ سے منی نکلوانا

استفتاءنمبر:120

کیا شوہر اپنی بیوی سے حیض یا نفاس کی حالت میں اس کے ہاتھ سے منی نکلوا سکتا ہے؟

سائل : عبدالقدیر قادری

بسمه تعالىٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق والصواب

اگر بیوی حیض یا نفاس کی حالت میں ہو اور شوہر پر شہوت کا غلبہ ہو تو اس کے ہاتھ سے منی نکلوا سکتا ہے اور یہ مشت زنی کے حکم میں نہیں آئے گا لیکن عام حالات میں اس سے بچنا چاہیے کہ بیوی کے ہاتھ کے ذریعے منی نکلوانا مکروہِ تنزیہی (یعنی شرعاً ناپسندیدہ عمل) ہے البتہ ایسا کروانے والا گناہگار نہیں ہوگا۔

چنانچہ عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و يجوز أن يستمنى بيد زوجته و خادمته اه. و سيذكر الشارح فى الحدود عن الجوهرة أنه يكره ولعل المراد به كراهة التنزيه،فلا ينافى قول المعراج يجوز تأمل

اور اپنی بیوی یا لونڈی کے ہاتھ سے منی نکلوانا جائز ہے۔ اور عنقریب شارح رحمۃ اللہ علیہ کتاب الحدود میں جوھرہ کے حوالے سے ذکر فرمائیں گے کہ یہ مکروہ ہے اور شاید اس سے مراد مکروہِ تنزیہی ہے پس یہ معراج کے قول یجوز (جائز ہے) کے منافی نہیں ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ، مطلب : فی حکم الاستمناء بالکف، جلد3،صفحہ 426، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

درمختار میں ہے:

فى الجوهرة :الاستمناء حرام، وفيه التعزير، و لو مكن امرأته أو أمته من العبث بذكره فأنزل كره ولا شيء عليه

جوہرہ میں ہے کہ استمناء (مشت زنی) حرام ہے اور اس میں تعزیر ہے اور اگر اپنی بیوی یا لونڈی کو اپنے ذکر (آلہ تناسل) کے ساتھ کھیلنے کی قدرت دی پھر انزال کرلیا تو مکروہ ہے اور اس پر کوئی چیز (یعنی حد، تعزیر۔ اور گناہ) نہیں ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "کرہ" کے تحت علامی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

الظاهر انها كراهة تنزيه،لان ذلك بمنزلة مالو انزل بتفخيذ او تبطين

ظاہر ہے کہ یہ مکروہِ تنزیہی ہے اس لئے یہ اس کے مرتبہ میں ہے کہ اگر وہ ران یا پیٹ پر رگڑنے کے ساتھ انزال کرلے (منی نکالے۔)

(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب والذی لایوجبہ، جلد 6، صفحہ 44، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

والله اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلی الله علیه وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/11/13

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی و حکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

متعہ کی تعریف اور شرعی حکم

استفتاء نمبر: 121

1 — متعہ کیا ہے؟

2 — کیا یہ فی زمانہ جائز ہے؟

سائل: ادریس ونجاری

بسمه تعالی: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق و الصواب

1 — متعہ اس عقد کو کہتے ہیں جس میں مقررہ معاوضہ کے بدلے معینہ مدت کے لئے کسی عورت کو قضاءِ شہوت کے لیے حاصل کیا جاتا ہے، اس عقد کے لئے نہ گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ممتوعہ عورتوں کی تعداد کی قید ہے، جہاں فریقین راضی ہوں مدت اور اجرت طے ہوئی، وہیں جنسی تسکین کا عمل شروع ہو گیا۔

چنانچہ کتاب التعریفات میں ہے:

ونكاح المتعة :هو ان يقول الرجل لامراة :خذى هذه العشرة و اتمتع بك مدة معلومة،فقبلته۔"

یعنی اور نکاح متعہ یہ ہے کہ مرد عورت سے یوں کہے: تو یہ دس (درہم) لے لے اور میں تیرے ساتھ معلوم مدت کے لئے متعہ کرتا ہوں، پھر وہ عورت اسے قبول کر لے۔

(کتاب التعریفات، صفحہ 170، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

مشہور شیعہ مفسر ابوعلی فضل بن الحسن الطبرسی من القرن السادس لکھتا ہے:

(نکاحِ متعہ) وہ نکاح ہے جو مہر معین سے مدت معین کے لئے کیا جاتا ہے۔

(مجمع البیان جلد 3 صفحہ 52 انتشارات خسرو ایران)

شیعہ مذہب کی مشہور کتاب ''الاستبصار'' میں ہے:

زرارہ کا بیان ہے کہ ابوعبداللہ سے پوچھا گیا کہ: کیا متعہ صرف چار عورتوں کے ساتھ کیا جاسکتا ہے؟

انہوں نے کہا: متعہ اجرت کے عوض ہوتا ہے خواہ ہزار عورتوں سے کرلو۔

(الاستبصار جلد 3 صفحہ 147 دار الکتب الاسلامیہ تہران)

شیعوں کی معتبر کتاب ''الفروع من الکافی'' میں ہے:

ابوعمیر کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن سالم سے متعہ کا طریقہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تم یوں کہو اے اللہ کی بندی میں اتنے پیسے کے عوض اتنے دنوں کے لئے تم سے متعہ کرتا ہوں، جب ایام گزر جائیں گے تو اس کو طلاق ہوجائے گی اور اس کی کوئی عدت نہیں۔

(الفروع من الکافی جلد 5 صفحہ 455، 456 مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران)

مشہور شیعہ خمینی لکھتا ہے:

متعہ والی عورت اگرچہ حاملہ ہوجائے، خرچ کا حق نہیں رکھتی۔ متعہ والی عورت ایک بستر پر سونے اور شوہر سے ارث پانے اور شوہر بھی اس کا، وارث بننے کا حق نہیں رکھتا۔

(توضیح المسائل صفحہ 368، 369 مطبوعہ سازمان تبلیغات)

2۔ شریعت میں متعہ ناجائز وحرام اور خالص زنا ہے، اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اجماع ہے، علمائے حق میں سے کوئی بھی اس کے جائز ہونے کا قائل نہیں، صرف دو موقعوں پر اسے حلال کیا گیا، ایک مرتبہ فتح خیبر سے پہلے اور دوسری مرتبہ فتح مکہ کے دن تین دنوں کے لئے حلال کیا گیا پھر اس کے بعد قیامت تک حرام فرما دیا گیا، اس کا حرام و گناہ ہونا قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ اور تفسیر وفقہ کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے۔

چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (5) اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ (6) فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ (7)

ترجمہ: اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا شرعی باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی مِلک ہیں پس بیشک ان پر کوئی ملامت نہیں۔ تو جو اِن کے سوا کچھ اور چاہے تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔

(پارہ 18، سورۃ المؤمنون 5 :6، 7)

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں صرف بیویوں اور شرعی باندیوں سے جائز طریقے کے ساتھ شہوت پوری کرنے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ کسی عورت سے متعہ کرنا اسی تیسری راہ کو اختیار کرنا ہے جو اللہ پاک کی مقرر شدہ حد سے جدا اور ناجائز وحرام ہے۔

اس کے تحت تفسیر مدارک التنزیل میں ہے:

فيه دليل تحريم المتعة والاستمتاع بالكف لارادة الشهوة

یعنی اس آیت کے اندر متعہ اور شہوت کے ارادے سے ہتھیلی سے منی نکالنے کو حرام قرار دینے پر دلیل ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ پاک مسلمان مردوں سے فرماتا ہے:

اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ

ترجمہ: جب تم انہیں ان کے مہر دو قید میں لاتے ہوئے نہ مستی نکالنے کو (پانی گرانے کو) اور نہ آشنا بنانے کو۔

(پارہ ٦ سورۃ المائدہ، آیت ٥)

ظاہر ہے کہ متعہ عورت کو قید میں رکھنے، بیوی بنانے کے لئے نہیں کیا جاتا بلکہ مستی نکالنے اور پانی گرانے کے لئے کیا جاتا ہے لہٰذا متعہ حکمِ خداوندی کے خلاف ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم نهى عن متعة النساء يوم خيبر و عن اكل الحمر الانسية

یعنی بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ اور گھریلو گدھے کو کھانے سے منع فرما دیا (گدھے کے گوشت کو کھانا حرام فرما دیا)۔

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر،صفحہ763،رقم الحدیث 4216 :دارالکتب العلمیہ بیروت،لبنان)

مزید ایک اور مقام پر صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت امیرالمومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہی عن المتعۃ، و عن لحوم الحمر الاھلیۃ، زمن خیبر

بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر کے زمانہ میں (عورتوں سے) متعہ اور گھریلو گدھے کے گوشت (کو کھانے) سے منع فرمادیا۔

(صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن نکاح المتعۃ آخراً،صفحہ964،رقم الحدیث 5115 :دارالکتب العلمیہ بیروت،لبنان)

حضرت سبرہ بن معبدہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یا ایھا الناس، انی قد کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء، و ان اللہ قد حرم ذٰلك الی یوم القیامۃ، فمن کان عندہ منھن شیء فلیخل سبیلہ و لاتاخذوا مما آتیتموھن شیئاً

یعنی اے لوگو! میں نے پہلے تمھیں عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور اب بیشک اللہ پاک نے اسے قیامت کے دن تک حرام فرمادیا ہے،توجس کے پاس کوئی ایسی عورت ہو وہ اسے چھوڑ دے اور جو انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ نہ لو۔

(صحیح مسلم، باب نکاح المتعۃ، وبیان انہ ابیح ثم نسخ ثم ابیح ثم نسخ واستقر تحریمہ الی یوم القیامۃ، صفحہ522،رقم الحدیث 21 :(1406) دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

انما کانت المتعۃ فی اول الاسلام کان الرجل یقدم البلدۃ لیس لہ بھا معرفۃ فیتزوج المرأۃ بقدر مایری انہ یقیم فتحفظ لہ متاعہ و تصلح لہ شیاہ حتی اذا نزلت الآیۃ "اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ" قال ابن عباس :فکل فرج سوی ھذین فھو حرام

یعنی متعہ تو ابتدائے اسلام میں تھا، مرد کسی شہر میں جاتا جہاں کسی سے جان پہچان نہ ہوتی تو کسی عورت سے اتنے دنوں کے لیے عقد کرلیتا جتنے روز اس کے خیال میں وہاں ٹھہرنا ہوتا، وہ عورت اس کے اسباب کی حفاظت کرتی اور اس کے کاموں کی درستی کرتی،

یہاں تک کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی" : مگر اپنی بیویوں یا شرعی باندیوں پر جوان کے ہاتھ کی مِلک ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

تو (اس دن سے) ان دو کے سوا ہر فرج حرام ہوگئی۔

(سنن الترمذی وھوالجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب ماجاء فی نکاح المتعہ، صفحہ 292، رقم الحدیث 1122 : دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

تنویر الابصار مع درِمختار میں ہے:

(و بطل نکاح متعة و مؤقت) و ان جھلت المدة لو طالت فی الاصح، و لیس منه ما لو نکحھا علی ان یطلقھا بعد شھر او نوی مکثه معھا مدة معیّنة"

یعنی متعہ کے طور پر نکاح یا مقررہ مدت کے لیے نکاح خواہ مدت مجہول ہو یا مدت لمبی ہو یا تو اصح مذہب میں یہ نکاح باطل ہے، اور اگر اس شرط پر نکاح کیا کہ ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا یا اس وقت دل میں اس کے ساتھ مقررہ مدت کی نیت کی تھی تو یہ اس سے نہیں ہوگا (یعنی نکاح باطل نہ ہوگا)۔

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "ولیس منہ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

لان اشتراط القاطع یدل علی انعقادہ مؤبدا و بطل الشرط۔ بحر

اس لیے کہ نکاح میں قاطع (طلاق) کی شرط نکاح کے دائمی طور پر منعقد ہونے پر دلالت کرتی ہے اور شرط باطل ہوگی، بحر۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، مطلب : فیما لو زوج المولی امتہ، جلد 4، صفحہ 143، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر یوں عقد کرے کہ میں نے تجھ سے ایک مہینہ یا ایک برس یا سو برس کے لیے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کہ ایک وقت تک نکاح کو محدود کردینا صورتِ متعہ ہے اور متعہ محض حرام اور زنا۔

(فتاوی رضویہ جلد 11 صفحہ 192 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

"متعہ بنصِ قرآنِ عظیم و اجماعِ ائمہ اہلسنت بلاشبہ باطل و حرامِ قطعی ہے،

قال تعالیٰ: فمن ابتغی وراء ذٰلك فاولٰئك ھم العادون

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جوشخص (بیویوں اورلونڈی مملوکہ) کے علاوہ غیر کی خواہش کرتا ہے وہ حد سے متجاوز ہے۔"

(فتاوی رضویہ جلد 11 صفحہ 239 رضافاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ:

حضور پرنورکا دربارہ متعہ کے کیا ارشاد ہے، اوائلِ اسلام میں جائز تھا پھر حرام کر دیا گیا، آیا اس کی حرمت حدیث سے ثابت ہے یا اقوالِ صحابہ سے؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا:

متعہ کی حرمت صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشادوں سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم کے اقوال شریفہ سے ثابت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآنِ عظیم سے ثابت ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

و الذین هم لفروجهم حفظون، الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین، فمن ابتغی وراء ذلك فاولئك هم العادون.

جولوگ اپنی بیویوں اورلونڈیوں کے ماسوا سے اپنی شرمگاہوں کومحفوظ رکھتے ہیں وہ ملامت سے محفوظ ہیں اور جولوگ غیر کے متلاشی ہیں وہ حد سے متجاوز ہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 11 صفحہ 236 رضافاؤنڈیشن لاہور)

شیعوں کی معتبر کتاب "الاستبصار" میں ہے:

عن زید بن علی عن اباه علیهم السلام قال :حرم رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لحوم الحمر الاهلیة ونکاح المتعة

زید بن علی اپنے اباء سے روایت کرتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھریلو گدھوں کے گوشت اور نکاحِ متعہ کوحرام فرمادیا۔

(الاستبصار، جلد2، صفحہ 77، دارالکتب الاسلامیہ، تہران)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/11/07

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

چاند گرہن کے حاملہ عورت پر اثرات

استفتاء نمبر:122

کیا چاند گرہن سے حاملہ عورت کو کوئی نقصان ہوتا ہے؟

سائلہ : اَرْوِیٰ عطاریہ عیسیٰ خیل میانوالی پنجاب پاکستان

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

بعض ضعیفُ الاِعْتِقاد لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ چاند گرہن سے حاملہ عورت کو چند صورتوں میں نقصان ہوسکتا ہے جیسے سبزی وغیرہ کاٹنا، چھری، چاقو، قینچی وغیرہ ہاتھ میں لینا، گھر سے باہر نکلنا، کمرے میں باہر کی روشنی آنا کھلے آسمان کے نیچے رہنا، لیٹنے بیٹھنے میں سمٹنا، سکڑنا وغیرہ وغیرہ۔

یادرہے!

یہ تمام تَوَھُّم پرستی کی باتیں ہیں اور لوگوں کے فاسِد خیالات ہیں اور ان کی اپنی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔

لہٰذا حاملہ عورت کو چاند گرہن سے ہرگز کوئی نقصان نہیں ہوتا اور نہ اس کے بچے پر کوئی بُرا اثر پڑتا ہے، کیونکہ اللہ پاک اور اس کے پیارے حبیب محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاند گرہن کے سبب حاملہ عورت کیلیے ایسے کوئی بھی خطرات اور نقصانات بیان نہیں فرمائے بلکہ یہ سب لوگوں کی خود ساختہ باتیں ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے خبر دیتے ہیں کہ:

انَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ فَاِذَا

رَاَيْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا

یعنی بے شک سورج اور چاند میں کسی کے مرنے یا پیدا ہونے کیوجہ سے گہن نہیں لگتا،لیکن یہ دونوں اللہ پاک کی نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں (تاکہ لوگوں پرمخلوقات میں سے دوعظیم چیزوں کااللہ عزوجل سے عاجزولاچار ہوناظاہرہوجائے) پس جب تم اسے (گہن کو) دیکھوتونماز پڑھو۔

(صحیح البخاری،ابواب الکسوف،جلداول صفحہ215،رقم الحدیث 1042 : مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مذکورہ توہمات میں پڑنے کے بجائے نماز میں مشغول ہوناچاہیے،اس عقیدے کے ساتھ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافرمان برحق ہے اورلوگوں کےتوہمات باطل ہیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یارخان نعیمی ررحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

خیال رہے کہ کفارعرب اورمشرکین ہند کے اس گرہن کے متعلق عجیب خیالات ہیں۔کفارعرب کہتے تھے کہ کسی برے آدمی کی پیدائش یااچھے آدمی کی وفات پر گرہن لگتا ہے۔مشرکین ہند کا عقیدہ ہے کہ چانداورسورج پہلے انسان تھے،انہوں نےبھنگیوں چماروں سے کچھ قرض لیااورادانہ کیااس سزامیں انہیں گرہن لگتاہے۔چنانچہ ہندوگرہن کے وقت بھنگیوں کوخیرات دیتے ہیں اور مانگنے والے بھنگی بھی کہتے ہیں کہ سورج مہاراج کا قرض چکاؤ۔اسلام ان لغویات سےعلیحدہ ہے،وہ فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جب چاہے چاندسورج کونورانی کردے اورجب چاہے ان کانورچھین لے۔چونکہ یہ قہرِ خداوندی کےظہورکاوقت ہے اس لیے اس وقت نماز پڑھو،دعائیں مانگو،صدقہ دو،غلام آزادکروتاکہ رحم کیےجاؤ۔"

(مرآۃالمناجیح شرح مشکوٰۃالمصابیح جلد 2صفحہ 379 نعیمی کتب خانہ گجرات)

نوٹ:چاندگہن کی نمازمستحب ہے،اس میں جماعت نہیں ہوتی بلکہ علیحدہ علیحدہ پڑھی جاتی ہے،اس کی دورکعتیں ہوتی ہیں جو دیگرنمازوں کی طرح صرف ایک رکوع اوردوسجدوں سے پڑھی جاتی ہیں۔بعض دیگرروایات میں یہ بھی آیا ہے کہ چاندگرہن کی نماز کے بعدتوبہ واستغفاراورذکرودعامیں مشغول ہوناچاہیے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابواسیدعبیدرضامدنی

2019/01/21

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

ریپ کیس میں مرد کو نامرد بنانا

استفتاء نمبر: 123

ریپ (بدکاری) کیس میں مرد کو پلاسٹک سرجری کر کے نامرد بنانے کے حوالے سے حکمِ شرع کیا ہے؟

سائل : غلام محمد قادری

بسمه تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

حکومتِ اسلامیہ کو چاہیے کہ ریپ کیس میں زانی کو وہ سزا دے جو سزا شریعت نے بیان فرمائی ہے کہ اگر زانی شادی شدہ ہو تو سنگسار کیا جائے اور اگر کنوارہ (یعنی غیر شادی شدہ) ہو تو سو (100) کوڑے مارے جائیں۔

پلاسٹک سرجری کر کے زانی کو نامرد بنانا مُثلہ ہے جو کہ ناجائز و حرام ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ان رجلا زنى بامراة، فامر به رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلد الحد. ثم اخبر انه محصن، فامر به فرجم

یعنی بے شک ایک مرد نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا تو اسے بطورِ حد کے کوڑے مارے گئے پھر خبر دی گئی کہ وہ شادی شدہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا پس اسے رجم کر دیا گیا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک، رقم الحدیث 4438 : صفحہ 697، 698 دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مُثلہ یعنی ناک کان یا ہاتھ پاؤں کاٹنا یا مونھ کالا کر دینا منع ہے یعنی فتح ہونے کے بعد مُثلہ کی اجازت نہیں اور اثنائے جنگ میں اگر ایسا ہو مثلاً تلوار ماری اور ناک کٹ گئی یا کان کٹ گئے یا آنکھ پھوڑ دی یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیے تو حرج نہیں۔

(فتح القدیر، کتاب السیر، باب کیفیۃ القتال، جلد 5 صفحہ 201)

(بہارشریعت جلد 2حصہ 9صفحہ 429مکتبۃ المدینہ کراچی)

تفسیر صراط الجنان میں ہے:

جنگِ اُحد میں کفار نے مسلمانوں کے شُہداء کے چہروں کوزخمی کر کے اُن کی شکلوں کو تبدیل کیا تھا، اُن کے پیٹ چاک کئے اوران کے اعضاء کاٹے تھے، ان شہداء میں حضرت حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی تھے، تاجدارِ رسالت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو بہت صدمہ ہوااور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے قسم کھائی کہ ایک حضرت حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بدلہ ستر کافروں سے لیا جائے گا اور ستر کا یہی حال کیا جائے گا۔

اس پر یہ آیتِ کریمہ:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ-وَلَىٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ

نازل ہوئی توحضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے وہ ارادہ ترک فرمایا اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیا۔

یاد رہے کہ مُثلہ یعنی ناک کان وغیرہ کاٹ کر کسی کی ہیئت کو تبدیل کرنا شریعت میں حرام ہے۔

(مدارک، النحل، تحت الآیۃ 126: صفحہ 614، جلالین، النحل، تحت الآیۃ 126: صفحہ 228، ملتقطاً)

(تفسیر صراط الجنان جلد 5 صفحہ 406 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/09/23

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

حمل کی حالت میں طلاق

استفتاء نمبر:124

کیا حمل کی حالت میں طلاق ہوجاتی ہے؟

سائلہ :ام عمارہ عطاریہ مدنیہ عیسی خیل

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

جی ہاں! حمل کی حالت میں حاملہ عورت کو طلاق واقع ہوجاتی ہے اور اس کی عدت وضع حمل (یعنی بچے کو پیدا کرنا) ہے، اللہ پاک نے خود قرآن مجید میں حاملہ عورتوں کی عدت بیان کی ہے، اور عدت تبھی ہوسکتی ہے جب کہ حمل کی حالت میں طلاق واقع ہو۔

چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

ترجمہ: اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔

(پارہ 28، سورۃ الطلاق 4:)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أنها كانت تحت الزبير فطلقها و هي حامل فذهب الى المسجد فجاء و قد وضعت ما في بطنها فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر له ما صنع فقال :بلغ الكتاب أجله

یعنی وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں، انہوں نے حمل کی حالت میں انہیں طلاق دے دی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کی طرف آرہے تھے، وہ مسجد میں پہنچے تو ام کلثوم نے اپنے پیٹ میں موجود بچے کو پیدا کیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اپنا معاملہ عرض کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کتاب اپنی مدت کو پہنچ گئی۔ (یعنی قرآن میں حاملہ کی عدت بچہ پیدا ہونا ہے، وہ عدت پوری ہوگئی۔)

(سنن کبری للبیہقی، باب عدۃ الحامل المطلقۃ، جلد 3، صفحہ 154، مطبوعہ کراچی)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

و عدة الحامل أن تضع حملها كذا في الكافي

اور حاملہ کی عدت یہ ہے کہ اس کا وضعِ حمل ہوجائے (یعنی بچہ پیدا ہوجائے) ایسے ہی کافی میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 1 صفحہ 528 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(و) فی حق (الحامل) مطلقاً ۔۔(وضع) جمیع (حملها) لان الحمل اسم لجمیع ما فی البطن

اور عدت حاملہ کے حق میں (اس کے) اپنے پورے حمل کو وضع کرنا (جننا) ہے، اس لئے کہ حمل اس تمام کا نام ہے جو پیٹ میں ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، جلد 5، صفحہ 192، 193 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مفتی حبیب اللہ نعیمی اشرفی بھاگلپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حمل مانعِ طلاق شرعاً نہیں ہے۔ بحالتِ حمل عورت پر طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

(حبیب الفتاویٰ، جلد 2، صفحہ 396 شبیر برادرز لاہور)

فتاوی بحر العلوم میں ہے:

عورت کو حمل ہو تو شوہر طلاق دے سکتا ہے، "وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" (الطلاق 4 :) حمل والی عورتوں کی عدت وضعِ حمل ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ حمل کی حالت میں طلاق ہو تو جائز ہے جبھی تو عدت وضع حمل بن سکتی ہے۔"

(فتاوی بحر العلوم، جلد سوم، صفحہ 37، شبیر برادرز اردو بازار لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/06/07

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی و حکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

نشہ کی حالت میں طلاق

استفتاء نمبر :125

اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو نشے کی حالت میں طلاق دیدے تو کیا طلاق واقع ہو جائے گی؟

سائل : محمد جمشید عیسیٰ خیل میانوالی پنجاب پاکستان

بسمه تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

اگر شوہر نے ناجائز نشہ کیا اور اس کی عقل نشے کی وجہ سے برقرار نہ رہی اور اس نے اسی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی البتہ کسی اور نے نشہ پلا دیا اور اس کو اس کا علم ہی نہ تھا یا زور زبردستی کر کے یعنی قتل یا جسم کا کوئی عضو کاٹ دینے کی یا بہت سخت مارنے کی صحیح دھمکی دے کر اسے نشہ پلا دیا یا حالتِ اضطرار یعنی مجبوری کی حالت میں اس نے نشہ پیا مثلاً پیاس سے مر رہا تھا اور پانی نہ تھا اور اس نے شراب پی لی یا آپریشن وغیرہ کیلئے اس کو نشہ دیا گیا اور اس نے اس نشے میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ان تمام صورتوں طلاق واقع نہ ہو گی .

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كل طلاق جائز، الا طلاق المعتوه المغلوب على عقله

یعنی ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے سوائے معتوہ (نیم پاگل) کے کہ جس عقل پر غلبہ ہو۔

(سنن ترمذی، کتاب الطلاق واللعان، باب ماجاء فی طلاق المعتوہ، صفحہ 311، رقم الحدیث 1191 : دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت سلمان بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

ان رجلا من آل البختري طلق امراته وهو سكران فضربه عمر الحد واجاز عليه طلاقه

آل بختری میں سے ایک مرد نے اپنی بیوی کو نشے کی حالت میں طلاق دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری فرمائی اور اس پر طلاق کو نافذ فرمایا۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی طلاق السکران ۔۔۔ الخ جلد 1 صفحہ 309 الدار السلفیۃ الھند)

حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے مروی ہے:

انهما كانا يجيزان طلاق السكران ويريان ان يضرب الحد

کہ یہ دونوں (حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین رضی اللہ عنہما) نشے والے کی طلاق کو جائز (نافذ) سمجھتے تھے اور اس

پر حد جاری کرنے کا خیال رکھتے تھے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی طلاق السکران۔۔الخ جلد 1 صفحہ 308 الدار السلفیۃ الھند)

نوٹ: امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نشے کی حالت میں طلاق واقع ہونے کی ایک روایت "السنن الکبری" میں بھی موجود ہے۔

(السنن الکبریٰ، باب من قال یجوز طلاق السکران وعتقہ، جلد 7 صفحہ 589 دار الکتب العلمیہ بیروت)

صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

طلاق السکران جائز

یعنی نشے والے کی طلاق جائز (نافذ) ہے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی طلاق السکران۔۔الخ جلد 1 صفحہ 308 الدار السلفیۃ الھند)

صحیح سند کے ساتھ حضرت عبد الرحمن بن حرملہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

انہ کان یری طلاق السکران جائزا

یعنی حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نشے والے کی طلاق کے وقوع کا خیال رکھتے تھے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی طلاق السکران۔۔الخ جلد 1 صفحہ 309 الدار السلفیۃ الھند)

صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

طلاق السکران جائز ویضرب الحد لانہ فی عدوان

یعنی نشے والے کی طلاق جائز (نافذ) ہے اور اس پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ یہ نافرمانی میں شامل ہے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی طلاق السکران۔۔الخ جلد 1 صفحہ 308 الدار السلفیۃ الھند)

(السنن الکبریٰ، باب من قال یجوز طلاق السکران وعتقہ، جلد 7 صفحہ 589 دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ:

انہ کان یجیز طلاق السکران

وہ نشے والے کی طلاق کو نافذ قرار دیتے تھے۔

(سنن سعید بن منصور، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی طلاق السکران۔۔الخ جلد 1 صفحہ 308 الدار السلفیۃ الھند)

علامہ برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

طلاق السکران واقع

یعنی نشے والے کی طلاق واقع ہوجاتی ہے.

(الھدایہ جلد 2 صفحہ 337 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد حنفی عینی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ومعظم العلماء صاروا الی وقوع طلاق السکران

یعنی بڑے بڑے علماء، نشے والے کی طلاق کے واقع ہونے کی طرف گئے ہیں۔

(البنایۃ شرح الھدایۃ، کتاب الطلاق، طلاق السکران، جلد 5 صفحہ 300 دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ملا ابوالحسن علی بن سلطان محمد نور الدین ہروی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال علی وغیرہ یقع وھو قول مالك والثوری والاوزاعی وظاھر مذھب الشافعی وابی حنیفة. لانه عاص لم یزل عنه الخطاب ولا الاثم بدلیل انه یومر بقضاء الصلوات ویأثم بأخراجھا عن وقتھا

یعنی حضرت علی اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنھم نے فرمایا کہ نشے والے کی طلاق واقع ہوجائے گی، اور یہی قول امام مالک، امام ثوری، امام اوزاعی اور ظاہر مذہب امام شافعی اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیھم کا ہے، اس لیے کہ نشے والا گناہگار ہوتا ہے اور اس سے خطابِ شرعی (شرعی احکام) اور گناہ ساقط نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اسے نمازوں کی قضاء پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور نمازوں کو ان کے وقت سے نکالنے کے سبب گناہگار ہوتا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب الخلع والطلاق، جلد 5 صفحہ 2141 دار الفکر بیروت)

تنویر الابصار مع رد المحتار میں ہے:

و یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل. او سکران و لو بنبیذ او حشیش او افیون او بنج زجرا به یفتی

یعنی ہر شوہر جو عاقل بالغ ہو، اس کی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور نشے والے کے بھی چاہے وہ نبیذ کے ذریعے نشہ کئے ہوئے ہو یا افیون یا بھنگ کے ذریعے (نشہ کیے ہوئے ہو) زجر (ڈانٹ ڈپٹ) کے طور پر، اسی پر فتوی دیا جاتا ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار جلد 4 صفحہ 427 تا 433 ملتقطاً مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و الحق التفصیل و هو ان کان للتداوی لم یقع لعدم المعصیة، و ان للهو و ادخال الآفة قصدا فینبغی ان لا یتردد فی الوقوع۔ و فی تصحیح القدوری عن الجواهر :و فی هذا الزمان اذا سکر من البنج و الافیون یقع زجرا، و علیه الفتویٰ، و تمامه فی النهر (قوله زجرا) اشار به الی التفصیل المذکور، فانه اذا کان للتداوی لا یزجر عنه لعدم قصد المعصیة

یعنی حق تفصیل یہ ہے کہ اگر علاج کے لئے استعمال ہوا تو نافرمانی نہ ہونے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوئی اور اگر لھو اور ادخالِ آفت کے لئے جان بوجھ کر ہوا تو (طلاق کے) وقوع میں تردد نہیں کرنا چاہئے۔ اور جواہر کے حوالے سے تصحیح القدوری میں ہے :اور اس زمانے میں جب چرس اور افیون سے نشہ طاری ہو تو زجراً طلاق واقع ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے، اور اس کی مکمل بحث "نہر" میں ہے، انہوں نے اپنے قول "زجرا" سے مذکورہ تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب نشہ علاج کے طور پر ہو تو نافرمانی کے قصد کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی جانب سے دی جانے والی طلاق زجراً نافذ نہ ہوگی۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الطلاق، مطلب فی تعریف السکر ان وحکمہ، جلد 4 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

طلاق کے لیے شرط یہ ہے کہ شوہر عاقل بالغ ہو، نابالغ یا مجنون نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کی طرف سے اس کا ولی. مگر نشہ والے نے طلاق دی تو واقع ہو جائے گی کہ یہ عاقل کے حکم میں ہے اور نشہ خواہ شراب پینے سے ہو یا بنگ (بھنگ) وغیرہ کسی اور چیز سے .افیون کی پینک میں طلاق دے دی جب بھی واقع ہو جائے گی، طلاق میں عورت کی جانب سے کوئی شرط نہیں نابالغہ ہو یا مجنونہ، بہر حال طلاق واقع ہوگی۔"

(درمختار، عالمگیری)

مزید "ردالمحتار" کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ:

کسی نے مجبور کر کے اسے نشہ پلا دیا یا حالتِ اضطرار میں پیا (مثلاً پیاس سے مر رہا تھا اور پانی نہ تھا) اور نشہ میں طلاق دے دی تو صحیح یہ ہے کہ واقع نہ ہوگی۔

(بہارِ شریعت جلد 2 حصہ 8 صفحہ 111، 112 مکتبۃ المدینہ کراچی)

نوٹ: جن روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نشے کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی وہ ہمارے احناف کے نزدیک ان

صورتوں پر محمول ہوگی جہاں نشہ کرنے والا گناہگار نہ ہو یعنی کسی اور نے نشہ پلا دیا اور اس کو اس کا علم ہی نہ تھا یا زور زبردستی کر کے پلا دیا یا حالتِ اضطرار یعنی مجبوری کی حالت میں اس نے نشہ پیا مثلاً پیاس سے مر رہا تھا اور پانی نہ تھا اور اس نے شراب پی لی یا آپریشن وغیرہ کیلئے اس کو نشہ دیا گیا اور اس نے اس نشے میں اس کی عقل برقرار نہ رہی اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ان تمام صورتوں طلاق واقع نہیں ہوگی.

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/04/06

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

طلاق کی دھمکی دینا

استفتاء نمبر:126

عرض ہے کہ میری بیوی کا اصرار تھا کہ میں نے میکے جانا ہے میں نے اسے کہا کہ گندم کی کٹائی کا موسم ہے تم بعد میں چلے جانا لیکن وہ اپنی بات پر مصر رہی، اگلی صبح میرے بلانے پر وہ میری بات سننے کے لیے میرے پاس نہ آئی، پھر اس کے بعد میں نے اس کے خرچ کے لیے کچھ رقم اس کو دینا چاہی تو اس نے رقم پھینک دی اور لینے سے انکار کر دیا اس پر مجھے شدید غصہ آیا، میں اس کو تھپڑ مارنے کے لئے اس کی طرف لپکا تو میرے ابو نے مجھے پکڑ لیا اس موقع پر میں نے کہا :

میں طلاق دے دوں گا" یہ الفاظ میں نے تین بار کہے

میری ہرگز نیت نہیں تھی کہ میں طلاق دے رہا ہوں بلکہ یہ الفاظ محض دھمکی کے طور پر بولے کہ وہ میری بات ماننے پر مجبور ہو جائے.

مہربانی فرما کر قرآن وسنّت کی روشنی میں رہنمائی فرما دیں؟

سائل : محمد وقاص بن عبدالرشید پاکپتن

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

اگر پوچھی گئی صورت واقعی وہی ہے جو سائل (یعنی شوہر) نے بیان کی ہے اور اس میں سائل (یعنی شوہر) بالکل سچا ہے تو اس کے تین بار یہ الفاظ کہ: (میں طلاق دے دوں گا) کہنے سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ الفاظ طلاق دینے کے ارادے اور طلاق کی دھمکی پر مشتمل ہیں اور جو الفاظ طلاق دینے کے ارادے اور طلاق کی دھمکی پر مشتمل ہوں اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن شوہر کو دھمکی دینے یا تنبیہ کرنے کے لیے طلاق کے علاوہ کوئی اور مناسب الفاظ استعمال کرنے چاہئیں، طلاق کے الفاظ سے بچنا چاہیے.

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

وعدے سے طلاق نہیں ہوتی جواہر الاخلاطی میں "طلاق میکنم طلاق خلاف قوله کنم لانه يتمحض الاستقبال" طلاق میکنم (یعنی طلاق کرتا ہوں) حال ہونے کی وجہ سے طلاق ہے اس کے برخلاف طلاق کنم (طلاق کروں گا) کہا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ محض استقبال ہے .

(فتاویٰ رضویہ جلد 13 صفحہ 118 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر واقعی میں یہی الفاظ کہے تھے کہ طلاق دے دوں گا تو طلاق واقع نہ ہوئی کہ یہ طلاق دینا نہیں ہے بلکہ آئندہ طلاق دینے کا اظہار ہے اور محض اس ارادہ یا وعدہ پر طلاق نہیں ہوتی

لان هذا اللفظ متعين لاستقبال ولا يقع به الطلاق كما في الفتاوىٰ الخيرية وغيرها

والله تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ امجدیہ جلد دوم صفحہ 171 مکتبہ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی)

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

صورت مسؤلہ میں شوہر کا قول "میں تمہیں طلاق دے دوں گا" سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کہ یہ مستقبل (یعنی آنے والے زمانے) میں طلاق دینے کے ارادے کا ظاہر ہے اور شرعاً ارادہ طلاق, طلاق نہیں ہے. طلاق انشاء میں سے ہے یعنی شوہر واضح طور پر کہے : میں تمہیں طلاق دیتا ہوں (بصیغہ حال) یا میں نے تمہیں طلاق دی (بصیغہ ماضی).

(تفہیم المسائل جلد 6 صفحہ 377 ضیاء القرآن پبلیکیشنز)

فتاوی حنفیہ میں ہے: وعدے سے ازروئے شرع طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(فتاوی حنفیہ صفحہ 159 اکبر بک سیلرز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/07/07

علماء کرام اور مفتیانِ عظام کی تصدیقات

1۔آپ کا یہ فتوی جو طلاق کے متعلق ہے کہ "طلاق دے دوں گا" یہ ارادہ طلاق ہے نہ کہ طلاق , تو الفاظِ طلاق جب دھمکی کے طور پر واقع ہوں تو وہ ارادے پر محمول کیے جاتے ہیں , طلاق پر نہیں لہٰذا یہ فتوی درست ہے.

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

2۔الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

میاں اور بیوی کے درمیان طلاق دینے اور نہ دینے کے درمیان اختلاف

استفتاء نمبر:127

شوہر اور بیوی کے جھگڑے کے دوران شوہر نے اپنی بیوی کو کہا کہ: اگر تو نے اپنے حالات درست نہ کیے تو میں تمہیں فارغ کر دوں گا۔

لیکن بیوی کہتی ہے کہ شوہر نے یوں کہا ہے: "میں نے تمہیں فارغ کر دیا ہے"

لیکن شوہر کہتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کہا بلکہ دھمکی دینے کے لئے یوں کہا ہے کہ "میں تمہیں فارغ کر دوں گا"

تو اس صورتِ حال میں شریعت کا کیا حکم نافذ ہوگا؟

سائل: عبداللہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر شوہر کی بات سچی ثابت ہوجائے کہ واقعی اس نے اس طرح کہا ہو تو اس کے اس طرح کہنے سے کہ " :میں تمہیں فارغ کر

دوں گا" سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ یہ الفاظ طلاق دینے کے ارادے اور طلاق کی دھمکی پر مشتمل ہیں اور جو الفاظ طلاق دینے کے ارادے اور طلاق کی دھمکی پر مشتمل ہوں، اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن شوہر کو دھمکی دینے یا تنبیہ کرنے کے لیے ان جیسے الفاظ کے علاوہ کوئی اور مناسب الفاظ استعمال کرنے چاہئیں.

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

وعدے سے طلاق نہیں ہوتی جواہر الاخلاطی میں "طلاق میکنم طلاق خلاف قولہ کنم لانہ یتمحض الاستقبال" طلاق میکنم (یعنی طلاق کرتا ہوں) حال ہونے کی وجہ سے طلاق ہے اس کے برخلاف طلاق کنم (طلاق کروں گا) کہا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ محض استقبال ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 13 صفحہ 118 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر واقعی میں یہی الفاظ کہے تھے کہ طلاق دے دوں گا تو طلاق واقع نہ ہوئی کہ یہ طلاق دینا نہیں ہے بلکہ آئندہ طلاق دینے کا اظہار ہے اور محض اس ارادہ یا وعدہ پر طلاق نہیں ہوتی

لان هذا اللفظ متعين لاستقبال ولا يقع به الطلاق كما في الفتاوى الخيرية وغيرها
والله تعالیٰ اعلم

(فتاوی امجدیہ جلد دوم صفحہ 171 مکتبہ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی)

لیکن یہاں طلاق کے الفاظ کہنے میں شوہر اور بیوی کے درمیان اختلاف ہے کہ شوہر کہتا ہے کہ میں نے یوں کہا ہے کہ:

''میں تمہیں فارغ کردوں گا''

اور بیوی کہتی ہے کہ شوہر نے یوں کہا ہے کہ:

''میں نے تمہیں فارغ کر دیا'' تو اس حوالے سے شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر شوہر طلاق کا انکار کرے اور بیوی طلاق کا دعویٰ کرے تو بیوی پر ضروری ہے کہ شوہر کے طلاق دینے پر شرعی گواہ پیش کرے اور طلاق کی گواہی کے لیے ایسے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں جو پرہیزگار، نمازی اور غیر فاسق ہوں اور اگر بیوی گواہ پیش نہ کر سکے تو شوہر سے طلاق نہ دینے پر قسم لی جائے، اگر قسم کھالے تو شوہر کی بات کو ترجیح دی جائے گی اور طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر قسم کھانے سے انکار کردے تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ اب اگر بیوی گواہ پیش نہ کرسکے اور شوہر قسم کھالے تو پھر تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر بیوی گواہ پیش کردیتی ہے یا گواہ پیش نہ کرنے کے بعد شوہر نے قسم کھانے سے انکار کردیا تو طلاق واقع ہوجائے گی .

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه

یعنی دعویٰ کرنے والے کے لئے گواہ اور جس پر دعویٰ کیا گیا اس پر قسم ہے.

(ترمذی ابواب الاحکام جلد اول صفحہ 249)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر

یعنی دعوی کرنے والے پر گواہ اور منکر (انکار کرنے والے) پر قسم ہے.

(السنن الکبریٰ للبیہقی کتاب الدعوی والبینات جلد 10 صفحہ 427)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ رحمۃ اللہ علیہ طلاق دینے اور نہ دینے میں میاں بیوی کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر دو مردوں یا ایک مرد دو عورتیں نمازی پرہیز گار ثقہ عادل قابلِ قبول شرع گواہی دیں گے تو تین طلاق ثابت ہو جائیں گی زید کا انکار نہ سنا جائے گا."

(فتاوی رضویہ جلد 12 صفحہ 444 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید فرماتے ہیں: اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہو جائیں گی اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاق دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا۔

(فتاوی رضویہ جلد 12 صفحہ 444 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مفتی وسیم اختر صاحب اپنے ایک تفصیلی فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس طرح اردو زبان کے الفاظ "میں نے تمہیں آزاد کیا"، "تم میری طرف سے آزاد ہو" سے بھی طلاقِ رجعی واقع ہوگی، کیونکہ یہ بھی موجودہ دور میں طلاق کیلئے صریح ہیں۔

(دار الافتاء فیضان شریعت)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/09/20

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

ہمارا رشتہ ختم کہنے سے طلاق ہوگی یا نہیں

استفتاء نمبر:128

میرے بھائی نے اپنی بیوی سے کہا کہ: ہمارا رشتہ ختم ہے۔تو کیا اس طرح کہنے سے طلاق ہوگئی ہے؟

سائل: مرزا علی منڈی بہاؤالدین پنجاب پاکستان

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق و الصواب

اگر آپ کے بھائی نے طلاق کی نیت سے اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ: ہمارا رشتہ ختم ہے۔

تو اس کی بیوی کو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی اور نکاح ختم ہوگیا۔

اور اگر آپ کے بھائی نے ان الفاظ کو ادا کرتے وقت طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو اس کی بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

نوٹ: طلاق واقع ہوجانے کی صورت میں اگر دوبارہ رشتہ قائم رکھنا چاہیں تو نئے حق مہر کے ساتھ شرعی گواہوں کی موجودگی میں عورت کی رضامندی کے ساتھ دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں اور نکاح کرنے کے بعد شوہر کے پاس صرف دو طلاقوں کا اختیار ہوگا۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

و لو قال لها :لا نكاح بيني و بينك، أو قال :لم يبق بيني و بينك نكاح، يقع الطلاق إذا نوى

یعنی اور اگر شوہر نے کہا کہ: میرے اور تیرے درمیان نکاح نہیں ہے.

یا کہا: میرے اور تیرے درمیان نکاح باقی نہ رہا. تو طلاق واقع ہوجائے گی جبکہ طلاق کی نیت کی ہو۔

(فتاوی عالمگیری جلد 1 صفحہ 375 دار الکتب العلمیہ بیروت)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ طلاقِ کنایہ کے بعض الفاظ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

(88) مجھ میں، تجھ میں نکاح نہیں، (89) مجھ میں، تجھ میں نکاح باقی نہ رہا

(بہارشریعت جلد 2 حصہ 8 صفحہ 130 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/10

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

میسج پر طلاق کی دھمکی

استفتاء نمبر:129

میں نے اپنے سسر کو یہ میسج کیا کہ:

Meri wife wafadar ni hia shukar sbar izat karne wali ni ha lihaza...me apni razamandi or hosh hawas me keh raha ke me osay talaq denay ja raha hu.....ap sab ku mera pigahm hia....jo kam aram se hujay bina kise talqlef se wo behtr ha....me karne ja raha hu.....jo bevi meri izat ka khayl ni rahk sakti wo wafadar ni hu sakti....

(میری وائف وفادار نہیں ہے، شکر، صبر، عزت کرنے والی نہیں ہے لہذا میں اپنی رضامندی اور ہوش وحواس میں کہہ رہا ہوں کہ میں اسے طلاق دینے جارہا ہوں، آپ سب کو میرا پیغام ہے کہ جو کام آرام سے ہوجائے بنا کسی تکلیف کے وہ بہتر ہے، میں کرنے جارہا ہوں، جو بیوی میری عزت کا خیال نہ رکھ سکتی ہو وہ وفادار نہیں ہوسکتی۔)

تو کیا اس طرح کا میسج کرنے سے طلاق ہوجاتی ہے جبکہ میرے سسر کہتے ہیں کہ ہم نے کسی مولوی سے پوچھا ہے، اس نے کہا ہے کہ طلاق ہوگئی ہے۔

کیا واقعی طلاق ہوگئی ہے؟

سائل : محمد بلال میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق و الصواب

صورتِ مسؤلہ (پوچھی گئی صورت) میں آپ نے میسج پر جو الفاظ (کہ میں اپنی رضامندی اور ہوش وحواس میں کہہ رہا ہوں کہ میں اسے یعنی اپنی بیوی کو طلاق دینے جا رہا ہوں) اپنے سسر کو لکھ کر سینڈ کیے ہیں، ان الفاظ کے لکھ کر سینڈ کرنے سے آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ الفاظ طلاق دینے کے ارادے اور طلاق کی دھمکی پر مشتمل ہیں اور جو الفاظ طلاق دینے کے ارادے اور طلاق کی دھمکی پر مشتمل ہوں، ان سے طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن آپ کو دھمکی دینے کے لیے طلاق کے علاوہ کوئی اور مناسب الفاظ استعمال کرنے چاہیے تھے.

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

"وعدے سے طلاق نہیں ہوتی جواہر الاخلاطی میں "طلاق میکنم طلاق خلاف قولہ کنم لانہ یتمحض الاستقبال" طلاق میکنم (یعنی طلاق کرتا ہوں) حال ہونے کی وجہ سے طلاق ہے اس کے برخلاف طلاق کنم (طلاق کروں گا) کہا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ محض استقبال ہے".

(فتاوی رضویہ جلد 13 صفحہ 118 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر واقعی میں یہی الفاظ کہے تھے کہ طلاق دے دوں گا تو طلاق واقع نہ ہوئی کہ یہ طلاق دینا نہیں ہے بلکہ آئندہ طلاق دینے کا اظہار ہے اور محض اس ارادہ یا وعدہ پر طلاق نہیں ہوتی .

لان هذا اللفظ متعين لاستقبال ولا يقع به الطلاق كما في الفتاوىٰ الخيرية وغيرها

(فتاوی امجدیہ جلد دوم صفحہ 171 مکتبہ رضویہ آرام باغ روڈ کراچی)

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

صورتِ مسؤلہ میں شوہر کا قول "میں تمہیں طلاق دے دوں گا" سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کہ یہ مستقبل (یعنی آنے والے زمانے) میں طلاق دینے کے ارادے کا ظاہر ہے اور شرعاً ارادہ طلاق، طلاق نہیں ہے. طلاق انشاء میں سے ہے یعنی شوہر واضح طور

پر کہے: میں تمہیں طلاق دیتا ہوں (بصیغہ حال) یا میں نے تمہیں طلاق دی (بصیغہ ماضی)۔

(تفہیم المسائل جلد 6 صفحہ 377 ضیاء القرآن پبلیکیشنز)

اور جس مولوی صاحب نے کم علمی کے باعث مذکورہ الفاظ پر وقوعِ طلاق کا حکم دیا ہے، ایسا شخص سخت گنہگار ہے، اس پر لازم ہے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے درست مسئلہ بتائے اور غلط مسئلہ بتانے کے گناہ سے توبہ کرے۔

چنانچہ بے علمی کی وجہ سے جھوٹا اور غلط مسئلہ بیان کرنے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ افْتٰی بِغَیْرِ عِلْمٍ لَعَنَتْہُ مَلَآئِکَۃُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

یعنی جو بغیر علم کے فتوی دے، اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

(کنز العمال، جلد 10، رقم الحدیث 29014 :، بیروت)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

20202/09/16

تصحیح وتصدیق:

الجواب صحیح والمجیب نجیح،

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اھل السنۃ (پاکستان) کراتشی

طلاق معلق کا ایک مسئلہ

استفتاء نمبر: 130

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ: گھر سے چلی جاؤ ورنہ طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، مغرب کے بعد چلی گئی ہے لیکن صبح واپس آ گئی ہے۔

کیا اس پر طلاق واقع ہو گئی ہے؟

سائل: اکرم عطاری میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جس وقت شوہر نے بیوی کو کہا کہ:

گھر سے چلی جاؤ ورنہ طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے۔

تو اگر وہ عورت اسی وقت گھر سے چلی گئی یا جانے کی تیاری کرنے لگی اور تیاری کرکے فوراً گھر سے چلی گئی اور صبح واپس آ گئی تو طلاق نہ ہوگی۔

اور اگر شوہر کے کہنے کے فوراً بعد وہ نہ تو گھر سے گئی اور نہ اس وقت جانے کی تیاری کی بلکہ کچھ دیر ٹھہری رہی اور پھر مغرب کے بعد گئی تو اس پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور اب وہ اپنے شوہر کے لئے حلالہ شرعیہ کے بغیر حلال نہ ہوگی، عدت گزار جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

چنانچہ علامہ امام برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَإِذَا أَضَافَهُ إِلَى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيبَ الشَّرْطِ

یعنی اور جب شوہر نے طلاق کو شرط کی طرف مضاف کیا تو طلاق، شرط کے بعد واقع ہوجائے گی۔

(الہدایۃ، جلد 1، صفحہ 251، المکتبۃ الاسلامیۃ)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

و إذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق

یعنی اور جب شوہر نے طلاق کی اضافت شرط کی طرف کی تو طلاق، شرط کے بعد واقع ہوگی، جیسے وہ اپنی بیوی کو کہے : اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب الرابع فی الطلاق بالشرط، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا وغیرھما، جلد 1 صفحہ 420 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

چنانچہ بدر الفقہاء مفتی محمد اجمل قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سوال ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

زید کی دو بیویاں زاہدہ اور خالدہ ہیں، ایک مرتبہ زید نے غصہ میں آکر دونوں کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ:

"تم دونوں گھر سے نکل جاؤ، اگر نہیں نکلوگی تو تم دونوں پر طلاق، ایک طلاق کیا بلکہ تین طلاق۔

زید یہ کہہ کر کہیں باہر چلا گیا دونوں بیویاں زید کے گھر کے نکل جانے پر گھر سے نکل کر بستی میں چلی گئی، تھوڑی دیر کے بعد دونوں زید کے گھر میں واپس آ گئی، دونوں رات و دن زید کے گھر میں ٹھہری رہیں۔ تو آیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا:

صورتِ مسؤلہ میں اگر واقعہ اسی طرح ہوا اور وہ دونوں عورتیں اسی وقت زید مذکور کے مکان سے نکل گئیں چاہے تھوڑی دیر بعد واپس آگئیں ہوں تو اس صورت میں تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اگر وہ اس وقت تو مکانِ زید سے نہ نکلیں اور نہ انہوں نے نکلنے کی کسی طرح کی تیاری کی تو دونوں پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔

(فتاوی اجملیہ جلد 3 صفحہ 211، 212 شبیر برادرز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/10/20

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

طلاق کے لیے بیوی کا طلاق کو سننا شرط نہیں

استفتاء نمبر: 131

ایک شوہر نے اپنی بیوی کو موبائل پر طلاقیں دینا شروع کیں تو جب دو طلاقیں دیں تو بیوی نے موبائل بند کر دیا اور شوہر نے کال ختم کے بعد تیسری طلاق بھی دیدی لیکن اس تیسری طلاق کو بیوی نے نہیں سنا تو کیا تیسری طلاق ہوگئی ہے؟

سائل : عبداللہ پنجاب پاکستان

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

مذکورہ صورت میں دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق بھی واقع ہوگئی ہے، لہٰذا جب تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں تو حلالہ شرعیہ کے بغیر عورت اس شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی کیونکہ طلاق دیتے وقت بیوی کا طلاق کو سننا یا گواہوں کا سننا یا موجود ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ طلاق بالکل تنہائی میں دی تو تب بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

"فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ"

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اسے دی، تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

(پارہ2،سورۃالبقرہ230 :)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

طلاق کے لیے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سننا ضرور نہیں، جبکہ شوہر نے اپنی زبان سے الفاظِ طلاق ایسی آواز سے کہے، جو اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھے (اگرچہ کسی غل شور یا ثقلِ سماعت کے سبب نہ پہنچے) عنداللہ طلاق ہوگئی۔ عورت کو خبر ہو تو وہ بھی اپنے آپ کو مطلّقہ جانے۔

(فتاوی رضویہ، جلد12، صفحہ362، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

شوہرِ اول طلاق دینے کا مُقِر (اقرار کرتا) ہے مگر عذر صرف یہ کرتا ہے کہ طلاق خفیہ دی، چار اشخاص کے سامنے نہ دی، لہٰذا اپنی جہالت سے طلاق نہ ہونا سمجھتا ہے اگر ایسا ہے تو اس کا دعویٰ غلط باطل ہے، طلاق بالکل تنہائی میں دے، جب بھی ہوجاتی ہے۔

(فتاوی رضویہ، جلد12، صفحہ366، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

نوٹ: حلالہ شرعیہ کی صورت یہ ہے کہ طلاق کی عدت پوری ہوجانے کے بعد وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاحِ صحیح کرے اور دوسرا شوہر اس سے صحبت کرنے کے بعد اسے طلاق دیدے یا دوسرا شوہر صحبت کرنے کے بعد فوت ہوجائے تو عورت پہلی صورت عدتِ طلاق اور دوسری صورت میں عدتِ وفات گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗؕ-فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یَّتَرَاجَعَاۤ

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اسے دی، تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے، پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں۔

(پارہ2،سورۃالبقرہ230 :)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/11/10

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

طلاق کے بعد نوے(۹۰) دنوں کے اندر رجوع کرنا

استفتاء نمبر:132

کیا طلاق دینے کے بعد نوے دنوں کے اندر شوہر رجوع کر لے تو صلح ہو سکتی ہے؟

سائلہ: شاہ بانو لاہور پنجاب پاکستان

بسمه تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

اگر شوہر نے ایک یا دو صریح طلاقیں دیں ہوں تو عدت کے اندر اندر شوہر رجوع ہو سکتا ہے خواہ عورت رجوع سے راضی ہو یا راضی نہ ہو، لیکن تین طلاقوں کے بعد قرآن کا واضح حکم ہے کہ بغیر حلالہ رجوع نہیں کر سکتا، ایسی صورت میں نوے دنوں کے اندر صلح کو جائز قرار دینا، عورت کو کھیل بنانا ہے کہ شوہر جب چاہے طلاقیں دے اور پھر نوے دن کے اندر رجوع کر لے، زمانہ جاہلیت میں یہی ظلم تو عورتوں پر ہوتا تھا کہ کئی طلاقیں دینے کے بعد عدت کے اندر رجوع کر لیتے تھے۔ اللہ عزوجل نے اس ظلم کو ختم کرتے ہوئے فقط دو طلاقوں تک رجوع کی اجازت دی۔ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۪-فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍؕ

ترجمہ: یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

(پارہ2، سورۃ البقرۃ: 229)

تفسیر صراط الجنان میں ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ: طلاق دو بار تک ہے۔

یہ آیت ایک عورت کے متعلق نازل ہوئی جس نے سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے شوہر نے کہا ہے کہ وہ اس کو طلاق دیتا رہے گا اور رجوع کرتا رہے گا اور ہر مرتبہ جب طلاق کی عدت گزرنے کے قریب ہو گی تو رجوع کر لے گا اور پھر طلاق دیدے گا، اسی طرح عمر بھر اس کو قید رکھے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(البحر المحیط، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: 229، جلد2، صفحہ202)

اور ارشاد فرمادیا کہ طلاق رجعی دو بار تک ہے اس کے بعد طلاق دینے پر رجوع کا حق نہیں۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد کو طلاق دینے کا اختیار دو بار تک ہے، اگر تیسری طلاق دی تو عورت شوہر پر حرام ہوجائے گی اور جب تک پہلے شوہر کی عدت گزار کر کسی دوسرے شوہر سے نکاح اور ہم بستری کر کے عدت نہ گزار لے تب تک پہلے شوہر پر حلال نہ ہوگی، لہٰذا ایک طلاق یا دو طلاق کے بعد رجوع کر کے اچھے طریقے سے اسے رکھ لو اور یا طلاق دے کر اسے چھوڑ دو تا کہ عورت اپنا کوئی دوسرا انتظام کر سکے۔ اچھے طریقے سے روکنے سے مراد رجوع کر کے روک لینا ہے اور اچھے طریقے سے چھوڑ دینے سے مراد ہے کہ طلاق دے کر عدت ختم ہونے دے کہ اس طرح ایک طلاق بھی بائنہ ہوجاتی ہے، شریعت نے طلاق دینے اور نہ دینے کی دونوں صورتوں میں بھلائی اور خیر خواہی کا فرمایا ہے۔

ہمارے زمانے میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد دونوں صورتوں میں الٹا چلتی ہے، طلاق دینے میں بھی غلط طریقہ اور بیوی کو رکھنے میں غلط طریقہ۔

اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے آمین۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

عن عائشة قالت لم يكن للطلاق وقت، يطلقُ الرجل امرأته ثم يراجعها ما لم تنقض العدة وكان بين رَجل من الأنصار وبين أهله بعضُ ما يكون بين الناس فقال والله لأتركنك لا أيِّمًا و لا ذات زوج، فجعل يطلقها حتى اذا كادت العدة أن تنقضي راجعها، ففعل ذلك مرارًا، فأنزل الله عز وجل فيه (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ) فوقَّتَ الطلاق ثلاثًا لا رجعة فيه بعد الثالثة حتى تنكح زوجًا غيره

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے طلاق کے لئے کوئی وقت نہ تھا، شوہر بیوی کو طلاق دیتا پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا، انصار میں سے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان ناچاقی ہوئی تو مرد نے کہا: اللہ کی قسم میں تجھے نہ تو طلاق یافتہ کے طور چھوڑوں گا اور نہ ہی بیوی کے طور پر چھوڑوں گا، وہ اپنی بیوی کو طلاق دیتا یہاں تک کہ عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اس سے رجوع کر لیتا، اس نے ایسا بار بار کیا تو اللہ عزوجل نے اس کے بارے میں یہ حکم نازل فرمایا: یہ طلاق دو بار تک ہے، پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا اچھے سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، تو تین طلاقوں تک حد قائم کردی گئی کہ تین طلاقوں کے بعد رجوع نہیں، یہاں تک کہ بیوی دوسرے سے نکاح وصحبت نہ کرے (یعنی حلالہ نہ کر لے۔)

(تفسیر ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 546، مطبوعہ پشاور)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

أن رجلا طلق امرأته ثلاثا، فتزوجت فطلق، فسئل النبی ﷺ أتحل للأول؟ قال: لا، حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الأول

یعنی کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پس عورت نے (دوسرے شوہر سے) نکاح کیا تو دوسرے شوہر نے (اسے) طلاق دیدی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگئی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں! یہاں تک کہ دوسرا شوہر بھی اس کے شہد کا ذائقہ چکھ لے جس طرح پہلے شوہر نے چکھا ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، صفحہ 988، رقم الحدیث 5261 : ، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

وإن کان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتین فی الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها أو یموت عنها، کذا فی الهدایة

یعنی اور اگر طلاق آزاد عورت میں تیسری ہو اور لونڈی میں دوسری ہو تو وہ عورت اس شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ اس (پہلے شوہر) کے علاوہ کسی اور سے نکاحِ صحیح کرلے اور وہ دوسرا شوہر اس سے ہمبستری کرلے پھر وہ اسے طلاق دیدے یا اسے چھوڑ کر مر جائے (تو وہ طلاق یا وفات کی عدت گزار کر پہلے سے نکاح کر سکتی ہے)، ایسے ہی "ھدایہ" میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، کِتَابُ الطَّلَاقِ، الْبَابُ السَّادِسُ فِي الرَّجْعَةِ وَفِيمَا تَحِلُّ بِهِ الْمُطَلَّقَةُ وَمَا يَتَّصِلُ بِهِ، فَصْلٌ فِيمَا تَحِلُّ بِهِ الْمُطَلَّقَةُ وَمَا يَتَّصِلُ بِهِ، جلد 1، صفحہ 673)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/11/10

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

رخصتی سے پہلے طلاق وعدت کا حکم

استفتاء نمبر:133

ایک عورت کا نکاح تقریباً ایک سال رہا اور رخصتی نہیں ہوئی، ایک سال بعد اس کے شوہر نے اسے طلاق دیدی تو کیا طلاق کے فوراً بعد اس کا نکاح کہیں اور کرسکتے ہیں یا پھر اسے پہلے عدت گزارنی ہوگی؟ یادرہے! نکاح سے لیکر طلاق تک ان کے درمیان خلوت اور صحبت نہیں ہوئی۔

بینوا توجروا۔

سائلہ :بنتِ اقبال شہر پاکپتن

بسمه تعالىٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

مذکورہ جس عورت کو رخصتی اور خلوت صحیحہ سے پہلے (یعنی اس کے ساتھ ایسی تنہائی میّسر آنے سے پہلے کہ جس میں وہ اس کے ساتھ جماع کرنا چاہتا تو کرسکتا) اگر اس کے شوہر نے طلاق دی ہے طلاق واقع ہوجائے گی اور وہ عورت عدت گزارے بغیر جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے کیونکہ طلاق کی عدت اسی صورت میں گزارنا پڑتی ہے جب عورت سے مرد کی خلوت ہوئی ہو، اگر مرد وعورت کے درمیان خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی ہو تو عدت نہیں ہوتی لہٰذا عورت طلاق کے فورا بعد نکاح کرسکتی ہے۔

نوٹ: البتہ جس عورت سے خلوت ہوچکی اُس میں اور اِس غیر مدخولہ (جس سے خلوت نہ ہوئی) میں یہ فرق ہے کہ غیر مدخولہ کو اگر اکٹھی تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہوجائیں گی یعنی یوں کہا: ''تجھے تین طلاق''

اور اگر کہا: 'تجھے دو طلاق' تو دو واقع ہوں گی۔

اور اگر ایسی عورت کو یوں طلاقیں دیں کہ :

'تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے' یا 'تجھے طلاق، طلاق، طلاق' یا 'تجھے طلاق ہے ایک اور ایک اور ایک'

تو ایسی تمام صورتیں جن میں طلاق کے الفاظ کی صرف تکرار کرے تین طلاقیں نہ کہے تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور باقی لغو قرار دی جائیں گی، اور خلوت وتنہائی سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں مقرر کردہ مہر کا نصف دیا جائے گا مثلاً پانچ ہزار روپے مقرر ہوا ہو تو اڑھائی ہزار دیا جائے گا اور اگر مقرر ہی نہ کیا گیا تھا تو ایک جوڑا دینا واجب ہے، اگر میاں بیوی دونوں مالدار ہوں تو جوڑا اعلیٰ درجے کا اور اگر دونوں محتاج ہوں تو جوڑا معمولی قسم کا اور اگر ایک مالدار اور دوسرا محتاج ہو تو درمیانے درجے کا جوڑا دینا واجب ہے۔ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا"

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں بغیر ہاتھ لگائے طلاق دیدو تو ان پر تمہاری وجہ سے کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو تو انہیں فائدہ پہنچاؤ اور انہیں اچھے طریقے سے چھوڑو۔

(پارہ 22، سورۃ الأحزاب 49 :)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کو ازدواجی تعلق قائم کرنے سے پہلے طلاق دیدی تو اس پر عدت واجب نہیں ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

اذا طلق الرجل امراته ثلاثا قبل الدخول وقعن عليها فإن فرق الطلاق بانت بالأولى و لم تقع الثانية والثالثه و ذلك مثل أن يقول أنت طالق طالق طالق و كذا اذا قال انت طالق واحدة و واحدة وقعت واحدة كذا فى الهداية

جب مرد نے اپنی کودخول سے پہلے (ایک جملے میں) تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی، پس اگر (غیر مدخولہ بیوی کو) الگ الگ کر کے طلاق دی تو پہلی طلاق سے وہ بائنہ ہو جائے گی، دوسری اور تیسری واقع نہ ہوں گیں اور اس کی مثال اس کا یہ کہنا ہے کہ تجھے طلاق، طلاق، طلاق اور ایسے ہی جب وہ کہے تو ایک طلاق والی ہے اور ایک تو ایک طلاق واقع ہوگی ایسے ہی ہدایہ میں ہے۔

(فتاویٰ العالمگیری، کتاب الطلاق، الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول، جلد 1 صفحہ 373، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(وَإِنْ فَرَّقَ) بِوَصْفٍ أَوْ خَبَرٍ أَوْ جُمَلٍ بِعَطْفٍ أَوْ غَيْرِهِ (بَانَتْ بِالْأُولَى) لَا إِلَى عِدَّةٍ (وَ) لِذَا (لَمْ تَقَعْ الثَّانِيَةُ)

اور اگر اس نے وصف یا خبر یا جملہ کے ساتھ عطف کر کے یا بغیر عطف کے الگ الگ کر کے طلاق دی تو وہ پہلی طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی، نہ کہ عدت تک (اس کا بائنہ ہونا مؤخر ہوگا) اور اسی لئے دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، باب طلاق غیر المدخول بہا، جلد 4 صفحہ 499 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

نقایہ میں ہے:

يجب نصفه بطلاق قبلها اى قبل خلوة الصحيحة

یعنی خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق کی وجہ سے آدھا مہر واجب ہوتا ہے۔

(مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ،فصل اقل المہر ، صفحہ 55،نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

غیر مدخولہ کو کہا تجھے تین طلاقیں تو تین ہونگی اور اگر کہا تجھے طلاق تجھے طلاق تجھے طلاق یا کہا تجھے طلاق طلاق طلاق یا کہا تجھے طلاق ہے ایک اور ایک اور ایک تو ان صورتوں میں ایک بائن واقع ہوگی باقی لغو و بیکار ہیں یعنی چند لفظوں سے واقع کرنے میں صرف پہلے لفظ سے واقع ہوگی اور باقی کے لیے محل نہ رہے گی اور موطؤہ میں بہر حال تین واقع ہونگی۔

(بہار شریعت جلد 2 حصہ ہشتم (8) صفحہ 125 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/12/13

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

باب الاسماء (نام رکھنے کا بیان)

اویس کا درست تلفظ اور نام رکھنے کی شرعی حیثیت

استفتاء نمبر: 134

اویس نام کا درست تَلَفُّظ اور معنی کیا ہے نیز یہ نام رکھنا کیسا ہے؟

سائل : محمد اویس رضا

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

اویس نام کا درست تلفظ یہ ہے:

اُوَیس (Owais)

(کما فی کتب اللغۃ)

نوٹ: کچھ لوگ اس کو "اَوَیس" پڑھتے ہیں جو کہ درست نہیں.

اویس نام کے معنی: لفظِ اویس "اَوْس" کی تَصغِیر ہے اور اَوْس کا معنی بھیڑیا اور عَطِیَّہ آتا ہے اور بعض کتب میں اویس کا معنی بھیڑیا بھی لکھا ہے۔

چنانچہ لسان العرب میں ہے:

أُوَيْس تَصْغِيرُ اَوْسٍ وَهُوَ مِنْ اَسْمَاءِ الذِّئْبِ

یعنی اویس "اوس" کی تصغیر ہے اور وہ (یعنی اوس) بھیڑیے کے اسماء میں سے ہے۔

(لسان العرب جلد اول صفحہ 55 دمشق)

المحیط فی اللغۃ میں ہے:

اَلْاَوْسُ اَلْعَطَاءُ

یعنی اوس (کا معنی) عطیہ ہے۔

(المحیط فی اللغۃ جلد 2 صفحہ 286، القاموس الوحید جلد 1 صفحہ 141 دار الاشاعت)

اور المنجد میں ہے:

اُوَیس : بھیڑیا

(المنجد عربی اردو، صفحہ 40 خزینہ علم وادب لاہور)

فائدہ: اسم کے پہلے حرف کو ضمہ (پیش) اور دوسرے کو فتحہ (زبر) دیکر اس کے بعد یاء ساکن بڑھانے کو "تصغیر" کہتے ہیں

۔

(خلاصہ النحو، صفحہ 173 مکتبۃ المدینہ کراچی)

اویس نام رکھنے کا حکم:

ایک مشہور تابعی بزرگ کا نام بھی (حضرت) "اویس" (قرنی رضی اللہ عنہ) ہے، جن کے فضائل کُتُب حدیث میں موجود ہیں۔

چنانچہ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

إن خير التابعين رجل يقال له" :أويس"، وله والدة و كان به بياض فمروه فليستغفر لكم

یعنی بیشک تابعین میں سے سب سے بہتر ایک مرد ہے جسے اویس کہا جاتا ہے، اور اس کی والدہ ہے اور اس کے جسم پر سفید داغ ہے، پس اس سے ملو تو چاہیے کہ وہ تمہارے لئے استغفار کرے۔

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم، باب فضائل اویس القرنی رضی اللہ عنہ، صفحہ 986 رقم الحدیث 2542 :(224) دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اویس نام کو برقرار رکھا ہے، لہٰذا معنیٰ عَطیہ اور نسبتِ تابعی کا لحاظ کرتے ہوئے اویس نام رکھنا بالکل جائز ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/01/23

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

سبحان احمد یا محمد سبحان نام رکھنا

استفتاء نمبر:135

"سبحان احمد" یا "محمد سبحان" نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

سائل : بابر شہزاد

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

"سبحان احمد" یا "محمد سبحان" نام رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ پاک کے مبارک ناموں کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی نام کا معنی اللہ پاک کے ساتھ مخصوص ہو تو اب اسے رکھنا منع ہوتا ہے تو "سُبحان" کا معنی یہ ہے کہ سبحان کا معنی یہ ہے کہ ہر عیب و نقص سے پاک ذات، اور اس معنی کے لحاظ سے لفظِ "سبحان" اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے، اس کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اگر کوئی عبدالسبحان نام رکھے تو پھر جائز ہے۔

چنانچہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسلَّم سے عرض کی:

ما معنیٰ "سُبۡحَانَ اللّٰہ" سبحان اللہ کا معنی کیا ہے؟

تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

تنزيه الله من كل سوء

یعنی ہر بری چیز سے اللہ کی پاکی بیان کرنا۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، جلد 10 صفحہ 204 مطبوعہ ریاض عرب، مستدرک، کتاب الدعاء والتکبیر والتہلیل والتسبیح والذکر، تفسیر سبحان اللہ، جلد 2 صفحہ 177، رقم الحدیث 1891 :)

چنانچہ تفسیرِ قرطبی میں ہے:

معناه التنزه و البرائة لله عزوجل من كل نقص فهو ذكر عظيم لله تعالىٰ لايصلح لغيره

یعنی اس (یعنی لفظِ سبحان) کے معنی اللہ عزوجل کے لئے ہر نقص (کمی) سے بری ہونا (محفوظ ہونا) اور پاکیزہ ہونا ہے، تو یہ

ایسا ذکر ہے جو اللہ پاک کے غیر کے لئے (بولے جانے کی) صلاحیت نہیں رکھتا۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، جلد 10 صفحہ 204 مطبوعہ ریاض عرب)

شیخِ طریقت امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہ العالیہ فرماتے ہیں:

ناموں کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی نام کا معنیٰ مخصوص ہو تو اب اسے رکھنا منع ہوتا ہے جیسے "سبحٰن" کے معنیٰ ہیں: "ہر عیب سے پاک ذات" چونکہ یہ وصف اللہ پاک کے لیے مخصوص ہے لہٰذا بندے کا نام "سبحٰن" رکھنا منع ہے اَلبتہ "عَبْدُالسُّبحٰن" نام رکھ سکتے ہیں۔

(ملفوظاتِ امیرِ اہلِ سنت جلد اول قسط 9 صفحہ 159 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/08/16

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

فیروز نام رکھنا

استفتاء نمبر:136

فیروز نام رکھنا کیسا ہے؟

سائل: فیروز احمد جبلپور ایم پی انڈیا

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

فیروز ایک قسم کے قیمتی پتھر، کامیاب اور فتح مند کو کہتے ہیں، اس نام کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ فیروز تو ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کا بھی نام بھی ہے، جنہوں نے نبوت کے جھوٹے دعویدار اسود عنسی کو واصلِ جہنم کیا تھا، اس لئے اس نام کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آپ کا نام ابو عبد اللہ یا ابو عبد الرحمان ہے، ابن فیروز دیلمی حمیری فارسی النسل ہیں، آپ کے والد فیروز نے اسود عنسی کو قتل کیا جو مدعی نبوت تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرضِ وفات شریف میں جب اس قتل کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ اسے نیک بندے نے قتل کیا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۵۰ھ میں انتقال ہوا، دیلمی صحابی ہیں اور ان کے بیٹے ابو عبد الرحمن تابعی، دیلم ایک پہاڑ کا نام ہے۔

(مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، باب الایمان بالقدر، الفصل الثالث، جلد 1 صفحہ 118 قادری پبلیشرز لاہور)

المنجد میں ہے:

الفِيْرُوْز و الفَيْرُوْزُ و الفَيْرُوْزَ ج والفِيْرُوْزَ ج
ایک قسم کا قیمتی پتھر

(المنجد عربی اردو صفحہ 663 خزینہ علم وادب لاہور)

فیروز اللغات میں ہے:

"فیروز: فتح مند، ظفریاب، کامیاب۔

(فیروز اللغات اردو جدید، نیا ایڈیشن، صفحہ 507 فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ)

نوٹ: 1 کئی لوگ فیروز نام رکھنے کے متعلق صرف اس وجہ سے پوچھتے ہیں کہ ایک فیروز نامی بد بخت نے امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا تو شاید یہ نام رکھنا درست نہ ہو تو یاد رکھیے کہ کسی نام کے متعلق ایسا کوئی اصول نہیں کہ جس نام کے شخص نے کسی مسلمان یا صحابی کو قتل کر دیا تو وہ نام رکھنا ہی ممنوع ہو جائے گا، اگر یہ اصول درست مان لیا جائے تو پھر کسی کا نام عبد الرحمن رکھنا بھی درست نہ ہو گا کیونکہ عبد الرحمن بن ملجم نامی بد بخت خارجی نے امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو شہید کیا تھا، حالانکہ عبد اللہ اور عبد الرحمن نام کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ

تمہارے ناموں میں سے سب سے زیادہ محبوب اللہ پاک کے نزدیک عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں.

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2132)

ہاں اگر کوئی ایسا نام قاتل کے نام کی نیت سے رکھے تو اس کے لئے الگ حکم ہو گا لیکن یہ کسی صحیح العقیدہ مسلمان سے متصور نہیں ہے۔

نوٹ :2البتہ کئی لوگ اتنے بدنامِ زمانہ ہوتے ہیں کہ ان کے نام پر کوئی بھی مسلمان اپنے بچوں کے نام رکھنا گوارا نہیں کرتا جیسے یزیدِ پلید کہ اہلسنت کے اجماع کے ساتھ یقیناً فاسق وفاجر اور کبیرہ گناہوں پر جری (بیباک) تھا، تو کوئی بھی اپنے بچوں کا نام اس کے نام پر رکھنا پسند نہیں کرتا حالانکہ اس نام کی شرعاً ممانعت نہیں بلکہ یہ تو کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا نام بھی تھا۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/12

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

انابیہ عروش نام، تلفظ و معنی اور اس نام کو رکھنے کی شرعی حیثیت

استفتاء نمبر: 137

انابیہ عروش نام کے درست تلفظ اور اس کے معنی کیا ہیں، نیز یہ نام رکھنا کیسا ہے؟

سائل : محمد رضا عطاری شاہ عالم ضلع بھکر

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

"انابیہ" نام کا درست تلفظ یا تو ہمزہ پر زبر کے ساتھ ہے (یعنی اَنَابِیَہ) اور اس وقت یہ اَناب (اسم) سے اسم منسوب کا صیغہ مؤنث ہے جس کے معنی مشک یا مشک کی مانند ایک خاص قسم کی خوشبو کے ہیں،

یا یہ ہمزہ پر زیر کے ساتھ ہے (یعنی اِنَابِیہ) اور اس لحاظ سے یہ اَناب فعل کا مصدر ہوگا اور اس کے آخر یائے نسبتی ہے، جس کے معنی رجوع کرنا، متوجہ ہونا کے ہیں۔

اور عروش کا درست اعراب لفظِ عین پر پیش کے ساتھ ہے (یعنی عُرُوْش) اور یہ عرش کی جمع ہے، اور عرش کے مختلف معانی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1– بادشاہت۔ 2–تختِ شاہی، تختِ سلطنت۔ 3–اصل و بنیاد، باگ ڈور۔ 4–چھت۔ 5–شامیانہ، خیمہ، سائبان

(اکثر استعمال بانس کے سالنظان یعنی چھپر کے لیے ہوتا ہے)۔ 6—ٹٹی، لکڑی یا لوہے کی جالی جس پر انگور کی بیل چڑھائی جاتی ہے۔ 7—پیر کے اوپر کا حصہ۔

نوٹ: اور اگر عروش کو جمع کے بجائے عرش کا مصدر قرار دیا جائے تو پھر اس کا معنیٰ "قیام کرنا" ہوگا۔

لہٰذا بعض معانی کے اعتبار سے "انابیہ عروش" نام رکھنا درست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات، صاحبزادیوں، دیگر صحابیات رضی اللہ عنھن، ولیّات اور صالحات (نیک عورتوں) کے ناموں پر اپنی بچیوں کا نام رکھا جائے۔ چنانچہ المعانی لکل رسم المعانی نامی لغت کی کتاب میں ہے:

"أَناب" عام (اسم)—مشک، مشک جیسا عطر۔

أَنَابَ إلى الله عام (فعل)—تائب ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنا قران پاک میں ہے

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّأَنَابَ

(المعانی لکل رسم المعانی)

المعجم الوسیط اور القاموس الوحید میں ہے:

الأناب: المسك أو عطر يشبهه

یعنی اناب مشک یا وہ خوشبو ہے جو مشک کے مشابہ ہوتی ہے۔

(المعجم الوسیط، صفحہ 28، القاموس الوحید، صفحہ 137 مطبوعہ دار اشاعت)

المعانی لکل رسم معنی نامی لغت کی کتاب میں ہے:

(1) "عَرْش" عام (اسم)—بادشاہت (2) تخت شاہی تخت سلطنت۔ قرآنِ پاک میں ہے: ولها عرش عظیم۔

(3) اصل و بنیاد، باگ ڈور۔ استوی الملک علی عرشہ: تخت سلطنت پر بیٹھنا، ملک کی باگ دوڑ سنبھالنا۔ ثل عرشہ: ہوا اکھڑنا، بے عزت ہونا، سلطنت کمزور ہونا۔

(4) چھت۔ (5) شامیانہ، خیمہ، سالنظان (اکثر استعمال بانس کے سالنظان یعنی چھپر کے لئے ہوتا ہے۔

(6) ٹٹی، لکڑی یا لوہے کی جالی جس پر انگور کی بیل چڑھائی جاتی ہے۔ (7) پیر کے اوپر کا حصہ

ج: عُرُوْش و اعراش۔

(المعانی لکل رسم معنی)

المنجد میں ہے:

"عَرَش (ض) عُرُوْشاً۔ بالمکانِ۔ کسی جگہ اقامت کرنا۔

(المنجد عربی اردو صفحہ 561 ناشر اکبر بک سیلرز لاہور)

القاموس المحیط میں ہے:

العَرْشُ :عَرْشُ اللهِ تعالی، ولا يُحَدُّ، أو ياقوتٌ أحْمَرُ يَتلألأ من نورِ الجَبَّارِ تعالی، وسَرِيرُ المَلِكِ، والعِزُّ، وقِوامُ الأمرِ، ومنه :ثُلَّ عَرْشُه، ورُكْنُ الشيءِ،

و۔ من البيتِ :سَقْفُه، والخَيْمَةُ، والبيتُ الذی يُسْتَظَلُّ به،

كالعَرِيشِ ج :عُروشٌ وعُرُشٌ وأعْراشٌ وعِرَشَةٌ.

و۔ من القومِ :رَئيسُهُم المُدَبِّرُ لأمرِهِم، والقَصْرُ.

و۔ من القَدَمِ :ما نَتَأ من ظَهْرِ القَدَمِ۔.

و۔ للطائِرِ :عُشُّهُ"

یعنی العرش :اللہ تعالیٰ کا عرش، اور اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی، یا سرخ یاقوت جو نورِ جبار تعالیٰ سے روشن ہے، بادشاہ کا تخت، ستون اور کسی کام کا قوام، اور اسی سے "ثُلَّ عَرْشُہ" ہے یعنی اس کی عزت جاتی رہی اور معاملہ کمزور پڑ گیا، اور کسی چیز کا رکن۔

العرش من البیت : گھر کی چھت، خیمہ، وہ گھر جس سے ساتھ سایہ حاصل کیا جاتا ہے، جیسے عَرِیْش ج :عُرُوْش، عُرُش، اَعْرَاش اور عِرَشَۃ۔

العرش من القوم : قوم کا رئیس، اس کے کام کی تدبیر کرنے والا محل۔

العرش من القدم : پاؤں کے اوپر (پشتِ قدم) کا بلند حصہ۔

العرش للطائر : پرندے کا گھونسلا۔

(القاموس المحیط جلد 1 صفحہ 597)

المنجد میں ہے:

"العرش۔ تختِ شاہی۔ کسی چیز کا ستون، کسی چیز کا قوام کہتے ہیں "ثُلَّ عَرْشُہ" اس کی عزت جاتی رہی اور معاملہ کمزور پڑ گیا۔

العرش من البیت۔ گھر کی چھت،

من القوم۔ قوم کا رئیس، سردار، وہ لکڑی جس سے کنویں کے اوپر کا حصہ بنایا جائے، شامیانہ، "خیمہ" مکان جس میں سایہ لیا

جائے۔ محل۔ قدم کی پشت کا بلند حصہ۔

اس کے کام کی تدبیر کرنے والا محل۔

من عرش الطائر۔ پرندے کا گھونسلا۔

عرش الکرم انگور کی ٹٹی۔

(المنجد صفحہ 561 ناشر اکبر بک سیلرز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/04

تصدیق وتصحیح:

1—انابیہ عروش کے حوالے سے جو استفتاء ہے، اس پر آپ نے جو تحقیقی فتویٰ رقم فرمایا ہے، بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے، اللہ آپ کے علم میں، عمر میں اور عمل میں برکتیں عطاء فرمائے۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

2—الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

دکان کا نام بسم اللہ رکھنا

استفتاء نمبر:138

کیا دکان کا نام ''بِسْمِ اللّٰہ'' رکھ سکتے ہیں

سائلہ: ام محمد عطاریہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جی ہاں! دکان کا نام ''بِسْمِ اللّٰہ'' رکھ سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ شیخِ طریقت امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہ العالیہ سے سوال ہوا کہ: ''بِسْمِ

اللہ'' نام رکھنا کیسا؟

تو نے جواباً فرمایا:

رہی بات ''بِسْمِ اللہ'' نام رکھنے کی کہ بعض لوگ بچیوں کے نام ''بِسْمِ اللہ'' رکھتے ہیں جس کے معنیٰ ہیں : ''اللہ کے نام سے شروع'' بظاہر اِس نام کے رکھنے میں بھی کوئی حَرَج معلوم نہیں ہوتا۔ مَساجِد کا نام بھی تو ''بِسْمِ اللہ'' رکھا جاتا ہے جیسا کہ بابُ المدینہ (کراچی) کے علاقے کھارادر میں ''بِسْمِ اللہ'' مسجد مشہور ہے۔ ناموں کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی نام کا معنیٰ مخصوص ہو تو اب اسے رکھنا منع ہوتا ہے جیسے ''سُبْحٰن'' کے معنیٰ ہیں : ''ہر عیب سے پاک ذات'' چونکہ یہ وَصف اللہ پاک کے لیے مخصوص ہے لہٰذا بندے کا نام ''سُبْحٰن'' رکھنا منع ہے اَلبتہ ''عَبْدُ السُّبْحٰن'' نام رکھ سکتے ہیں۔

(ملفوظات امیر اہل سنت جلد اول قسط 9 صفحہ 159 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/21

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

کسی شخص کو قیوم کہنا

استفتاء نمبر:139

کسی آدمی کا نام قیّوم رکھنا یا نام تو عبدالقیوم ہو لیکن اسے قیوم کہہ کر پکارنا کیسا ہے؟

سائل : محمد قادری پنجاب پاکستان

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملک الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

کسی آدمی نام قیوم رکھنا یا عبدالقیوم نامی شخص کو قیوم کہہ کر پکارنا سخت ناجائز وحرام ہے بلکہ بعض فُقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بندے کو اللہ پاک کے مخصوص ناموں جیسے قیوم، قُدّوس یا رحمٰن وغیرہ کہہ کر پکارنا کفر ہے۔

چنانچہ مجمع الانہر میں ہے:

اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق نحو القدوس و القیوم و الرحمن وغیرھا یکفر

یعنی خالق (اللہ پاک) کے ساتھ مخصوص ناموں میں سے کسی نام کا اِطلاق مخلوق پر کرنا جیسے (اِسے مخلوق کے کسی فرد کو) قدوس، قیوم یا رحمن کہنا کفر ہے۔

(مجمع الانہر، جلد 2، صفحہ 504، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

درمختار میں ہے:

وجاز التسمیة بعلی و رشید و غیرھما من الاسماء المشترکة و یراد فی حقنا غیر ما یراد فی حق اللہ تعالیٰ، لکن التسمیة بغیر ذلك فی زماننا اولیٰ لان العوام یصغرونھا عند النداء

یعنی اور اسماءِ مشترکہ میں سے علی، رشید وغیرہ کے ساتھ نام رکھنا جائز ہے اور (ان اسماء سے) جو معنی اللہ پاک کے لیے مراد لیے جاتے ہیں، ہمارے حق میں اس کے علاوہ معنی مراد لیے جائیں گے، لیکن ہمارے زمانے میں ایسے ناموں کے علاوہ نام رکھنا بہتر ہے کیونکہ عوام پکارتے وقت ان ناموں کی تصغیر کرتے ہیں۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحضر والاباحۃ، جلد 9، صفحہ 687، 688، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ "فتاویٰ رضویہ، جلد 15، صفحہ 280" پر تحریر فرماتے ہیں:

فُقَہائے کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السلام نے "قَیّومِ جہاں" غیرِ خدا کو کہنے پر تکفیر فرمائی۔

مَجْمَعُ الْاَنْہُر میں ہے:

اگر کوئی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اَسمائے مُختَصَّہ (یعنی مخصوص ناموں) میں سے کسی نام کا اِطلاق مخلوق پر کرے جیسے اِسے (یعنی مخلوق کے کسی فرد کو) قُدّوس، قَیّوم یا رحمٰن کہے تو یہ کفر ہو جائے گا۔

(مجمع الانہر، جلد 2، صفحہ 504)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

بعض اسماء الٰہیہ جن کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے، ان کے ساتھ نام رکھنا جائز ہے، جیسے علی، رشید، کبیر، بدیع، کیونکہ بندوں کے

ناموں میں وہ معنی مراد نہیں ہیں جن کا ارادہ اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنے میں ہوتا ہے اور ان ناموں میں الف ولام ملا کر بھی نام رکھنا جائز ہے، مثلاً العلی، الرشید۔ ہاں اس زمانہ میں چونکہ عوام میں ناموں کی تصغیر کرنے کا بکثرت رواج ہوگیا ہے، لہٰذا جہاں ایسا گمان ہو ایسے نام سے بچنا ہی مناسب ہے۔ خصوصاً جبکہ اسماء الٰہیہ کے ساتھ عبد کا لفظ ملا کر نام رکھا گیا، مثلاً عبدالرحیم، عبدالکریم، عبدالعزیز کہ یہاں مضاف الیہ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور ایسی صورت میں تصغیر اگر قصداً ہوتی تو معاذ اللہ کفر ہوتی، کیونکہ یہ اس شخص کی تصغیر نہیں بلکہ معبود برحق کی تصغیر ہے مگر عوام اور ناواقفوں کا یہ مقصد یقیناً نہیں ہے، اسی لیے وہ حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ اُن کو سمجھایا اور بتایا جائے اور ایسے موقع پر ایسے نام ہی نہ رکھے جائیں جہاں یہ احتمال ہو۔

(بہارشریعت، جلد3، حصہ16، صفحہ602، مکتبۃ المدینہ کراچی)

مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عبدالقدوس کو عبدالقدوس، عبدالرحمن کو عبدالرحمن اور عبدالقیوم کو عبدالقیوم اور عبداللہ کو عبداللہ ہی کہنا فرض ہے، یہاں عبد کا حذف (یعنی ذکر نہ کرنا) اَشَدّ حرام و کفر ہوگا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

فتاوی ظہیریہ پھر شرح فقہ اکبر میں فرمایا:

من قال لمخلوق یاقدوس أو القیوم أو الرحمن کفر. مختصر

بلکہ یہاں تک ظہیریہ میں فرمایا گیا:

أو قال اسما من اسماء الخالق کفر

فتاوی ظہیریہ کی اس عبارت کی بنا پر بظاہر عبدالقادر کو قادر کہنا بھی کفر ٹھہرے گا مگر اس صورت میں کہ اس کی مراد معنی لغوی ہوں اور وہ کہاں ہوتے ہیں، شرح فقہ اکبر میں ہے:

وھو یفید أن من قال لمخلوق یاعزیز و نحوہ یکفر أیضا إلا ان أراد بھا المعنی اللغوی لا الخصوص الاسمی.

مگر بات یہی ہے کہ بعض اسمائے الٰہیہ جو اللہ عزوجل کے لیے مخصوص ہیں جیسے اللہ، قدوس، رحمن قیوم وغیرہ انہیں کا اطلاق غیر پر کفر ہے۔ ان اسماء کا نہیں جو اس کے ساتھ مخصوص نہیں، جیسے عزیز، رحیم، کریم، عظیم، علیم، حی وغیرہ۔"

(فتاوی مصطفویہ، صفحہ90، شبیر برادر لاہور)

مزید تحریر فرماتے ہیں: ایسے ناموں سے لفظ عبد کا حذف (یعنی الگ کردینا) بہت بُرا ہے اور کبھی ناجائز و گناہ ہوتا ہے اور

کبھی سرحدِ کفر تک بھی پہنچتا ہے۔ قادِر کا اِطلاق تو غیر پر جائز ہے، اس صورت میں عبدُ القادِر کو قادِر کہہ کر پکارنا بُرا ہے مگر قدیر کا اِطلاق غیرِ خدا پر ناجائز۔ کمافِی الْبَیضاوی (جیسا کہ بَیضاوی میں ہے) اور اگر کسی کا نام عبدُ القدوس، عبد الرحمٰن، عبد القیوم ہے تو اسے قدوس، رحمٰن، قیوم کہنا ایسا ہی ہے جیسے اُسے، جس کا نام عبدُ اللہ ہو (اُس کو) "اللہ" کہنا بہُت سخت بات ہے۔ والعِیاذُ باللہ تعالٰی۔ جس کا نام عبدُ القادِر ہو اُسے بھی عبدُ القادِر ہی کہا جائے، جس کا عبدُ القدیر اسے عبدُ القدیر ہی کہنا ضرور ہے۔ عبدُ الرَّزّاق کو عبدُ الرّزّاق، عبدُ المُقْتَدِر کو عبدُ المُقتَدِر۔ غیر پر اطلاقِ قَدیر و مُقتَدِر (یعنی اللہ پاک کے علاوہ کسی غیر کو قدیر اور مقتدر کہہ سکتے ہیں یا نہیں اِس مسئلے) میں عُلما کا اِختِلاف ہے۔ کَمَافِی غایَۃِ الْقاضی حاشیہ شَرحُ الْبَیضاوی۔"

(فتاویٰ مصطفویہ، صفحہ 89، 90 شبیر برادرز لاہور)

شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت بانیِ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو! سخت تاکید ہے کہ کسی بھی شخص کو رحمٰن، قیّوم اور قدّوس وغیرہ مت کہئے بلکہ عادت بنائیے کہ جس کا نام اللہ کے کسی نام میں "عبد" کی اِضافت کے ساتھ ہو مثلاً جن کا نام عبد المجید یا عبد الکریم وغیرہ ہو، ان کو مجید یا کریم کہہ کر نہ پکاریں، اُس میں سے "عبد" خارِج نہ کریں، ہاں! غیرِ خدا کو "مجید" یا "کریم" کہنا کفر نہیں۔"

(کفریہ کلمات کے بارے میں سوال جواب، صفحہ 591 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/11/10

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح

مفتی و حکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

انفال کا معنیٰ اور انفال نام رکھنا

استفتاء نمبر:140

انفال نام کا معنیٰ کیا ہے اور یہ نام رکھنا کیسا ہے

سائل : غلام محی الدین عطاری شہر موچھ ضلع میانوالی

بسمه تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق والصواب

لفظِ ''اَنْفَال'' نفل کی جمع ہے اور نفل کا معنیٰ غنیمت اور عطیہ ہے، چونکہ لفظِ ''اَنْفَال'' جمع ہے تو بہتر یہی ہے کہ یہ نام نہ رکھا جائے بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی صاحبزادیوں وازواجِ مُطَہَّرات، صحابیاتِ رضی اللہ عنھن اور ولیات کے ناموں میں سے کوئی نام رکھ لیا جائے، نیچے بچیوں کے چند خوبصورت نام معانی کے ساتھ تحریر کر دیے ہیں، ان میں سے کوئی نام بھی تجویز کر سکتے ہیں۔

چنانچہ کتاب التعریفات میں ہے:

النفل :لغة اسم للزيادة، ولهذا سميت الغنيمة نفلا لانه زيادة على ما هو المقصود من شرعية الجهاد وهو اعلاء كلمة الله وقهر اعدائه

یعنی نفل لغوی طور پر زیادتی کا نام ہے، اور اسی لیے غنیمت کو نفل کہا جاتا ہے کہ یہ جہاد کی مشروعیت سے مقصود کے خلاف ہے اور جہاد کا مقصد اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا اور اس کے دشمنوں پر قہر ہے۔

(کتاب التعریفات، صفحہ 169، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

المخصص'' نامی کتاب میں ہے:

النفل-الغنيمة والهبة والجمع أنفال

نفل کا معنیٰ غنیمت اور ہبہ ہے اور اس کی جمع انفال ہے۔

(المخصص، جلد 3، صفحہ 446، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

المعانی لکل رسم المعنی نامی کتاب میں ہے: ''نَفَل'' عام (اسم)— مال غنیمت

(2) عطیہ، بخشش، تحفہ، ج : انفال

(3) ایک قسم کا خوشبودار پودا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

و فی الفتاویٰ التسمیة باسم لم یذکرہ اللہ تعالیٰ فی عبادہ و لا ذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و لا استعملہ المسلمون تکلموا فیہ و الأولی أن لا یفعل کذا فی المحیط

یعنی ایسا نام رکھنا جس کو اللہ پاک نے اپنے بندوں کے بارے میں ذکر نہ فرمایا ہو، نہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ذکر فرمایا ہو، نہ مسلمانوں نے اسے استعمال کیا ہو تو اس میں علما نے اِختلاف کیا ہے اور بہتر یہ ہے کہ وہ نام نہ رکھا جائے، ایسے ہی "محیط" میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، جلد 5، صفحہ 362، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

التسمیة باسم لم یذکرہ اللہ تعالیٰ فی عبادہ و لا ذکرہ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم و لا یستعملہ المسلمون تکلموا فیہ، و الأولی أن لا یفعل

یعنی ایسا نام رکھنا جس کو اللہ پاک نے اپنے بندوں کے بارے میں ذکر نہ فرمایا ہو، نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ذکر فرمایا ہو، نہ مسلمانوں نے اسے استعمال کیا ہو، تو اس میں علما نے اِختلاف کیا ہے اور بہتر یہ ہے کہ وہ نام نہ رکھا جائے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، جلد 9، صفحہ 689، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صَدرُ الشَّریعہ، حضرتِ علّامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃُ اللّٰہِ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ایسا نام رکھنا جس کا ذکر نہ قرآن مجید میں آیا ہو، نہ حدیثوں میں ہو، نہ مسلمانوں میں ایسا نام مُستعمل ہو، اس میں علما کو اِختلاف ہے، بہتر یہ ہے کہ نہ رکھے۔

(بہارِ شریعت، جلد 3، صفحہ 603 مکتبۃ المدینہ کراچی)

بچیوں کے چند خوبصورت نام، معانی کے ساتھ:

1– جَمِیْلَةٌ (خوبصورت) 2,–سِدْرَةٌ (بیری کا درخت)،3– اَیمَنُ (سیدھی)4,– رَبَابٌ (سفید بادل)5,–حفصہ (خوبصورت)

6– اُمِّ حَبِیْبَةٌ (محبوب ہستی کی ماں)7,–مَیمُوْنَةٌ (برکت والی)،8–جُوَیْرِیَةٌ (چھوٹی لڑکی)،9–نَفِیْسَةٌ (پاک و صاف)

10—عَمَّارَۃ (باوقار،صبر والی)11,—طَیِّبَۃ (پاکدامن)،12—بَرِیْرَۃ (ایک درخت کا پھل)13,—رَیْحَانَۃ (ایک خوشبودار پودا)

14—مَارِیَۃ (گوری، چمکیلی رنگت والی)،15—اَرْوٰی (حسین وجمیل،خوبصورت)

والله اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلی الله علیه وآله وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/11/07

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

ایان نام کا معنیٰ اور نام رکھنے کی شرعی حیثیت

استفتاء نمبر: 141

"أیان" نام کا معنی بتادیں اور یہ بھی بتائیں کہ یہ نام رکھنا کیسا ہے؟

سائل: محمد سراج

بسمه تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

"أیان" عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ اسمِ شرط بمعنی "جب" ہے یا اسمِ استفہام بمعنی "کب" ہے، تو ان معانی کے اعتبار سے اس کا کوئی خاص مطلب نہیں بنتا لہٰذا یہ نام نہ رکھا جائے۔

بہتر یہی ہے کہ بچے کا اصل نام صرف "محمد" یا صرف "احمد" رکھا جائے تاکہ احادیثِ طیبہ میں جو نامِ محمد واحمد کے فضائل وبرکات بیان ہوئے ہیں وہ حاصل ہوسکیں جبکہ پکارنے کے لئے کوئی دوسرا نام مثلاً احمد رضا، بلال رضا، عبید رضا، اسید رضا وغیرہ رکھ لیں۔ چنانچہ "المعانی لکل رسم معنی" نامی لغت کی کتاب میں ہے:

"أیان" عامة (اسم)—برائے شرط بمعنی "جب" جیسے ایان تضرب اضرب: جب تم مارو گے میں ماروں گا۔

(2) برائے استفہام بمعنی "کب" جیسے: ایان ترجع: تم کب لوٹو گے۔

(3) ظرفِ زمان برائے مستقبل۔ جیسے "ایان یبعثون"۔

(ترجمۃ ومعنی ایان فی قاموس اردو — عربی، المعانی لکل رسم معنی)

المنجد میں ہے:

"أیان" :اسمِ شرط ہے، دوفعلوں کو جزم دیتا ہے جیسے "أَیَّانَ تضْرِبْ اَضْرِبْ" جب تم مارو گے میں ماروں گا۔

اسم استفہام جیسے "اَیَّانَ ترجعُ" تو واپس ہوگا؟

اور متی :کے معنی میں بھی آتا ھے بمعنی کب۔

(المنجد صفحہ 42 مطبوعہ خزینہ علم وادب لاہور)

ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت نبیط بن شریط رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالیٰ عزوجل وعزتی وجلالی لا اعذب احدا تسمی باسمك بالنار یا محمد

رب عزوجل نے مجھ سے فرمایا:

اپنی عزت وجلال کی قسم! جس کا نام تمہارے نام پر ہوگا اسے دوزخ کا عذاب نہ دوں گا۔

(کشف الخفاء، حرف الخاء، رقم الحدیث 1243 :، جلد 1، صفحہ 345 دار الکتب العلمیہ، بیروت، تذکرۃ الموضوعات لمحمد طاہر الفتنی، باب فضل اسمہ واسم الانبیاء، کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

روزِ قیامت دو شخص اللہ پاک کے حضور کھڑے کئے جائیں گے حکم ہوگا انہیں جنت میں لے جاؤ، عرض کریں گے: الٰہی! ہم کس عمل پر جنت کے قابل ہوئے، ہم نے تو کوئی کام جنت کا نہ کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا:

ادخلا الجنة فانی الیت علی نفسی ان لا یدخل النار من اسمه احمد ولا محمد

یعنی جنت میں داخل ہو جاؤ، میں نے حلف فرمایا ہے کہ جس کا نام احمد یا محمد ہو دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔

(فردوس الاخبار، رقم الحدیث 8515 :، جلد 2، صفحہ 503 دار الفکر بیروت)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من ولد له مولود فسماه محمدا حبا لی و تبرکا باسمی کان هو و مولوده فی الجنة

یعنی جس کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ میری محبت اور میرے نام پاک سے تبرک کے لئے اس کا نام "محمد" رکھے وہ اور اس کا لڑکا دونوں بہشت میں جائیں۔

(کنز العمال، کتاب النکاح، الباب السابع فی بر الاولاد وحقوقھم، رقم الحدیث 45215 : ، جلد 8، الجزء السادس عشر، صفحہ 175 دار الکتب العلمیہ، بیروت)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/11/01

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

محمد شفیع اللہ نام رکھنے کی شرعی حیثیت

استفتاء نمبر:142

"محمد شفیع اللّٰہ" نام رکھنا کیسا ہے اور "شفیع اللّٰہ" کا معنیٰ کیا بنے گا؟

سائل: محمد شہباز عطاری مدنی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

"محمد شفیع اللّٰہ" نام رکھنا بالکل جائز اور درست ہے، اور "شفیع اللّٰہ" نام کا معنی "اللہ پاک کی طرف سے سفارش کرنے والا" یا "اللہ پاک کی طرف سے سفارش کیا ہوا" کے ہیں، لہٰذا "محمد شفیع اللّٰہ" نام رکھ سکتے ہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ بچے کا اصل نام صرف "محمد" یا "احمد" رکھا جائے کہ احادیثِ طیبہ میں محمد واحمد نام کے متعدد فضائل وبرکات بیان ہوئے اور یہ فضائل تنہا اِن ہی اسمائے مبارکہ یعنی محمد واحمد نام رکھنے کے ہیں لہٰذا اصل نام صرف "محمد" یا "احمد" رکھیں اور پکارنے کے لئے کوئی دوسرا نام مثلاً "محمد شفیع اللّٰہ" وغیرہ رکھ لیں۔

چنانچہ الاقتضاب میں ہے:

و سمی صاحبھا شفیعًا معناہ أنہ مشفوع لہ کما یقال: قتیل بمعنی مقتول، و قد یکون بمعنی شافع، لأن فعیلًا قد یکون بمعنی فاعل، کما یقال: علیم بمعنی عالم

یعنی اور صاحبِ شفاعت کو شفیع کا نام دیا گیا، اس کا معنی یہ ہے اس کی شفاعت کی گئی ہے جیسے قتیل بمعنی مقتول کہا جاتا ہے اور

کبھی کبھار شفیع، شافع (سفارش کرنے والا) کے معنی ہوتا ہے، اس لئے کہ فعیل کبھی کبھار فاعل کے معنی میں ہوتا ہے جیسے علیم بمعنی عالم کہا جاتا ہے۔

(الاقتضاب فی غریب الموطا و اعرابہ علی الأبواب، جلد 2 صفحہ 319 مطبوعہ مکتبۃ العبیکان)

ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت نبیط بن شریط رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالٰی عزوجل وعزتی وجلالی لا اعذب احدا تسمی باسمك بالنار یا محمد

رب عزوجل نے مجھ سے فرمایا: اپنی عزت وجلال کی قسم! جس کا نام تمہارے نام پر ہوگا اسے دوزخ کا عذاب نہ دوں گا۔

(کشف الخفاء، حرف الخاء، رقم الحدیث 1243: ، جلد 1 صفحہ 345 دار الکتب العلمیہ، بیروت، تذکرۃ الموضوعات لمحمد طاہر الفتنی، باب فضل اسمہ واسم الانبیاء، کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

روزِ قیامت دو شخص اللہ پاک کے حضور کھڑے کئے جائیں گے حکم ہوگا انہیں جنت میں لے جاؤ، عرض کریں گے:

الٰہی! ہم کس عمل پر جنت کے قابل ہوئے، ہم نے تو کوئی کام جنت کا نہ کیا۔

رب عزوجل فرمائے گا:

ادخلا الجنۃ فانی الیت علی نفسی ان لا یدخل النار من اسمہ احمد ولا محمد

یعنی جنت میں داخل ہو جاؤ، میں نے حلف فرمایا ہے کہ جس کا نام احمد یا محمد ہو دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔

(فردوس الاخبار، رقم الحدیث 8515: ، جلد 2، صفحہ 503 دار الفکر بیروت)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من ولد له مولود فسماہ محمدا حبا لی وتبرکا باسمی کان ھو ومولودہ فی الجنۃ

یعنی جس کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ میری محبت اور میرے نام پاک سے تبرک کے لئے اس کا نام ''محمد'' رکھے وہ اور اس کا لڑکا دونوں بہشت میں جائیں۔

(کنز العمال، کتاب النکاح، الباب السابع فی بر الاولاد وحقوقھم، رقم الحدیث 45215: ، جلد 8، الجزء السادس عشر، صفحہ 175 دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت، امام احمد رضا خان رَحمۃُ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

بہتر یہ ہے کہ صرف محمد یا احمد نام رکھے، اس کے ساتھ جان وغیرہ اور کوئی لفظ نہ ملائے کہ فضائل تنہا انہیں اَسمائے مبارکہ کے وارِد ہوئے ہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 24 صفحہ 691 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/18

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

کتاب الوقف (وقف ومسجد کا بیان)

ایک مسجد کی زائد اشیاء دوسری مسجد میں استعمال کرنا

استفتاء نمبر:143

ایک مسجد کی زائد اشیاء دوسری مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

سائل : عبدالرحمن قادری

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق و الصواب

اگر مسجد کی زائد اشیاء اسی مسجد میں بعد میں استعمال ہوسکتیں ہیں اور ان کو سنبھال کرر کھنے میں ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہوتو پھر کسی دوسری مسجد کے لئے نہیں دے سکتے اور اگر ان اشیاء کی اب مسجد کو بالکل ضرورت نہ رہی ہو یا فی الحال ضرورت نہ ہو اور بعد میں کام آسکتیں ہوں لیکن سنبھال کرر کھنے صورت میں ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتو پھر ان اشیاء کی دو صورتیں بنتی ہیں:

1۔ اگر کسی نے اپنی ذاتی مال سے وہ اشیاء خرید کر دی تھیں، اور دینے والے معلوم بھی ہیں تو انہیں واپس کر دیں گے، اگر وہ نہ رہے ہوں تو ان کے ورثاء کو واپس دیدی جائیں گی اور اگر دینے والے اور ان کے ورثاء معلوم نہ ہوں تو اب وہ کسی شرعی فقیر کو دیدی جائیں گی یا قاضی کی اجازت سے انہیں بیچ کر دوسری مسجد یا مدرسہ پر لگا دیا جائے گا یا بغیر بیچے مسجد، مدرسے کو دے دی جائیں گی۔

2۔ اگر وہ اشیاء مسجد کے چندہ سے خریدی گئی تھیں تو انہیں بیچ کر ان کی رقم مسجد پر خرچ کر دی جائے گی۔

چنانچہ امام زین الدین بن نجیم رَحمۃُ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

لو اشترىٰ حشيشاً أو قنديلاً للمسجد فوقع الاستغناء عنه، كان ذلك له إن كان حياً

اگر اس نے مسجد کے لئے گھاس یا قندیل خریدا پھر اس بے نیازی واقع ہوئی تو اسی کے لئے ہوگا اگر وہ زندہ ہوا تو۔

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد، جلد 5 صفحہ 262 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

امام عبدالرحمن بن محمد رَحمۃُ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

سئل عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب و لا يحتاج إليه لتفرق الناس عنه :هل للقاضي أن يصرف أوقافه إلى مسجد آخر أو حوض آخر؟ فقال نعم

یعنی شمس الائمہ حلوانی رَحمۃُ اللہ علیہ سے اس مسجد یا حوض کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو ویران ہو گئے ہوں اور لوگوں کے اس

سے متفرق ہونے کی وجہ سے اس کی طرف محتاجی نہ رہی ہو تو کیا قاضی کے لئے جائز ہے کہ اس کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض پر استعمال کرلے تو فرمایا : ہاں۔

(مجمع الانہر، جلد 2 صفحہ 596 دار الکتب العلمیہ بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحمۃُ اللّٰہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آلات یعنی مسجد کا اسباب جیسے بوریا، مصلی، فرش، قندیل، وہ گھاس کہ گرمی کے لئے جاڑوں میں بچھائی جاتی ہے وغیر ذلک، اگر سالم وقابلِ انتفاع ہیں اور مسجد کو ان کی طرف حاجت ہے تو ان کے بیچنے کی اجازت نہیں، اور اگر خراب و بیکار ہوگئی یا معاذ اللہ بوجہ ویرانی مسجد ان کی حاجت نہ رہی، تو اگر مال مسجد سے ہیں تو متولی، اور متولی نہ ہو تو اہل محلہ متدین امین باذنِ قاضی بیچ سکتے ہیں، اور اگر کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد کو دئے تھے تو مذہبِ مُفتیٰ بہ پر اس کی ملک کی طرف عود کرے گی جو وہ چاہے کرے، وہ نہ رہا ہو اور اس کے وارث وہ بھی نہ رہے ہوں یا پتا نہ ہو تو ان کا حکم مثلِ لقطہ ہے، کسی فقیر کو دے دیں، خواہ باذنِ قاضی کسی مسجد میں صرف کردیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 16 صفحہ 265 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/03

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

امام مسجد اور مؤذن کو مسجد کے چندے سے قرض دینا

استفتاء نمبر: 144

کیا کوئی مسجد کی انتظامیہ امام یا موذن کو مسجد کے چندے میں سے بطورِ قرض یا ایڈوانس اس صورت میں دے سکتی ہے کہ مثلاً پچاس ہزار (50000) روپے دے اور یہ طے کرے کہ ہر ماہ وظیفہ (تنخواہ) میں سے پانچ ہزار (5000) روپے کی کٹوتی ہوگی،

کیاایسا کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا

سائل : حاجی اسرار الحق صدر مسجد انتظامیہ کمیٹی لاہور

بسمه تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

عمومی طور پر کسی کو بھی مسجد کے چندے میں سے قرض دینا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃُ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مُتَوَلّی کو روا (یعنی جائز) نہیں کہ مالِ وقف کسی کو قرض دے یا بطورِ قرض اپنے تصرُّف میں لائے۔

(فتاویٰ رضویہ ج 16 صفحہ 574 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

لیکن اگر امام اور مؤذن با اعتماد ہوں اور کبھی ان کی خیانت ظاہر نہ ہوئی ہو اور ان کی ظاہری حالت بھی یہی بتاتی ہو کہ وہ اتنا عرصہ مسجد میں رہیں گے کہ ان کی تنخواہ میں سے کٹوتی کر کے قرض کی رقم ان سے وصول ہو جائے گا تو کسی بڑے سنی عالم یا مفتی صاحب سے مشورہ کرنے کے بعد اور جہاں بڑے عالم اور مفتی صاحب میسر نہ ہوں تو مسجد کی کمیٹی آپس میں مشورہ کرنے کے بعد قرض کا اسٹام پیپر بنا کر گواہوں اور قرض لینے والے کے دستخط کروا کے انہیں قرض دے سکتی ہے اسلیے کہ اس طرح امام یا مؤذن کو قرض دینے میں مسجد کے مال کی حفاظت بھی ہے، اور چندہ دینے والوں کی طرف سے ان حضرات کو قرض دینے کی عموماً اجازت بھی ہوتی ہے جیسے مسجد اور مدرسہ وغیرہ کے عموماً اپنے بینک اکاؤنٹ بنے ہوتے ہیں جن میں ان کی رقم رکھنے پر مسلمانوں کا عرف ہے حالانکہ بینک اکاؤنٹ میں رقم بھی قرض کی حیثیت سے رکھی جاتی ہے تو جس طرح یہ جائز ہے اسی طرح وہ (یعنی امام اور مؤذن کو قرض دینا) بھی جائز ہے۔

اور امام و مؤذن کو مسجد کے مال سے قرض دینے کے عرف پر دلیل یہ ہے کہ ہمارے ملک میں مساجد کے امام یا مؤذن وغیرہ قرض مانگیں تو گنجائش ہونے کی صورت میں مخصوص شرائط کے ساتھ انہیں قرض دے دیا جاتا ہے اور پھر یا تو وہ واپس کر دیتے ہیں یا پھر ان کی تنخواہوں سے کاٹ لیا جاتا ہے، بہر حال امام یا مؤذن وغیرہ کو اس طرح قرض دینا ایڈوانس (یعنی پیشگی) تنخواہ دینے کی طرح ہے اور جہاں ایڈوانس (پیشگی) تنخواہ دینے پر عرف ہو وہاں پر دینا جائز ہے۔

لہٰذا کمیٹی کا مذکورہ طریقہ کار کے مطابق امام یا مؤذن کو مسجد کے چندے میں سے قرض دینا بالکل جائز ہے۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمۃُ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ذكر ان القيم لو اقرض مال المسجد ليا خذه عند الحاجة، وهو احرز من امساكه فلا بأس، وفي (العدة) يسع المتولي اقراض ما فضل من غلة الوقف لو احرز

یعنی "جامع الفصولین "میں ذکر فرمایا: کہ متولی اگر اس وجہ سے مسجد کا مال قرض دے کہ حاجت کے وقت اس سے لے لیگا، اور وہ اس کے پاس روکنے (رکھنے) کے مقابلے میں مسجد کے مال کی زیادہ حفاظت کرے گا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اور "العدۃ" میں ہے کہ متولی کے لئے گنجائش (اجازت) ہے کہ وقف کے غلہ (ضروری اخراجات) سے جو بچے، اس کو قرض دیدے اگر وہ زیادہ حفاظت کر سکے۔

(البحر الرائق، کتاب الوقف، جلد 5 صفحہ 259 بیروت)

مجمع الضمانات میں ہے:

لیس للمتولی إیداع مال الوقف و المسجد إلا ممن فی عیاله، و لا إقراضه فلو أقرضه ضمن، و کذا المستقرض، ذکر ان القیم لو اقرض مال المسجد لیاخذه عند الحاجة، وهو احرز من امساکه فلاباس، و فی (العدة) یسع المتولی اقراض ما فضل من غلة الوقف لو احرز

یعنی "جامع الفصولین "میں فرمایا: متولی کو جائز نہیں کہ اپنے عیال کے سوا کسی اور کے پاس، وقف اور مسجد کے مال کو امانت کے طور پر رکھے، اور نہ اس کا قرض دینا جائز ہے، پس اگر اس (وقف یا مسجد کے مال کو) کو قرض دے گا تو تاوان دے گا، اور ایسے ہی قرض لینے والا ہے (کہ اس کے لئے بھی مالِ وقف اور مسجد کے مال سے قرض لینا جائز نہیں ہے۔)

اور (یہ بھی اس کتاب میں) ذکر فرمایا کہ:

متولی اگر اس وجہ سے مسجد کا مال قرض دے کہ حاجت کے وقت اس سے لے لیگا اور وہ اس کے پاس روکنے (رکھنے) کے مقابلے میں مسجد کے مال کی زیادہ حفاظت کرے گا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اور "العدۃ" میں ہے کہ متولی کے لئے گنجائش (اجازت) ہے کہ وقف کے ضروری اخراجات سے جو بچے، اس کو قرض دیدے اگر وہ زیادہ حفاظت کر سکے۔

(مجمع الضمانات، باب فی الوقف، جلد 1 صفحہ 333 دار الکتاب الاسلامی)

العقود الدریہ میں ہے:

قال فی جامع الفصولین :لیس للمتولی إیداع مال الوقف و المسجد إلا ممن فی عیاله، و لا إقراضه فلو أقرضه ضمن، و کذا المستقرض، ذکر ان القیم لو اقرض مال المسجد لیاخذه عند الحاجة، وهو احرز من امساکه فلاباس، و فی (العدة) یسع المتولی

اقراض ما فضل من غلة الوقف لو احرز

یعنی "جامع الفصولین" میں فرمایا: متولی کو جائز نہیں کہ اپنے عیال کے سوا کسی اور کے پاس، وقف اور مسجد کے مال کو امانت کے طور پر رکھے، اور نہ اس کا قرض دینا جائز ہے، پس اگر اس (وقف یا مسجد کے مال کو) کو قرض دے گا تو تاوان دے گا، اور ایسے ہی قرض لینے والا ہے (کہ اس کے لئے بھی مالِ وقف اور مسجد کے مال سے قرض لینا جائز نہیں.)

اور (یہ بھی اس کتاب میں) ذکر فرمایا: کہ متولی اگر اس وجہ سے مسجد کا مال قرض دے کہ حاجت کے وقت اس سے لے لیگا، اور وہ اس کے پاس روکنے (رکھنے) کے مقابلے میں مسجد کے مال کی زیادہ حفاظت کرے گا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اور "العدة" میں ہے کہ متولی کے لئے گنجائش (اجازت) ہے کہ وقف کے ضروری اخراجات سے جو بچے، اس کو قرض دیدے اگر وہ زیادہ حفاظت کر سکے۔

(العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ، کتاب الوقف، الباب الثالث، جلد 1 صفحہ 229 دار المعرفہ)

اور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللّٰہ علیہ سے سوال ہوا کہ:

مدرسینِ وقف کو دو، چار، چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ دینا روا (جائز) یا ناروا (ناجائز ہے)؟

تو آپ رَحمَۃُاللہ علیہ نے جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

روا (جائز) نہیں مگر جہاں اجازتِ واقف یا تعاملِ قدیم ہو "لانه يحمل على المعهود من عند الواقف" (کیونکہ یہ خود واقف کی طرف سے معہود پر محمول ہوگا۔)

(فتاوی رضویہ جلد 16 صفحہ 569 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/08/22

تصدیق و تصحیح:

1 ماشاء اللہ، بارک اللہ آپ نے جو آج ارجنٹ اتنا تحقیقی فتویٰ تحریر کیا ہے امام وخطیب کو مسجد کے مال میں سے متولی اور انتظامیہ کی طرف سے قرضہ دینے کے تعلق سے، اس کے جواز پر جو آپ نے یہ فتویٰ لکھا ہے، انتہائی مفصل و مدلل ہے، بندہ ناچیز اس کی بھرپور تائید وتوثیق کرتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکتیں عطاء فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

2۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح ،

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

مسجد کی سیڑھی کو امام مسجد کی رہائش میں استعمال کرنا

سوال نمبر:145

احاطہ مسجد میں (یعنی وضوخانہ پر) امام صاحب کی رہائش ہے، جو مسجد کے چندے سے بنائی گئی ہے اور اس رہائش میں مسجد کی ہی چیزیں لگی ہوئی ہیں مثلاً پنکھے، لائٹس وغیرہ تو کیا امام صاحب کی اس رہائش میں مسجد کی سیڑھی یا گھوڑی وغیرہ بلب یا پنکھے وغیرہ کو لگانے یا اتارنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟

سائل : محمد عمر فاروق ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

امام کی رہائش کے لیے حجرہ بنانا اور اس حجرے میں بلب، پنکھا وغیرہ لگانا مسجد کے مصالح میں داخل ہے اور مسجد کی سیڑھی ہو یا گھوڑی اس کو مسجد یا مسجد کے مصالح میں استعمال کرنے کیلئے ہی لیا جاتا ہے لہذا مسجد کی سیڑھی اور گھوڑی وغیرہ کو امام صاحب کے حجرے میں پنکھا، بلب وغیرہ لگانے اور اتارنے کے لیے استعمال کرنا بالکل جائز ہے بلکہ عرفِ عام میں زیادہ تر مسجد کی سیڑھی اور گھوڑی وغیرہ مصالح مسجد (جیسے وضوخانہ، باتھ رومز اور امام کی رہائش وغیرہ) میں استعمال کی جاتی ہے تو اگر مسجد کی سیڑھی اور گھوڑی وغیرہ کو امام صاحب کی رہائش گاہ میں بلب وغیرہ لگانے اور اتارنے کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ عرف کے مطابق مالِ وقف کو استعمال کرنا کہلائے گا اور مالِ وقف کو عرف کے مطابق ہی استعمال کرنا واجب ہوتا ہے اور عرف سے ہٹ کر اس کا استعمال جائز نہیں ہوتا جیسے کوئی مسجد کی سیڑھی وغیرہ کو اپنے ذاتی گھر میں استعمال کرنے کیلئے لے جائے تو خلافِ عرف استعمال کرنے کی وجہ سے وہ گناہگار ہوگا۔

چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیه

یعنی وقف کو اسی حالت پر باقی رکھنا واجب ہے جس حالت پر وہ پہلے ہو ۔

(فتح القدیر کتاب الوقف جلد 6 صفحہ 228 دار الفکر بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

جو چیز جس غرض کے لیے وقف کی گئی ہو دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا ناجائز ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 16 صفحہ 452 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/15

تصدیق و تصحیح:

1—آپ کا استفتاء نمبر 145 کا جواب بالکل صحیح اور درست ہے ، بندہ ناچیز اس سے مکمل اتفاق کرتا ہے اور اس کی تائید و توثیق کرتا ہے ۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری

2—الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم دار الحدیث ودار الافتاء جامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان (کراچی)

مال وقف کو خریدنا اور بیچنا

استفتاء نمبر: 146

بہاولپور فیضانِ مدینہ کے اسٹور میں ایل سی ڈی جو کہ خراب تھی وہ مالیات ذمہ دار کے مشورہ سے مکینک کو چیک کروائی گئی تو خراب نکلی، مستری سے اس خراب ایل سی ڈی کا ریٹ لگوایا، اس نے ریٹ 1000 سے 1200 روپے لگایا، مزید کہا تو 1500 ریٹ لگایا۔

اب اس کو ایک اسلامی بھائی خریدنا چاہتے ہیں تو کیا اسے بیچی جا سکتی ہے اور اگر بیچ سکتے ہیں تو کتنے کی بیچ سکتے ہے؟

سائل : عبد الجبار عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

اگر واقعی وہ ایل سی ڈی استعمال کے قابل نہ رہی ہو تو اس کی دو صورتیں بنتی ہیں:

1۔۔اگر کسی نے اپنی ذاتی مال سے ایل سی ڈی خرید کر دی تھی، اور آدمی معلوم بھی ہے تو اسے واپس کر دیں، اگر وہ نہ رہا ہو تو اس کے ورثاء کو واپس دیدی جائے اور اگر وہ دینے والا شخص اور اس کے ورثاء معلوم نہ ہوں تو اب وہ کسی شرعی فقیر کو دیدی جائے یا قاضی کی اجازت سے اسے بیچ کر مسجد یا مدرسہ پر لگا دیا جائے۔

2۔۔اگر وہ ایل سی ڈی مدرسہ کے چندہ سے خریدی گئی تھی تو اسے بیچ کر اس کی رقم مدرسہ پر خرچ کر دی جائے۔

رہی یہ بات کہ کتنی قیمت کی بیچ سکتے ہیں تو جتنی اس خراب ایل سی ڈی کی مارکیٹ میں قیمت ہے اتنے کی بیچی جا سکتی ہے جیسا کہ سوال میں بتایا گیا ہے کہ مکینک نے اس کی قیمت 1500 روپے بتائی ہے تو اگر واقعی اس خراب ایل سی ڈی کی اتنی ہی قیمت بنتی ہے تو 1500 روپے میں بیچی جا سکتی ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آلات یعنی مسجد کا اسباب جیسے بوریا، مصلی، فرش، قندیل، وہ گھاس کہ گرمی کے لئے جاڑوں میں بچھائی جاتی ہے وغیر ذلک، اگر سالم وقابلِ انتفاع ہیں اور مسجد کو ان کی طرف حاجت ہے تو ان کے بیچنے کی اجازت نہیں، اور اگر خراب و بیکار ہوگئی یا معاذ اللہ بوجہ ویرانی مسجد ان کی حاجت نہ رہی، تو اگر مال مسجد سے ہیں تو متولی، اور متولی نہ ہو تو اہل محلہ متدین امین باذنِ قاضی بیچ سکتے ہیں، اور اگر کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد کو دئے تھے تو مذہب مفتی بہ پر اس کی ملک کی طرف عود کرے گی جو وہ چاہے کرے، وہ نہ رہا ہو اور اس کے وارث وہ بھی نہ رہے ہوں یا پتا نہ ہو تو ان کا حکم مثلِ لقطہ ہے، کسی فقیر کو دے دیں، خواہ باذنِ قاضی کسی مسجد میں صرف کر دیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 16، صفحہ 265 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/05/08

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفر لہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

مسجد میں اجرت پر دنیاوی تعلیم کا شرعی حکم

استفتاء نمبر: 147

مسجد میں دنیاوی تعلیم اجرت پر دینا کیسا ہے؟

سائل : غلام رسول

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

مسجد میں اجرت پر دنیاوی تعلیم دینا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ قاضی محمد عبدالرحیم بستوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوی میں لکھتے ہیں :

اور دنیاوی تعلیم مسجد میں دینا بھی جائز نہیں ہے۔

(فتاوی بریلی شریف صفحہ 69 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

مسجد میں تعلیم بشرائط جائز ہے:

1۔تعلیم دین ہو۔ 2۔ معلم سنی صحیح العقیدہ ہو، نہ وہابی وغیرہ بد دین کہ تعلیمِ کفر وضلال کرے گا۔ 3۔(معلم) بلا اجرت تعلیم کرے کہ اجرت سے کارِ دنیا ہو جائے گی۔ 4۔ ناسمجھ بچے نہ ہوں کہ مسجد کی بے ادبی کریں۔ 5۔ جماعت پر جگہ تنگ نہ ہو کہ اصل مقصد مسجد جماعت ہے۔ 6۔غل شور (یعنی شور وغل) سے نمازی کو ایذا نہ پہنچے۔ 7۔معلم خواہ طالب علم کسی کے بیٹھنے سے قطع صف نہ ہو۔ پھر فرماتے ہیں:

گرمی کی شدت وغیرہ کے وقت جبکہ اور جگہ نہ ہو، بضرورت معلم باجرت کو جائز ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 8 صفحہ 116 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور مسجد میں دنیاوی تعلیم اجرت پر دینا گویا مسجد کو ٹیوشن سنٹر یا اکیڈمی بنانا ہے اور یہ مسجد کے مقصد کے خلاف ہے کہ مسجدیں تو اللہ کے ذکر اور عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں، لہذا مسجد میں دنیاوی تعلیم دینا اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔

چنانچہ بحر الرائق میں ہے :

قالوا و لا يجوز أن تعمل فيه (اى فى المسجد) الصنائع لانه مخلص لله تعالى فلا يكون محلا لغير العبادة۔

یعنی فقہاء نے فرمایا:

کہ مسجد میں کوئی عمل جائز نہیں یعنی کوئی کاروبار جائز نہیں کیونکہ وہ خالصۃً اللہ تعالی کیلئے بنائی گئی ہوتی ہے، تو اب وہ عبادت کے علاوہ کسی دوسری شئے کا محل نہیں بن سکتی۔

(بحر الرائق، باب مایفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا، جلد دوم صفحہ 35 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

اور فتاوی خلاصہ میں ہے:

المعلم الذی یعلم الصبیان باجر اذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورۃ الحر وغیرہ لایکرہ

وہ استاد جو بچوں کو معاوضہ کے لیے پڑھاتا ہو، اگر گرمی وغیرہ کی وجہ سے مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے تو مکروہ نہیں۔

(خلاصۃ الفتاوی، قبیل کتاب الحیض، جلد اول صفحہ 229 مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ)

اور مسجد میں دنیاوی تعلیم اجرت پر دینا ایک دنیاوی کام ہے اور مسجد دنیاوی کاموں کے لیے جائز نہیں ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

دنیا کی باتوں کے لیے مسجد میں جا کر بیٹھنا حرام ہے۔

اشباہ ونظائر میں فتح القدیر سے نقل فرمایا:

مسجد میں دنیا کا کلام نیکیوں کو ایسا کھاجاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 8 صفحہ 112 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فنائے مسجد میں اجرت پر تعویز دینے کو ناجائز لکھا ہے۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عوض مالی پر تعویز دینا بیع ہے اور مسجد میں بیع وشراء (یعنی خرید وفروخت) ناجائز ہے اور حجرہ فنائے مسجد ہے اور فنائے مسجد کے لیے مسجد کا حکم۔

(فتاوی رضویہ جلد 8 صفحہ 95، 96 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مذکورہ بالا تمام حوالہ جات اور فتاوی کی روشنی میں معلوم ہوا کہ مسجد میں اجرت پر دنیاوی تعلیم دینا ناجائز و گناہ ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/10/21

تصدیق و تصحیح:

1—الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

2—یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

مسجد کے درخت کے پھل کھانا

استفتاء نمبر:148

اگر کسی نے مسجد کے احاطہ میں پھلدار درخت لگایا تو کیا وہ اس درخت کے پھل کھا سکتا ہے؟

سائل : قاری عبداللہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

مسجد میں پھلدار درخت لگا کر اس کے پھلوں کو بغیر معاوضے کے اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ پھلدار درخت اب مسجد کا ہے لہٰذا اس درخت کے پھلوں کو بیچ کر ان کی قیمت کو مسجد پر خرچ کیا جائے گا۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

واذا غرس شجراً فی المسجد فالشجر للمسجد

یعنی اور جب کسی نے مسجد میں درخت لگائے تو درخت مسجد کے ہیں (درخت لگانے والے کے نہیں)۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر، جلد 2، صفحہ 474 مطبوعہ دار الفکر)

امام فخر الدین ابوالمحاسن حسن بن منصور المعروف قاضی خان اوزجندی فرغانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولو غرس فی المسجد یکون للمسجد، لانہ لا یغرس لنفسہ فی المسجد

یعنی اور اگر کسی نے مسجد میں درخت لگایا تو درخت مسجد کا ہے، اس لیے کہ کوئی اپنے لیے مسجد میں درخت نہیں لگا سکتا۔

(فتاویٰ قاضی خان، کتاب الوقف، فصل فی الاشجار، جلد 3، صفحہ 118، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

مسجد فیه شجرة التفاح. قال بعضهم یباح للقوم ان یفطروا بهذا التفاح. و الصحیح :انه لایباح.لان ذلك صار للمسجد یصرف الی عمارة المسجد

یعنی مسجد میں سیب کا درخت ہو تو بعض نے کہا کہ قوم کے لئے اس سیب کو کھانا مباح (جائز) ہے، اور صحیح یہ ہے کہ مباح نہیں ہے، اس لئے یہ مسجد کے لئے ہو گیا ہے، اسے مسجد کی عمارت پر خرچ کیا جائے گا۔

(فتاویٰ قاضی خان، کتاب الوقف، فصل فی الاشجار، جلد 3، صفحہ 118، دار الکتب)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد میں کسی نے درخت لگائے تو درخت مسجد کا ہے لگانے والے کا نہیں۔ مسجد میں انار یا امرود وغیرہ پھلدار درخت ہے، مصلیوں (نمازیوں) کو اسکے پھل کھانا جائز نہیں بلکہ جس نے بویا ہے وہ بھی نہیں کھا سکتا کہ درخت اُسکا نہیں بلکہ مسجد کا ہے، پھل بیچ کر مسجد پر صرف کیا جائے۔"

(بہار شریعت جلد 2 حصہ 10 صفحہ 567 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/25

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح، والمجیب النجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

مسجد میں اگربتی جلانا

استفتاء نمبر:149

خوشبو کیلیے مسجد میں اگربتی جلانا کیسا ہے؟

سائل : فضل الرحمن نوری

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کو خوشبودار رکھنے کا حکم دیا ہے اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہر جمعہ کو مسجدِ نبوی میں خوشبو کی دھونی دیتے تھے، لہذا مسجد کو خوشبودار رکھنے کے لئے مسجد میں اگربتی جلانا بالکل جائز اور باعثِ ثواب ہے، اگر بالفرض کسی کو اگربتی جَلانے سے کھانسی آتی ہو یا سانس کی تکلیف ہوتی ہو اور وہ اگربتی بُجھانے کے لیے کہہ بھی رہا ہو تو مسلمان کو تکلیف سے بچانے کے لیے یہ اگربتی ہٹانی ہوگی۔

نیز اگربتی کو مسجد میں جلانے میں درج ذیل دو احتیاطیں کرنا ضروری ہیں:

1— اگربتی کسی ایسی چیز پر رکھ کر جلائی جائے کہ اس کی راکھ مسجد کے فرش پر نہ گرے۔

2— اگربتی جلانے کے لئے مسجد کے اندر ماچس کی تیلی نہ جلائی جائے بلکہ مسجد سے باہر ایسی جگہ پر جلائی جائے کہ جہاں سے ماچس کے بارود کی بدبو مسجد تک نہ پہنچے کیونکہ اس کے بارود کی بدبو سے مسجد کو بچانا ضروری ہے۔ چنانچہ سیّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنہُ ہر جُمُعَۃُ الْمُبارَک کو مسجدِ نبوی میں خوشبو کی دھونی دیا کرتے تھے۔

(مُسْنَدُ اَبِی یَعْلٰی جلد 1 صفحہ 103 رقم الحدیث 185 : دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اُمُّ الْمُؤمِنِین حضرتِ سیِّدَتُنا عائشہ صِدّیقہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا سے رِوایَت ہے، آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المساجد في الدور و أن تنظف و تطيب

یعنی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے مَحَلّوں میں مساجد بنانے کا حکم دیا اور (اس کا حکم دیا) کہ وہ صاف اور خوشبودار رکھی جائیں۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب اتخاذ المساجد فی الفور، صفحہ 86، رقم الحدیث 455 : دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

اس حدیثِ مبارکہ کے تحت امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

معلوم ہوا مسجد یں عُود، لُوبان اور اگر بتّی وغیرہ سے خوشبودار رکھنا کارِثواب ہے۔

مگر مسجد میں ایسی دِیا سلائی (یعنی ماچس کی تیلی) نہ جلائیے جس سے بارُود کی بدبو نکلتی ہے کیونکہ مسجد کو بدبو سے بچانا واجب ہے۔ بارُود کا بدبودار دُھواں اندر نہ آنے پائے اتنی دُور باہَر سے لُوبان یا اگر بتّی وغیرہ سُلگا کر مسجد میں لائیے۔ اگر بتّیوں کو کسی بڑے طَشْت وغیرہ میں رکھنا ضروری ہے تا کہ اِس کی راکھ مسجد کے فرش وغیرہ پر نہ گرے۔ اگر بتّی کے پیکِٹ پر اگر جاندار کی تصویر بنی ہوئی ہو تو اُس کو کُھرَچ ڈالیں۔ مسجد (نیز گھروں اور کاروں وغیرہ) میں ''ائیر فریشنز''(AIR FRESHNER) سے خوشبو کا چھڑکاؤ مت کیجئے کہ اُس کے کیمیاوی مادّے فضا میں پھیل جاتے اور سانس کے ذَریعہ پھیپھڑوں میں پہُنچ کر نقصان پہنچاتے ہیں۔ ایک طِبّی تحقیق کے مطابق ائیر فریشنر کے استِعمال سے جِلد کا سرطان یعنی (SKIN CANCER) ہوسکتا ہے۔ جہاں عُرف ہو وہاں مسجد کے چندے سے خوشبو سلگانے کی اجازت ہے اور جہاں عُرف نہ وہاں خوشبو کی صراحت کر کے الگ سے چندہ حاصِل کریں۔

(مسجدیں خوشبودار رکھیں، صفحہ 2، 3 مکتبۃ المدینہ کراچی)

سیّدُنا شیخ عبدُ الحق مُحَدِّث دِہلوی رحمۃ اللہ علیہ نَقل فرماتے ہیں:

مسجد میں اگر خَس (یعنی معمولی سا تنکا یا ذَرّہ) بھی پھینکا جائے تو اس سے مسجد کو اس قَدَر تکلیف پہنچتی ہے جس قَدَر تکلیف انسان کو اپنی آنکھ میں خَس پڑ جانے سے ہوتی ہے۔

(جذبُ القُلوب صفحہ 257)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد میں کچا لہسن، پیاز کھانا یا کھا کر جانا جائز نہیں، جب تک بو باقی ہو کہ فرشتوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

جو اس بدبودار درخت سے کھائے، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کہ ملائکہ کو اس چیز سے ایذا ہوتی ہے، جس سے آدمی کو ہوتی ہے۔

اس حدیث کو بُخاری و مُسلِم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جس میں بدبُو ہو۔ جیسے گندنا، مولی، کچا گوشت، مٹّی کا تیل، وہ دیا سلائی جس کے رگڑنے میں بُو اُڑتی ہے، ریاح خارج کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(بہارِ شریعت جلد اول صفحہ 648 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/02/04

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح، والمجیب مصیب

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری

مسجد کے لیٹرین استعمال کرنے پر نمازیوں سے پیسے مال لینا

استفتاء نمبر: 150

کیا مسجد کی لیٹرین کو استعمال کرنے پر نمازیوں سے رقم لینا جائز ہے؟

سائل: ممتاز عطاری قادری کمرمشانی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

مسجد کی لیٹرین کو استعمال کرنے پر نمازیوں سے رقم لینا جائز نہیں ہے۔

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد وقار الدین امجدی قادری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وقف کے مال سے ضروریاتِ مسجد کے لئے جو استنجاء خانے بنائے جائیں، ان میں نمازیوں سے روپیہ لینا جائز نہیں۔

(وقار الفتاویٰ جلد دوم صفحہ 335 ناشر بزم وقار الدین)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواُسَید عبید رضا مدنی

2019/06/08

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح، والمجیب مصیب

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

کتاب البیوع (خرید وفروخت کا بیان)

پتنگ اڑانا اور لڑانا

استفتاء نمبر: 151

پتنگ اڑانا، پیچ لڑانا، کٹی ہوئی پتنگ وڈور لوٹنا اور پتنگ وڈور خریدنا و بیچنا کیسا ہے؟

سائل: عبدالعزیز قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

پتنگ اڑانا، پیچ لڑانا، کٹی ہوئی پتنگ وڈور لوٹنا اور پتنگ وڈور خریدنا و بیچنا سب ناجائز وگناہ اور اللہ پاک اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کرنے والے کام ہیں۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کنکیّا (یعنی پتنگ) اڑانے میں وقت (اور) مال کا ضائع کرنا ہوتا ہے یہ بھی گناہ ہے اور گناہ کے آلات کنکیا (یعنی پتنگ اور) ڈور بیچنا بھی منع ہے۔

اگلے صفحے پر آپ رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

کنکیّا (یعنی پتنگ) لوٹنا حرام، اور خود آکر گر جائے تو اسے پھاڑ ڈالے، اور اگر معلوم نہ ہو کہ کس کی ہے تو ڈور کسی مسکین کو دیدے کہ وہ کسی جائز کام میں صَرف (یعنی استعمال) کرلے اور خود مسکین ہو تو اپنے صَرف (یعنی استعمال) میں لائے، پھر جب معلوم ہو کہ فلاں مُسلِم کی ہے اور وہ تصدُّق (یعنی صدقہ کرنے) یا اس مسکین کے اپنے صرف (یعنی استعمال) پر راضی نہ ہو تو دینی آئے گی اور کنکیا (یعنی پتنگ) کا معاوضہ بہر حال کچھ نہیں".

مزید تحریر فرماتے ہیں:

کنکیا (یعنی پتنگ) اڑانا منع ہے اور لڑانا گناہ ہے۔"

(فتاوی رضویہ جلد 24 صفحہ 659، 660 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

نوٹ: جہاں لڑائی جھگڑے کا خدشہ ہو تو وہاں لڑائی جھگڑے سے بچنے کے لیے پتنگ کو نہ پھاڑا جائے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/02/12

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

انسانی بالوں کی خرید وفروخت

استفتاء نمبر: 152

انسانی بالوں کی خرید وفروخت کرنا اور ان کو وِگ کے طور پر استعمال کرنا کیسا ہے؟

سائل: اسید رضا عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

انسانیت کے احترام کی وجہ سے زندہ یا مردہ انسان کے بالوں کی خرید وفروخت کرنا، ان کی وِگ لگانا اور کسی بھی قسم کا نفع حاصل کرنا ناجائز وحرام ہے، اسی طرح خنزیر کے نَجِس الْعَیْن ہونے کی وجہ سے اس کے بالوں کی وگ لگانا بھی ناجائز وحرام ہے اور کتے کے بالوں کے بارے میں شدید اختلاف ہے جس کی وجہ سے کتے کے بالوں کی وگ لگانے سے بچنا بہتر ہے، لہٰذا اگر انسان، خنزیر اور کتے کے علاوہ دیگر جانوروں کے بالوں یا نقلی بالوں کی وگ لگائی جائے تو بالکل جائز ہے۔

1— علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَشَعْرِ الْإِنْسَانِ وَالِانْتِفَاعِ بِهِ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ وَالِانْتِفَاعُ بِهِ لِأَنَّ الْآدَمِيَّ مُكَرَّمٌ غَيْرُ مُبْتَذَلٍ فَلَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ شَيْءٌ مِنْ أَجْزَائِهِ مُهَانًا مُبْتَذَلًا، وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ »: لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ « وَإِنَّمَا يُرَخَّصُ فِيمَا يُتَّخَذُ مِنَ الْوَبَرِ فَيَزِيدُ فِي قُرُونِ النِّسَاءِ وَذَوَائِبِهِنَّ

یعنی انسان کے بالوں کی خرید وفروخت اور اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ آدمی محترم ہے اس کے کسی جزء کو

استعمال نہیں کیا جا سکتا، اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ ایسی عورت پر لعنت بھیجتا ہے جو اپنے بالوں میں (انسان یا خنزیر کے) بال ملاتی ہے یا ملواتی ہے۔" ہاں عورت کا اپنے مینڈھیوں میں جانوروں کے بالوں کو استعمال کرنے میں رخصت ہے۔

(البحر الرائق، کتاب البیوع، باب بیع الفاسد، جلد 6، صفحہ 88، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی بیروت)

2—علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ) وَهٰذَا اللَّعْنُ لِلْاِنْتِفَاعِ بِمَا لَا يَحِلُّ الْاِنْتِفَاعُ بِهِ. اَلَا تَرٰى اَنَّهُ رَخَّصَ فِيْ اِتِّخَاذِ الْقَرَامِيْلِ وَهُوَ مَا يُتَّخَذُ مِنَ الْوَبَرِ لِيَزِيْدَ فِيْ قُرُوْنِ النِّسَاءِ لِلتَّكْثِيْرِ. فَظَهَرَ اَنَّ اللَّعْنَ لَيْسَ لِلتَّكْثِيْرِ مَعَ عَدَمِ الْكَثْرَةِ وَاِلَّا لَمَنَعَ الْقَرَامِيْلُ وَلَا شَكَّ اَنَّ الزِّيْنَةَ حَلَالٌ. قَالَ اللهُ تَعَالٰى :قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ. فَلَوْلَا لُزُوْمُ الْاِهَانَةِ بِالْاِسْتِعْمَالِ لَحَلَّ وَصْلُهَا بِشُعُوْرِ النِّسَاءِ اَيْضًا

یعنی (لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ) یہ لعنت اس انتفاع کیلیے ہے جس کے ساتھ انتفاع حلال نہیں، کیا تو نہیں دیکھتا کہ شرع نے موباف (جانوروں کے بالوں) کو ملانے میں رخصت دی ہے اور یہ اونٹ اور خرگوش وغیرہ کے بالوں سے بنایا جاتا ہے، تاکہ وہ عورتوں کی مینڈھیوں میں بالوں کو زیادہ کرنے کیلیے زیادتی کرے پس ظاہر ہو گیا کہ لعنت کم بالوں کیساتھ بالوں کو زیادہ کرنے کے لیے نہیں ورنہ موباف (جانوروں کے بال) بھی ضرور منع ہوتے، اور کوئی شک نہیں کہ زینت حلال ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کیلیے نکالی۔ پس اگر (انسانوں کے بالوں کو) استعمال کرنے کیساتھ اہانت لازم نہ آتی تو بالوں کو عورتوں کے بالوں کیساتھ ملانا بھی ضرور حلال ہوتا۔

(فتح القدیر، البیع الفاسد)

3—ردالمحتار میں ہے:

وَاِنَّمَا الرُّخْصَةُ فِيْ شَعْرِ غَيْرِ بَنِيْ اٰدَمَ تَتَّخِذُهُ الْمَرْاَةُ لِتَزِيْدَ فِيْ قُرُوْنِهَا

یعنی بنی آدم (انسانوں) کے بالوں کے علاوہ میں ہی رخصت ہے جن کو عورت ملاتی ہے تاکہ عورت اپنی مینڈھیوں (گیسیوں) میں اضافہ کر سکے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، فصل فی النظر واللمس، جلد 9)

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/03/18

تصدیق وتصحیح:

1—آپ کے استفتاء نمبر 152 کا جواب بالکل درست ہے ،بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری

2—الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

میموری کارڈ میں گانا اور باجے بھر کردینے کا شرعی حکم

استفتاء نمبر:153

کیا موبائل میں فلمیں اور گانے باجے وغیرہ بھر کر دینا اور اس کی اجرت و مزدوری لینا جائز ہے؟

سائل : ظاہر عطاری عیسی خیل میانوالی

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملک الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

موبائل میں فلمیں اور گانے باجے بھر کر دینا ناجائز وحرام ہے کیونکہ یہ گناہ پر مدد کرنا ہے اور قرآنِ پاک میں گناہوں اور نافرمانی کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کرنے سے منع کیا گیا ہے.

چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان

ترجمہ: گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

(پارہ6،سورۃ المائدہ 2 :)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

کذلک الاعانۃ علی المعاصی و الفجور و الحث علیھا من جملۃ الکبائر

یعنی گناہوں اور برائیوں پر مدد کرنا اوران پر اکسانا (ابھارنا) جملہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الشھادات، جلد 3 صفحہ 420 قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور موبائل کے اندر فلمیں اور گانے باجے بھر کردینے کی اجرت لینا (یعنی آمدنی لینا) بھی ناجائز وحرام ہے.

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولا تجوز الاجارة علی شیء من الغناء والنوح والمزامیر والطبل وشیء من اللھو

یعنی اور گانا، نوحہ، مزامیر (یعنی آلاتِ موسیقی)، ڈھول اور لھو (یعنی کھیل کود) میں سے کسی بھی چیز پر اجارہ (یعنی مزدوری) جائز نہیں ہے.

(فتاوی عالمگیری، کتاب الاجارة، جلد 4 صفحہ 508 قدیمی کتب خانہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/04/01

تصدیق وتصحیح:

میموری کارڈ وغیرہ میں فلمیں، ڈرامے اور گانے، باجے وغیرہ بھر کردینے کے حرام ہونے کے تعلق سے جوآپ کا یہ فتوی درست ہے، بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

کریڈٹ کارڈ کی خرید وفروخت

استفتاء نمبر: 154

کریڈٹ کارڈ کی خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟

سائل: قاری محمد سلیم ڈیرہ اسماعیل خان

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایة الحق والصواب

کریڈٹ کارڈ کی خرید وفروخت جائز نہیں کیونکہ اس میں عمومی وجہِ حرمت وقتِ مقررہ پر رقم نہ لوٹانے کی صورت میں اضافی رقم

دینے کی شرط لگانا ہے جو کہ سود اور حرام ہے اگرچہ یہ گمان ہو کہ میں سود لازم ہونے سے پہلے ہی رقم لوٹا دوں گا تب بھی سودی معاملہ طے کرنے اور اس پر راضی ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز ہی ہوگا کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ اگر مقررہ مدت تک رقم جمع نہ کروائی تو اضافی رقم یعنی سود دینا ہوگا گویا کریڈٹ کارڈ لینے والا یہ عہد و پیمان کر رہا ہے کہ اگر وقتِ مقررہ پر رقم جمع نہ کروائی تو اس پر اضافی رقم یعنی سود دوں گا اور سود کا لین دین تو مطلقاً حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔

چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے :

واحل اللہ البیع وحرم الربوا

یعنی اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو۔

(پارہ 3، سورۃ البقرہ 275 :)

حدیث مبارکہ میں ہے :

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اکل الربوا و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ قال و ھم سواء

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے سود دینے والے اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ یہ تمام لوگ برابر ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب الرباء، جلد 2، صفحہ 27، مشکوۃ المصابیح، صفحہ 244، مکتبہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلے جانا اس وقت تنخواہ قطع کرے گا، نہ تنخواہ واجب شدہ کو ساقط اور اس پر کسی تاوان کی شرط کر لینی مثلاً نوکری چھوڑنا چاہے تو اتنے دنوں پہلے سے اطلاع دے ورنہ اتنی تنخواہ ضبط ہوگی، یہ سب باطل و خلاف شرع مطہر ہے، پھر اگر اس قسم کی شرطیں عقدِ اجارہ میں لگائی گئیں جیسا کہ بیانِ سوال سے ظاہر ہے کہ وقتِ ملازمت ان قواعد پر دستخط لے لیے جاتے ہیں یا ایسے شرائط وہاں مشہور و معلوم ہو کر المعروف کالمشروط ہوں، جب تو وہ نوکری ہی ناجائز و گناہ ہے کہ شرط فاسد سے اجارہ فاسد ہوا اور عقدِ فاسد حرام ہے اور دونوں عاقد مبتلائے گناہ اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ واجب ہے اور اس صورت میں ملازمین تنخواہ مقررہ کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ اجرِ مثل کے جو مشاہرہ معینہ سے زائد نہ ہوں، اجرِ مثل اگر مسمی (مقررہ) سے کم ہو تو اس قدر خود ہی کم پائیں گے اگرچہ خلاف ورزی اصلاً نہ کریں۔

(فتاوی رضویہ، جلد 19، صفحہ 506، 507، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قرض دیا اور ٹھہرالیا کہ جتنا دیا ہے اس سے زیادہ لے گا جیسا کہ آج کل سود خوروں (سود کھانے والوں) کا قاعدہ ہے کہ روپیہ دو روپے سیکڑا ماہوار سود ٹھہرا لیتے ہیں، یہ حرام ہے یونہی کسی قسم کے نفع کی شرط کرے ناجائز ہے۔

(بہارِ شریعت، جلد 2، حصہ 11، صفحہ 759، مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/13

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

کریڈٹ کارڈ کا مختصر تعارف اور فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت

استفتاء نمبر: 155

1۔ کریڈٹ کارڈ (Credit Card) کا مختصر تعارف بیان کیجیے؟

2۔ کریڈٹ کارڈ (Credit Card) کی شرعی حیثیت بالخصوص فتاوی رضویہ کی روشنی میں بیان کیجیے؟

سائل: محمد شاہد قادری انڈیا

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

کریڈٹ کارڈ کا مختصر تعارف:

کریڈٹ کارڈ کو اعتمادی کارڈ بھی کہتے ہیں.

کریڈٹ کارڈ بینک کے ذریعے جاری شدہ ایک چھوٹا سا مطبوعہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر اجازت یافتہ دوکان، آفس یا ہوٹل وغیرہ سے ضرورت کے سامان، رہائش کی سہولتیں، ہوائی جہاز کے ٹکٹ وغیرہ حاصل کئے جاتے ہیں.

جس دوکاندار کو بینک کے ذریعے یہ کارڈ قبول کرنے کی منظوری حاصل ہوتی ہے، اس کے پاس ایک مشین ہوتی ہے جس میں

وہ کارڈ کو ڈال کر اس کی کاربن کاپی نکالتا ہے، پھر اس پر "دستخط خریدار" کے خانے میں صاحب کارڈ سے دستخط کراتا ہے اور اسے بل کے ساتھ منسلک کر کے کارڈ جاری کرنے والے بینک کو بھیجتا ہے، تو بینک سے بذریعہ ڈرافٹ اسے رقم موصول ہو جاتی ہے۔

اب صاحب کارڈ کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ ایک ماہ کے اندر بذریعہ چیک یا نقد بینک کو بل کا دام ادا کرے، اگر ایک ماہ میں پوری ادائیگی نہ ہو سکے تو کم از کم بقایہ کا 5% فیصدی ضرور ادا کرے اس صورت میں باقی ٪ 95 (پچانوے فیصد) رقم کا سود ادا کرنا پڑے گا اور ساتھ ہی "سروس چارج" کے نام پر سو (100) روپے جرمانہ بھی دینا پڑے گا، کارڈ کی سالانہ فیس جو 750 یا 1100 روپے ہے، اس کے سوا ہے۔

کریڈٹ کارڈ کے ذریعے کارڈ جاری کرنے والے بینک یا اس کے معاون بینکوں سے نقد روپے بھی بآسانی مل جاتے ہیں، البتہ اس پر ہر ماہ سود ادا کرنا پڑتا ہے۔

سامان وغیرہ کی "ادھار بل" اور بینک سے "نقد روپے لینے" میں فرق یہ ہے کہ نقد لینے پر بہر حال سود دینا پڑے گا، اگرچہ اسے ایک ماہ کے اندر ہی ادا کر دیا جائے، لیکن ادھار خریداری کی صورت میں ایک ماہ کے اندر بل ادا کر دینے پر سود نہیں دینا پڑے گا۔

کارڈ پر کئے جانے والے اخراجات لامحدود نہیں ہوتے بلکہ بینک اپنی صواب دید کے مطابق اس کی حد مقرر کر دیتا ہے، مثلاً (5000) پانچ ہزار روپے۔ یونہی کارڈ کے ذریعے بینک سے جو روپے لئے جاتے ہیں، اس کی بھی ایک حد مقرر ہوتی ہے مثلاً (10000) دس ہزار روپے۔

کریڈٹ کارڈ "سٹی بینک (City Bank)" جاری کرتا ہے لیکن یہ سہولت تقریباً حکومت کے ہر بینک سے یوں مل جاتی ہے کہ وہ ایک فارم پر کر کے سٹی بینک کو بھیجتا ہے اور سٹی بینک فارم بھیجنے والے بینک کی طرف سے "درخواست دہندہ" کے نام کارڈ جاری کر دیتا ہے جو اسے بینک سے وصول ہو جاتا ہے۔

(جدید بینکاری صفحہ 82، 83 بتغیرٍ)

2— کریڈٹ کارڈ کی شرعی حیثیت فتاوی رضویہ کی روشنی میں:

کریڈٹ کارڈ کے تعارف سے یہ بات سامنے آئی کہ بینک کارڈ ہولڈر کو کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ تین طرح کی سہولتیں مہیا کرتا ہے:

1— ادھار بل کی ضمانت

2— کارڈ ہولڈر (صاحبِ کارڈ) کی طرف سے ادھار بل کی ادائیگی

3— قرض کی حیثیت سے نقد روپیوں کی فراہمی

1۔۔ادھار بل کی ضمانت :

اس شق میں بینک کا بنیادی کردار یہ ہے کہ وہ دوکاندار کو کارڈ ڈیلر کے ادھار بل کا دام ادا کرنے کی ضمانت لیتا ہے اور ثبوت کے طور پر یہ کارڈ جاری کرتا ہے تو یہ معاملہ "باہم ضمانت کا معاہدہ" ہے اور کارڈ ضمانت کی سند ہے۔

ضمانت شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے لیکن یہاں ضمانت کے ساتھ دو ناجائز شرطیں ہیں، جس کی وجہ سے ناجائز و گناہ ہے۔

وہ دو ناجائز شرطیں یہ ہیں:

1۔ قیمت کی ادائیگی میں ایک ماہ کی دیر ہو جائے تو کارڈ ڈیلر (یعنی صاحب کارڈ) کو سود ادا کرنا پڑتا ہے اور سود یقیناً حرام و گناہِ کبیرہ ہے۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

واحل اللہ البیع وحرم الربوا

یعنی اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو۔

(پارہ 3 سورۃ البقرہ آیت نمبر 275)

حدیث مبارکہ میں ہے :

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اکل الربوا و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ قال و ھم سواء

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، سود دینے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ : یہ تمام لوگ برابر ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب الرباء، جلد 2، صفحہ 27، مشکوۃ المصابیح، صفحہ 244، مکتبہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قرض دیا اور ٹھہرا لیا کہ جتنا دیا ہے اس سے زیادہ لے گا جیسا کہ آج کل سود خوروں (سود کھانے والوں) کا قاعدہ ہے کہ روپیہ دو روپے سیکڑا ماہوار سود ٹھہرا لیتے ہیں، یہ حرام ہے یونہی کسی قسم کے نفع کی شرط کرے، ناجائز ہے۔

(بہار شریعت جلد 2، حصہ 11، صفحہ 759 مکتبۃ المدینہ کراچی)

2— دیر کی وجہ سے جرمانہ بھی دینا پڑتا ہے جو ناحق اپنے مال کا ضائع کرنا اور ناجائز و گناہ ہے۔

چنانچہ سیدی اعلحضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

تعزیر بالمال منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں۔

درمختار میں ہے:

لا باخذ مال فی المذھب بحر۔"

یعنی مال لینے کا جرمانہ مذہب کی رُو سے جائز نہیں ہے۔ بحر

اُسی میں ہے:

"وفی المجتبیٰ انه کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ"

یعنی اور مجتبیٰ میں ہے کہ (مالی جرمانہ) ابتدائے اسلام میں تھا، پھر منسوخ کر دیا گیا۔ (ت)

(درمختار باب التعزیر جلد اول صفحہ 326 مطبوعہ مجتبائی دہلی)

ردالمحتار میں بحر سے ہے:

وافاد فی البزازیة، ان معنی التعزیر بأخذ المال، علی القول به، امساك شیء من ماله عنده مدة لینزجر، ثم یعیده الحاکم الیه، لا ان یأخذه الحاکم لنفسه اولبیت المال، کمایتوهمه الظلمة، اذلا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی

یعنی اور بزازیہ میں افادہ کیا ہے کہ مالی تعزیر کا قول اگر اختیار کیا بھی جائے تو اس کا صرف اتنا ہی مطلب ہے کہ اس کا مال کچھ مدّت کے لئے روک لینا تا کہ وہ باز آجائے، اس کے بعد حاکم اس کا مال لوٹا دے، نہ یہ کہ حاکم اپنے لیے لے لے یا بیت المال کیلئے، جیسا کہ ظالم لوگ سمجھتے ہیں، کیونکہ شرعی بسبب کے بغیر کسی کا مال لینا مسلمان کے لئے روا نہیں۔ (ت)

(ردالمحتار باب التعزیر جلد سوم صفحہ 195، مطبوعہ مصطفی البابی مصر) (فتاوی رضویہ جلد 5 صفحہ 111، 112 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

نوٹ: البتہ اگر کسی شخص کا عزمِ مصمم ہو کہ وہ ایک ماہ کے اندر سود لازم ہونے سے پہلے ہی کریڈٹ کارڈ کی رقم لوٹا دوں گا تب بھی سودی معاملہ طے کرنے اور اس پر راضی ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز ہی ہوگا کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ اگر مقررہ مدت تک رقم جمع نہ کروائی تو اضافی رقم یعنی سود دینا ہوگا، گویا کریڈٹ کارڈ لینے والا یہ عہد و پیمان کر رہا ہے کہ اگر وقتِ مقررہ پر رقم جمع نہ کروائی تو اس پر اضافی رقم یعنی سود دوں گا اور سود کا لین دین تو مطلقاً حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلے جانا اس وقت تنخواہ قطع کرے گا نہ تنخواہ واجب شدہ کو ساقط اور اس پر کسی تاوان کی شرط کر لینی مثلاً نوکری چھوڑنا چاہے تو اتنے دنوں پہلے سے اطلاع دے ورنہ اتنی تنخواہ ضبط ہوگی یہ سب باطل وخلاف شرع مطہر ہے پھر اگر اس قسم کی شرطیں عقد اجارہ میں لگائی گئیں جیسا کہ بیانِ سوال سے ظاہر ہے کہ وقت ملازمت ان قواعد پر دستخط لے لیے جاتے ہیں یا ایسے شرائط وہاں مشہور و معلوم ہو کر المعروف کالمشروط ہوں جب تو وہ نوکری ہی ناجائز و گناہ ہے کہ شرط فاسد سے اجارہ فاسد ہوا اور عقدِ فاسد حرام ہے اور دونوں عاقد مبتلائے گناہ اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ واجب ہے اور اس صورت میں ملازمین تنخواہ مقررہ کے مستحق نہ ہوں گے بلکہ اجرِ مثل کے جو مشاہرہ معینہ سے زائد نہ ہوں اجرِ مثل اگر مسمی (مقررہ) سے کم ہو تو اس قدر خود ہی کم پائیں گے اگرچہ خلاف ورزی اصلاً نہ کریں۔

(فتاوی رضویہ، جلد 19، صفحہ 506، 507، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

کارڈ ہولڈر (یعنی صاحبِ کارڈ) کی طرف سے ادھار بل کی ادائیگی:

بینک کا دوسرا کردار یہ ہے کہ وہ کارڈ ہولڈر (یعنی صاحبِ کارڈ) سے روپے وصول کرتا ہے اور اس کے بل کی قیمت ادا کرتا ہے، اور اپنی اس خدمت کے بدلے سالانہ اس سے 750 روپے یا 1100 روپے فیس لیتا ہے، یہ فیس حقیقت میں بینک کے کام کی مزدوری ہے، جس کا لینا دینا شرعاً جائز ہے مگر یہاں بھی وہی سود اور جرمانہ کی قباحت موجود ہے کہ بینک کی یہ تمام خدمات اس کی ضمانت کے تابع ہیں اور اس کو ضامن بنانا سود و جرمانے کی شرط کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قرض کی فراہمی:

کارڈ کے ذریعے ضرورت کے وقت بینک سے قرض کی حیثیت سے روپے بھی وصول کئے جاتے ہیں جس پر بینک سود لیتا ہے تو یہ سہولت بھی سود کی وجہ سے ناجائز و حرام ہے.

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یٰایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوٰ، فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من ورسولہ"

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا چھوڑ دو پھر اگر ایسا نہ کرو تو اللہ ورسول سے لڑائی کا اعلان کر دو یعنی ؟ ورسول سے

لڑنے کو تیار ہو جاؤ اگر سود نہیں چھوڑتے۔

(القرآن الکریم 2/79_278)

خالد پر ایک حبہ سود کا لینا حرام ہے۔

حدیث میں فرمایا: جس نے دانستہ ایک درہم سود کا لیا اس نے گویا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔

بکثرت احادیث صحیحہ میں ہے کہ سود تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے۔

ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امہ"

ان سب میں ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔

(المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، جلد2، صفحہ 37، دار الفکر بیروت)

صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدیہ و قال ھم سواء

لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود لینے والے اور کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب الربوٰ، جلد2، صفحہ 27، قدیمی کتب خانہ کراچی) (فتاوی رضویہ جلد 17 صفحہ 363 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کریڈٹ کارڈ کی مروجہ صورت حال ناجائز و گناہ ہے لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/14/14

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

خشک گوبر کی خرید وفرخت کرنا

استفتاء نمبر: 156

کیا گائے بھینس کے خشک گوبر کی خرید وفروخت کرنا شرعاً جائز ہے؟

سائل: عبدالرحمن قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

گائے بھینس کا گوبر خشک ہو یا تر، دونوں صورتوں میں اس کی خرید وفروخت کرنا شرعاً جائز ہے کیونکہ یہ ایک ایسا مال ہے جس سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے کہ بعض لوگ اسے بطورِ ایندھن جلانے کیلیے استعمال کرتے ہیں جبکہ بعض لوگ اسے مٹی میں شامل کر کے دیوار وفرش وغیرہ کی لپائی کیلیے استعمال کرتے ہیں۔

چنانچہ عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وفی البحر عن السراج: يجوز بيع السرقين والبعر والانتفاع به والوقود به

یعنی اور "بحر الرائق" میں "سراج" کے حوالے سے ہے کہ: گوبر اور مینگنی کی خرید وفروخت کرنا، ان سے نفع حاصل کرنا، اور ان کو (ایندھن کے طور پر) جلانا جائز ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، جلد 7، صفحہ 244، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مجمع الانھر میں ہے:

وجاز بيع السرقين مطلقا فی الصحيح عندنا لكونه مالا منتفعا به لتقوية الارض

اور ہمارے نزدیک صحیح قول کے مطابق گوبر کی خرید وفروخت مطلقاً جائز ہے کیونکہ یہ ایسا مال ہے جس سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(مجمع الانھر، جلد 3، صفحہ 211)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

انسان کے پاخانہ، پیشاب کی بیع باطل ہے جب تک مٹی اس پر غالب نہ آجائے اور کھاد نہ ہوجائے، گوبر، مینگنی، لید کی بیع باطل نہیں اگرچہ دوسری چیز کی اُن میں آمیزش نہ ہو لہٰذا اُپلے (یعنی آگ جلانے کے لئے گوبر کی سکھائی ہوئی ٹکیوں) کا بیچنا خریدنا یا استعمال کرنا ممنوع نہیں۔

(بہارِ شریعت جلد دوم حصہ 11 صفحہ 696، 697 مکتبۃ المدینہ کراچی بحوالہ ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطلب : فی تعریف المال جلد 7 صفحہ 234 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مزید ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

انسان کے پاخانہ کا بیع کرنا ممنوع ہے، گوبر کا بیچنا ممنوع نہیں۔ انسان کے پاخانہ میں مٹی یا راکھ مل کر غالب ہوجائے، جیسے کھات میں مٹی کا غلبہ ہوجاتا ہے تو بیع بھی جائز ہے اور اس کو کام میں لانا مثلاً کھیت میں ڈالنا بھی جائز ہے۔

(بہارِ شریعت جلد 3 حصہ 16 صفحہ مکتبۃ المدینہ کراچی بحوالہ الھدایۃ کتاب الکراھیۃ فصل فی البیع جلد 2 صفحہ 375)

فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

گوبر، لید، مینگنی اور اپلے کا خریدنا، بیچنا اور ان کا استعمال کرنا وجلانا جائز ہے۔

بحر الرائق پھر ردالمختار باب بیع الفاسد میں ہے:

یجوز بیع السرقین و البعر و الانتفاع بہ والوقود بہ کذا فی السراج الوھاج

(فتاوی فیض الرسول جلد 3 صفحہ 200 شبیر برادرز لاہور)

واللہ اعلم و رسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/04/21

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

سودی قرض سے خریدی گئی زمین پر حصول ملکیت

استفتاء نمبر: 157

ایک شخص نے بینک سے سودی قرض لیکر زمین خریدی اور بعد میں وہ سودی قرض ادا کر دیا تو آیا سودی قرض سے لی گئی وہ زمین اس کی ملک ہوگی یا نہیں ہوگی؟

سائل :احمد رضا

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملک الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

سودی قرض لے کر جو زمین اس نے خریدی ہے وہ اس کی ملک ہو جائے گی کیونکہ سود پر جو اصل قرض اس نے لیا وہ بھی حلال ہے اور اس قرض کے ذریعے نفع حاصل کرنا بھی حلال ہے مگر اصل قرض پر جو اضافی رقم واپس کرنا طے پائی ہے، وہ حرام ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اور بے ضرورت سود دینا بھی اگرچہ حرام ہے کما فصلناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے) مگر وہ روپیہ کہ اس نے قرض لیا، اس سے تجارت میں جو کچھ حاصل ہو، حلال ہے۔

فان الخبث فیما اعطی لا فیما اخذ و ھذا ظاھر جدا۔

کیونکہ خبث دئے ہوئے مال میں ہے، جو نفع میں لیا اس میں نہیں ہے اور نہایت ظاہر ہے۔"

(فتاوی رضویہ جلد 19 صفحہ 646 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

البتہ ایسا شخص سودی قرض لینے کی وجہ سے سخت گناہ گار ہوا ہے، لہذا اس سے توبہ کرے کیونکہ سود کا لین دین کرنا حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے، لہذا اس شخص پر لازم ہے اس گناہ سے سچی توبہ کرے اور جن کو اس کے سودی قرض لینے کا علم تھا، انہیں بھی اپنی توبہ پر آگاہ کرے۔

چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

واحل اللہ البیع وحرم الربوا

یعنی اللہ پاک نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو۔

(پارہ 3 سورۃ البقرہ آیت 275 :)

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اکل الربوا و موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ قال و ھم سواء

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، سود دینے والے، سود کے لکھنے والے اور سود کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ: ''یہ تمام لوگ برابر ہیں''

(صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب الربا، جلد 2، صفحہ 27، مشکوۃ المصابیح، صفحہ 244 مکتبہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قرض دیا اور ٹھہرالیا کہ جتنا دیا ہے، اس سے زیادہ لے گا جیسا کہ آج کل سودخوروں (سود کھانے والوں) کا قاعدہ ہے کہ روپیہ، دو روپے سیکڑا ماہوار سود ٹھہرا لیتے ہیں، یہ حرام ہے یونہی کسی قسم کے نفع کی شرط کرے ناجائز ہے۔

(بہار شریعت جلد دوم، حصہ 11، مسئلہ نمبر 21، صفحہ 759 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/06/06

تصدیق و تصحیح:

1– جواب درست ہے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود قادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

2– الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

فکس نفع پر شراکت داری کرنا

استفتاء نمبر: 158

بکر مختلف لوگوں سے اپنے کاروبار کیلیے انویسمنٹ کے طور پر رقم لیتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ ایک ماہ بعد ان کو فکس نفع (مثلاً لاکھ روپیہ) ملے گا تو فکس نفع پر اس کے ساتھ شراکت داری کرنا کیسا ہے؟

سائل: غلام رحیم

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایة الحق و الصواب

شرکت (جیسے دو افراد کا مشترکہ طور پر کاروبار کرنا وغیرہ) میں بنیادی طور پر یہ ضروری ہے کہ نفع کی تقسیم کاری، فیصد کی صورت میں طے کی جائے اور نفع فیصد کے حساب سے برابر برابر بھی طے کیا جاسکتا ہے مثلاً دونوں شریکوں کیلیے پچاس پچاس فیصد ہوگا اور کمی بیشی کے ساتھ بھی نفع طے کیا جاسکتا ہے مثلاً ایک کے لیے چالیس فیصد اور دوسرے کے لئے ساٹھ فیصد ہوگا جبکہ نقصان جو کچھ ہوگا وہ

دونوں کے سرمائے کے حساب سے ہوگا مثلاً اگر دونوں کا سرمایہ برابر ہے تو نقصان بھی آدھا آدھا ہوگا اور اگر ایک کا سرمایہ 60 فیصد اور دوسرے کا سرمایہ چالیس فیصد ہے تو نقصان بھی اسی حساب سے پہلے کا ساٹھ فیصد اور دوسرے کا چالیس فیصد ہوگا لہذا اس اصول کے خلاف نقصان کی شرط لگانا باطل ہے۔

اور مضاربت (ایک شخص کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت) میں بھی بنیادی طور پر یہ ضروری ہے کہ نفع کی تقسیم کاری فیصد کی صورت میں طے کی جائے اور نفع فیصد کے حساب سے برابر برابر بھی طے کیا جاسکتا ہے مثلاً دونوں کے لیے پچاس پچاس فیصد ہوگا اور کمی بیشی کے ساتھ بھی نفع طے کیا جاسکتا ہے مثلاً ایک کے لیے چالیس فیصد اور دوسرے کے لئے ساٹھ فیصد ہوگا جبکہ مضاربت میں نقصان پہلے نفع میں سے پورا کیا جائے گا اور اگر نفع میں سے پورا نہ ہو تو سرمایہ کار کے سرمائے سے اسے پورا کیا جائے گا اور محنت کرنے والے کی صرف محنت ضائع ہوگی اور وہ سرمایہ کار کے سرمائے کا تاوان نہیں دے گا۔

اب صورتِ مسؤلہ میں اگر بکر صرف لوگوں سے رقم لیتا اور اپنی رقم شامل نہیں کرتا بلکہ محنت کرتا ہے تو یہ مضاربت ہے اور اگر اپنی رقم بھی ساتھ شامل کرتا ہے تو یہ شرکت ہے اور مضاربت ہو یا شرکت دونوں میں بنیادی طور پر یہ ضروری ہے کہ نفع کی تقسیم کاری فیصد کی صورت میں طے کی جائے اور چونکہ بکر نفع کو فیصد کے حساب سے طے کیے بغیر ماہانہ فکس کر دیتا ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے لہذا بکر کو فکس نفع حاصل کرنے کے لئے رقم دینا جائز نہیں ہے۔

اس کی جائز صورت یہ ہے کہ اگر بکر بھی اپنا سرمایہ شامل کر رہا ہے تو بکر کو اپنی رقم دے کر عقد کے وقت دونوں فریق باہمی رضامندی سے یہ طے کرلیں کہ اس رقم سے جو بھی نفع ہوگا، اس کا اتنے فیصد بکر کا ہوگا اور اتنے فیصد دوسرے سرمایہ کار کا ہوگا، اور اگر نقصان ہوا تو دونوں کے سرمائے کے حساب سے دونوں پر ہوگا۔

اور اگر بکر صرف محنت کر رہا ہے تو بکر کو اپنی رقم دے کر عقد کے وقت دونوں فریق باہمی رضامندی سے یہ طے کرلیں کہ جو بھی نفع ہوگا، اس کا اتنے فیصد بکر کا ہوگا اور اتنے فیصد دوسرے سرمایہ کار کا ہوگا، اور اگر نقصان ہوا تو پہلے اسے نفع میں سے پورا کیا جائے گا اور اگر نفع سے پورا نہ ہوا تو سرمایہ کار کے سرمائے سے پورا کیا جائے گا۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

وأن يكون الربح معلوم القدر، فإن كان مجهولاً تفسد الشركة وأن يكون الربح جزئاً شائعاً في الجملة لا معيناً، فإن عينا عشرةً أو مائةً أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدةً.

كذا في البدائع

یعنی اور یہ کہ نفع کی مقدار معلوم ہو پس اگر (نفع کی مقدار) معلوم نہ ہو تو شرکت فاسد ہو جائے گی، اور یہ کہ نفع فی الجملہ (دونوں

کے مابین) جزء شائع ہو (یعنی آدھا آدھا یا دو تہائی ایک تہائی یا تین تہائی ایک چوتھائی)، معین نہ ہو پس اگر نفع، دس (روپے) معین ہو یا سو معین ہو یا اس کی طرح ہو تو شرکت فاسد ہو جائے گی، ایسے ہی بدائع میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری جلد 2 صفحہ 302 دار الفکر بیروت)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(و تفسد باشتراط دراهم مسماة من الربح لاحدهما) لقطع الشركة

یعنی اور دو (شراکت داروں) میں سے کسی ایک کے لئے نفع میں سے معین دراہم کی شرط قرار دینے کے ساتھ شرکت فاسد ہو جاتی ہے، شرکت کو ختم کرنے کی وجہ سے۔

اس کے تحت عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وبيان القطع ان اشتراط عشرة دراهم مثلاً من الربح لاحدهما يستلزم اشتراط جميع الربح له على تقدير ان لا يظهر ربح الا العشرة، والشركة تقتضي الاشتراك في الربح وذلك يقطعها فتخرج الى القرض او البضاعة كما في الفتح

یعنی اور (شرکت کو) ختم کرنے کی وضاحت یہ ہے کہ مثال کے طور پر کسی ایک کے لئے دس دراہم کے نفع کی شرط لگانا اس کے لیے کل نفع کی شرط لگانے کو مستلزم ہے، اس تقدیر پر کہ نفع صرف دس (درہم) ہی ظاہر ہو، حالانکہ شرکت نفع میں اشتراک کا تقاضا کرتی ہے اور یہ (معین دراہم کی شرط لگانا) شرکت کو ختم کر دیتا ہے، پس شرکت قرض یا بضاعت (یعنی کسی کو کام کرنے کے لئے مال دینا اس طور پر کہ جو نفع ہوگا وہ تمام مالک کا ہوگا) کی طرف نکل جائے گی جیسا کہ "الفتح" میں ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار جلد 6 صفحہ 484، 485 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فما كان من ربح فهو بينهما على قدر رؤوس اموالهما، وما كان من وضيعة او تبعة فكذلك، و لا خلاف ان اشتراط الوضيعة بخلاف قدر راس المال باطل، و اشتراط الربح متفاوتاً عندنا صحيح

یعنی پس جو نفع ہوگا وہ دونوں (شریکوں) کے رؤوس الاموال کی مقدار کے مطابق تقسیم ہوگا اور جو نقصان یا تاوان ہے وہ بھی ایسے ہی ہوگا، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ راس المال کی مقدار کے خلاف نقصان کی شرط لگانا باطل ہے، اور ہمارے نزدیک (راس المال سے) متفاوت طور پر نفع کی شرط لگانا صحیح ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار جلد 6 صفحہ 469 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

نفع میں کم و بیش کے ساتھ بھی شرکت ہو سکتی ہے مثلاً ایک کی ایک تہائی اور دوسرے کی دو تہائیاں اور نقصان جو کچھ ہوگا وہ راس المال کے حساب سے ہوگا اسکے خلاف شرط کرنا باطل ہے مثلاً دونوں کے روپے برابر برابر ہیں اور شرط یہ کی کہ جو کچھ نقصان ہوگا اُسکی تہائی فلاں کے ذمہ اور دو تہائیاں فلاں کے ذمہ یہ شرط باطل ہے اور اس صورت میں دونوں کے ذمہ نقصان برابر ہوگا۔

(بہار شریعت حصہ 10 جلد 2 صفحہ 491 مکتبۃ المدینہ کراچی)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

شرکت عنان میں بھی اگر نفع کے روپے ایک شریک نے معین کر دیے کہ مثلاً دس روپے میں نفع کے لوں گا تو شرکت فاسد ہے کہ ہوسکتا ہے کل نفع اتنا ہی ہو پھر شرکت کہاں ہوئی۔

(بہار شریعت حصہ 10 جلد 2 صفحہ 501 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/07/10

تصدیق و تصحیح:

استفتاء نمبر 158 پر لکھے گئے جواب کی میں تائید و توثیق کرتا ہوں، احناف کے مذہب مختار پر یہ مسئلہ اور یہ فتویٰ بالکل درست ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں اضافہ فرمائے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

جانوروں کو بٹائی پر دینے کا حکم

استفتاء نمبر:159

جانوروں کو بٹائی پر دینا کیسا ہے؟

سائل: محمد خالد صابری جڑانوالہ پنجاب پاکستان

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

جانوروں کو بٹائی پر دینے کی دو صورتیں ہیں:

1 — جانوروں کو اس طرح بٹائی پر دینا کہ جانور اور ان کے بچے مالک کے ہی ہوں گے اور ان کو پالنے والے کو معین طے شدہ اجرت ملے گی تو یہ بالکل جائز ہے۔

2 — جانوروں کو اس طرح بٹائی پر دینا کہ ان کے جتنے بچے پیدا ہوں گے، دونوں آپس میں نصف نصف کر کے بانٹ لیں گے تو یہ صورت جائز نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کرلیا تو وہ جانور اور بچے مالک کے ہوں گے اور پالنے والے کو پالنے کی اتنی اجرت ملے گی جتنی وہاں کے عرف میں پالنے کی ہوتی ہے۔

1 — چنانچہ عمدۃ المحققین علامہ محمد شامی مصری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اذا دفع البقرۃ بعلف فیکون الحادث بینھما نصفین فما حدث فھو لصاحب البقرۃ وللاخر مثل علفہ واجر مثلہ تاتارخانیہ

یعنی جب کسی نے (دوسرے کو) چارے پر گائے دی (اس شرط پر) کہ پیدا ہونے والا (بچہ) ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا تو جو بچہ پیدا ہوا پس وہ گائے کے مالک کیلئے ہوگا اور دوسرے کو اس کے چارے کی مثل اور اس کے کام کی مثل اجرت ملے گی۔

(فتاویٰ فیض الرسول جلد سوم صفحہ 220 بحوالہ ردالمحتار جلد سوم صفحہ 351)

2 — صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

گائے بھینس خرید کر دوسرے کو دے دیتے ہیں کہ اسے کھلائے پلائے جو کچھ دودھ ہوگا وہ دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا، یہ اجارہ بھی فاسد ہے، کل دودھ مالک کا ہے اور دوسرے کو اس کے کام کی اجرت مثل ملے گی اور جو کچھ اپنے پاس کھلایا ہے اس کی قیمت ملے گی اور گائے نے جو کچھ چرا ہے اس کا کوئی معاوضہ نہیں اور دوسرے نے جو کچھ دودھ صرف کرلیا ہے اتنا ہی دودھ مالک کو دے کہ دودھ مثلی چیز ہے۔

(بہارشریعت جلد 3 حصہ 14 صفحہ 150، 151 مکتبۃ المدینہ کراچی)

3 — صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

بعض لوگ بکری بٹائی پر دیتے ہیں کہ جو کچھ بچے پیدا ہوں گے، دونوں نصف نصف لے لیں گے یہاں اجارہ بھی فاسد ہے بچے

اسی کے ہیں جس کی بکری ہے۔ دوسرے کو صرف اس کے کام کی اجرتِ مثل ملے گی۔

(بہار شریعت جلد 3 حصہ 14 صفحہ 151 مکتبۃ المدینہ کراچی)

4۔ فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ:

بہت سے لوگ گائے بکری یا مرغی اس شرط پر دوسرے کو دیتے ہیں کہ تم اس کی پرورش کرو بچے اور انڈے جس قدر ہوں گے وہ ہم لوگ آپس میں بانٹ لیں گے تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

آپ نے جواباً تحریر فرمایا:

اس طرح کا معاملہ کرنا جائز نہیں۔

(فتاوی فیض الرسول جلد سوم صفحہ 219 شبیر برادرز لاہور)

نوٹ: اس کے جواز کا ایک آسان حیلہ یہ ہے کہ جانور جس شخص کو بٹائی پر دے رہے ہیں، اس سے جانور کی آدھی قیمت لے کر جانور میں آدھا شریک کرلیں یا نقد رقم نہ ہو تو ادھار پر شریک کرلیں تو اس حیلہ سے جانور پالنے کے بعد منافع میں دونوں آدھے آدھے کے شریک ہو جائیں گے اور جانور پالنے والے کو پورا حق ہوگا کہ جو چارہ خرید کر کھلایا ہے، اس کی آدھی قیمت جانور کو بٹائی پر دینے والے سے وصول کرلے۔

لہٰذا اس حیلے کے بعد اگر چاہیں تو اپنے حصے کے جانور کے بچے لے لیں اور اس کے حصے کے اس کو اصل بٹائی والا جانور دے دیں۔

اور اگر ادھار پر جانور بیچا ہو تو وہ رقم اس سے وصول کرلیں یا اس رقم کو لینے کے بدلے اس سے جانور یا اس کا بچہ خرید لیں۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

والحیلة فی جوازہ أن یبیع نصف البقرة منه بثمن ویبرءہ عنه ثم یأمر باتخاذ اللبن والمصل فیکون بینهما الخ

اور اس کے جواز میں حیلہ یہ ہے کہ، وہ اس کو ثمن (یعنی قیمت) کے بدلے آدھی گائے فروخت کردے اور وہ اس سے بری ہو جائے پھر اس کو دودھ اور دودھ سے ٹپکا ہوا پانی لینے کا حکم دے، پس یہ (سب) ان دونوں کے درمیان (نصف نصف) ہوگا۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الاجارہ، الفصل الثالث فی قفیز الطحان وفی معناہ، جلد 4 صفحہ 446 دار الفکر بیروت)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/08/21

تصدیق وتصحیح:

آپ کے استفتاء 159 کا جواب بالکل درست ہے اور بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

ابوالحسنین محمد عارف محمود معطر القادری عطاری غفرلہ الباری

ڈرائیور حضرات کا ہوٹل سے فری کھانا

استفتاء نمبر: 160

بعض ڈرائیور حضرات راستے میں مخصوص پٹرول پمپ پر بریک لگاتے ہیں اور وہاں پر جو کینٹین ہوتی ہے وہ اس گاڑی کے ڈرائیور کو کھانا وغیرہ فری میں دیتی ہے اور وہ اس نیت سے روکتے ہیں کہ ہوٹل والوں کو گاہک مل جاتے ہیں اور ان کو فری کھانا مل جاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سائل: محمد تنویر مدنی ڈیرہ اسماعیل خان

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق والصواب

صورتِ مسئولہ (پوچھی گئی صورت) میں ڈرائیور حضرات کو کینٹین والے یا ہوٹل والے گاہک فراہم کرنے کے بدلے جو فری (مفت) میں کھانا وغیرہ کھلاتے ہیں اور اس کا خرچہ ڈرائیوروں کی فراہم کی گئی سواریوں سے کئی گنا زیادہ رقم لے کر پورا کرتے ہیں تو یہ (فری کھانا وغیرہ کھانا، کھلانا) رشوت اور ناجائز وحرام ہے اس لیے کہ کینٹین والے یا ہوٹل والے اپنا کام نکلوانے کے لئے ڈرائیور حضرات کو فری میں کھانا وغیرہ اس وجہ سے دیتے ہیں کہ وہ ان کی کینٹین یا ہوٹل پر اپنی گاڑی کی سواریاں لے کر آئیں اور یہ واضح طور پر رشوت میں آتا ہے اور رشوت کا حکم یہ ہے کہ اس کا دینا بھی حرام اور لینا بھی حرام ہوتا ہے۔

مزید ڈرائیور حضرات کا فری کھانا کھانے کی چکر میں اپنی سواریوں کو کینٹین یا ہوٹل والوں کے رحم وکرم پر چھوڑنا کہ وہ ان سے منہ مانگی رقم وصول کریں، تو یہ ان کے ساتھ ظلم وزیادتی ہے، اس لیے ڈرائیور حضرات کو چاہیے کہ مسلمانوں سے خیر خواہی کرتے ہوئے اپنی گاڑیاں ایسے ہوٹلوں کے سامنے کھڑی کریں جہاں سواریوں کے لئے سہولت اور فائدہ زیادہ ہو۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لعن رسول الله الراشي والمرتشي

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

(سنن ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم، صفحہ 344، رقم الحدیث 1337 : دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

الرشوة بالكسر ما يعطيه الشخص الحاكم وغيره ليحكم له او يحمله على ما يريد

رشوت یہ ہے کہ جسے کوئی شخص، حاکم وغیرہ کو اس لیے دے تا کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کردے یا اسے وہ ذمہ داری دیدے جسے یہ چاہتا ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ والھدیہ، جلد 5، صفحہ 362، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس تعریف سے یہ واضح ہو گیا کہ رشوت عام ہے خواہ مال ہو یا کوئی اور منفعت ہو۔

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ان الرشوة ما يعطيه بشرط ان يعينه

یعنی بے شک رشوت وہ چیز ہے جو اس شرط پر دی جائے کہ رشوت لینے والا اس کی مدد کرے گا۔

(بحر الرائق جلد 6 صفحہ 441 دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

علامہ علی بن محمد سید شریف جرجانی "رشوت" کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

الرشوة : ما يعطى لابطال حق وإحقاق باطل

رشوت اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کے حق کو باطل کرنے کے لیے یا کسی باطل کو حاصل کرنے کے لیے دیا جائے۔

(معجم التعریفات صفحہ 96 دار الفضیلۃ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

بیع تو اس میں اور خریداروں میں ہوگی، یہ ریل والوں کو روپیہ صرف اس بات کا دیتا ہے کہ میں ہی بیچوں، دوسرا نہ بیچنے پائے، یہ شرعاً خالص رشوت ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 19 صفحہ 559 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

والله اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلى الله عليه وآله وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/09/12

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

خنزیر سے بنا پیزا اور شراب کی ہوم ڈیلیوری کی ملازمت

استفتاء نمبر: 161

ہوم ڈیلیوری کا کام کرنا کیسا ہے جس میں سور (خنزیر) سے بنا ہوا پیزا اور شراب بھی ہو؟

سائل: عبداللہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

ہوم ڈیلیوری کا ایسا کام کرنا کہ جس میں سور (خنزیر) سے بنا ہوا پیزا اور شراب ڈیلیور (فراہم) کیا جاتا ہو، ناجائز و گناہ ہے کیونکہ جن چیزوں کا کھانا یا پینا مسلمان کے لئے جائز نہ ہو اسے کھانے یا پینے کے لئے کسی دوسرے مسلمان کو بلکہ کافر کو بھی دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حرام چیز کھانے یا پینے کے لئے دینا، گناہ پر باہم مدد کرنا ہے اور اللہ پاک نے گناہ پر ایک دوسرے کی مدد کرنے سے منع فرمایا ہے۔

چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

ترجمہ: اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔

(پارہ 6 سورۃ المائدہ 2:)

جامع ترمذی میں ہے:

لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها و معتصرها و

شاربها و حاملها و المحمولة اليه و ساقيها و بائعها و اكل ثمنها و المشترى لها و المشترا ةله

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس (10) افراد پر لعنت فرمائی ہے (جو کہ درج ذیل ہیں) :

1- شراب کا شیرہ نکالنے والا2,-شراب کا شیرہ نکلوانے والا،3-شراب پینے والا،4-شراب اٹھا کر لانے والا،5-شراب جس تک لائی جائے،

6-شراب پلانے والا،7-شراب بیچنے والا،8-شراب کی قیمت کھانے والا،9-شراب خریدنے والا۔اور 10-شراب جس کے لیے خریدی جائے۔

(جامع ترمذی، ابواب البیوع، جلد 1 صفحہ 242 مطبوعہ کراچی)

الھدایہ میں ہے:

ولا ان يسقى ذميا ولا ان يسقى صبيا للتداوى و الوبال على من سقاه

یعنی اور ذمی کو شراب پلانا جائز نہیں اور نہ ہی بچے کو دوا کے لئے پلانا جائز ہے اور اس کا وبال اس پر ہوگا جس نے شراب پلائی ہوگی۔

(الھدایہ، کتاب الاشربہ، جلد 4 صفحہ 503 مطبوعہ پشاور)

بدائع الصنائع میں ہے:

حرمة الخمر و الخنزير ثابتة فى حقهم كما هى ثابتة فى حق المسلمين

یعنی شراب اور خنزیر کی حرمت غیر مسلموں کے حق میں اسی طرح ثابت ہے جس طرح یہ حرمت مسلمانوں کے حق میں ثابت ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب السیر، جلد 6 صفحہ 83 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

شراب کا بنانا، بنوانا، چھونا، اٹھانا، رکھنا، رکھوانا، بیچنا، بکوانا، مول لینا، دلوانا سب حرام حرام حرام ہے اور جس نوکری میں یہ کام یا شراب کی نگہداشت، اس کے داموں کا حساب کتاب کرنا ہو، سب شرعاً ناجائز ہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 23 صفحہ 565، 566 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جبکہ یہ معلوم تھا کہ اس ہوٹل میں خنزیر کا گوشت پکتا ہے اور ان دونوں کے متعلق یہ کام تھا کہ کھانا میز تک پہنچائیں تو ایسے ہوٹل میں انہیں ملازمت ہی نہ چاہیے تھی، توبہ کر کے برادری میں شامل ہو جائیں۔

حدیث میں ہے:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له

گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

(فتاوی امجدیہ جلد 3 صفحہ 271 مکتبہ رضویہ کراچی)

صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ "بہارِ شریعت" میں تحریر فرماتے ہیں:

کافر یا بچہ کو شراب پلانا بھی حرام ہے اگرچہ بطورِ علاج پلائے اور گناہ اسی پلانے والے کے ذمہ ہے۔ بعض مسلمان انگریزوں کی دعوت کرتے ہیں اور شراب بھی پلاتے ہیں وہ گناہ گار ہیں، اس شراب نوشی کا وبال انہیں پر ہے۔

(بہارِ شریعت جلد 3 صفحہ 672 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/28

تصدیق و تصحیح:

1— ہوم ڈیلیوری کے حوالے سے جو آپ کا یہ استفتاء پر لکھا ہوا جواب ہے یہ درست ہے، بندہ ناچیز کو اس سے اتفاق ہے اور میں اس کی تائید و تصویب کرتا ہوں، اللہ پاک آپ کے علم و عمل میں اضافہ فرمائے۔

مفتی و حکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

2— الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

سانپوں کی خرید و فرخت

استفتاء نمبر: 162

سانپوں کی خرید و فروخت کرنا کیسا ہے؟

سائل: محمد امین مدنی وہاڑی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

کسی چیز کی خرید و فروخت کے جائز ہونے کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ چیز قابل انتفاع بھی ہو اور اس کا کوئی جائز استعمال بھی موجود ہو۔ اب سانپ کا استعمال چونکہ آج کل بہت سی دواؤں میں ہوتا ہے، اس لئے سانپ کی خرید و فروخت جائز ہے۔

نوٹ: سانپ کو بیرونی استعمال کی دوا بنانے کے لیے بیچنا اور خریدنا جائز ہے اور اس مقصد کے علاوہ سانپ کو خریدنا یا بیچنا جائز نہیں، کیونکہ یہ حاجت کی وجہ سے ہی جائز ہے اور حاجت صرف دوا بنانا ہے۔

چنانچہ عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وسيأتي أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع، وأنه يجوز بيع العلق للحاجة مع أنه من الهوام، وبيعها باطل وكذا بيع الحيات للتداوي

یعنی یعنی اور عنقریب یہ بات آئے گی کہ خرید و فرخت کے جائز ہونے کا مدار انتفاع کے حلال ہونے پر ہے اور بیشک حاجت کی وجہ سے علق کی خرید و فروخت جائز ہے بوجود اس کے کہ یہ حشرات الارض میں سے ہے اور حشرات الارض کی خرید و فروخت باطل ہے، اور ایسے ہی دوا بنانے کے لیے سانپوں کی خرید و فروخت کرنا (بھی جائز ہے)۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فی تعریف المال، جلد 7 صفحہ 235 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

ونقل السائحاني عن الهندية: ويجوز بيع سائر الحيوانات سوى الخنزير وهو المختار اهـ.

اور سائحانی نے فتاویٰ ہندیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ خنزیر کے سوا باقی تمام جانوروں کی خرید و فروخت کرنا جائز ہے اور یہی مختار ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: فی بیع دودۃ القرمز، جلد 7 صفحہ 261 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و ذكر أبو الليث أنه يجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها في الأدوية وإن لم ينتفع فلا يجوز

یعنی اور ابولیث رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا سانپوں کی بیع خرید و فروخت ہے جبکہ ان کے ساتھ ادویات میں نفع حاصل کیا جاتا ہو اور اگر نفع حاصل نہ کیا جاسکتا ہو تو (ان کی خرید و فروخت) جائز نہیں۔

(فتح القدیر جلد 16 صفحہ 28، المکتبۃ الشاملۃ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

و في النوازل ويجوز بيع الحيات إذا كان ينتفع بها في الادوية وإن كان لا ينتفع بها لا يجوز والصحيح انه يجوز بيع كل شئي ينتفع به كذا في التتارخانية ويجوز بيع جميع الحيوانات سوى الخنزير وهو المختار كذا في جواهر الاخلاطي

یعنی اور "نوازل" میں ہے کہ سانپوں کی خرید و فروخت جائز ہے جبکہ ان سے ادوایات میں نفع حاصل کیا جاسکتا ہو اور اگر ان کے ساتھ نفع نہ اٹھایا جاسکتا ہو تو ان کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، اور صحیح یہی ہے کہ ہر اس چیز کی خرید و فروخت جائز ہے جس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو، ایسے "تتار خانیہ" میں ہے، اور خنزیر کے علاوہ تمام حیوانات کی خرید و فروخت جائز ہے اور یہی مذہب مختار ہے، ایسے ہی "جواهر الاخلاطی" میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری جلد 3 صفحہ 114 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/10

تصدیق و تصحیح:

1۔ الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی و حکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

2—الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

ایڈوانس بیلنس لینے کی شرعی حیثیت

استفتاء نمبر:163

کیا ایڈوانس بیلنس لینا جائز ہے؟

سائل : محمد نعمان شہر اوکاڑہ

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

یوفون، جاز، ٹیلی نار، وارد اور زونگ وغیرہ کی سم میں جو ایڈوانس بیلنس لیا جاتا ہے، وہ لینا بالکل جائز ہے اور ریچارج کروانے کے بعد ایڈوانس بیلنس سے زائد کاٹ لیا جانا بھی جائز ہے، یہ سود ہرگز نہیں کیونکہ کمپنی کی طرف سے پہلے بیلنس کی سہولت و منفعت دی جاتی ہے پھر بعد میں اس ایڈوانس بیلنس کی سہولت کا عوض عام ریٹ سے کچھ زیادہ وصول کرلیا جاتا ہے جو اجارہ کی ایک جائز صورت ہے کیونکہ عوض کے بدلے کسی کو منفعت کا مالک بنانا اجارہ کہلاتا ہے اور اجارہ میں اجارہ پر چیز دینے والا اس وقت اجرت کا حقدار بن جاتا ہے جب پہلے اجرت لینے کی شرط لگالے یا شرط لگائے بغیر پہلے اجرت وصول کرلے یا پہلے منفعت فراہم کردے، اور یہاں پر پہلے کمپنی ایڈوانس بیلنس کی منفعت فراہم کرتی ہے اور بعد میں اس کی اجرت کچھ زیادہ وصول کرتی ہے اور یہ اس کا حق ہے کہ ایڈوانس بیلنس دے کر کچھ زیادہ بیلنس کی کٹوتی کرے جیسے قسطوں کی بیع میں ادھار کی وجہ سے چیز کی قیمت زیادہ وصول کی جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

تمليك نفع بعوض

یعنی عوض کے بدلے کسی چیز کے نفع کا مالک بنانا اجارہ کہلاتا ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار جلد 9 صفحہ 32 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

الاجرة لا تجب بالعقد و تُستَحقّ باحدى معاني ثلاثة اما بشرط التعجيل او بالتعجيل من غير شرط او باستيفاء المعقود عليه

یعنی اجرت عقد کی وجہ سے واجب نہیں ہوتی اور تین معانی میں سے ایک معنی کے پائے جانے سے اجرت کی حقداری

(ملکیت) حاصل ہوگی یا تو تعجیل (پہلے دینے) کی شرط کے ساتھ یا بغیر شرط کے تعجیل (پہلے اجرت وصول کرنے) کے ساتھ یا (مستاجر) معقود علیہ (اجارہ پر لی گئی چیز) سے فائدہ اُٹھالے۔

(الھدایہ جلد 3 صفحہ 297 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

ماہنامہ فیضان مدینہ میں ہے:

مذکورہ معاملہ ہرگز سود نہیں بلکہ ایک جائز طریقہ ہے کیونکہ یہ اجارہ ہے قرض نہیں کہ یہاں کمپنی سے پیسے وصول نہیں کئے جارہے بلکہ اس کی سروس استعمال کی جارہی ہے۔ عمومی طور پر کمپنی پہلے پیسے لے لیتی ہے اور پھر سروس فراہم کرتی ہے جبکہ پوچھی گئی صورت میں کمپنی پہلے سروس فراہم کررہی ہے اور پھر پیسے وصول کررہی ہے اور یہ دونوں طریقے جائز ہیں یعنی منفعت فراہم کرنے سے پہلے عوض لے لینا بھی درست ہے اور منفعت فراہم کرنے کے بعد عوض لینا یہ بھی درست ہے۔ اگرچہ پہلی صورت میں عوض کم وصول کیا جارہا ہے اور دوسری صورت میں عوض زیادہ لیا جارہا ہے اور کمپنی کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ پیشگی سروس عام ریٹ سے ہٹ کر کچھ زیادہ قیمت پر فراہم کرے جیسے نقد و اُدھار کی قیمتوں میں فرق کرنا جائز ہوتا ہے نیز صارف کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ بعد میں ادائیگی کی صورت میں یہ سروس مجھے عام قیمت سے ہٹ کر کچھ زیادہ قیمت پر فراہم کی جائے گی اور وہ اس بات پر راضی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس سہولت کو لون (Loan) کا نام نہ دیا جائے کیونکہ اس سے یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ کمپنی قرض دے کر اس پر نفع وصول کررہی ہے اور بعض لوگوں نے اسے سود سمجھ بھی لیا حالانکہ اس کو سود سمجھنا غلط ہے کیونکہ کمپنی یہاں پیسے نہیں بلکہ سروس دے رہی ہے۔"

(ماہنامہ فیضان مدینہ، ربیع الآخر 1439ھ، جنوری 2018ء مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/23

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

کتاب الاضحیہ (قربانی اور حلال وحرام جانوروں کا بیان)

عورت کا جانور ذبح کرنا

استفاء نمبر:164

کیا مسلمان عورت کسی حلال جانور کو ذبح کرسکتی ہے؟

سائل : محمد وقار کراچی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

مسلمان عورت اگر صحیح طور پر ذبح کرنا جانتی ہو اور ذبح کرنے پر قادر ہو تو ذبح کرسکتی ہے اور اس کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہوگا اور اس کا کھانا بھی جائز ہوگا۔

نوٹ: البتہ اگر غیر محرم کے سامنے بغیر پردے کے ذبح کرے گی تو یہ بے پردگی کا فعل ناجائز ہوگا کیونکہ عام طور پر ذبح کے وقت غیر محرم موجود ہوتے ہیں۔

چنانچہ تنویر الابصار مع درِمختار میں ہے:

فتحل ذبيحتهما، ولو) الذابح (مجنونا أو امرأة أو صبيا يعقل التسمية والذبح) ويقدر

پس ان دونوں (یعنی مسلمان اور کتابی) کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ ذبح کرنے والا نیم پاگل، عورت یا بچہ ہو (اور ذبح کرنے والا) تسمیہ (بسم اللہ اللہ اکبر) اور ذبح کو سمجھتا ہو اور ذبح پر قادر ہو۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الذبائح، جلد 9 صفحہ 496 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مفتی اعظم ہند علامہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عورت کا ذبیحہ جائز ہے۔

سراجیہ پھر سراج المنیر میں ہے:

تجوز ذبيحة المراة

عورت کا ذبیحہ جائز ہے۔ (مترجم)

مشکوٰۃ و بخاری میں حدیث بھی موجود ہے:

عن معاذ بن سعد اخبرہ ان جاریة لکعب بن مالك كانت ترعی غنما بسلع فاصیبت شاة منها، فادرکتها فذبحتها بحجر، فسئل النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقال کلوھا

حضرت معاذ بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی تھی جو سلع نامی جگہ پر بکریاں چراتی تھی پس ان میں سے ایک بکری مرنے لگی تو اس لونڈی نے اس کو پالیا اور پتھر کے ساتھ اسے ذبح کردیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (اس بکری کو کھانے کے متعلق) پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اسے کھالو۔ (حدیث کا ترجمہ خود کیا ہے، ابواسید۔)

(فتاویٰ مفتی اعظم جلد 5 صفحہ 110 ناشر اکبر بک سیلرز لاہور)

احکامِ شریعت میں ہے:

عورت کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ ذبح صحیح طور پر کرسکے۔

(احکامِ شریعت صفحہ 144 ضیاء القرآن پبلیکیشنز)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/01/26

تصدیق وتصحیح:

1—الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

2—الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

اپنی قربانی کی بجائے فوت شدہ کی جانب سے قربانی کرنا

استفتاء نمبر:165

اگر کسی شخص پر قربانی واجب ہو اور وہ اپنی طرف سے قربانی کرنے کے بجائے کسی فوت شدہ بزرگ کی طرف سے قربانی کرے تو کیا یہ جائز ہے اور کیا اس سے اس شخص کی اپنی قربانی ہو جائے گی؟

سائل: غلام نبی

بسمه تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

اگر کسی شخص پر قربانی واجب ہو اور وہ اپنی طرف سے قربانی کرنے کے بجائے فوت شدہ بزرگوں کی طرف سے قربانی کرے تو یہ بالکل جائز ہے اور اس کا اپنا واجب ادا ہو جائے گا یعنی اس کی اپنی قربانی ہو جائے گی اور فوت شدہ بزرگ کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا۔

چنانچہ امام فخر الدین ابی المحاسن حسن بن منصور المعروف قاضی خان اوزجندی فرغانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولو ضحی عن میت من مال نفسه بغیر امر المیت، جاز. وله ان یتناول منه ولا یلزمه ان یتصدق به؛ لانها لم تصر ملکاً للمیت بل الذبح حصل علی ملکه. ولهذا لو کان علی الذابح اضحیة سقطت عنه. وان ضحی عن میت من مال المیت بامر المیت یلزمه التصدق بلحمه، ولا یتناول منه؛ لان الاضحیة تقع عن المیت.

یعنی اور اگر کسی نے اپنے مال میں سے میت کے حکم کے بغیر میت کی طرف سے قربانی کی تو جائز ہے، اور اس کے لیے اس میں سے کھانا جائز ہے اور اسے صدقہ کرنا اس پر لازم نہیں ہے، اسلیے کہ وہ میت کی ملک نہیں ہوا بلکہ ذبح اس کی ملکیت پر حاصل ہوا ہے۔

اور اسی لئے اگر ذبح کرنے والے پر قربانی واجب ہو تو اس سے قربانی ساقط ہو جائے گی۔

اور اگر میت کے حکم سے، میت کے مال میں سے، میت کی طرف سے قربانی کی تو اس کے گوشت کو صدقہ کرنا اس پر لازم ہو جائے گا اور وہ اس میں سے نہیں کھا سکتا اس لیے کہ قربانی میت کی طرف سے واقع ہوئی ہے۔

(فتاویٰ قاضیخان، کتاب الاضحیۃ، جلد 3 صفحہ 239 دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کے قول ''عن میت'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

أي لو ضحی عن میت وارثه بأمره الزمه بالتصدیق بها وعدم اکل منها وان تبرع بها

عنه له الأكل :لانه اكل على الذابح واحدة سقطت عنه اضحيه كما فى الاجناس .الشرنبلالى :لكن فى سقوط الأضحيه عنه .تأمل اه اقول :صرح فى فتح القدير فى الحج عن الغير بلا أمر انه يقع فى فتح القدير فى الحج عن الغير بلا أمره انه يقع عن الفاعل فيسقط به الفرض عنه ولآخر الثواب.

یعنی اگر میت کی طرف سے اس کے وارث نے اس کے حکم سے قربانی کی تو اس پر لازم ہے کہ گوشت کو صدقہ کرے اور خود اس میں سے نہ کھائے اور اگر میت کی طرف سے تبرعاً قربانی کی تو اس کے لیے (گوشت) کھانا جائز ہے، اس لیے کہ یہ (قربانی) ذبح کرنے والے کی ملکیت پر واقع ہوئی اور ثواب میت کے لیے (واقع) ہوگا۔ اور اس لیے اگر ذبح کرنے والے پر ایک قربانی واجب ہو تو اس کی قربانی اس کی طرف سے ساقط ہو جائے گی، جیسا اس کی اجناس میں ہے۔

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لیکن اس کی طرف سے قربانی کے ساقط ہونے میں تأمل ہے۔

(علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: فتح القدیر میں صراحت ہے اس حج کے متعلق جو کسی دوسرے کی طرف سے اس کے حکم کے بغیر ادا کیا جائے تو حج فاعل (حج کرنے والے) کی طرف سے واقع ہوگا پس اس حج کی وجہ سے اس کی طرف سے فرض ساقط ہو جائے گا، اور دوسرے کے لیے ثواب ہوگا۔

(ردالمحتار علی الدار المختار، جلد 9 صفحہ 554 مکتبہ رشیدیہ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/07/25

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح:

استاذ العلماء جامعۃ المدینہ فیضان عطار نیپال گنج نیپال شیخ الحدیث مفتی وسیم مصباحی رضوی صاحب قبلہ

تصدیق وتصحیح: والمجیب مصیب

ابوالحسنین حکیم ومفتی محمد عارف محمود معطر القادری عطاری غفرلہ الباری

گوشت کے ممنوع اجزاء

استفتاء نمبر:166

حلال جانور کے گوشت کے کونسے اجزاء کھانا منع ہیں

سائل : عبداللہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اس حوالے سے ''فتاویٰ رضویہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

حلال جانور کے سب اجزاء حلال ہیں، مگر بعض کہ حرام یا ممنوع یا مکروہ ہیں (اور وہ 22 اجزاء ہیں جو کہ درج ذیل ہیں):

1— رگوں کا خون،

2— پِتّا،

3— پھُکنا

4(مثانہ)

5— علامات نر و مادہ،

6— بیضے (کپورے، فوطے)

7— غدود (گردن پر، حلق میں اور بعض جگہ چربی وغیرہ میں چھوٹی بڑی، کہیں سرخ کہیں مٹیالے رنگ کی گول گول گانٹھیں ہوتی ہیں)

8— حرام مغز (یہ سفید ڈورے کی طرح ہوتا ہے جو کہ بھیجے سے شروع ہو کر گردن کے اندر سے گزرتا ہوا پوری ریڑھ کی ہڈی میں آخر تک جاتا ہے)

9— گردن کے دو پٹّھے (جو گردن کی مضبوطی کیلیے گردن کی دونوں طرف پیلے کلر کے لمبے لمبے دو پٹھے) کہ شانوں (کندھوں) تک کھنچے ہوتے ہیں .

10— جگر کا خون

11— تلی کا خون

،12— گوشت کا خون کہ بعدِ ذَبح گوشت میں سے نکلتا ہے

13۔ دل کا خون

14۔ پت یعنی وہ زرد (پیلا) پانی کہ پتے میں ہوتا ہے

15۔ ناک کی رطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے

16۔ پاخانہ کا مقام

17۔ اوجھڑی

18۔ آنتیں

19۔ نطفہ (وہ پانی جس سے بچہ بنتا ہے)

20۔ وہ نطفہ کہ خون ہوگیا

21۔ وہ (نطفہ) کہ گوشت کا لوتھڑا ہوگیا

22۔ وہ (نطفہ) کہ پورا جانور بن گیا اور مردہ نکلا یا بے ذبح مر گیا۔"

(فتوی رضویہ جلد 20 صفحہ 241,240 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

نوٹ: مذکورہ 22 اجزاء کے علاوہ باقی تمام اجزاء کا کھانا حلال ہے، شرعاً ان کے کھانے میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ کوئی کراہت ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/01/22

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

کافر کو قربانی کا گوشت دینا

استفتاء نمبر: 167

کیا کسی کافر کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے؟

سائل: اصغر علی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

کافر کی تین قسمیں ہیں:

1۔ ذمی

2۔ مستامن

3۔ حربی

پہلے ان تین قسموں کی تعریفات کو ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے بعد ان کو گوشت دینے کے متعلق حکم شرع کو بیان کریں گے:

ذمی کافر کی تعریف:

1۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

ذمی وہ کافر ہے کہ سلطنتِ اسلام میں مطیع الاسلام ہو کر رہے اور جزیہ دینا قبول کرے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 14، صفحہ 140 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

2۔ مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جس کے جان و مال کی حفاظت کا بادشاہِ اسلام نے جزیہ کے بدلے ذمہ لیا ہو۔

(فتاویٰ فیض الرسول، جلد اول صفحہ 501 شبیر برادرز لاہور)

مستامن کافر کی تعریف:

مستامن اس کافر کو کہتے ہیں جسے بادشاہ اسلام نے امان دی ہو۔

(فتاویٰ فیض الرسول جلد اول صفحہ 501 شبیر برادرز لاہور)

حربی کافر کی تعریف:

حربی اس کافر کو کہتے ہیں جسے نہ تو بادشاہ اسلام نے امان دی ہو اور نہ ہی جزیہ کے بدلے اس کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا ہو۔

(ماخوذ از فتاوی فیض الرسول جلد اول صفحہ 501 شبیر برادرز لاہور)

کفار کو قربانی کا گوشت دینے کے احکام:

ان میں سے صرف ذمی کافر کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے باقی مستامن اور حربی دونوں میں سے کسی کافر کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں ہے اور فی زمانہ چونکہ ذمی کافر کہیں بھی موجود نہیں ہیں لہذا اب کسی بھی کافر کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے کافر کو قربانی کا گوشت دے دیا تو وہ گنہگار ہوگا جس کی وجہ سے اسے توبہ کرنی پڑے گی مگر اس کی قربانی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا (یعنی قربانی ہو جائے گی)۔

دلائل:

1۔ چنانچہ سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

یہاں کے کافروں کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں، وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے (**والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات**) طیب چیزیں طیب لوگوں کے لئے اور طیب لوگ طیب چیزوں کے لئے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 6 صفحہ 457 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

2۔ فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قربانی کا گوشت کافر کو دینا شرعاً جائز نہیں اور دے دیا تو گنہگار ہے توبہ کرے قربانی ہو جائے گی یعنی کافر کو گوشت دینے کے سبب قربانی کا اعادہ کرنا واجب نہیں۔

(فتاوی فیض الرسول جلد 2 صفحہ 457 شبیر برادرز لاہور)

3۔ فقیہ ملت رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

کافر کی تین قسمیں ہیں: حربی، مستامن اور ذمی۔

اس میں صرف ذمی کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مصری صفحہ 264 میں یہ غیاثیہ سے ہے **یهب منها ماشاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی** اور ہمارا ملک ہندوستان اگرچہ دارالاسلام ہے، اس کو دارالحرب کہنا صحیح نہیں لیکن یہاں کے کفار یقیناً ذمی نہیں کیونکہ ذمی کے لئے بادشاہ اسلام کا ذمہ ضروری ہے۔

(فتاوی فیض الرسول جلد دوم صفحہ 463 شبیر برادر لاہور)

4—استاذِ محترم استاذ العلماء حضرت علامہ ابو احمد محمد صادق القادری مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

قربانی کا گوشت کافر خرابی کو نہ دے۔

(عیدالاضحیٰ کا تحفہ صفحہ 46 والضحیٰ پبلیکیشنز)

5—استاذِ محترم استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا ابو الفیضان عرفان احمد مدنی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں :

قربانی کا گوشت کافر کو دینا جائز نہیں ہے۔

(قربانی کے احکام صفحہ 182 والضحیٰ پبلیکیشنز)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو سید عبید رضا مدنی

2019/08/22

تصدیق وتصحیح:

آپ کے استفتاء 167 کا جواب بالکل درست ہے اور بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

ابو الحسنین حکیم ومفتی محمد عارف محمود معطر القادری عطاری غفرلہ الباری

بانگ دینے والی مرغی کو ذبح کرنا

استفتاء نمبر:168

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو مرغی بانگ دیدے تو اس کو فوراً ذبح کر دینا چاہیے تو کیا جو مرغی بانگ دیدے اس کو فوراً ذبح کرنا ضروری ہو جاتا ہے؟

سائل : محمد طلحہ شاہ عیسیٰ خیل

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب اللھم ھدایة الحق و الصواب

جو مرغی بانگ دیدے تو نہ شریعت نے اس مرغی کو فوراً ذبح کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ کسی بزرگ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے،لہذا مرغی کے مالک کی مرضی ہے چاہے تو اسے ذبح کر دے اور چاہے تو ذبح نہ کرے بلکہ بہتر ہے کہ لوگوں کے اس جاہلانہ خیال

کورد کرنے کے لئے اسے فوراً ذبح نہ کرے۔

چنانچہ مفتی اعظم ہند علامہ محمد مصطفیٰ رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فی الواقع نہ اس (ہر روز بانگ دینے والی) مرغی کو ذبح کرنا چاہیے، نہ ان پیڑوں (یعنی گھر میں موجود مہدی اور انار کے درختوں) کو (گھر سے) دور کرنا چاہیے، اس کا نہ حکم شرع سے ہے نہ بزرگوں کا ارشاد ہے، معلوم نہیں عوام سے کس عورت یا کس جاہل مرد کی یہ ایجاد ہے۔

(فتاویٰ مفتی اعظم جلد 5 صفحہ 209 ناشر اکبر بک سیلرز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/09

تصدیق و تصحیح:

2—الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

2—الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

مرنے کے بعد عقیقہ

استفتاء نمبر:169

کیا مرنے کے بعد عقیقہ کیا جاسکتا ہے؟

سائل: ریاست علی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوہاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

عقیقہ بچے کی پیدائش کی نعمت کے شکرانے کے طور پر کیا جاتا ہے تو بچے کے مرنے سے نعمت باقی نہ رہی لہٰذا عقیقہ کے محل کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے بچے کے مرنے کے بعد عقیقہ نہیں کیا جائے گا۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عقیقہ بعدِ موتِ پسر (یعنی بیٹے کی موت کے بعد) نہیں، کہ وہ (یعنی عقیقہ) شکرِ ولادت ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 20 صفحہ 593 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید ایک اور مقام پر اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

مردہ کی طرف سے قربانی بلاشبہ جائز ہے اور عقیقہ شکرِ نعمت ہے، بعدِ زوالِ نعمت اس کا محل نہیں، ولہذا اموات بلکہ ان کی طرف سے جواب تک پیدا نہ ہوئے قربانی ثابت ہے۔ اور عقیقہ بعدِ موت کہیں ثابت نہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 20 صفحہ 592 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اس حوالے سے مزید تحریر فرماتے ہیں:

جو مر جائے، کسی عمر کا ہو اس کا عقیقہ نہیں ہوسکتا، بچّہ اگر ساتویں دن سے پہلے ہی مر گیا تو اُس کا عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اُس کی شَفاعت وغیرہ پر نہیں کہ وہ وقتِ عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا، عقیقے کا وَقْت شریعت میں ساتواں دن ہے۔ جو بچّہ قبلِ بُلوغ (یعنی بالغ ہونے سے پہلے) مر گیا اور اُس کا عقیقہ کر دیا تھا، یا عقیقے کی استِطاعت (طاقت) نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مر گیا، ان سب صورَتوں میں وہ ماں باپ کی شَفاعت کرے گا جبکہ یہ (یعنی ماں باپ) دنیا سے باایمان گئے ہوں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 20 صفحہ 596، 597 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

بچہ پیدا ہونے کے شکریہ میں جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کو عقیقہ کہتے ہیں۔

(بہارِ شریعت جلد 3 حصہ 15 صفحہ 355 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/06/02

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

طوطا حلال ہے یا حرام

استفتاء نمبر:170

طوطا حلال ہے یا حرام؟

سائل: یونس مدنی اوکاڑہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

طوطا اگر چہ پنجے والا پرندہ ہے مگر ان پرندوں میں سے نہیں ہے جو پنجے سے شکار کر کے کھاتے ہیں، اس لیے حلال ہے کیونکہ فقط پنجے والا ہونا حرام ہونے کا سبب نہیں ہے۔

1— چنانچہ مخدوم علامہ ہاشم بن عبدالغفور ٹھٹوی سندھی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اما الطوطی فقد قال فی الصيدية الفارسية لشيخ الاسلام الهروی فی ترجمة لفظ الببغاء که طوطی بمذهب امام ابوحنيفه کوفی حلال است، ودر مذهب شافعی دو روایت است. انتهی

یعنی بہر حال طوطی تو تحقیق شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الصیدیہ الفارسیہ" میں لفظِ ببغاء کے ترجمہ میں فرمایا کہ:

امام ابوحنفیہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں طوطی کا کھانا حلال ہے اور شافعی کے مذہب میں (اس کے متعلق) دو روایتیں ہیں (ان کا کلام ختم ہوا)۔

(فاکھۃ البستان صفحہ 162 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

2— ملک العلماء امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ويؤكل القمری والخطاف والطاوس والنعام والببغاء

یعنی قمری، ابابیل کی مانند ایک پرندہ، مور، شترمرغ اور طوطا کھایا جائے گا۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد 4 صفحہ 146)

3۔ مفتی محمد نور اللہ نعیمی بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''طوطا حلال ہے''

قرآن کریم میں ہے:

خلق لکم فی الارض جمیعا

اور یہی احادیثِ شریفہ اور قواعد وضوابطِ شرعیہ سے ثابت ہے اور پھر اس کی صاف صاف تصریح ہے میزان شعرانی جلد 2 صفحہ 62 اور رحمۃ الامہ جلد اول صفحہ 171 میں ہے ''و الببغاء'' یعنی طوطا حلال ہے۔

فتاوی برہنہ جلد 2 صفحہ 152 میں ہے:

وہمچنیں طوطا وعلیہ الفتوی

(یعنی اور اسی طرح طوطی کھانے میں ڈر نہیں ہے اور اس طوطی کے حلال ہونے پر فتوی ہے)

(فتاوی نوریہ جلد 3 صفحہ 415,416 دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور اوکاڑہ)

4۔ میزان الشعرانی اور رحمۃ الامہ میں ہے:

والنظم منہ ومن ذلك قول الائمۃ الثلاثۃ فی المشهور عنهم انه لا كراهۃ فيما نهى عن قتله كالخطاف والببغاء والطاؤس ملخصاً

یعنی ائمہ ثلاثہ (امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم) کے اتفاقی اقوال سے ان کا مشہور قول ہے کہ جن جانوروں کے قتل سے روکا گیا ہے ان کے کھانے میں کسی قسم کی کراہت نہیں، جس طرح ابابیل، طوطا اور مور ہیں۔

(میزان الشعرانی جلد دوم صفحہ 62, رحمۃ الامہ جلد اول صفحہ 171)

نوٹ: بعض لوگ طوطے کو حرام کہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ پنجے سے پکڑ کر کھاتا ہے لہذا یہ ''ذی مخلب'' (پنجے والا) ہوا اور ذی مخلب حرام ہوتا ہے۔ لیکن ان کی یہ بات اور دلیل درست نہیں کیونکہ وہ ذی مخلب حرام ہوتا ہے جو پنجے سے شکار کر کے کھائے، ہر ذی مخلب حرام نہیں ہوتا اور طوطا اگرچہ ذی مخلب (پنجے والا) ہے اور پنجے سے پکڑ کر کھاتا ہے مگر پنجے سے شکار کر کے نہیں کھاتا لہذا طوطا حلال ہے۔

چنانچہ مخدوم علامہ ہاشم بن عبد الغفور ٹھٹوی سندھی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

والمراد بذی الناب ما يصيد بنابه وبذی المخلب ما يصيد بمخلبه لا كل ماله ناب و

مخلب

یعنی ذی ناب کیلے والے (یعنی نوکیلے دانتوں والے) سے مراد وہ جانور ہے جو اپنے کیلے (یعنی نوکیلے دانتوں) سے شکار کرے، اور ذی مخلب (یعنی پنجے والے) سے مراد وہ ہے جو پنجے سے شکار کرے، ہر کیلے یعنی نوکیلے دانتوں والا اور پنجے والا مراد نہیں ہے (یعنی ہر نوکیلے دانتوں والا اور ہر پنجے والا حرام نہیں ہے).

(فاکہۃ البستان صفحہ 120 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/08/21

تصدیق وتصحیح:

آپ کے استفتاء 170 کا جواب بالکل درست ہے اور بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

ابو الحسنین محمد عارف محمود معطر القادری عطاری غفر لہ الباری

مور کھانے کا شرعی حکم

استفتاء نمبر: 171

کیا مور کھانا حلال ہے؟

سائل: عبد الرحمن

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

جی ہاں! مور کھانا بالکل حلال ہے۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

و لابأس باكل الطاؤوس، و عن الشعبی يكره اشد الكراهة و بالاول يفتى كذا فى الفتاوى الحامديه

یعنی مور کھانے میں حرج نہیں ہے اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ مور کھانے کو بہت سخت مکروہ قرار دیتے

تھے اور پہلے قول پر (مور کے حلال ہونے پر) فتویٰ دیا جاتا ہے، ایسے ہی فتاوی حامدیہ میں ہے ۔

(فتاویٰ عالمگیری جلد 5 صفحہ 358 قدیمی کتب خانہ کراچی)

اسی طرح میزان الشعرانی اورفتاوی برہنہ میں بھی مور کھانے کو حلال لکھا گیا ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/03/02

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

تیتر کھانے کا شرعی حکم

استفتاء نمبر:172

کیا تیتر کا کھانا جائز ہے؟

سائل : نورعالم

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملک الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

تیتر حلال پرندہ ہے لہذا اس کا کھانا بالکل جائز ہے، اس لئے کہ پرندوں کے حلال یا حرام ہونے کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ پرندہ جس کے پنجے ہوں اور وہ اُن پنجوں سے شکار بھی کرتا ہو تو وہ پرندہ حرام ہوگا اور جس کے پنجے ہی نہ ہوں یا پنجے تو ہوں لیکن وہ اُن سے شکار نہ کرتا ہو تو وہ پرندہ حلال ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن کل ذی ناب من السباع و عن کل ذی مخلب من الطیر

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہر نوکیلے دانت والے درندے اور پنجے والے پرندے سے منع فرمایا ہے۔
(صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 147 مطبوعہ کراچی)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

(لا یجوز اکل کل ذی ناب من السباع ولا ذی مخلب من الطیر) المراد من ذی الناب ان یکون لہ ناب یصطادبہ و کذا من ذی المخلب

(ہر نوکیلے دانت والے درندوں اور پنجوں والے پرندوں کا کھانا جائز نہیں ہے) اور نوکیلے دانتوں سے مراد یہ کہ اُس کے ایسے نوکیلے دانت ہوں جن سے وہ شکار کرتا ہو اور اسی طرح پنجوں سے مراد ہے (کہ اُن سے وہ پرندہ شکار کرتا ہو)۔
(الجوہرۃ النیرۃ شرح مختصر القدروی جلد 2 صفحہ 443 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

علامہ مخدوم ہاشم بن عبدالغفور ٹھٹوی سندھی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

والمراد بذی الناب مایصید بنابہ وبذی المخلب مایصید بمخلبہ لا کل مالہ ناب و مخلب

یعنی ذی ناب کیلے والے (یعنی نوکیلے دانتوں والے) سے مراد وہ جانور ہے جو اپنے کیلے (یعنی نوکیلے دانتوں) سے شکار کرے، اور ذی مخلب (یعنی پنجے والے) سے مراد وہ ہے جو پنجے سے شکار کرے، ہر کیلے یعنی نوکیلے دانتوں والا اور پنجے والا مراد نہیں ہے (یعنی ہر نوکیلے دانتوں والا اور ہر پنجے والا حرام نہیں ہے)۔
(فاکہۃ البستان صفحہ 120 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

علامہ کمال الدین دمیری رحمۃ اللہ علیہ "تیتر" کا حکم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حکمہ الحل لانہ اما من الحمام او القطا وھما حلالان

یعنی تیتر حلال پرندہ ہے، اس لئے کہ یا تو یہ کبوتر میں سے ہے یا قطا (کبوتر کے برابر ایک پرندے) کی نسل سے ہے اور یہ دونوں حلال ہیں۔

(حیات الحیوان جلد 2 صفحہ 466 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/05/08

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

گھوڑے کے گوشت کو کھانے کا شرعی حکم

استفتاء نمبر: 173

گھوڑے کا گوشت کو کھانے کا کیا حکم ہے؟

سائلہ: بنتِ محمد علی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق و الصواب

گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہِ تحریمی اور ناجائز و گناہ ہے۔

چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم نهى عن لحوم الخيل

یعنی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے گھوڑے کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن نسائی، کتاب الصید والذبائح، (30)۔تحریم اکل لحوم الخیل، صفحہ 705، رقم الحدیث 4338: ، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

(سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، باب لحوم البغال، صفحہ 521، رقم الحدیث 3198: ، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

(شرح معانی الآثار جلد 3 صفحہ 517 مطبوعہ کراچی)

امام ابو الحسن احمد بن محمد بن احمد قدروی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ويكره اكل لحم الفرس عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى

یعنی اور گھوڑے کا گوشت کھانا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

(المختصر للقدوری صفحہ 415 مکتبہ امام احمد رضا)

شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی بن ابو بکر فرغانی مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

يكره لحم الفرس عند أبي حنيفة رحمة الله عليه وهو قول مالك

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے، اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔
(الہدایہ جلد 4 صفحہ 440 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و مبنى إختلاف المشائخ في قول أبي حنيفة على اختلاف اللفظ المروى عنه فانه روى عنه رخص بعض العلماء في لحم الخيل فأما أنا فلا يعجبني أكله وهذا يلوح الى التنزيه. وروى عنه أنه قال أكرهه وهو يدل على التحريم على ما روينا عن أبو يوسف

یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول میں مشائخ کے اختلاف کی بنیاد آپ رضی اللہ عنہ سے منقول لفظ کے اختلاف پر ہے، ان سے ایک روایت یوں ہے کہ بعض علماء نے گھوڑے کے گوشت میں اجازت دی ہے، پس میں اس کے کھانے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ قول تو مکروہِ تنزیہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور امام صاحب سے دوسری روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں اسے مکروہ قرار دیتا ہوں۔ یہ قول مکروہِ تحریمی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ ہم نے امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(فتح القدیر، جلد 8، صفحہ 122، النوریہ رضویہ سکھر)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

يكره لحم الخيل في قول أبي حنيفة خلافا لصاحبيه و اختلف المشائخ في تفسير الكراهة و الصحيح انه أراد بها التحريم و لبنه كلحمه و قال الامام السرخي ما قاله ابو حنيفه رحمه الله تعالى أحوط و ما قالا أوسع

یعنی امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق گھوڑی کا گوشت مکروہ ہے۔ لیکن ان کے صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ مشائخ نے کراہت میں اختلاف کیا ہے، صحیح یہ ہے کہ ان کے نزدیک کراہت تحریمہ مراد ہے اور گھوڑی کا دودھ اس کے گوشت کی طرح ہے، امام سرخسی نے کہا، ابوحنیفہ کی بات میں زیادہ احتیاط ہے اور صاحبین (ابو یوسف و امام محمد) کی بات میں گنجائش و وسعت زیادہ ہے۔

(فتاوی عالمگیری جلد 5 صفحہ 290 دار الفکر بیروت)

امام علاء الدین بن ابوبکر بن سعود کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وأما لحم الخيل فقد قال أبو حنيفة رضي الله عنه :يكره

یعنی اور بہر حال گھوڑے کا گوشت تو تحقیق امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: (گھوڑے کا گوشت کھانا) مکروہ ہے۔

(بدائع الصنائع جلد 4 صفحہ 149 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اور ہمارے امام اعظم علیہ الرضوان کے مذہب میں گھوڑا مکروہ تحریمی ہے یعنی قریب بحرام۔

(فتاوی رضویہ جلد 20 صفحہ 312 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

صاحبین کے نزدیک حلال ہے، اور امام مکروہ فرماتے ہیں، قولِ امام پر فتوی ہوا کہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی، اور اصح وراجح کراہت تحریم ہے۔

صححه الإمام قاضی خان فی فتاواہ، وقد قالوا انه فقیه النفس ولا یعدل عن تصحیحه

(فتاوی رضویہ جلد 20 صفحہ 310 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلی اللہ علیه وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/23

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

کیکڑا کھانے کا شرعی حکم

استفتاء نمبر: 174

کیکڑا کھانا کیسا ہے؟

سائلہ :بنتِ خورشید عالم کراچی

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملک الوھّاب،اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

چونکہ کیکڑا مچھلی نہیں بلکہ ایک قسم کا کیڑا ہے لہذا اس کا کھانا حرام ہے کیونکہ احناف کے نزدیک مچھلی کے سوا دریا کا ہر جانور حرام ہے اور طافی مچھلی یعنی جو مچھلی بغیر کسی ظاہری سبب کے خود بخود مر کر پانی میں اُلٹی تیر جائے تو وہ بھی حرام ہے۔

چنانچہ ملک العلماء امام علاء الدین ابوبکر بن سعود کاسانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

فجمیع ما فی البحر من الحیوان محرم الاکل الا السمک خاصۃ فانہ یحل اکلہ الا ما طفا منہ، وھذا قول اصحابنا رضی اللہ تعالیٰ عنھم

ویحرم علیھم الخبائث"

(الأعراف 157 :)

والضفدع والسرطان والحیۃ ونحوھا من الخبائث

یعنی وہ تمام حیوان جو سمندر میں رہتے ہیں، ان کا کھانا حرام ہے سوائے مچھلی کے خصوصی طور پر پس اس کا کھانا حلال ہے مگر جو اس میں سے خود بخود مر کر پانی کی سطح پر تیر پڑے (تو وہ حرام ہے) اور یہ ہمارے اصحابِ (احناف) رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا قول ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے:

ویحرم علیھم الخبائث

ترجمہ:اور وہ خبائث (گندی چیزیں) ان پر حرام فرمائے گا، اور مینڈک، کیکڑا اور سانپ وغیرہ خبائث (گندی چیزوں) میں سے ہیں۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد 4 صفحہ 144 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

سرطان (یعنی کیکڑا) کھانا حرام ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 24 صفحہ 208 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

پانی کے جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے۔ جو مچھلی پانی میں مر کر تیر گئی یعنی جو بغیر مارے اپنے آپ مر کر پانی کی سطح پر اولٹ گئی

وہ حرام ہے، مچھلی کو مارا اور وہ مر کر اولٹی تیرنے لگی، یہ حرام نہیں۔

پانی کی گرمی یا سردی سے مچھلی مرگئی یا مچھلی کو ڈورے میں باندھ کر پانی میں ڈال دیا اور مرگئی یا جال میں پھنس کر مرگئی یا پانی میں کوئی ایسی چیز ڈال دی جس سے مچھلیاں مرگئیں اور یہ معلوم ہے کہ اوس چیز کے ڈالنے سے مریں یا گھڑے یا گڑھے میں مچھلی پکڑ کر ڈال دی اور اوس میں پانی تھوڑا تھا اس وجہ سے یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے مرگئی ان سب صورتوں میں وہ مری ہوئی مچھلی حلال ہے۔"

(بہار شریعت جلد 3 صفحہ 324، 325 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/09/22

تصدیق وتصحیح:

1—الجواب صحیح،

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

2—الجواب صحیح،

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعیۃ اشاعۃ اہل السنۃ (پاکستان) کراتشی

جھینگا حلال ہے یا حرام

استفتاء نمبر:175

جھینگا کھانا حلال ہے یا حرام؟

سائل: ابوطیب محمد ابراہیم عطاری ایڈمن فیضانِ اعلیٰ حضرت لائبریری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

سمندر اور دریا کے تمام جانور سوائے مچھلی کے احناف کے نزدیک حرام ہیں، صرف مچھلی حلال ہے۔

اب جھینگا کے مچھلی ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف کی بناء پر جھینگے کے حلال یا حرام ہونے میں بھی علماء کرام کا اختلاف ہو گیا، جن علماء کرام کے نزدیک جھینگا مچھلی کی قسم سے ہے، ان کے نزدیک اس کا کھانا بالکل حلال ہے اور جن علماء کرام کے نزدیک جھینگا

مچھلی کی قسم سے نہیں ہے، ان کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے، بہر حال جب کسی چیز میں علماء کرام کا اختلاف ہو جائے تو اس سے بچنا بہتر ہوتا ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حمادیہ میں علماء کے دونوں قول نقل کئے ہیں، کہ بعض حرام کہتے ہیں اور بعض حلال۔

حیث قال الدود الذی یقال له جهینگه عند بعض العلماء لانه لایشبه السمك، وانما یباح عندنا من صید البحر انواع السمك، وهذا لایکون کذلك، وقال بعضهم حلال لانه یسمی باسم السمك

یعنی جہاں انھوں نے کہا کہ وہ کیڑا جسے جھینگا کہا جاتا ہے بعض کے نزدیک حرام ہے کیونکہ وہ مچھلی کے مشابہ نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک سمندری شکار میں مچھلی کی اقسام ہی مباح ہیں، اور جھینگا ان میں سے نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا یہ حلال ہے کیونکہ اس کا نام مچھلی ہے۔

اقول! (میں کہتا ہوں یعنی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں):

عبارتِ حمادیہ سے ظاہر یہی ہے کہ ان کے نزدیک قولِ حرمت ہی مختار ہے کہ اسی کو تقدیم دی (یعنی پہلے ذکر کیا) والتقدیم اٰیة التقدیم (یعنی پہلے ذکر کرنا مقدم بنانے کی علامت ہے) اور جھینگے کو "دود" یعنی کیڑا کہا اور کیڑے حرام ہیں، اور اہلِ حلت کی طرف سے دلیل میں یہ نہ کہا وہ مچھلی ہے بلکہ یہ کہ اس پر مچھلی کا نام بولا جاتا ہے۔

تحقیقِ مقام یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور مطلق حرام ہیں، تو جن کے خیال میں جھینگا مچھلی کی قسم سے نہیں ان کے نزدیک حرام ہوا ہی چاہیئے مگر فقیر نے کتب لغت و کتب طب و کتبِ علم حیوان میں بالاتفاق اسی کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے۔

قاموس میں ہے:

الاربیان بالکسر سمك کالدود

اربیان کسرہ کے ساتھ، کیڑے کی طرح مچھلی ہے۔

مگر فقیر (سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ) نے "جواہر الاخلاطری" میں تصریح دیکھی ہے کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے۔

حیث قال السمك الصغار کلها مکروهة کراۃ التحریم هو الاصح

کہ چھوٹی تمام مچھلیاں مکروہ تحریمہ ہیں یہی صحیح ہے۔

جھینگے کی صورت تمام مچھلیوں سے بالکل جدا اور کنگھجے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے۔ اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے ماہی سقنقور، حالانکہ وہ ناکے کا بچہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی میں پیدا ہوتا ہے۔ اور ریگ ماہی کہ قطعاً حشرات الارض اور ہمارے ائمہ سے حلتِ روبیان میں کوئی نہی معلوم نہیں، اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے ہی چھوٹے ہیں جن پر "جواھر اخلاطی" کی وہ تصحیح وارد ہوگی، بہر حال ایسے شبہہ واختلاف سے بے ضرورت بچنا ہی چاہئے۔

(ملخصاً فتاوی رضویہ جلد 20 صفحہ 334 تا 339 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

المختصر جھینگا کھانا جائز ہے مگر بچنا بہتر ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/11/10

تصدیق و تصحیح:

1۔ الجواب صحیح،

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

جانور کا چمڑا کھانا

استفتاء نمبر: 176

کیا جانور کا چمڑا (یعنی کھال) کھانا جائز ہے؟

سائل: محمد امین مدنی وہاڑی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

جی ہاں! شرعی طریقہ سے ذبح کیے گئے حلال جانور کا چمڑا کھانا بالکل جائز ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یکرہ من الشاۃ سبعا المرارۃ و المثانۃ و الحیاء و الذکر و الانثیین و الغدۃ و الدم

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کی سات چیزوں کو ناپسند فرماتے تھے :

1 — مثانہ 2، — پتہ، 3 — شرم گاہ، 4 — ذکر (نر کی شرم گاہ)، 5 — خصیے، 6 — غدود، 7 — خون

(المعجم الاوسط، جلد 10، صفحہ 217، رقم الحدیث 9486 : مکتبہ المعارف ریاض)

درمختار میں ہے :

اذا ما ذکیت شاۃ فَکُلْھَا سوی سبع ففیھن الوبال فحاء ثم خاء ثم غین و دال ثم میمان وذال

یعنی جب بکری ذبح کی جائے تو اس کو کھاؤ سوائے ان سات (7) کہ چیزوں کے جن میں وبال ہے اور وہ سات چیزیں یہ ہیں : حاء (شرمگاہ) پھر خاء (خصیے) پھر غین (غدود) اور دال (ذبح کے وقت بہنے والا خون) پھر دو میم (پتہ اور مثانہ) اور ذال (ذکر یعنی شرمگاہ).

(درمختار مسائل شتی جلد 2 صفحہ 349 مطبوعہ مجتبائی دہلی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

مذبوح حلال جانور کی کھال بے شک حلال ہے شرعاً اس کا کھانا ممنوع نہیں، اگرچہ گائے، بھینس، بکری کی کھال کھانے کے قابل نہیں ہوتی۔

(فتاوی رضویہ جلد 20 صفحہ 233 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/08

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

کیالالی حلال ہے

استفتاء نمبر: 177

کیالالی (یعنی مینہ) حلال پرندہ ہے؟

سائل: نعیم عطاری شہر بلوٹ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

جی ہاں! لالی (یعنی مینہ) حلال پرندہ ہے چاہے اس کی چونچ لال ہو یا پیلی ہو، اس لئے کہ پرندوں کے حلال یا حرام ہونے کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ پرندہ جس کے پنجے ہوں اور وہ اُن پنجوں سے شکار بھی کرتا ہو تو وہ پرندہ حرام ہوگا اور جس کے پنجے ہی نہ ہوں یا پنجے تو ہوں لیکن وہ اُن سے شکار نہ کرتا ہو تو وہ پرندہ حلال ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

نَهَى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَعَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام کچلیوں والے درندوں اور ناخنوں والے پرندوں کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 147، رقم الحدیث 1934: مطبوعہ کراچی، مسند احمد بن حنبل، 244: 1، رقم الحدیث 2192: سنن ابوداود، 355: 3، رقم الحدیث 3803:)

(سنن ابن ماجہ، 1077: 2، رقم الحدیث 3234: صحیح ابن حبان، 84: 12، رقم الحدیث 5280:)

الجوهرة النيرة میں ہے:

(لايجوز اكل كل ذی ناب من السباع ولا ذی مخلب من الطير) المراد من ذی الناب ان يكون له ناب يصطاد به و كذا من ذی المخلب

(ہر نوکیلے دانت والے درندوں اور پنجوں والے پرندوں کا کھانا جائز نہیں ہے) اور نوکیلے دانتوں سے مراد یہ کہ اُس کے ایسے

نوکیلے دانت ہوں جن سے وہ شکار کرتا ہو اور اسی طرح پنجوں سے مراد ہے (کہ اُن سے وہ پرندہ شکار کرتا ہو)۔

(الجوھرۃ النیرۃ شرح مختصر القدوری جلد 2 صفحہ 443 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

علامہ مخدوم ہاشم بن عبد الغفور ٹھٹوی سندھی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

والمراد بذی الناب مایصید بنابه وبذی المخلب مایصید بمخلبه لا کل ماله ناب و مخلب

یعنی ذی ناب کیلے والے (یعنی نوکیلے دانتوں والے) سے مراد وہ جانور ہے جو اپنے کیلے (یعنی نوکیلے دانتوں) سے شکار کرے، اور ذی مخلب (یعنی پنجے والے) سے مراد وہ ہے جو پنجے سے شکار کرے، ہر کیلے یعنی نوکیلے دانتوں والا اور پنجے والا مراد نہیں ہے (یعنی ہر نوکیلے دانتوں والا اور ہر پنجے والا حرام نہیں ہے)۔

(فاکھۃ البستان صفحہ 120 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

فقیہ اعظم مفتی محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

پرندوں کے بارے میں ایک استقرائی قاعدہ یہ بھی ہے کہ جن کی چونچ مڑی ہوئی ہے، طوطے کے سوا سب حرام ہیں، جیسے باز وغیرہ اور جن کی چونچ سیدھی ہے، وہ کوے کے بغیر سب کے سب حلال ہیں، جیسے کبوتر، فاختہ، گیری، لالی، تلیر وغیرہ۔

(فتاوی نوریہ جلد 3 صفحہ 381 دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور اوکاڑہ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/08/09

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح، والجواب مصیب

مفتی و حکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

کتاب الحظر والاباحت

(جائز اور ناجائز چیزوں کا بیان)

بچوں کے ماتھے، گال یا ٹھوڑی پر سرمہ سے نقطہ نما کالا نشان بنانا

استفتاء نمبر: 178

بچوں کے ماتھے، گال یا ٹھوڑی پر سُرمے اور کاجل وغیرہ سے نقطہ نما کالا نشان لگانا کیسا ہے؟

سائل: محمد جنید رضا عطاری عیسیٰ خیل

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق والصواب

بچوں کے ماتھے، گال یا ٹھوڑی پر سرمے اور کاجل وغیرہ سے نقطہ نما کالا نشان لگانا بالکل جائز ہے بلکہ لگانا چاہیے کہ اس کے ذریعے بچوں کی نظرِ بد سے حفاظت ہوتی ہے اور نظرِ بد سے بچانے کے لئے ٹھوڑی میں کالا نقطہ لگوانا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

چنانچہ علامہ علی بن سلطان محمد قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فی شرح السنة روی ان عثمان رضی الله عنه رأی صبیاً ملیحا فقال دسموا نونته کیلا تصیبه العین

یعنی شرح السنّۃ میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک خوبصورت بچہ دیکھا تو فرمایا:

اس کی ٹھوڑی میں سیاہ نقطہ یا ٹیکہ لگا دو تا کہ نظر نہ لگے۔

(مرقاۃ المفاتیح جلد 8 صفحہ 305 تحت الحدیث 4531:)

شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

نظر سے بچنے کے لیے ماتھے یا ٹھوڑی وغیرہ میں کاجل وغیرہ سے دھبہ لگا دینا یا کھیتوں میں کسی لکڑی میں کپڑا لپیٹ کر گاڑ دینا تا کہ دیکھنے والے کی نظر پہلے اس پر پڑے اور بچوں اور کھیتی کو کسی کی نظر نہ لگے ایسا کرنا منع نہیں ہے کیونکہ نظر کا لگنا حدیثوں سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

جب اپنی یا کسی مسلمان کی کوئی چیز دیکھے اور وہ اچھی لگے اور پسند آجائے تو فوراً یہ دعا پڑھے:

تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، جلد 9 صفحہ 601 دار المعرفۃ بیروت)

یا اردو میں یہ کہہ دے کہ:

"اللہ برکت دے" اس طرح کہنے سے نظر نہیں لگے گی۔

(جنتی زیور صفحہ 411، 412 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/01/15

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح

عبدہ محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور، جمعۃ اشاعۃ اہل السنۃ (باکستان) کراتشی

عورت کا واش روم جانے کے لیے مردانہ جوتا پہننا

استفتاء نمبر: 179

کیا عورت گھر کے واش روم میں جانے کے لیے مردانہ جوتا پہن سکتی ہے؟

سائلہ: ام عمارہ عطاریہ عیسیٰ خیل

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

عموماً گھر کے واش روم میں مردانہ جوتا رکھ دیا جاتا ہے جسے پہن کر مرد وعورت واش روم میں جاتے ہیں حالانکہ عورت کے لئے مردانہ جوتا پہننا ناجائز و گناہ ہے چاہے گھر سے باہر پہنے یا گھر میں پہنے، ویسے پہنے یا واش روم میں جانے کے لیے پہنے اور ایسی عورت پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

چنانچہ ابن ابوملیکہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی گئی کہ ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لَعَنَ رسولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم الرَّجلَۃَ مِنَ النِّسَاءِ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردانی وضع کی عورت پر لعنت فرمائی ہے ۔

(سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء، جلد 4 صفحہ 105، مطبوعہ بیروت)

اور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مرد کو عورت، عورت کو مرد سے کسی لباس، وضع، چال ڈھال میں بھی تشبہ حرام نہ کہ خاص صورت و بدن میں۔

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 664 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

نوٹ: اس کا بہتر حل یہ ہے کہ وہ جوتا واش میں رکھ دیا جائے جو مرد و عورت دونوں کیلیے یکساں استعمال ہوتا ہے اور ایسے جوتے مارکیٹ سے بآسانی مل جاتے ہیں اور اگر ایسا جوتا نہ ملے تو پھر مرد کیلیے مردانہ اور عورت کے لیے زنانہ جوتا رکھنا ضروری ہوگا۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/01/16

تصدیق و تصحیح:

استفتاء نمبر 179 کا جواب بالکل درست ہے .

ابو الحسنین حکیم و مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

دوسرے سے ملاقات کے وقت اپنا ہاتھ چومنا

استفتاء نمبر:180

کسی دوسرے سے ملاقات کرتے وقت اپنا ہاتھ چوم لینا کیسا ہے؟

سائل: عبدالرشید قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

کسی دوسرے سے ملاقات کرتے وقت اپنا ہاتھ چومنا مکروہِ تحریمی اور ناجائز و گناہ ہے، البتہ اگر دوسرے سے مصافحہ کرنے کے بعد حصولِ برکت کے لیے اپنا ہاتھ چوم لیا تو جائز ہے بشرطیکہ جس سے مصافحہ کیا ہو وہ ان ہستیوں میں سے ہو جن سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔

چنانچہ تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(و) كذا ما يفعله الجهال من (تقبيل يد نفسه اذا لقي غيره) فهو (مكروه) فلا رخصة فيه

یعنی اور ایسے ہی جو جاہل لوگ کرتے ہیں یعنی جب دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو اپنا ہاتھ چوم لیتے ہیں تو یہ مکروہ ہے، پس اس میں کوئی رخصت نہیں ہے۔

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شیخ شمس الدین تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "مکروہ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

اى تحريما، ويدل عليه قوله بعد" :فلا رخصة فيه

یعنی مکروہ سے مراد مکروہِ تحریمی ہے، اور اس پر علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا مابعد قول "فلا رخصة فيه" دلالت کرتا ہے۔

(ردالمحتار علی درمختار، کتاب الحضر والاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ، جلد 9 صفحہ 632 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

بعض لوگ مصافحہ کرنے کے بعد خود اپنا ہاتھ چوم لیا کرتے ہیں یہ مکروہ ہے، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

(بہار شریعت جلد 3 صفحہ 472 مکتبۃ المدینہ کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اما لو صافحه ثم قبل يد نفسه تبركا فلا وجه للمنع اذا كان من لقيه ممن يتبرك به

یعنی بہر حال اگر کسی سے مصافحہ کیا پھر برکت حاصل کرنے کیلیے اپنا ہاتھ چوم لیا تو ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے جبکہ جس سے ہاتھ ملائے وہ ان ہستیوں سے ہو جن سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔

(جدالممتار، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ، مقولہ 4683: ، جلد 7، صفحہ 65 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/05/06

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

ٹیٹوز بنوانے کا شرعی حکم

استفتاء نمبر: 181

جسم کے مختلف حصوں پر مثلاً بازوؤں پر یا کسی اور حصے پر ٹیٹوز (tattoos) بنوانا کیسا ہے (یعنی مشین سے جسم کے کسی حصے کو چیر کر پکا رنگ بھروانا، بعض لوگ نام لکھواتے ہیں جبکہ بعض لوگ مختلف ڈیزائن بنواتے ہیں) یہ سب کچھ کروانا کیسا ہے؟

سائل: غلام مجتبیٰ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جسم پر مختلف ڈیزائن کے ٹیٹوز بنوانا شدید ناجائز ومنع ہیں، اس میں اللہ پاک کی پیدا کی ہوئی چیز میں خلافِ شرع تبدیلی کرنا ہے اور اللہ پاک کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں خلافِ شرع تبدیلی کرنا ناجائز وحرام اور شیطانی کام ہے، لہذا اگر کسی شخص نے اپنے جسم پر اس طرح کے ڈیزائن بنوالیے یا نام لکھوالیا ہے تو اگر بغیر شدید تکلیف کے اسے ختم کرنا ممکن ہو تو توبہ اور اِسْتِغْفَار کے ساتھ ساتھ اس کو ختم کروانا لازم ہے، ورنہ صرف توبہ و اِستغفار کافی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنھما نے فرمایا:

لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والنامصات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ

کہ گودنے والیوں اور گدوانے والیوں، چہرے کے بال کونوچنے والیاں اور نچوانے والیاں اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کو کشادہ کرنے والیاں، جو اللہ پاک کی تخلیق کو بدلنے والیاں ہیں، (ان سب) پر اللہ پاک نے لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب اللباس والزینہ باب تحریم فعل الواصلہ جلد 2 صفحہ 205 قدیمی کتب خانہ کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ غالبا خون نکال کر اسے روک کر کیا جاتا ہے جیسے نیل گدوانا، اگر یہی صورت ہو تو اس کے ناجائز ہونے میں کلام نہیں اور جبکہ اس کا ازالہ (اس کو ختم کرنا، دور کرنا) ناممکن ہے تو سوا توبہ اور استغفار کے کیا علاج ہے مولیٰ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 3 صفحہ 387 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

نوٹ: بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹیٹوز بنوانے کے بعد وضو اور غسل نہیں ہوتا حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ ٹیٹوز بنوانا اگرچہ ناجائز و گناہ ہے مگر وضو اور غسل کیلیے مانع نہیں ہے بلکہ وضو و غسل ہو جاتا ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/14

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

عام مٹی کو کھانے کا شرعی حکم

استفتاء نمبر: 182

عام مٹی کھانا کیسا ہے؟

سائلہ: ام عنایہ عطاریہ عیسیٰ خیل ضلع میانوالی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوہّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

اگر اتنی تھوڑی مقدار میں مٹی کھائی جائے جو نقصان کی حد تک نہ پہنچے تو کھانا جائز ہے، البتہ اگر مٹی کھانا نقصان کی حد تک پہنچے تو

مٹی کھانا ناجائز وحرام ہے کیونکہ یہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

أكل الطين مكروه. ذكر في فتاوى أبي الليث: ذكر شمس الأئمة الحلواني في شرح صومه: إذا كان يخاف على نفسه أنه لو أكله أورثه ذلك علة أو آفة لا يباح له التناول، وكذلك هذا في كل شيء سوى الطين، وإن كان يتناول منه قليلاً أو كان يفعل ذلك أحياناً لا بأس به، كذا في المحيط. الطين الذي يحمل من مكة ويسمى "طين أحمر" هل الكراهية فيه كالكراهة في أكل الطين على ما جاء في الحديث؛ قال: الكراهية في الجميع متحدة، كذا في جواهر الفتاوى. و سئل عن بعض الفقهاء عن أكل طين البخاري ونحوه؛ قال: لا بأس بذلك مالم يضر، و كراهية أكله لا للحرمة بل لتهييج الداء وعن ابن المبارك كان ابن ابي ليلى يرد الجارية من اكل الطين وسئل ابو القاسم عمن أكل الطين قال: ليس ذلك من عمل العقلاء كذا في الحاوي للفتاوي والمرأة اذا اعتادت اكل الطين تمنع من ذلك اذا كان يوجب نقصانا في جمالها كذا في المحيط

یعنی مٹی کھانا مکروہ (تحریمی) ہے یہ "فتاوی ابی اللیث" میں ہے، شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "شرح صوم" میں ذکر فرمایا ہے کہ: جب اس کو اپنی جان پر خوف ہو کہ اگر اس نے مٹی کھائی تو مٹی اس میں بیماری یا آفت پیدا کردے گی تو اس کے لئے مٹی کھانا جائز نہیں ہے، یہ حکم مٹی کے علاوہ ہر چیز میں ایسے ہی ہے، اور اگر وہ اس (مٹی) سے تھوڑا کھالیتا ہے یا وہ اسے کبھی کبھار کرتا ہے (یعنی کبھی کبھار تھوڑی سی کھالیتا ہے) تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسے ہی محیط میں ہے. وہ مٹی جسے مکہ مکرمہ سے اٹھا کر لایا جاتا ہے اور اسے "طین احمر" کہا جاتا ہے، کیا اس (کے کھانے) میں کراہت، اس کراہت کی طرح ہے جو مٹی کھانے کے متعلق حدیثِ مبارکہ میں آئی ہے؟ فرمایا: کراہت تمام میں برابر ہے، ایسے ہی "جواہر الفتاوی" میں ہے. اور بعض فقہائے کرام سے بخاری یا اس کی مثل مٹی کھانے کے بارے میں سوال کیا گیا؟ تو فرمایا: اس میں حرج نہیں ہے جب تک نقصان نہ پہنچائے، اور مٹی کو کھانے کی کراہت، اس کے حرام ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ بیماری ابھارنے کی وجہ سے ہے. اور ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ابن ابی لیلٰی رحمۃ اللہ علیہ مٹی کھانے کی وجہ سے (خریدی گئی) لونڈی (بیچنے والے) کو واپس کردیتے تھے اور ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا اس شخص کے بارے میں جو مٹی کھاتا ہے (تو جواباً) فرمایا: یہ (یعنی مٹی کھانا) عقل والوں کے کام میں سے نہیں، ایسے ہی "الحاوی للفتاوی" میں ہے، اور جب عورت مٹی کھانے کی عادی ہو تو اس کو اس سے روکا جائے گا

جب کہ مٹی کھانا اس کی خوبصورتی میں نقصان پیدا کر رہا ہو، ایسے ہی "محیط" میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر فی الکراہیۃ فی الأکل وما یتصل بہا، جلد 5، صفحہ 340، 341 دار الفکر)

اسی طرح فتاوی قاضی خان میں ہے:

ویکرہ أکل الطین لأن ذلك یضرہ فیصیر قاتلاً نفسه

یعنی مٹی کو کھانا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ یہ بندے کو نقصان پہنچاتی ہے، پس وہ اپنی جان کو قتل کرنے والا ہو جائے گا۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاوی الہندیہ جلد 3 صفحہ 403)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

گلِ خوردنی خالص سوندھی مٹی خوشبو خوش ذائقہ جسے طینِ خراسانی کہتے ہیں بعض حاملہ عورتیں اور پست طبیعت لوگ اسے کھاتے ہیں طباً مضر اور شرعاً حرام ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 3 صفحہ 643 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مٹی بھی حد ضرر تک کھانا حرام ہے۔ حالانکہ مٹی پاک بلکہ پاک کرنے والی ہے۔

(بہار شریعت جلد اول صفحہ 418 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/29

تصدیق وتصحیح:

1۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

2۔ یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

مکڑی کو مارنا کیسا ہے؟

استفتاء نمبر:183

کیا مکڑی کو مار سکتے ہیں؟

سائل ۷۷ : محمد سلیم سلطانی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

جو مکڑی حرم میں رہنے والی ہے اس کو مارنا منع ہے، جبکہ عام مکڑی کو مارنے کا حکم خود حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے دیا ہے لہٰذا اس کو مار سکتے ہیں کیونکہ گھر میں جتنی مکڑیاں زیادہ ہوں گی، اتنے زیادہ جالے بنیں گی اور گھروں میں مکڑی کے جالوں کا ہونا تنگدستی کا باعث ہوتا ہے.

چنانچہ علامہ سید عمر بن احمد آفندی حنفی رحمۃ اللہ علیہ "زبدہ" کے حوالے سے حدیثِ مبارکہ تحریر فرماتے ہیں :

نهى عليه السلام عن قتل العنكبوت والحمام الكائنين في الحرم

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکڑی اور کبوتر جو کہ حرم میں رہنے والے ہیں ان کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(عصیدۃ الشھدۃ شرح قصیدۃ البردۃ، صفحہ 196، مکتبۃ المدینہ کراچی)

اور عام مکڑی کے بارے میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ حکم فرمایا :

العنكبوت شيطان مسخه الله فاقتلوه

یعنی مکڑی شیطان ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے مسخ فرمایا ہے پس تم اسے قتل کر دیا کرو۔

(الجامع الصغیر، باب حرف العین، فصل فی المحلی رقم الحدیث 5739 :، جلد 2، صفحہ 353، عصیدۃ الشھدۃ، صفحہ 196، مکتبۃ المدینہ کراچی)

اور حضرت ثعلبی حضرت علی بن ابو طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا:

طهروا بيوتكم من نسج العنكبوت، فان تركه في البيوت يورث الفقر

یعنی اپنے گھروں کو مکڑی کے جالے سے پاک رکھو، پس بیشک (گھروں میں مکڑی کے) جالے کو چھوڑنا تنگدستی کو پیدا کرتا ہے.

(فیض القدیر، حرف العین، رقم الحدیث 5739 :، جلد 4، صفحہ 519، عصیدۃ الشھدۃ، صفحہ 196، مکتبۃ المدینہ کراچی)

دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ مسخ شدہ جانور کتنے ہے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: وہ تیرہ ہیں:

الفیل والدب والخنزیر والقرد والجریث والضب والوطواط والعقرب والدعموص والعنکبوت والارنب وسھیل والزھرۃ

یعنی ہاتھی، ریچھ، سور، بندر، مخصوص مچھلی، گوہ، چمگادڑ، بچھو، کرم آبی، مکڑی، خرگوش، سہیل ستارہ اور زہرہ ستارہ.

(کنزالعمال، کتاب خلق العلم، رقم الحدیث 15250: ، جلد 5، صفحہ 70، عصیدۃ الشھدۃ، صفحہ 196، مکتبۃ المدینہ کراچی)

شیخ طریقت امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہ العالیہ فرماتے ہیں:

مکڑی کو مارنے میں حرج نہیں ہے۔ مکڑی کے جالے بھی گھروں سے صاف کرنے چاہئیں ورنہ تنگدستی آتی ہے۔

(بچوں کو دھوپ لگانے کے فوائد، قسط 14: ، صفحہ 18، مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/30

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

ہیلو کہنے کی شرعی حیثیت

استفتاء نمبر: 184

کیا ہیلو (hello) کہنا حرام ہے؟

کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ہیل کے معنی جہنم اور ہیلو (hello) کے معنی جہنمی کے ہیں، کچھ لوگ سوشل میڈیا پر اس طرح کے میسیج بھی وائرل کر رہے ہیں۔

سائل: عبداللہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

ہیلو کہنا بالکل جائز ہے، لغت کی کسی بھی کتاب میں ہیلو کا معنی جہنمی لکھا ہوا نہیں ہے، بلکہ یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ "ہیلو ملاقات کے وقت بولا جاتا ہے" یا" کسی کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے بولا جاتا ہے ."اور جہنم کو تو انگلش میں "Helish" یا"All Fired'' کہا جاتا ہے، لہذا ہیلو کو ناجائز وحرام کہنا بالکل غلط اور باطل ہے۔

چنانچہ تمام ڈکشنریز میں "Hello" کے متعلق یہی لکھا ہے کہ یہ "Exclamation noun" ہے یعنی اس کا تعلق ان الفاظ سے ہے جو اچانک بولے جاتے ہیں، اور اکثر ڈکشنریز میں اس کے بولنے کے مواقع کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ

"Oxford Advanced Learener,s Dictionry"

میں اس کے استعمال کے بارے میں لکھا ہے :

"Used as a greeting when you meet somebody,when you answer on the telephone or when you want to attract somebody,s attention"

یعنی جب کس سے ملتے ہیں تو اس وقت "hello" استعمال کیا جاتا ہے یا جب کسی کو فون پر جواب دیتے ہیں، فون "attend" کرتے ہیں، اس وقت بولا جاتا ہے یا کسی کو متوجہ کرنے کیلیے استعمال کیا جاتا ہے۔

(موبائل فون شریعت کے آئینے میں صفحہ 123، 124 مکتبہ فیضان شریعت لاہور)

اور "فیروز اللغات" میں ہے:

ہیلو :(Hello)

(1)۔متوجہ کرنے کا کلمہ، (2)۔اظہارِ تعجب کا کلمہ۔

(فیروز اللغات صفحہ 724 فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ)

البتہ ایک مسلمان کو اپنی گفتگو کا آغاز ہیلو کے بجائے، سنت طریقہ کے مطابق "سلام" سے کرنا چاہیے۔

اور جو لوگ ہیلو کہنے کو حرام کہہ کر بغیر علم کے فتویٰ دے رہے ہیں، ایسے لوگ سخت گنہگار ہیں۔

چنانچہ بے علمی کی وجہ سے جھوٹا اور غلط مسئلہ بیان کرنے کے متعلق آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ افْتٰی بِغَیْرِ عِلْمٍ لَعَنَتْہُ مَلَائِکَۃُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

یعنی جو بغیر علم کے فتوی دے، اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

(کنزالعمال جلد 10 حدیث نمبر 29014 بیروت)

اور آجکل سوشل میڈیا استعمال کرنے والوں کا یہ حال بنتا جا رہا ہے کہ جو بھی چیز ان کے پاس آتی ہے، اس کو سوچے سمجھے بغیر دھڑا دھڑ شیئر کرنا شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ اس طریقے کو جھوٹوں کا طریقہ قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع

یعنی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات بیان کر دے۔

(صحیح مسلم جلد اول صفحہ 9 قدیمی کتب خانہ کراچی)

لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ جب تک دینی مسئلے یا اسلامک پوسٹ کی تصدیق کسی سنی مفتی یا سنی عالم سے نہ کروالی جائے، تو تب تک اس کو آگے شیئر نہ کیا جائے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/12/21

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

موبائل میں قرآنی آیات واحادیثِ مبارکہ لکھنا اور ڈیلیٹ کرنا

استفتاء نمبر :185

موبائل میں قرآنی آیات واحادیثِ مبارکہ لکھنا اور ڈیلیٹ کرنا کیسا ہے؟

سائل :مدثر علی کراچی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

موبائل میں قرآنی آیات واحادیثِ مبارکہ لکھنا، ان کو بطورِ میسج سینڈ کرنا اور ڈیلیٹ کرنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، کم علمی کی بناء پر کچھ لوگ قرآنی آیات واحادیثِ مبارکہ کو خود بھی سینڈ نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ میسجز، ان باکس (InBox) سے ڈیلیٹ ہوجاتے ہیں اور وہ اس کو قیامت کی نشانی بتاتے ہیں حالانکہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے کیونکہ کسی بھی حدیث کی کتاب میں اس کو قیامت کی نشانی نہیں بتایا گیا۔

مزید یہ کہ مدارس میں یہی قرآنی آیات واحادیثِ مبارکہ وائٹ بورڈ یا بلیک بورڈ پر لکھ کر مٹادی جاتی ہیں، اسی طرح یہ ٹی وی کی سکرین پر ظاہر ہونے کے بعد غائب ہوجاتی ہیں، لہٰذا فضول میسجز کو چھوڑ کر قرآنی آیات واحادیثِ مبارکہ اور دینی واخلاقی تربیت پر مبنی میسجز کو سینڈ کرنا چاہیے۔

ان کو ڈیلیٹ کرنے (یعنی مٹانے) کے جواز پر وہ جزیہ ہے جس میں مقدس کلام کو صفحات سے مٹا کر ان صفحات کو جلادینے کی فقہاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اجازت دی ہے تو اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ دینی میسجز بھی مٹانا جائز ہیں اور یہ بھی اسی صورت میں داخل ہیں۔

چنانچہ درمختار میں ہے:

الکتب التی لا ینتفع بها یمحی عنها اسم الله وملائکته ورسله ویحرق الباقی

یعنی وہ کتابیں اور کاغذات جن سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ان سے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کے مقدس نام کسی طرح مٹا کر باقی حصہ جلادیا جائے (تو گناہ نہیں)۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد 9 صفحہ 696 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولو محا لوحاً کتب فیه القرآن واستعمله فی امر الدنیا یجوز

یعنی اور اگر اس نے تختی کو مٹادیا جس کے اندر قران پاک لکھا گیا تھا اور اس نے اس (تختی) کو دنیا کے کسی کام میں استعمال کیا تو جائز ہے۔

(فتاوی عالمگیری، جلد 5 صفحہ 398 قدیمی کتب خانہ کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قواعد بغدادی وابجد اور سب کتب غیر منتفع بہا ماورائے مصحف کریم کو جلادینا بعد محو اسمائے باری عزّ اسمہٗ اور اسمائے رسل و

ملائکہ صلی اللہ تعالیٰ علیھم وسلم اجمعین کے جائز ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 23 صفحہ 339 رضافاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضامدنی

2019/04/02

تصدیق وتصحیح:

1۔آپ کے استفتاء نمبر 185 کا جواب بالکل درست ہے، بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر قادری عطاری

2۔الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

پان کھانا

سوال نمبر:186

پان کھانا کیسا ہے؟

سائل: عبدالقدیر

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

فِیْ نَفْسِہ (یعنی اپنی ذات کے اعتبار سے) پان کھانا نہ سنت ہے نہ مستحب، نہ گناہ ہے نہ ثواب، بلکہ صرف جائز ہے البتہ دیگر خارجی چیزوں کی بناء پر پان کھانے کی درج ذیل چار صورتیں بن سکتی ہیں:

1۔اگر ماں یا باپ پان کھانے کا حکم دیں اور ان کا یہ حکم نہ ماننے سے ان کو تکلیف ہو تو پان کھانا واجب ہو جائے گا، اگر نہیں کھائیں گے تو گناہگار ہوں گے۔

2۔اگر میزبان پان پیش کرے اور پان نہ کھانے میں اس کی دل شکنی ہو تو میزبان کی دلجوئی کے لیے پان کھانا مُسْتَحَبْ (یعنی باعِثِ ثواب) ہے، اسی طرح بیوی کا بوسہ لینے کے لیے منہ کو خوشبودار کرنے کی نیت سے پان کھانا بھی مستحب عمل ہے۔

3۔ قرآنِ پاک کی تلاوت کے دوران پان کھانا مکروہِ تنزیہی (یعنی ناپسندیدہ) ہے۔

4۔ نماز میں پان کھانا حرام وسخت گناہ ہے۔

تو مذکورہ چار صورتوں میں پان کھانے پر جو واجب، مستحب، مکروہ اور حرام ہونے کا حکم لگا وہ نفسِ پان کی وجہ سے نہیں لگا بلکہ دیگر خارجی چیزوں کی وجہ سے لگا۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

پان کھانا نہ سنت ہے نہ مستحب، صرف مُباح (یعنی صرف جائز) ہے۔ ہاں بعض عوارضِ خارجیہ کے باعث مستحب ہوسکتا ہے جیسے نہ کھانے میں میزبان کی دل شکنی ہو یا بوسہ زوجہ کے لئے منہ کو خوشبودار کرنے کی نیت سے بلکہ واجب بھی جیسے ماں باپ حکم دے اور نہ ماننے میں اس کی ایذا ہو، یونہی عارض کے سبب مکروہ بھی ہوسکتا ہے جیسے تلاوتِ قرآنِ مجید میں بلکہ حرام بھی جیسے نماز میں۔

(فتاوی رضویہ جلد 24 صفحہ 558، 559 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

پان بلاشبہ جائز ہے اور زمانہ حضرت شیخ العالم فریدالدین گنج شکر وحضرت سلطان المشائخ نظام الملۃ والدین علیہما الرضوان سے مسلمانوں میں بلانکیر (یعنی بغیر انکار کے) رائج ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 24 صفحہ 554 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/17

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

داڑھی کا خط بنانا اور اس کا شرعی حکم

استفتاء نمبر: 187

داڑھی کا خط بنانا کیسا ہے اور کہاں تک بنا سکتے ہیں؟

سائل: جمشید قادری

بسمه تعالى:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

احناف کے نزدیک داڑھی کا خط بنانا یعنی ایک قُبضہ (مٹھی) سے زائد داڑھی کاٹ دینا سنت و مستحب ہے اور اسے بالکل چھوڑ دینا کہ حدِ مناسب سے بڑھ کر بے اعتدال ہو جائے مکروہ ہے، اسی طرح گالوں اور گردن کے وہ بال جو داڑھی میں شامل نہیں، انہیں بھی صاف کر سکتے ہیں بلکہ اگر وہ بدنمائی کا باعث ہوں تو ضرور صاف کر دیئے جائیں۔

چنانچہ سیدی اعلیحضرت امام اہلسنت مجددِ دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم نے اسی کو اختیار فرمایا اور عامہ کتب مذہب میں تصریح فرمائی کہ داڑھی میں سنت یہی ہے کہ جب ایک مشت سے زائد ہو، کم کر دی جائے۔

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 586 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ داڑھی کی تعریف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

داڑھی قلموں کے نیچے سے کنپٹیوں، جبڑوں، ٹھوڑی پر جمتی ہے اور عرضاً اس کا بالائی حصہ کانوں اور گالوں کے بیچ میں ہوتا ہے جس طرح بعض لوگوں کے کانوں پر رونگٹے ہوتے ہیں وہ داڑھی سے خارج ہیں یونہی گالوں پر جو خفیف بال کسی کے کم کسی کے آنکھوں تک نکلتے ہیں وہ بھی داڑھی میں داخل نہیں. یہ بال قدرتی طور پر موئے ریش سے جدا ممتاز ہوتے ہیں اس کا مسلسل راستہ جو قلموں کے نیچے سے ایک مخروطی شکل پر جانب ذقن جاتا ہے یہ بال اس راہ سے جدا ہوتے ہیں نہ ان میں موئے محاسن کے مثل قوت نامیہ، ان کے صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بسا اوقات ان کی پرورش باعث تشویہ خلق وتقبیح صورت (یعنی چہرے کی بدصورتی و بدنمائی کا باعث) ہوتی ہے جو شرعاً ہرگز پسندیدہ نہیں۔ غرائب میں ہے:

كان ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما يقول للحلاق بلغ العظمين فانهما منهى اللحية يعنى حدها ولذلك سميت لحية لان حدها اللحى

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنھما حجام سے فرمایا کرتے تھے کہ دو ہڈیوں تک پہنچ جا، کیونکہ وہ دونوں داڑھی کی حدود یعنی آخری حصہ ہیں، اس لئے داڑھی کو "لحیہ" کہا گیا ہے کیونکہ اس کی حدود جبڑے (اللحی) تک ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 22 صفحہ 596 رضا فاؤنڈیشن لاہور، واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/12

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

غیر مستحق بھکاری کو بھیک دینا

استفتاء نمبر:188

اگر کوئی غیر مستحق بھکاری، اللہ پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر بھیک مانگے تو اسے بھیک دینا کیسا ہے؟

سائل: اسید رضا عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

غیر مستحق بھکاری، اللہ پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے بھیک مانگے یا بغیر کسی واسطے کے بھیک مانگے، اسے بھیک دینا جائز نہیں بلکہ گناہ کا کام ہے، کیونکہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا ضرورت بھیک مانگنے سے نہ صرف منع فرمایا ہے بلکہ اس کے لیے وعیدیں بھی ارشاد فرمائیں تو ان کو دینا، گناہ کے کام پر ان کی مدد کرنا کہلائے گا حالانکہ قرآنِ پاک نے "ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان" فرما کر گناہ کے کام پر مدد کرنے سے منع فرما دیا۔

البتہ اگر کوئی حقدار اللہ پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے بھیک مانگے تو اسے بھیک دینا مستحب ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

قوی، تندرست، قابلِ کسب جو بھیک مانگتے پھرتے ہیں ان کو دینا گناہ ہے کہ ان کا بھیک مانگنا حرام ہے اور ان کو دینے میں اس حرام پر مدد، اگر لوگ نہ دیں تو جھک ماریں اور کوئی پیشہ حلال اختیار کریں۔

(فتاوی رضویہ جلد 23 صفحہ 464 رضا فاونڈیشن لاہور)

مزید ایک مقام پر امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اللہ پاک کے واسطہ سے مانگنے پر چند احادیث نقل فرماتے ہیں :

رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ملعون من سأل بوجه الله و ملعون من سئل بوجه الله ثم منع سائله مالم يسأل هجرا، رواه الطبراني في المعجم الكبير عن أبي موسى الاشعري رضي الله تعالى عنه بسند صحيح

ترجمہ: ملعون ہے جو اللہ کا واسطہ دے کر کچھ مانگے اور ملعون ہے جس سے خدا کا واسطہ دے کر مانگا جائے پھر اس سائل کو نہ دے جبکہ اس نے کوئی بیجا سوال نہ کیا ہو۔

اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فرماتے ہیں:

من سألكم بالله فاعطوه وان شئتم فادعو. رواه الإمام الحكيم الترمذي في النوادر عن معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه"

ترجمہ: جو تم سے خدا کا واسطہ دے کر مانگے اسے دو اور اگر نہ دینا چاہو تو اس کا بھی اختیار ہے۔

اس کو امام حکیم ترمذی نے "نوادر" میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

علمائے کرام نے بعد توفیق وتطبیق احادیث سے یہ حکم منقح فرمایا کہ اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر سوا اخروی دینی شے کے کچھ نہ مانگا جائے اور مانگنے والا اگر خدا کا واسطہ دے کر مانگے اور دینے والے کا اس شے کے دینے میں کوئی حرج دینی یا دنیوی نہ ہو تو مستحب و موکد دینا ہے ورنہ نہ دے،

بلکہ امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

جوخدا کا واسطہ دے کر مانگے مجھے یہ خوش آتا ہے کہ اسے کچھ نہ دیا جائے یعنی تاکہ یہ عادت چھوڑ دے۔

(فتاوی رضویہ جلد 25 صفحہ 215 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/11/22

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

عیسائی کو قرآن پاک پڑھانا

استفتاء نمبر:189

کیا کرسچین (یعنی عیسائی) کو قرآنِ پاک پڑھا سکتے ہیں؟

سائل: محمد جاوید عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

کرسچین (یعنی عیسائی) کو قرآنِ پاک پڑھا سکتے ہیں، کیونکہ اسے قرآنِ پاک پڑھانا گناہ نہیں بلکہ اس پر ثواب کی امید ہے کہ شاید اس کے طفیل اللہ پاک، اس عیسائی کو ہدایت عطا فرما دے، لیکن بغیر غسل کے عیسائی، قرآنِ پاک کو ہاتھ نہ لگائے اور اگر نہایت پاک وصاف ہو کر قرآنِ پاک کو چھوئے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ خلیفہ اعلیٰ حضرت ملک العلماء شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اسے (یعنی ہندو کافر کو) قرآنِ مجید پڑھانا گناہ نہیں بلکہ امیدِ ثواب ہے، شاید اللہ تعالیٰ اس کے طفیل میں ہدایت عطا فرمائے۔

قاضی خان میں ہے:

الحربي او الذمي اذا طلب تعليم القرآن يعلم و كذا اذا طلب تعليم الفقه رجاء أن يهتدي إلى الحق لكنه يمنع عن المصحف مالم يغتسل هكذا في الصغيري'.

خزانۃ المفتین میں ہے:

واذا قال الكافر لمسلم علمني القران فلا باس بان يعلمه لكن لا يمس المصحف وان اغتسل و مسه لا بأس به.

یعنی اگر کوئی کافر حربی یا ذمی، مسلمان سے قرآن شریف یا فقہ سیکھنا چاہے تو سکھانے میں حرج نہیں۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کر دے لیکن بغیر غسل، قرآنِ شریف کو ہاتھ نہ لگائے اور اگر نہایت پاک صاف ہو کر مصحف شریف کو چھوئے تو کوئی حرج نہیں۔

(فتاویٰ ملک العلماء صفحہ 306 اکبر بک سیلرز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/11/15

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

ستاروں کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرنا

استفتاء نمبر:190

ستاروں کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرنا کیسا ہے؟

سائل: محمد شفیع

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

ستاروں کا تعلق انسانی قسمت کے ساتھ ہرگز نہیں ہے لہٰذا ان کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرنا باطل اور خلافِ شرع ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

(وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ) خلق هذه النجوم لثلاث: جعلها زينة للسمآء، ورجوما للشياطين، و علامات يهتدى بها فمن تأول فيها بغير ذلك اخطأ و اضاع نصيبه و تكلف مالا علم له به"

یعنی (اور بلاشبہ ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے مزین کیا) یہ ستارے 3 فائدوں کے لیے پیدا کیے گئے ہیں: آسمان کی زینت کے لئے، شیطانوں کو سنگسار کرنے کے لیے، ایسی علامات ہیں جن کے ذریعے راستہ معلوم کیا جاتا ہے، جس نے ان کے علاوہ ان میں اور کوئی تاویل کی اس نے غلطی کی اور علم سے اپنا حصہ ضائع کر دیا اور اس کا تکلف کیا، جس کا اس کو علم نہیں۔

(الصحیح البخاری کتاب بدأ الخلق، باب فی النجوم، جلد اول صفحہ 566 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

باقی کواکب (ستاروں) میں کوئی سعادت ونحوست نہیں اگر ان کو خود مؤثر جانے، شرک ہے اور ان سے مدد مانگے تو حرام ہے ورنہ ان کی رعایت ضرور خلاف توکل ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 223 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

نجوم کی اس قسم کی باتیں جن میں ستاروں کی تاثیرات بتائی جاتی ہیں کہ فلاں ستارہ طلوع کرے گا تو فلاں بات ہوگی یہ بھی خلافِ شرع ہے، اسی طرح نچھتروں کا حساب کہ فلاں نچھتر سے بارش ہوگی یہ بھی غلط ہے، حدیث میں اس پر سختی سے انکار فرمایا۔

(بہارِ شریعت جلد 3 حصہ 16 صفحہ 659 مکتبۃ المدینہ کراچی)

لہٰذا مسلمانوں کو ستاروں پر کبھی بھی یقین نہیں رکھنا چاہیے اور نہ ہی ایسی کوئی تحریر پڑھنی چاہیے کہ جس میں لکھا ہو کہ آپ کا یہ ہفتہ کیسے گزرے گا؟ یا آپ کا لکی نمبر کونسا ہے؟ یا فلان کا نام ستارے کے مطابق درست نہیں وغیرہ وغیرہ۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/03

تصدیق وتصحیح:

1— الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

2— یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

مصافحہ کرتے وقت جھکنا

استفتاء نمبر: 191

مصافحہ کرتے وقت جھکنا کیسا ہے؟

سائل: غلام یسین

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جھکنے کی دو قسمیں ہیں:

1— جھکنے سے تعظیم مقصود نہ ہو بلکہ جھکنا کسی دوسرے فعل (یعنی کام) کے لئے ذریعہ اور واسطہ ہو تو اس فعل کا جو حکم ہوگا وہی جھکنے کا حکم ہوگا، اگر وہ فعل جائز تو جھکنا بھی جائز اور اگر وہ فعل ناجائز تو جھکنا بھی ناجائز جیسے قدم بوسی سنت ہے تو اس کے لئے جھکنا بھی سنت ہے اور غیر خدا کو تعظیمی سجدہ حرام ہے تو اس کے لئے جھکنا بھی حرام ہے۔

2— جھکنے سے تعظیم مقصود ہو تو اگر رکوع کی حد تک جھکنا پایا گیا تو یہ ناجائز وحرام ہے جس طرح غیرِ خدا کو سجدہ تعظیمی ناجائز وحرام ہوتا ہے، اور اگر رکوع کی حد سے کم جھکے ہیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تو صورتِ مسؤلہ (پوچھی گئی صورت) میں مصافحہ کے وقت جھکنا دوسری قسم میں شامل ہے کہ یہاں جھکنا مصافحہ کا ذریعہ و وسیلہ نہیں بلکہ تعظیماً جھکنا پایا گیا لہذا اگر کوئی مصافحہ کرتے وقت حدِ رکوع تک جھک گیا تو اس کا یہ جھکنا ناجائز وحرام ہے اور وہ گناہگار ہوگا اور اگر حدِ رکوع سے کم جھکا ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چنانچہ امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

الانحناء البالغ حد الرکوع لا یفعل لاحد کالسجود ولا بأس بما نقص من حد الرکوع

لمن یکرم من اھل الاسلام

یعنی رکوع کی حد تک جھکنا کسی کے لئے نہ کیا جائے جیسے (تعظیمی) سجدہ (یعنی یہ دونوں مخلوق کے لئے جائز نہیں ہیں) اور اگر رکوع کی حد سے کم جھکاؤ ہو تو پھر معزز اہل اسلام کے لئے ایسا کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

(الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ المبحث الاول جلد اول صفحہ 547 المکتب النوریہ الرضویہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

انحناء یعنی جھکنا دو قسم ہے، مقصود و وسیلہ، اگر خود نفسِ انحناء سے تعظیم مقصود نہیں بلکہ دوسرے فعل سے جس کا یہ ذریعہ ہے تو اس صورت میں اس کا حکم اس فعل کا حکم ہوگا، قدم بوسی جائز بلکہ مسنون ہے تو اس کے لیے جھکنا بھی مباح بلکہ سنت ہے اور غیر خدا کو سجدہ تحیت حرام ہے تو اس کے لئے جھکنا بھی حرام ہے، دوسری قسم کہ نفسِ انحناء سے تعظیم مقصود ہو، یہ اگر رکوع تک ہے، ناجائز و گناہ ہے اور اس سے کم ہے تو حرج نہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 550 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ملاقات کے وقت جھکنا منع ہے (عالمگیری)، یعنی اتنا جھکنا کہ حدِ رکوع تک ہو جائے۔

(بہار شریعت جلد 3 حصہ 16 صفحہ 473 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/24

تصدیق و تصحیح:

یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

قطب ستارے کی طرف پاؤں کر کے سونا

استفتاء نمبر:192

قطب ستارے کی طرف پاؤں کرنے سونا کیسا ہے؟

سائل : جنید عطاری

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوھّاب,اللھم ھداية الحق و الصواب

قطب ستارے کی طرف پاؤں کر کے سو سکتے ہیں، اس طرف پاؤں کر کے سونے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ قطب ایک ستارہ ہے اور ستارے تو ہر طرف ہیں، صرف قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سونا منع ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیحضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ:

قطب کی طرف پاؤں کر کے سونا چاہیئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

کوئی حرج نہیں وہ ایک ستارہ ہے، ستارے سب طرف ہیں"فقط"

(فتاوی رضویہ جلد 23 صفحہ 383 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/10/06

تصدیق و تصحیح:

یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

چیل کووں کو گوشت کھلانا

استفتاء نمبر:193

کچھ لوگوں کا یہ طریقہ کار ہے کہ وہ چیل کووں کو گوشت کھلاتے ہیں تو چیل کووں کو گوشت کھلانا کیسا ہے؟

سائل : عبدالنبی

بسمه تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

چیل کوؤں کو گوشت کھلانا کچھ معنیٰ نہیں رکھتا کیونکہ یہ فاسق جانور ہے لہذا ان کو ہرگز نہ کھلایا جائے بلکہ ان کو گوشت کھلانا تو ہندوؤں کی رسم ہے لہذا جو صدقہ کرنا چاہے تو وہ گوشت وغیرہ کسی غریب کو کھلادے یا اس کو دیدے اور یہ بہت اجر وثواب کا باعث ہے .

چنانچہ چیل، کووں کو گوشت کھلانے کے بارے میں سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے سوال ہوا کہ:

اکثر دیکھا گیا کہ لوگ بکرا منگا کر اور اس کو لڑکے یا لڑکی کے نام ذبح کر کے کچھ گوشت چیل، کوا کو کھلاتے ہیں، اور کچھ فقراء کو تقسیم کرتے ہیں، یہ فعل کس حد تک صحیح ہے؟

تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا :

مساکین کو دیں، چیل، کووں کو (گوشت) کھلانا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، یہ فاسق ہیں، اور کووں کی دعوت رسمِ ہنود (یعنی کووں کو گوشت کھلانا ہندوؤں کا طریقہ ہے)۔

(فتاوی رضویہ جلد 20 صفحہ 588، 590 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/01

تصدیق وتصحیح:

یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

مرد کے لیے دن میں کالا سرمہ لگانا

استفتاء نمبر:194

مرد کیلئے دن میں کالا سرمہ لگانا کیسا ہے؟

سائل :ابواسید عطاری

بسمه تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

مرد کیلیے مطلقاً سرمہ لگانا سنت ہے چاہے کالا سرمہ لگائے یا کالے سرمے کے علاوہ کسی اور کلر کا لگائے، دن میں لگائے یا رات میں لگائے، لہٰذا مرد کے لیے دن میں کالا سرمہ لگانا جائز بلکہ سنت ہے.

اور جہاں فقہاء کرام علیہم الرحمۃ نے مرد کیلئے زینت کی نیت سے کالے سرمے اور کاجل وغیرہ لگانے کو مکروہ قرار دیا ہے، وہاں زینت سے مراد ہیجڑا پن اور تصنع یعنی بناوٹ ونمائش ہے اور اس معنی کے لحاظ سے مکروہ سے مراد مکروہِ تحریمی ہوگا (جو کہ جد الممتار اور فتاوی رضویہ کے جزئیات سے واضح ہو جائے گا) ورنہ صرف خوبصورتی کی نیت سے کالا سرمہ اور کاجل لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ تو مستحب ہے بشرطیکہ نیت اچھی ہو کیونکہ اللہ عزوجل جمیل ہے اور جمال (خوبصورتی) کو پسند فرماتا ہے۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

یکرہ کحل الاسود اذا قصد به الزینة واذا لم یقصد الزینة لایکرہ

یعنی کالا سرمہ لگانا مکروہ ہے بشرطیکہ اس سرمہ کے ساتھ زینت کا قصد کیا ہو اور جب اس کے ساتھ زینت کا قصد نہ کیا تو یہ مکروہ نہیں۔

(فتاوی عالمگیری کتاب الکراھیۃ الباب العشرون فی الزینۃ، جلد 5 صفحہ 359 دار الفکر بیروت)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

(لا) یکرہ (دھن الشارب و) لا (کحل) اذا لم یقصد الزینة

یعنی مونچھوں کو تیل لگانا اور سرمہ لگانا (روزہ دار) کیلئے مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ زینت کا قصد نہ کرے۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد 3 صفحہ 455,456 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس کے تحت خاتم المحققین محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قوله :(اذا لم یقصد الزینة) اعلم انه لاتلازم بین قصد الجمال وقصد الزینة،فالقصد الاول لدفع الشین واقامة مابه الوقار واظهار النعمة شکرا لا فخرا وهو اثر ادب النفس وسهامتها والثانی اثر ضعفها وقالوا بالخضاب وردت السنة ولم یکن لقصد الزینة ثم بعد ذلك ان حصلت زینة فقد حصلت فی ضمن قصد مطلوب فلایضره اذا لم یکن ملتفتا الیه

یعنی (علامہ علاؤالدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا :بشرطیکہ وہ زینت کا قصد نہ کرے) جان لیجیے کہ قصدِ جمال (خوبصورتی) اور قصدِ زینت کے درمیان تلازم نہیں ہے پس پہلا قصد (یعنی قصدِ جمال) ناپسندیدگی کو دور کرنے کیلئے اور اس کو قائم کرنے کے لیے ہوتا ہے جس کے ساتھ وقار اور نعمت کا اظہار ہوتا ہے شکر کرتے ہوئے نہ کہ فخر کرتے ہوئے، اور یہ نفس کے ادب اور اس کے حصے کا اثر ہے۔ اور دوسرا (یعنی قصدِ زینت) نفس کی کمزوری کا اثر ہے۔ اور فقہاء نے (خضاب کے متعلق) فرمایا کہ خضاب کے بارے میں سنت وارد ہوئی ہے اس حال میں کہ وہ قصدِ زینت کے لئے نہ ہو، پھر اس کے بعد اگر زینت حاصل ہو جائے تو تحقیق وہ قصدِ مطلوب کے ضمن میں حاصل ہوئی ہے پس وہ اس کو نقصان نہ دے گی بشرطیکہ وہ اس کی طرف التفات نہ کرے۔

(ردالمحتار علی درمختار جلد 3 صفحہ 456 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

سیدی اعلیحضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اقول:قد فرقوا فی مسئلۃ الکحل بین التزیین والتجمل فلم لا یراد مثلہ ھاھنا!

فتباح للتجمل دون التزیین

یعنی میں (امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں کہ : تحقیق اہلِ علم نے سرمے کے مسئلہ میں زینت اور جمال کے درمیان فرق بیان کیا ہے تو اسی کی مثل معنی کو یہاں (انگوٹھی والے مسئلے میں) مراد کیوں نہیں لیا جاتا، پس وہ جمال وخوبصورتی کے لیے مباح (یعنی جائز) ہوگا نہ کہ زینت کے لئے .

(جدالممتار علی ردالمحتار جلد 7 صفحہ 39 مکتبۃ المدینہ کراچی)

فتاوی رضویہ میں ہے:

"اقول : میں کہتا ہوں اہل علم نے سرمہ کے مسئلے میں زینت اور جمال کے درمیان فرق کیا ہے پس یہی معنی مماثل یہاں کیوں نہیں مراد لیا جاتا لہٰذا تجمل کیلیے یہ کام مباح ہو نہ کہ زیب وزینت کیلئے اھ: جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کبھی لفظِ زینت بول کر اس سے وہ معنی مراد لیا جاتا ہے جو لفظِ جمال سے لیا جاتا ہے اور وہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ نیت اچھی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے یہ ادبِ نفس اور اس کے حصہ کا اثر ہے۔ کبھی لفظِ زینت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے تخنث (ہیجڑا پن) اور تصنع (بناوٹ ونمائش) کا مفہوم مراد ہوتا ہے جیسا کہ یہ جذبہ عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے اور یہ مذموم ہے اور نفس کی کمزوری، کمینگی اور گھٹیا پن کی علامت ہے پس علماءِ کرام کی طرف سے ان الفاظ کے دونوں اطلاق کی وضاحت تمہاری رہنمائی کرے گی، مونچھوں کو تیل لگانا اور سرمہ آنکھوں میں لگانا مکروہ نہیں جبکہ زیب وزینت مقصود نہ ہو، فتح القدیر میں ہے کہ خضاب لگانے کا ذکر حدیث میں وارد ہوا ہے جبکہ زینت کے ارادہ سے نہ ہو باوجود یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کس نے اللہ تعالیٰ

کی زینت کو حرام ٹھہرایا ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس کی توفیق دینے والا ہے۔

(طوالت سے بچنے کیلئے عربی عبارت کو چھوڑ کر صرف ترجمہ پر اکتفاء کیا ہے)

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 142,143 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

پتھر کا سرمہ استعمال کرنے میں حرج نہیں اور سیاہ سرمہ یا کاجل بقصدِ زینت مرد کو لگانا مکروہ ہے اور زینت مقصود نہ ہو تو کراہت نہیں۔

(بہارِ شریعت جلد 3 حصہ 16 صفحہ 597 مکتبۃ المدینہ کراچی)

فتاوی فقیہ ملت میں ہے:

سرمہ لگانا مطلقاً سنت ہے خواہ دن ہو یا رات، عیدین و جمعہ ہی خاص نہیں لہذا دن میں مرد کو سرمہ لگانا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ زینت کی نیت سے نہ ہو۔

(فتاوی فقیہ ملت جلد 2 صفحہ 349 شبیر برادرز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/04/30

تصدیق و تصحیح:

1۔ جواب درست ہے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

2۔ الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

ایک پاؤں میں جوتا پہن کر اور دوسرے پاؤں سے جوتا اتار کر چلنا

استفتاء نمبر:195

پاؤں میں ایک جوتا پہن کر اور دوسرا جوتا اتار کر چلنا کیسا ہے؟

سائل :سعید اللہ خان عطاری عیسیٰ خیل

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق والصواب

پاؤں میں ایک جوتا پہن کر اور دوسرا جوتا اتار کر چلنا مکروہِ تنزیہی اور شرعاً ناپسندیدہ ہے لہذا یا تو دونوں جوتے پہن کر چلنا چاہیئے یا دونوں جوتے اتار کر ننگے پاؤں چلنا چاہیئے۔

کیونکہ ایک جوتا پہن کر اور دوسرا جوتا اتار کر چلنا:

1–شیطان کا طریقہ ہے۔2–دشوار (مشکل) ہے۔3–اس سے پھسلنے کا اندیشہ ہے۔4–شریف لوگوں کا طریقہ نہیں۔

5–کم عقلی کی علامت ہے۔6–وقار کے خلاف ہے۔7–اس کو لوگ تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں 8–لوگوں کی نگاہوں میں معیوب ہے۔

لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص ایک جوتا پہن کر اور دوسرا جوتا اتار کر چلے گا تو وہ گناہگار نہیں ہوگا.

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

ان رسول اللہ ﷺ قال:لا يَمْشِ اَحَدُ كم فى نعل واحدة لِيُحْفِهِمَا جميعاً اَوْلِيُنْعِلْهُمَا جميعا

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ایک جوتے میں نہ چلے، دونوں اتار دے یا دونوں پہن لے۔

(صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب لایمشی فی نعل واحدۃ، رقم الحدیث 5855 :،صفحہ 499،مطبوعہ دار السلام ریاض، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

اس حدیث مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے فقیہ اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ایک جوتے میں چلنا منع ہے، ایک جوتے میں چلنا دشوار بھی ہوتا ہے، آدمی لنگڑاتا ہوا چلے گا۔

(نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد 5 صفحہ 531 فرید بک سٹال لاہور)

اور شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیثِ مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ایک جوتی میں چلنے میں مشقت کے علاوہ پھسلنے کا بھی احتمال ہے، علاوہ ازیں دیکھنے والوں کی نگاہ میں بھی معیوب ہے۔

ابن عباس (رضی اللہ عنھما) نے کہا: اس طرح شیطان چلتا ہے۔

بیہقی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا:

ایسے چلنے کی طرف نظریں اٹھتی ہیں۔

(تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری جلد 9 صفحہ 112، 113 مطبوعہ تفہیم البخاری پبلیکیشنز فیصل آباد)

علامہ یحیٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

بلا عذر ایک جوتی یا ایک موزہ پہننا مکروہ (تنزیہی) ہے کیونکہ یہ وقار کے خلاف ہے۔

(شرح مسلم جلد دوم)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی ہے، اسی حکم میں کرتہ، اچکن وغیرہ کا پہننا ہے کہ کرتے، اچکن کی ایک آستین پہن لینا، دوسری یونہی لٹکتی رکھنا ممنوع ہے۔

یہاں مرقاۃ میں اس حکم کی بہت سی حکمتیں بیان فرمائیں :ایک یہ ہے کہ یہ طریقہ شیطان کا ہے کہ وہ ایک جوتا پہن کر چلتا ہے.
نیز اس طرح چلنا دشوار بھی ہوتا ہے خصوصاً جبکہ جوتی کچھ اونچی ہو اور جگہ ناہموار ہو۔

نیز یہ طریقہ شرفاء کا نہیں۔اور یہ کم عقلی کی علامت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنھا) کی روایت میں جو آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ایک جوتا شریف میں چلتے دیکھا، وہ تو اس حکم سے منسوخ ہے، یا وہ عمل شریف گھر کے اندر کا ہے اور یہ حکم شریف باہر سڑک کا، یا وہ حکم بیان جواز کیلیے ہے اور یہ حکم بیان استحباب کیلیے یا وہ اتفاقاً نادر تھا یہ ممانعت ہمیشگی اور عادت ڈال لینے سے ہے۔لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔"

(مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح جلد 6 صفحہ 125 قادری پبلشرز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اُسَید عبید رضا مدنی

2019/06/26

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

کالے کپڑے پہننے کی شرعی حیثیت

استفتاء نمبر: 196

کیا کالے کپڑے پہننا شرعاً جائز ہیں؟

سائل: محمد کامران عطاری مدنی شہر بن حافظ جی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

کالے رنگ کے کپڑے پہننا جائز بلکہ مستحب ہیں لیکن فوتگی پر غم ظاہر کرنے کے لئے یا ماتم کے لئے کالے کپڑے پہننا ناجائز و حرام ہیں، البتہ بیوہ عورت اپنے شوہر کے مرنے کے غم میں تین دن تک کالے کپڑے پہن سکتی ہے، یونہی محرم الحرام کے دنوں میں بھی کالے کپڑے پہننا منع ہیں کیونکہ محرم الحرام میں بدمذہب کالے کپڑے سوگ کی نیت سے پہنتے ہیں اور یہ ان کی علامت (پہچان) ہے تو جو ان دنوں میں کالے کپڑے پہنے گا تو ان بدمذہبوں کے ساتھ مشابہت ہوگی اور مسلمانوں کو بدمذہبوں کی مشابہت اختیار کرنے سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت سیّدنا جابر بن عبداللہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُما فرماتے ہیں:

خَرَجَ عَلَيۡنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَوۡمَ الۡحُدَيۡبِيَةِ وَعَلَيۡهِ عِمَامَةٌ سَوۡدَاءُ قَدۡ عَلَاهَا الۡغُبَارُ

یعنی حدیبیہ کے دن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہمارے پاس تشریف یوں لائے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سیاہ عمامہ شریف باندھے ہوئے تھے، جس پر کچھ غبار (برکتیں لوٹ رہا) تھا۔

(اخبار اصبہان، باب الزا جلد 1 صفحہ 431 دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُما فرماتے ہیں:

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے زمانہ اقدس میں ایک مرتبہ لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوئے

فَخَرَجَ مِنَ الۡمَدِيۡنَةِ إِلَى بَقِيۡعِ الۡغَرۡقَدِ مُعۡتَمًّا بِعِمَامَةٍ سَوۡدَاءَ قَدۡ اَرۡخَى طَرَفَهَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ

وَالْاٰخَرُ بَیْنَ مَنْکِبَیْہِ

یعنی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مدینہ منورہ سے بَقِیْعِ غَرْقَد (جَنَّتُ الْبَقِیْع) کی طرف تشریف لے گئے، اس وقت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، جس کا ایک شملہ اپنے سامنے اور دوسرا اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے۔

(کنز العمال، کتاب الصلاۃ، الباب السابع فی صلاۃ النفل، صلاۃ الاستسقاء، الجزء 8، جلد 4 صفحہ 203، رقم الحدیث 23541 : دار الکتب العلمیہ بیروت)

صحیح مسلم میں ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دخل یوم فتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن (مکہ میں) داخل ہوئے، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک سر پر کالا عمامہ تھا۔

(صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 990 دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیثِ مبارکہ کے تحت علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فیہ جواز لباس الثیاب السود

یعنی اس (حدیثِ مبارکہ) میں کالے کپڑے کے لباس کا جواز (جائز ہونا) ہے۔

(شرح صحیح مسلم للنووی جلد 9 صفحہ 133 دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و یستحب الأبیض و کذا الأسود؛ لأنہ شعار بنی العباس، و دخل علیہ الصلاۃ و السلام مکۃ و علی رأسہ عمامۃ سوداء

یعنی اور سفید رنگ (کا لباس پہنا) مستحب ہے ایسے ہی کالا رنگ ہے، اس لئے کہ یہ بنی عباس کا شعار ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ میں داخل ہوئے اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک سر پر کالا عمامہ تھا۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، جلد 9 صفحہ 580 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ شیخ شمس الدین تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وندب لبس السواد

یعنی اور کالا لباس پہننا مستحب ہے۔

علامہ تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "وندب لبس السواد" کے تحت علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

لأن محمداً ذكر فى السير الكبير فى باب الغنائم حديثاً يدل على أن لبس السواد مستحب

یعنی اس لیے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے "السیر الکبیر" (کتاب) کے "باب الغنائم" میں ایک ایسی حدیث مبارکہ ذکر کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کالا لباس پہننا مستحب ہے۔

(ردالمحتار علی الدالمختار جلد 10 صفحہ 521 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت میں ہے:

کتب فقہ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ (سیّدنا امام ابو یوسف) ''یَومُ الشَّک'' میں یعنی جس روز شُبہ ہو کہ وہ رمضان کی پہلی ہے یا شعبان کی تیس۔

آپ بعدِ ضحوہ کبریٰ کے بازار میں تشریف لائے اور فرمایا: روزہ کھول دو

اس وقت کی وَضع منقول ہے کہ سیاہ گھوڑے پر سوار تھے، سیاہ لباس پہنے تھے، سیاہ عمامہ باندھے تھے، غرض کہ سوائے رِیش (یعنی داڑھی) مبارک کے کوئی چیز سفید نہ تھی۔

اس سے یہ مسئلہ اِستِنباط (یعنی ثابت) کیا گیا کہ ''سواد (سیاہ رنگ) کا پہننا جائز ہے۔

ایک صاحب نے سوال کیا: آپ کا روزہ ہے یا نہیں؟

چپکے سے کان میں فرمایا اَنَا صَائِمٌ میں روزہ سے ہوں۔''

اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ ''مفتی خود ''یَومُ الشَّک'' میں روزہ رکھے اور عوام کو نہ رکھنے کا حکم دے۔"

(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت صفحہ 483 مکتبۃ المدینہ کراچی)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولا یجوز صبغ الثیاب اسودا او اکھب تأسفا علی المیت

یعنی میت پر افسوس کا اظہار کرنے کے لئے کالے یا مائل بہ کالے کپڑے پہننا جائز نہیں ہیں۔

(فتاوی عالمگیری جلد 5 صفحہ 333 دار الفکر بیروت)

علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وفی التتارخانیة :ولا تعذر فی لبس السواد وهی آثمة،إلا الزوجة فی حق زوجها فتعذر إلی ثلاثة أیام. قال فی البحر :وظاهره منعها منقال فی البحر :وظاهره منعها من السواد تأسفاً علی موت زوجها فوق الثلاثة"

یعنی فتاوی تاتر خانیہ میں ہے :اور عورت کالے کپڑے پہننے میں معذور نہیں ہے اور وہ گناہگار ہوگی،مگر بیوی اپنے شوہر کے حق میں پس تین دن تک معذور ہے۔

بحر میں فرمایا:اوراس کا ظاہر یہ ہے کہ تین دن سے اوپر اپنے شوہر کی موت پر افسوس کا اظہار کرنے کے لئے کالے کپڑے پہننے سے اسے منع کیا گیا ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار جلد 5 صفحہ 224، 225 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کسی کے مرنے کے غم میں سیاہ کپڑے پہننا جائز نہیں مگر عورت کو تین دن تک شوہر کے مرنے پر غم کی وجہ سے سیاہ کپڑے پہننا جائز ہے اور سیاہ کپڑے غم ظاہر کرنے کے لیے نہ ہوں تو مطلقاً جائز ہیں۔

(بہار شریعت حصہ 8 جلد 2 صفحہ 243، 244 مکتبۃ المدینہ کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

مسلمان کو چاہئے عشرہ مبارک میں تین رنگوں سے بچے :سیاہ،سبز،سرخ،سیاہ،سبز کی وجہیں تو معلوم ہوگئیں اور سرخ آج کل ناصبی خبیث خوشی کی نیت سے پہنتے ہیں،سیاہ میں اُودا،نیلا،کاسنی۔سبز میں کاہی،دھانی،پستیء۔سرخ میں گلابی،عنابی،نارنجی سب داخل ہیں۔غرض جس پر ان میں کوئی رنگ صادق آئے اگر سوگ یا خوشی کی نیت سے پہنے جب تو خود ہی حرام ہے ورنہ ان کی مشابہت سے بچنا بہتر ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 24 صفحہ 292 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/07/14

تصدیق و تصحیح:

آپ کا یہ نفسِ مسئلہ اور جواب درست ہے، میں اس کی تائید و توثیق کرتا ہوں۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

نوحہ اور مرثیہ پڑھنے کی شرعی حیثیت

استفتاء نمبر: 197

1=نوحہ کرنا اور سننا کیسا ہے؟

2=مرثیہ پڑھنا اور سننا کیسا ہے؟

3–اسی طرح کچھ سنی حضرات محرم الحرام میں بدمذہبوں کی مرثیہ خوانی کی مجلس میں بہت شوق سے شرکت کرتے ہیں تو ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

سائل: عبداللہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

نوحہ کرنا ناجائز و حرام ہے، اسی طرح نوحہ سننا بھی ناجائز و گناہ ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ، وَشَقَّ الْجُيُوبَ، وَدَعَىٰ بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ

وہ شخص ہمارے راستے پر چلنے والوں میں سے نہیں ہے جو رخساروں کو پیٹے، گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے پکارنے کی طرح پکارے۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث 1297: مشکوۃ المصابیح، الجزء الاول، صفحہ 152 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: الْفَخْرُ بِالْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْاسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ"

یعنی جاہلیت کے کاموں سے چار کام میری امت میں ایسے ہوں گے جنہیں وہ نہیں چھوڑیں گے:

1۔ حسب ونسب کی وجہ سے فخر کرنا،

2۔ کسی دوسرے کو نسب کا طعنہ دینا،

3۔ ستاروں کو بارش کا سبب جاننا،

4۔ اور میت پر نوحہ کرنا (یعنی چلّا کر رونا)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا:

النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ

یعنی نوحہ کرنے والی عورت جب اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے روز اس حال میں اٹھائی جائے گی کہ اس کے بدن پر گندھک (تارکول) کی قمیص ہوگی اور خارش (کھجلی) کا دوپٹہ ہوگا۔

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 303، رقم الحدیث 2055 : قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ

اللہ پاک کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورت اور نوحہ سننے والی عورت، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث 3128 : مشکوۃ المصابیح، الجزء الاول، صفحہ 152 مکتبہ رحمانیہ لاہور)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان هؤلاء النوائح يجعلن يوم القيمة صفين في جهنم صف عن يمينهم و صف عن يسارهم فينبحن على اهل النار كما تنبح الكلاب

یعنی یہ نوحہ کرنے والیاں قیامت کے دن جہنم میں دو صفیں کی جائیں گی، ایک صف جہنمیوں کے دائیں طرف ہوگی، اور ایک صف جہنمیوں کے بائیں طرف ہوگی، پھر وہ جہنمیوں پر ایسے بھونکیں گی جیسے کتیاں بھونکتی ہیں۔

(المعجم الاوسط للطبرانی جلد 6 صفحہ 110 مکتبۃ المعارف ریاض)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

و شق الجيوب و خدش الوجوه و نشر الشعور و نثر التراب على الراس و الضرب على

الفخذ والصدر وایقاذ النار علی القبور فمن رسوم الجاھلیۃ والباطل والغرور

یعنی اور گریبان پھاڑنا، منہ نوچنا، بال کھولنا، سر پر مٹی ڈالنا، ران پر اور سینے پر (ہاتھ) مارنا اور قبروں پر آگ جلانا، یہ سب جاہلیت کی رسموں میں سے ہیں، باطل اور دھوکے میں سے ہیں۔

(فتاوی عالمگیری جلد 1 صفحہ 184 دار الکتب العلمیہ بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

تحریم نوحہ (نوحہ کے حرام ہونے) میں احادیث متواترہ موجود ہیں۔

(فتاوی رضویہ جلد 24 صفحہ 486 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

نوٹ: میت کے اوصاف مبالغہ کے ساتھ بیان کر کے بلند آواز سے رونا "نوحہ" کہلاتا ہے اور اس کو "بَین" بھی کہتے ہیں۔

2—فی زمانہ جو مرثیے رائج ہیں سب ناجائز وحرام ہیں، لہٰذا مرثیہ پڑھنا، سننا سب ناجائز وحرام اور گناہ کا کام ہے۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن المراثی

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابن ماجہ صفحہ 115 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 356 المکتب الاسلامی بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

نفسِ ذکر شریف کی مجلس جس میں اُن کے فضائل ومناقب واحادیث وروایات صحیحہ ومعتبرہ سے بیان کئے جائیں اور غم پروری نہ ہو، مستحسن ہے اور مرثیے حرام خصوصاً رافضیوں کے کہ تبرائے ملعونہ سے کمتر خالی ہوتے ہیں اور اہلسنت کو ایسی مجالس میں شرکت حرام ہے۔

(فتاوی رضویہ شریف جلد 24 صفحہ 501، 502 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

شارح بخاری فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت امام عالی مقام شہید کربلا رضی اللہ تعالی عنہ کے ذکرِ شہادت کی محفل منعقد کرنا بلاشبہ جائز ودرست بلکہ مستحسن ہے اور باعثِ خیر وبرکت اور باعثِ عبرت وموعظت ہے۔

اس سے حق پر استقامت اور راہِ حق میں مصائب برداشت کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ البتہ ماتم کرنا، مرثیہ پڑھنا جائز نہیں۔

(فتاوی شارح بخاری جلد 2 صفحہ 56 مکتبہ برکات المدینہ کراچی)

نوٹ: وہ اشعار یا کلمات جن کے ذریعے مردے پر غم کا اظہار کیا جائے، ان کو "مرثیہ" کہا جاتا ہے۔

3—بدمذہبوں کی مرثیہ خوانی کی مجلس میں سنی حضرات کا شرکت کرنا ناجائز وحرام ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(مجلس مرثیہ خوانی اہل شیعہ میں اہلسنت وجماعت کو شریک وشامل ہونا) حرام ہے۔

حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کثر سواد قوم فھو منھم

جس نے کسی قوم کا تشخص کثیر بنایا وہ ان میں کا ہے۔

وہ بدزبان ناپاک لوگ اکثر تبرا بک جاتے ہیں اس طرح کہ جاہل سننے والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی اور متواتر سنا گیا ہے کہ سنیوں کو جو شربت دیتے ہیں اس میں نجاست ملاتے ہیں اور کچھ نہ ہو تو اپنے یہاں کے ناپاک قلتین کا پانی ملاتے ہیں

اور کچھ نہ ہو تو وہ روایات موضوعہ وکلمات شنیعہ وماتم حرام سے خالی نہیں ہوتی اور یہ دیکھیں سنیں گے، اور منع نہ کر سکیں گے ایسی جگہ جانا حرام ہے،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

(فتاوی رضویہ جلد 24 صفحہ 526 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/07/31

تصدیق وتصحیح:

آپ کا لکھا ہوا ماشاء اللہ نوحہ، مرثیہ اور روافض کی مجالس میں شرکت کے حوالے سے جو فتویٰ ہے، بہت جاندار، شاندار، مدلل اور مفصل ہے، بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے، اللہ پاک علم وعمل میں اضافہ عطاء فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

کسی کو پینڈو کہنا

استفتاء نمبر: 198

لفظِ "پینڈو" یہ پنجابی زبان کا لفظ ہے، پنجابی زبان میں گاؤں کو "پنڈ" کہتے ہیں اور گاؤں میں رہنے والوں کو "پینڈو" کہتے ہیں، تو عرض یہ ہے کہ لفظِ "پینڈو" کو شہروں میں توہین سمجھا جاتا ہے، جو بھی شہر میں مثلاً لاہور میں اپنے گاؤں کی زبان بولے تو اسے "پینڈو، پینڈو" کہہ کر اس کا اور اس کی زبان کا مذاق بنایا جاتا ہے، خاص کر لاہور میں تو یہ پینڈو پینڈو ہی ہوتا رہتا ہے، جس سے دیہاتیوں کا دل تو دکھتا ہی ہوگا تو شہریوں کا یہ عمل کرنا کیسا ہے؟

سائل: علی حیدر لاہور

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

کسی مسلمان کو ایسے الفاظ سے پکارنا کہ جن سے اس کی بُرائی نکلتی اور دِل شکنی ہوتی ہو تو ایسے نام سے پکارنا، ناجائز وحرام ہے، لہذا کسی گاؤں میں رہنے والے کو حقیر سمجھتے ہوئے اور اس کا مذاق اڑاتے ہوئے اُسے "پینڈو" کہنا ناجائز وگناہ ہے کیونکہ اس سے یقینی طور پر اس کی دل شکنی ہوتی ہے اور اسے تکلیف پہنچتی ہے۔

البتہ اگر ایسی صورتِ حال ہو کہ کسی کو "پینڈو" کہنے سے اس کی دل شکنی نہ ہوتی ہو اور نہ اسے حقیر سمجھتے ہوئے کہا جائے تو پھر اسے "پینڈو" کہنا گناہ نہیں ہوگا۔

چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا مِّنۡهُنَّ‌ۚ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ‌ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِيۡمَانِ‌ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَتُبۡ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ

اے ایمان والو نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے دُور نہیں کہ وہ ان

ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں اور آپس میں طعنہ نہ کرو اور ایک دوسرے کے بُرے نام نہ رکھو کیا ہی بُرا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔

(پارہ 26، سورۃ الحجرات 11 :)

اس آیتِ کریمہ کے تحت صدرُ الافاضل حضرتِ علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رَحمۃُ اللّٰہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ اگر کسی آدمی نے کسی بُرائی سے توبہ کرلی ہو، اس کو بعدِ توبہ اس بُرائی سے عار دِلانا بھی اس نہی میں داخل اور ممنوع ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو کُتّا یا گدھا یا سوّر کہنا بھی اِسی میں داخل ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے وہ اَلقاب مُراد ہیں جن سے مسلمان کی بُرائی نکلتی ہو اور اس کو ناگوار ہو لیکن تعریف کے اَلقاب جو سچے ہوں، ممنوع نہیں جیسے کہ حضرت ابو بکر کا لقب ''عتیق'' اور حضرت عمر کا ''فاروق'' اور حضرت عثمان غنی کا ''ذوالنورین'' اور حضرت علی کا ''ابوتراب'' اور حضرت خالد کا ''سَیفُ اللّٰہ'' رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُم اور جو اَلقاب بمنزلہ عَلَم (نام کے قائم مقام) ہو گئے اور صاحبِ اَلقاب کو ناگوار نہیں وہ اَلقاب بھی ممنوع نہیں جیسے کہ اَعمش (کم بینائی والا) اَعرج (لنگڑا)۔''

کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر ''فاسق'' کہلانا کے تحت مزید تحریر فرماتے ہیں:

تو اے مسلمانو! کسی مسلمان کی ہنسی بنا کر یا اس کو عیب لگا کر یا اس کا نام بگاڑ کر اپنے آپ کو فاسق نہ کہلاؤ۔

(تفسیر خزائن العرفان صفحہ 950 مکتبۃ المدینہ کراچی)

اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی بُرے ناموں سے پکارنے کی ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

ادعوا اخوانکم باحسن اسمائھم ولا تدعوھم بالالقاب

یعنی تم اپنے بھائیوں کو ان کے اچھے ناموں سے پکارو، بُرے ناموں سے انہیں مت پکارو۔

(کنز العمال جلد 16 صفحہ 421، رقم الحدیث 45219 :مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

مزید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من دعا رجلا بغیر اسمه لعنته الملائكة

جس نے کسی مرد کو اس کے نام کے علاوہ نام سے بلایا تو اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں ۔

(کنز العمال جلد 16 صفحہ 420 رقم الحدیث 45211 :موسسۃ الرسالۃ بیروت، جمع الجوامع جلد 7 صفحہ 23 رقم الحدیث 20612 :دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث مبارکہ کے ان الفاظ "من دعا رجلا بغیر اسمه" کے تحت علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ای بلقب یکرهه لا بنحو یا عبد الله

یعنی کسی برے نام سے جسے وہ ناپسند کرتا ہو، نہ کہ یا عبداللہ (اے اللہ کے بندے) وغیرہ سے.

(التیسیر شرح جامع الصغیر، حرف المیم، تحت الحدیث 20612 :جلد 2 صفحہ 416 مکتبہ الامام الشافعی ریاض)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اذی مسلما فقد اذانی و من اذانی فقد اذی الله

یعنی جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ پاک کو ایذا دی۔

(المعجم الاوسط جلد 4 صفحہ 373 رقم الحدیث 3632 : مکتبہ المعارف ریاض)

حضرت سیدنا امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی رَحْمَۃُ اللہِ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

واتفق العلماء على تحريم تلقيب الانسان بما يكره، سواء كان صفة له.... او كان صفة لابيه او لامه او غير ذلك مما يكره

یعنی علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی انسان کو ایسا لقب دینا حرام ہے جسے وہ ناپسند کرتا ہو خواہ وہ (برا لقب) اس کی صفت ہو یا اس کے باپ کی صفت ہو یا اس کی ماں کی صفت ہو یا کسی اور کی صفت ہو۔

(کتاب الاذکار للنووی، کتاب الاخلاق باب النہی عن الالقاب التی یکرہ باصاحبہا، صفحہ 368، 369 مکتبہ دار البیان دمشق بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کسی مسلمان بلکہ کافر ذمی کو بھی بلا حاجت شرعیہ ایسے الفاظ سے پکارنا یا تعبیر کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو، اسے ایذاء پہنچے، شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ اگرچہ بات فی نفسہ سچی ہو،

فان کل حق صدق و لیس کل صدق حقا (ہر حق سچ ہے مگر ہر سچ حق نہیں)"۔

(فتاوی رضویہ جلد 23 صفحہ 204 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ تحریر فرماتے ہیں:

کسی کو ذلیل کرنے کے لیے اور اس کی تحقیر کرنے کے لیے اس کی خامیوں کو ظاہر کرنا، اس کا مذاق اڑانا، اس کی نقل اتارنا یا اس کو طعنہ مارنا یا عار دلانا یا اس پر ہنسنا یا اس کو بُرے بُرے اَلقاب سے یاد کرنا اور اس کی ہنسی اُڑانا مثلاً آج کل کے بزعمِ خود اپنے آپ کو عُرفی شُرفاء کہلانے والے کچھ قوموں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں اور محض قومیّت کی بنا پر ان کا تَمَسْخُر اور اِستہزاء کرتے اور مذاق اڑاتے رہتے ہیں اور قِسم قسم کے دل آزار اَلقاب سے یاد کرتے رہتے ہیں، کبھی طعنہ زنی کرتے ہیں، کبھی عار دلاتے ہیں، یہ سب حرکتیں حرام و گناہ اور جہنم میں لے جانے والے کام ہیں۔ لہٰذا ان حرکتوں سے توبہ لازم ہے، ورنہ یہ لوگ فاسق ٹھہریں گے۔

اسی طرح سیٹھوں اور مالداروں کی عادت ہے کہ وہ غریبوں کے ساتھ تَمَسْخُر اور اہانت آمیز القاب سے ان کو عار دلاتے اور طعنہ زنی کرتے رہتے ہیں اور طرح طرح سے ان کا مذاق اڑایا کرتے ہیں جس سے غریبوں کی دل آزاری ہوتی رہتی ہے، مگر وہ اپنی غُربت اور مُفلسی کی وجہ سے مالداروں کے سامنے دَم نہیں مار سکتے۔ ان مالداروں کو ہوش میں آجانا چاہیے کہ اگر وہ اپنے ان کرتُوتوں سے توبہ کر کے باز نہ آئے تو یقینا وہ قہرِ قہّار و غضبِ جبّار میں گرفتار ہو کر جہنم کے سزاوار بنیں گے اور دنیا میں ان غریبوں کے آنسو قہرِ خداوندی کا سیلاب بن کر ان مالداروں کے محلات کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائیں گے۔

(جہنم کے خطرات صفحہ 175، 176 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/08/08

تصدیق و تصحیح:

کسی کو "پینڈو" کہہ کر اسے حقارت سے پکارنے کے تعلق سے جو آپ کا تحقیقی فتویٰ ہے، بندہ ناچیز اس کی تائید و توثیق کرتا ہے، ماشاء اللہ خوب مفصل اور مدلل فتویٰ ہے، اللہ تعالیٰ علم میں برکتیں عطاء فرمائے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دار الافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

محرم الحرام میں نئے سال کی مبارکباد دینا

استفتاء نمبر:199

محرم الحرام میں نئے سال کی مبارک باد دینا کیسا ہے؟

سائل : مبشر عطاری

بسمه تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

محرم الحرام سے چونکہ نئے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے تو مسلمانوں میں رائج ہے کہ وہ اس سال کی مبارک باد دیتے ہیں اور یہ مبارکباد دینا شرعاً نہ بدعتِ سیئہ (بری بدعت) ہے اور نہ سنت ہے بلکہ مباح وجائز ہے۔

چنانچہ یکم محرم الحرام میں نئے اسلامی سال کی مبارکباد دینے کے جائز و مباح ہونے پر درج ذیل چند دلائل ذکر کیے جاتے ہیں:

1۔امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

قال القمولي في الجواهر :لم أر لأصحابنا كلاما في التهنئة بالعيدين و الأعوام و الأشهر كما يفعله الناس و رأيت فيما نقل من فوائد الشيخ زكي الدين عبد العظيم المنذري أن الحافظ أبا الحسن المقدسي سئل عن التهنئة في أوائل الشهور و السنين أهو بدعة أم لا، فأجاب بأن الناس لم يزالوا مختلفين في ذلك.

قال :و الذي أراه أنه مباح ليس بسنة و لا بدعة". و نقله الشرف الغزي في شرح المنهاج ولم يزد عليه

یعنی (احمد بن محمد) قمولی (شافعی) رحمۃ اللہ علیہ نے ''جواہر'' میں فرمایا:

میں نے عیدین، سالوں اور مہینوں کی مبارکباد دینے کے بارے میں اپنے اصحاب کا کوئی کلام نہیں دیکھا جیسا کہ لوگ ایسے کرتے ہیں (یعنی مبارکباد دیتے ہیں) اور میں نے اس میں دیکھا جس میں شیخ زکی الدین عبدالعظیم منذری کے فوائد سے نقل کیا گیا کہ بیشک حافظ ابوالحسن مقدسی رحمۃ اللہ علیہ سے مہینوں اور سالوں کی مبارکباد دینے کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا وہ بدعت ہے یا نہیں؟

تو جواب دیا کہ: لوگ ہمیشہ اس بارے میں مختلف رہیں ہیں، (اور) فرمایا: اور وہ جسے میں خیال کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ (مبارکباد دینا) مباح (جائز) ہے، نہ سنت ہے اور نہ بدعت ہے۔ اور اس کو شرف غزی نے "شرح المنہاج" نقل فرمایا ہے اور اس پر زیادتی نہیں کی۔

(وصول الامانی باصول التھانی صفحہ 51،52)

2—شریعت نے نئے اسلامی سال کی مبارکباد دینے سے منع نہیں کیا اور جس کام سے شریعت منع نہ کرے وہ بالکل جائز ہوتا ہے۔

جیسا کہ حدیثِ مبارکہ ہے:

اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ

یعنی حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی اختیار فرمائی (یعنی منع نہ فرمایا) وہ معاف ہے (یعنی اس کے کرنے پر کوئی گناہ نہیں)۔

(جامع ترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء، سنن ابن ماجہ، المستدرک للحاکم)

3—نیا اسلامی سال اور محرم الحرام کا مہینہ ہمارے لیے مبارک اور اچھا ہے اور مبارک و اچھی چیز کی مبارکباد دینے کی اصل، صحیح حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

چنانچہ معراج کی رات جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر آسمانوں سے ہوا تو انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج پر مبارکباد پیش کی۔

(کما فی کتب الاحادیث مشہور)

نوٹ: نئے سال کی مبارکباد دینے کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کے ساتھ دعا بھی مانگنی چاہیے، جن الفاظ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو دعا سکھایا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نیا سال شروع ہوتا تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو یہ دعا سکھاتے:

اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْهُ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَ الْاِيْمَانِ وَ السَّلَامَةِ وَ الْاِسْلَامِ وَ رِضْوَانٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ وَ جِوَارٍ مِّنَ الشَّيْطَانِ

ترجمہ: اے اللہ! اس (نئے سال) کو ہمارے اوپر امن اور ایمان، سلامتی اور اسلام، رحمٰن کی خوشنودی اور شیطان سے حفاظت کیساتھ داخل فرمایا.

(المعجم الاوسط، رقم الحدیث 6241 : جلد 6 صفحہ 221 مجمع الزوائد، رقم الحدیث 17150 : معجم الصحابہ، جلد 3 صفحہ 543 رقم الحدیث 1539 :)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/09/01

تصدیق وتصحیح:

اسلامی ہجری سال کے آغاز پر مبارکباد دینے کے حوالے سے آپ کا جو فتوی ہے یہ بالکل درست اور صحیح ہے، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، بندہ ناچیز اس فتوے کی بھر پور تائید وتوثیق کرتا ہے.

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

نئے عیسوی سال کی مبارک باد دینا

استفتاء نمبر:200

نئے عیسوی سال کی مبارک باد دینا کیسا ہے؟

سائل : عبدالرشید عطاری

بسمہ تعالی: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

جنوری سے نئے عیسوی سال کا آغاز ہوتا ہے، تو لوگ بالخصوص سوشل میڈیا پر ایک دوسرے کو اس نئے سال کی مبارکباد دیتے ہیں اور یہ شرعی حیثیت سے نہ سنت ہے اور نہ ہی بدعتِ سیئہ (یعنی بری بدعت) ہے بلکہ مباح (یعنی جائز) عمل ہے، البتہ اگر کوئی اس وجہ سے نئے عیسوی سال کی مبارک باد دیتا ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کو نیکیاں کرنے کیلیے مہلت مل گئی ہے تو اس اچھی نیت کے ساتھ مبارک باد دینا مستحسن ہو جائے گا۔ چنانچہ نئے عیسوی سال کی مبارکباد دینے کے جائز ہونے پر ذیل میں چند دلائل ملاحظہ

کیجیے:

1۔ امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

قال القمولی فی الجواهر :لم أر لأصحابنا کلاما فی التهنئة بالعیدین والأعوام والأشهر کما یفعله الناس ورأیت فیما نقل من فوائد الشیخ زکی الدین عبد العظیم المنذری أن الحافظ أبا الحسن المقدسی سئل عن التهنئة فی أوائل الشهور والسنین أهو بدعة أم لا؟ فأجاب بأن الناس لم یزالوا مختلفین فی ذلك.

قال :والذی أراه أنه مباح لیس بسنة ولا بدعة".ونقله الشرف الغزی فی شرح المنهاج ولم یزد علیه

یعنی (احمد بن محمد) قمولی (شافعی) رحمۃ اللہ علیہ نے ''جواہر'' میں فرمایا:

میں نے عیدین! سالوں اور مہینوں کی مبارکباد دینے کے بارے میں اپنے اصحاب کا کوئی کلام نہیں دیکھا جیسا کہ لوگ اسے کرتے ہیں (یعنی مبارکباد دیتے ہیں) اور میں نے اس میں دیکھا جس میں شیخ زکی الدین عبدالعظیم منذری کے فوائد سے نقل کیا گیا کہ بیشک حافظ ابوالحسن مقدسی رحمة الله علیه سے مہینوں اور سالوں کی مبارکباد دینے کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا وہ بدعت ہے یا نہیں؟

تو جواب دیا کہ لوگ ہمیشہ اس بارے میں مختلف رہیں ہیں، (اور) فرمایا :اور وہ جسے میں خیال کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ (مبارکباد دینا) مباح (جائز) ہے ,نہ سنت ہے اور نہ بدعت ہے۔اور اس کو شرف غزی نے "شرح المنہاج" نقل فرمایا ہے اور اس پر زیادتی نہیں کی.

(وصول الامانی باصول التھانی صفحہ 52 ,51)

2۔ شریعت نے نئے عیسوی سال کی مبارکباد دینے سے منع نہیں کیا اور جس کام سے شریعت منع نہ کرے وہ بالکل جائز ہوتا ہے.

چنانچہ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللهُ فِیْ کِتَابِهٖ وَ الْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللهُ فِیْ کِتَابِهٖ وَمَا سَکَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ

یعنی حلال وہ ہے جسے اللہ پاک نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ پاک نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی اختیار فرمائی (یعنی منع نہ فرمایا) وہ معاف ہے (یعنی اس کے کرنے پر کوئی گناہ نہیں)۔

(جامع ترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء، سنن ابن ماجہ، المستدرک للحاکم)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/12/31

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

ہیئر ٹرانسپلانٹ کرانے کی شرعی حیثیت

استفتاء نمبر: 201

کیا ہیئر ٹرانسپلانٹ کرانا (یعنی اپنے سر کے پیچھے کے بال سر کے اگلے حصے پر لگوانا) جائز ہے؟

سائل: ابو اسید عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اس طرح ہیئر ٹرانسپلانٹ کرانا کہ اپنے سر کے اگلے حصے پر سر کے پچھلے حصے کے بال یا کسی دوسرے انسان یا خنزیر کے بال لگوا رہا ہے تو یہ ناجائز وحرام ہے، البتہ اگر کوئی آرٹیفشل (یعنی نقلی) بال لگوائے یا خنزیر کے علاوہ کسی اور جانور کے بال لگوائے تو پھر جائز ہے، کتے کے بال لگوانا اگرچہ جائز ہیں لیکن اس کے بارے میں علمائے کرام کا شدید اختلاف ہے، اس لیے کتے کے بالوں کو نہ لگوانا بہتر ہے۔

چنانچہ علامہ زین الدین بن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَشَعْرِ الْإِنْسَانِ وَالِانْتِفَاعِ بِهِ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ وَالِانْتِفَاعُ بِهِ لِأَنَّ الْآدَمِيَّ مُكَرَّمٌ غَيْرُ مُبْتَذَلٍ فَلَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ شَيْءٌ مِنْ أَجْزَائِهِ مُهَانًا مُبْتَذَلًا، وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَعَنَ اللّٰہُ الْوَاصِلَۃَ وَ الْمُسْتَوْصِلَۃَ« وَإِنَّمَا یُرَخَّصُ فِیْمَا یُتَّخَذُ مِنَ الْوَبَرِ فَیَزِیْدُ فِی قُرُوْنِ النِّسَاءِ وَذَوَائِبِہِنَّ

یعنی انسان کے بالوں کی خرید وفروخت اور اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ آدمی محترم ہے اس کے کسی جزء کو استعمال نہیں کیا جاسکتا اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا :

اللہ پاک ایسی عورت پر لعنت بھیجتا ہے جو اپنے بالوں میں (انسان یا خنزیر کے) بال ملاتی ہے یا ملواتی ہے۔

ہاں عورت کا اپنے مینڈھیوں میں جانوروں کے بالوں کو استعمال کرنے میں رخصت ہے۔'

(البحر الرائق کتاب البیوع باب بیع الفاسد جلد 6 صفحہ 88 مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی بیروت)

2— علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

لَعَنَ اللّٰہُ الْوَاصِلَۃَ وَالْمُسْتَوْصِلَۃَ وَھٰذَا اللَّعْنُ لِلْاِنْتِفَاعِ بِمَا لَا یَحِلُّ الْاِنْتِفَاعُ بِہٖ. اَلَا تَرَی اَنَّہٗ رَخَّصَ فِیْ اِتِّخَاذِ الْقَرَامِیْلِ وَھُوَ مَا یُتَّخَذُ مِنَ الْوَبَرِ لِیَزِیْدَ فِی قُرُوْنِ النِّسَاءِ لِلتَّکْثِیْرِ. فَظَھَرَ اَنَّ اللَّعْنَ لَیْسَ لِلتَّکْثِیْرِ مَعَ عَدَمِ الْکَثْرَۃِ وَاِلَّا لَمَنَعَ الْقَرَامِیْلُ وَلَا شَکَّ اَنَّ الزِّیْنَۃَ حَلَالٌ. قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ :قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ. فَلَوْ لَا لُزُوْمُ الْاِھَانَۃِ بِالْاِسْتِعْمَالِ لَحَلَّ وَصْلُھَا بِشُعُوْرِ النِّسَاءِ اَیْضاً"

یعنی (لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ) یہ لعنت اس انتفاع کیلیے ہے جس کے ساتھ انتفاع حلال نہیں، کیا تو نہیں دیکھتا کہ شرع نے موباف (جانوروں کے بالوں) کو ملانے میں رخصت دی ہے اور یہ اونٹ اور خرگوش وغیرہ کے بالوں سے بنایا جاتا ہے، تاکہ وہ عورتوں کی مینڈھیوں میں بالوں کو زیادہ کرنے کیلیے زیادتی کرے پس ظاہر ہوگیا کہ لعنت کم بالوں کے ساتھ بالوں کو زیادہ کرنے کیلیے نہیں ورنہ موباف (جانوروں کے بال) بھی ضرور منع ہوتے، اور کوئی شک نہیں کہ زینت حلال ہے،

اللہ تعالی نے فرمایا: تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کیلیے نکالی۔ پس اگر (انسانوں کے بالوں کو) استعمال کرنے کے ساتھ اہانت لازم نہ آتی تو بالوں کو عورتوں کے بالوں کے ساتھ ملانا بھی ضرور حلال ہوتا؟

(فتح القدیر، البیع الفاسد، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَاِنَّمَا الرُّخْصَۃُ فِی شَعْرِ غَیْرِ بَنِیْ اٰدَمَ تَتَّخِذُہُ الْمَرْاَۃُ لِتَزِیْدَ فِیْ قُرُوْنِھَا

یعنی بنی آدم (انسانوں) کے بالوں کے علاوہ میں ہی رخصت ہے جن کو عورت ملاتی ہے تاکہ عورت اپنی مینڈھیوں

(گیسیوں) میں اضافہ کر سکے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، فصل فی النظر واللمس، جلد 9، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

انسان کے بال کی بیع درست نہیں اور انہیں کام میں لانا بھی جائز نہیں، مثلاً ان کی چوٹیاں بنا کر عورتیں استعمال کریں حرام ہے، حدیث میں اس پر لعنت فرمائی۔

(بہارِ شریعت جلد 2 صفحہ 700 مکتبۃ المدینہ کراچی)

فتاوی یورپ میں ہے:

زندہ یا مردہ انسانوں کے بالوں سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا ممنوع و ناجائز ہے اور اس کا کھانا پینا احتراماً و اکراماً حرام ہے، اسی طرح اس کی خرید و فروخت اور اس کا کاروبار ناجائز ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

شعر الانسان والانتفاع به ای لم یجز بیعه والانتفاع به لان الآدمی مکرم

انسانی بال سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا (خواہ وہ کھانے پینے سے متعلق ہو یا خرید و فروخت سے) جائز نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے تمام اعضاء انسانی کے ساتھ لائقِ تعظیم ہے۔

(فتاوی یورپ صفحہ 466 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

واللہ اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلی اللہ علیه وآله وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

202/09/22

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

مفتی و حکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

قرآن پاک سے فال نکالنا

استفتاء نمبر: 202

قرآنِ پاک سے فال نکالنا کیسا ہے؟

سائل: مدثر علی کراچی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

قرآنِ پاک سے فال نکالنا ناجائز وگناہ ہے جیسے قرآنِ پاک کے بعض نسخوں کے آخر میں فال کا یہ طریقہ لکھا ہوتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے ایک دائرے کے اندر چند مخصوص حرفوں پر انگلی پھیریں، جس حرف پر انگلی روک کر آنکھیں کھولیں گے تو اس حرف کے نیچے فال لکھی ہوگی تو قرآنِ پاک سے فال نکالنے کا یہ طریقہ ہو یا کوئی اور طریقہ ہو، سب ناجائز وگناہ ہے۔

چنانچہ امام علی بن سلطان محمد حنفی المعروف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"قال القونوي: والحديث يشمل الكاهن و العرّاف و المنجم، فلا يجوز اتباع المنجم و الرمّال وغيرهما كالضارب بالحصى، و ما يعطى هؤلاء حرام بالاجماع كما نقله البغوي و القاضي عياض وغيرهما، و لا اتباع من ادعى الالهام فيما يخبر به عن الهاماته بعد الانبياء عليهم السلام، و لا اتباع قول من ادعى علم الحروف المهجات لانه في معنى الكاهن انتهى۔

و من جملة علم الحروف: فال المصحف حيث يفتحونه و ينظرون في اول الصحيفة اى حرف وافقه، و كذا في سابع الورقة السابعة، فان جاء حرف من الحروف المركبة من "تخلا كم" حكموا بانه غير مستحسن، و في سائر الحروف بخلاف ذلك. و قد صرح ابن العجمي في منسكه كما قال: و لا يوخذ الفال من المصحف"

یعنی امام قونوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حدیث (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من اتى كاهنا فصدقه بما تقول فقد كفر بما انزل على محمد صلى الله عليه و آله و سلم، یہ حدیث) کاہن، عرّاف اور نجومی سب کو شامل ہے، پس نجومی اور علم رمل والوں اور ان کے علاوہ جیسے جو شخص کنکری پھینک کر دعوی کرنے والا ہو تو ان کی اتباع جائز نہیں ہے، اور جو کچھ ان لوگوں کو دیا جاتا ہے وہ بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما نے اس کو نقل فرمایا ہے، اور اس

کی بھی اتباع جائز نہیں جو ان معاملات میں الہام کا دعویٰ کرے جو اپنے الہامات کے ساتھ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد بتائے، اور علمِ حروف کے مدعی کی پیروی بھی جائز نہیں کہ وہ کاہن کے معنی میں ہے۔ (امام قونوی کا کلام مکمل ہوا۔)

اس علمِ حروف میں سے قرآن کی فال ہے کہ جب قرآنِ پاک کو کھولتے ہیں اور صفحہ کے شروع میں دیکھتے ہیں جو بھی حرف اس کے موافق ہو، اور ایسے ساتویں ورقے کے ساتویں حروف کو دیکھتے ہیں، پس اگر "تخلا کم" سے مرکب حروف سے کوئی حرف آجائے تو اس کام کے اچھا نہ ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں اور باقی تمام حروف میں اس کے برخلاف فیصلہ کرتے ہیں۔

اور محقق ابن عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "منسک" میں اس بات کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا: قرآنِ پاک سے فال نہیں نکالی جاسکتی۔

(شرح ملا علی قاری علی الفقہ الاکبر صفحہ 149 قدیمی کتب خانہ کراچی)

طریقہ محمدیہ مع حدیقہ ندیہ میں ہے:

(لیس الفال الذی یفعل فی زماننا) فیتطلبون بہ معرفۃ الحال من الخیر و الشر کانہ استکشاف عن الغیب (مما یسمونہ فال القرآن او فال دانیال او نحوھما)
و قال والدی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرحہ علی شرح الدرر" :وفی کتاب التحفۃ اخذ الفال من المصحف مکروہ کذا ذکرہ القھستانی یعنی کراھۃ تحریم لانھا المحمل عند الاطلاق عندنا"

یعنی (جائز نہیں ہے وہ فال جو ہمارے زمانے میں نکالی جاتی ہے) پس لوگ اس کے ساتھ بھلائی اور شر کے حال کی معرفت طلب کرتے ہیں گویا کہ وہ فال غیب کو ظاہر کرتی ہے (یہ فال اس میں سے ہے جسے لوگ قرآنی فال اور فالِ دانیال وغیرہ کے نام دیتے ہیں)۔

اور میرے والد رحمۃ اللہ علیہ "شرح الدرر" پر اپنی شرح میں فرماتے ہیں:

اور کتاب التحفہ میں ہے کہ قرآنِ پاک سے فال نکالنا مکروہ ہے، ایسے ہی قہستانی نے ذکر کیا ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے اس لیے کہ ہمارے نزدیک مکروہ کے اطلاق کے وقت تحریمی ہی اس کا محمل ہوتا ہے (یعنی مطلق مکروہ سے مراد تحریمی ہوتا ہے)۔

(الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ، جلد 2 صفحہ 26 المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ الجامع البغدادی لائلپور پاکستان)

سیدی اعلیحضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قرآنِ عظیم سے فال دیکھنے میں ہمارے علمائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ ناجائز وممنوع ومکروہِ تحریمی ہے، قرآن عظیم اس لیے نہ اتارا

گیا۔

(فتاوی افریقہ صفحہ 149 شبیر برادرز لاہور)

مفتی اعظم ہند علامہ مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ عمل اور ایسے ہی چور کا نام نکالنے کا ہے جو مسلمانوں میں رائج ہے، یوں ہی فال نکالنا بھی اسی طرح عوام وخواص میں سب رائج ہے، لوگ ایسا عمل کریں یا فال کھولیں اور اس عمل یا فال پر ایسا یقین رکھیں (کہ) اس سے غیب کا حال معلوم ہو جانا یقین کریں، ان کے ایسے خیالِ خام کی بنیاد (پر) یہ ان کے لیے ناجائز ہے۔ خصوصاً قرآنِ عظم (عظیم) سے فال اور زیادہ اشد (سخت) ہے کہ کبھی کچی سمجھ والے کا اس کے خلاف ہونے پر جو فال سے معلوم ہوا تھا اعتقاد ہی متزلزل ہو جائے (گا)۔

(فتاوی مفتی اعظم جلد 5 صفحہ 186، 187 ناشر اکبر بک سیلرز لاہور)

شیخ الحدیث و، التفسیر مفتی محمد قاسم صاحب اپنے ایک فتوے میں تحریر فرماتے ہیں:

"قرآنِ مجید سے فال دیکھنا ناجائز وممنوع ہے"۔

(دارالافتاء اہلسنت، دعوتِ اسلامی، فتویٰ نمبر Sar: 5222 :)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/01/20

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

رات کے وقت جھاڑو لگانا

استفتاء نمبر: 203

رات کے وقت جھاڑو دینا کیسا ہے؟

سائلہ: ام عمارہ عطاریہ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق و الصواب

رات کے وقت جھاڑو دینا اگرچہ جائز ہے مگر بچنا بہتر ہے کیونکہ اس سے تنگدستی اور بھول پیدا ہوتی ہے ۔

چنانچہ شیخ علامہ شہاب الدین قلیوبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قيل ان الحكماء عدوا امورا فى اشياء مخصوصة... منها ستة تورث الفقر الاول الكنس بالخرق

یعنی کہا گیا ہے کہ بے شک حکماء (یعنی دانا لوگوں) نے مخصوص اشیاء میں کچھ امور شمار کیے ہیں جن میں سے یہ ہے کہ چھ چیزیں محتاجی پیدا کرتی ہیں ان چھ میں سے پہلی چیز (گھر میں) پھٹے کپڑے سے جھاڑو دینا ہے۔

(کتاب القلیوبی صفحہ 237، 239 ملتقطاً فی المطبعۃ الانتظامیۃ الواقعۃ کانفور)

2— عالِم عامل، شیخِ کامل، فقیہ ابو اللیث سمرقندی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

منقول ہے کہ گھر میں کپڑے سے جھاڑو دینا مفلسی اور نحوست لاتا ہے۔

(بستان العارفین مترجم صفحہ 293 ناشر طلبہ وطالبات افضلیت جامعہ اہل سنت شمس العلوم گھوسی مئو)

3— برھان الاسلام علامہ زرنوجی تلمیذ صاحبِ ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و كنس البيت فى الليل بالمنديل، يورث الفقر، عرف ذلك بالآثار

یعنی رات کو رومال (کپڑے) کے ساتھ سے جھاڑو دینا تنگدستی کو پیدا کرتا ہے اور یہ (یعنی اس کا تنگدستی کا سبب بننا) آثار کے ساتھ معلوم ہوا ہے۔

(تعلیم المتعلم طریق التعلم صفحہ 86، 87 ملتقطاً مطبوعہ الدار السودانیہ للکتب)

سیدی امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہ العالیہ دے سوال ہوا کہ :

رات میں جھاڑو دینا تنگدستی کے اَسباب میں شمار کیا گیا ہے اور صَفائی کو نِصف اِیمان فرمایا گیا ہے، اگر دِن میں کسی وجہ سے صَفائی نہ کی گئی ہو جیسے گھر والے شادی یا کسی تقریب میں گئے ہوئے ہوں تو کیا وہ رات میں گھر کی صَفائی کرنے کے لیے جھاڑو نہ دیں؟

تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

اگرچہ بعض بزرگوں نے رات میں جھاڑو دینے (اور کپڑے سے جھاڑو دینے) کو تنگدستی کے اسباب میں شمار کیا ہے۔ مگر اسے ناجائز کسی نے بھی نہیں کہا کہ رات میں جھاڑو دینا گناہ قرار پائے، لہٰذا رات میں جھاڑو دینا شرعاً جائز ہے۔
(ملفوظات امیر اہلسنت (قسط 27) چور بازار سے چیزیں خریدنا کیسا؟ صفحہ 17 مطبوعہ مکتبۃ المدینہ کراچی)

نوٹ: بعض بزرگوں نے رات کے اوقات میں مطلقاً (بغیر کسی قید کے) جھاڑو دینے کو تنگدستی کا سبب قرار دیا ہے، چاہے جھاڑو کپڑے کا ہو یا نہ ہو، لہٰذا رات کو گھر میں جھاڑو دینے سے بچنا چاہیے لیکن اگر کوئی رات کو جھاڑو دیتا ہے تو گنا ہگار نہیں ہوگا۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/022/12

تصدیق وتصحیح:

1— رات کو جھاڑو لگانے کے حوالے سے آپ کا فتویٰ باصرہ نواز ہوا، بندہ ناچیز اس کی تائید وتوثیق کرتا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے عمر میں، علم میں برکتیں عطاء فرمائے۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

2— الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

مرد کا چھلا پہننا

استفتاء نمبر: 204

کیا مرد چھلا پہن سکتا ہے؟

سائل: جنید رضا

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

شریعت میں مرد کے لئے چاندی کی ساڑھے چار ماشے سے کم والی انگوٹھی پہننے کی اجازت ہے مگر چھلا پہننے کی اجازت نہیں ہے، جس حلقہ (رِنگ) میں نگ نہ ہو اس کو چھلا کہا جاتا ہے اور چھلا پہننا مرد کے لئے جائز نہیں ہے خواہ چاندی کا ہو یا کسی اور

دھات کا۔

چنانچہ سیدی اعلیحضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے جب چھلے کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا مرد چھلا پہن سکتا ہے؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا": حرام ہے۔"

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 147 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

انگوٹھی وہی جائز ہے جو مردوں کی انگوٹھی کی طرح ہو یعنی ایک نگینہ کی ہو اور اگر اس میں کئی نگینے ہوں تو اگرچہ وہ چاندی ہی کی ہو مرد کے لئے ناجائز ہے، اسی طرح مردوں کے لیے ایک سے زیادہ انگوٹھی پہننا یا چھلے پہننا بھی ناجائز ہے کہ یہ انگوٹھی نہیں، عورتیں چھلے پہن سکتی ہیں۔"

(بہار شریعت جلد 3 حصہ 16 صفحہ 427، 428 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/02/26

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

جزاک اللہ، بارک اللہ، ماشاء اللہ وغیرہ کہنا

استفتاء نمبر:205

جزاک اللہ خیرا، بارک اللہ، ماشاء اللہ، الحمد للہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور وعلیکم السلام

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وغیرہ کو رومن میں لکھنا کیسا ہے؟

سائل : قاری محمد علی عطاری کراچی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

جزاک اللہ خیرا، بارک اللہ، ماشاء اللہ، الحمدللہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر وغیرہ کو رومن انگلش میں لکھنا اگر چہ جائز ہے مگر ان کو رومن انگلش میں لکھنے سے بچنا بہتر ومناسب ہے، رومن انگلش کے بجائے عربی میں ہی لکھنا چاہیے یا پھر ان کے ترجمے کو رومن انگلش میں لکھ لینا چاہیے، جیسے "جزاک اللہ خیرا" کے ترجمہ (اللہ پاک آپ کو جزائے خیر دے) کو رومن انگلش میں لکھ لینا چاہیے۔

اسی طرح السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کو رومن انگلش میں لکھنا بھی جائز ہے مگر رومن انگلش میں لکھنے کے بجائے عربی میں لکھنا چاہیے، البتہ اگر رومن انگلش میں لکھنا، چاہیں یا عربی اور اردو موبائل میں نہ ہو تو مکمل سلام یا سلام کے مکمل جواب کے بجائے صرف "Salaam" لکھنا چاہیے۔

البتہ قرآنِ پاک کو رومن انگلش میں لکھنا ضرور ناجائز وحرام ہے۔

چنانچہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ہندی یا انگریزی رسم الخط میں قرآن لکھنا تو صریح تحریف ہے کہ اولاً تو اوپر ذکر کی ہوئی پابندیوں کے خلاف ہے۔ دوم سین، صاد اور ثاء میں، اسی طرح ق اور ک میں، ز، ذ اور ظ میں بالکل فرق نہ ہو سکے گا مثلاً ظاہر کے معنی ہیں ظاہر اور زاہر کے معنی ہیں چمکدار یا تروتازہ۔ اب اگر آپ نے انگریزی میں zahir لکھا تو کیسے معلوم ہو کہ یہ ظاہر ہے یا زاہر۔ اسی طرح تاہر اور طاہر، قدیر اور قادر، سامع اور سمیع، عالم اور علیم میں کس طرح فرق رہے گا؟ غرضیکہ اوصاف والفاظ تو در کنار خود حروف ہی منقلب ہو جائیں گے اور معنیٰ ہی ختم۔"

(فتاویٰ نعیمیہ صفحہ 116 مکتبہ اسلامیہ لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/12/24

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

سفر کی آخری بدھ کو دیسی گھی کی چوری بنانا

استفتاء نمبر: 206

صفر المظفر کی آخری بدھ کو دیسی گھی کی چوری بنانا کیسا ہے؟

سائل: محمد قادری عیسیٰ خیل

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

صفر المظفر کی آخری بدھ کو دیسی گھی کی چوری بنا کر کھانا اور تقسیم کرنا بغیر کسی کراہت کے جائز اور درست ہے لیکن اس نیت سے خوشی مناتے ہوئے چوری بنانا کہ حضور نبی کریم صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلَّم نے اس روز غسلِ صحت فرمایا تھا اور مدینہ منورہ سے باہر سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ تو یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں تو حضور نبی اکرم صلَّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلَّم کا مرض شدت کے ساتھ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرضِ اقدس جس میں وفات ہوئی، اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔

لہٰذا ایسا اعتقاد نہ رکھنا چاہئے اور اس اعتقاد کے بغیر کوئی چوری بناتا ہے، کھاتا ہے اور تقسیم کرتا ہے تو اس سے شریعت نے بالکل منع نہیں کیا بلکہ صلہ رحمی کی نیت سے بنا کر رشتہ داروں کو کھلاتا ہے تو ثواب کا حقدار بھی ہوگا۔

چنانچہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ

یعنی حلال وہ ہے جسے اللہ پاک نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ پاک نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس سے اللہ پاک نے خاموشی اختیار فرمائی ہے تو وہ اس میں سے ہے جسے اللہ پاک نے معاف کیا (یعنی اس پر کوئی شریعت کی طرف سے پکڑ نہیں بلکہ اس کا کرنا جائز ہے)۔

(سنن ترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الفراء، صفحہ 434، رقم الحدیث 1726:، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الاطعمہ، الفصل الثانی، صفحہ 170، المجلد الثانی، رقم الحدیث 4227 :(70)، مکتبۃ البشریٰ کراچی پاکستان)

(سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب اکل الجبن والسمن، صفحہ 547، رقم الحدیث 3367: ، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

(المعجم الکبیر للطبرانی، المستدرک للحاکم، کتاب الاطعمہ، جلد 4، صفحہ 129، دارالکتب العلمیہ بیروت)

ایک مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فِی کُلِّ کَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْر

یعنی ہر ترجگر میں اجر (ثواب) ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب المساقاۃ، باب فضل سقی الماء، صفحہ 426، رقم الحدیث 2363: دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

(صحیح مسلم، کتاب السلام، باب فضل ساقی البہائم المحترمۃ واطعامہا، صفحہ 885، رقم الحدیث 2244: ، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ صفر کے اخیر چہار شنبہ کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض سے صحت پائی تھی بنابر اس کے اس روز کھانا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں علی ہذا القیاس مختلف جگہوں میں مختلف معمولات ہیں، کہیں اس روز کو نحس (منحوس) و نامبارک جان کر گھر کے پرانے برتن گلی تڑوا لیتے ہیں اور تعویذ و چھلہ و چاندی کہ اس روز کی صحت بخشی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مریضوں کو استعمال کراتے ہیں یہ جملہ امور بر بنائے صحت یابی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمل میں لائے جاتے ہیں، لہٰذا اصل اس کی شرع میں ثابت ہے کہ نہیں؟ اور فاعل عامل اس کا بر بنائے ثبوت یا عدمِ ثبوت، گرفتارِ معصیت ہوگا یا قابلِ ملامت و تادیب؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا:

آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحت یابی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور ایک حدیث مرفوع میں آیا ہے:

آخر اربعاء فی الشهر یوم نحس مستمر

ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ دائمی نحوست والا دن ہے۔

(کنز العمال، جلد 2 صفحہ 11 رقم الحدیث 2931: ، موسسۃ الرسالہ بیروت)

اور مروی ہوا کہ ابتدا ابتلائے سیدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اسی دن تھی اور اسے نحس سمجھ کر مٹی کے برتن توڑ دینا گناہ و اضاعت مال ہے۔ بہر حال یہ سب باتیں بے اصل و بے معنی ہیں۔"

(فتاوی رضویہ جلد 23 صفحہ 271 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ماہ صفر کا آخر چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے،لوگ اپنے کاروبار بند کردیتے ہیں، سیر وتفریح وشکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اورنہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ حضور اقدس صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم نے اس روز غسل صحت فرمایا تھااور بیرونِ مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ والہ وسلم کا مرض شدت کے ساتھ تھا، وہ باتیں خلاف واقع ہیں۔اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اورطرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں سب بے ثبوت ہیں، بلکہ حدیث کا یہ ارشاد "لاصفر" یعنی صفر کوئی چیز نہیں۔ایسی تمام خرافات کورد کرتا ہے۔

(بہارِشریعت جلد 3 حصہ 16 صفحہ 659 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مفتی فضیل صاحب مدظلہ العالی اپنے ایک فتوے میں تحریر فرماتے ہیں:

صفر کے آخری بدھ کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی اس دن سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی صحت یابی کا کوئی ثبوت ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض اقدس جس میں وفات ہوئی، اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے، لہٰذا لوگوں کا یہ اعتقاد اور اس کی بناء پر عمدہ کھانے وچوری بنانا اور خوشیاں منانا بے اصل ہے۔

(دارالافتاء اہلسنت، فتویٰ نمبر Kan-12107 :)

فتاویٰ اکبریہ میں ہے: خلاصہ تحریر یہ ہے کہ یہ ایشیاء کی رسم ہے، اس کا کسی مشہور کتاب میں ذکر موجود نہیں ہے۔

(فتاویٰ اکبریہ، کتاب العقائد، جلداول صفحہ 118 مکتبہ اکبریہ)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/10/14

تصدیق وتصحیح:

1—الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دارالافتاء اہلسنت میانوالی۔

2۔ الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

نعت میں دف بجانا

استفتاء نمبر: 207

نعت میں دف بجانا کیسا ہے؟

سائل: قاری احمد رضا کراچی

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

خوشی کے موقع پر دف بجانا چار شرطوں کے ساتھ جائز ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

1۔ دف جھانج کے بغیر ہو۔

2۔ قواعدِ موسیقی (یعنی موسیقی کے سُر تال) پر نہ بجایا جائے۔

3۔ دف بجانے والے مرد یا عزت دار عورتیں نہ ہوں بلکہ نابالغ بچیاں یا ایسی کم حیثیت عورتیں بجائیں۔

4۔ جہاں دف بجایا جائے وہ فتنے کا محل نہ ہو۔

لیکن آجکل جو دف رائج ہے وہ موسیقی کی طرز میں بجایا جاتا ہے جس کا بجانا اور سننا شرعاً ناجائز وممنوع ہے، لہٰذا نعت شریف پڑھنے کے دوران مُرَوَّجہ انداز میں دف بجانا ناجائز وگناہ اور بے ادبی ہے اور ایسی نعت سننا بھی جائز نہیں ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اوقاتِ سرور میں دف جائز ہے بشرطیکہ اس میں جلاجل یعنی جھانج نہ ہوں، نہ وہ موسیقی کے تال سُر پر بجایا جائے ورنہ وہ بھی ممنوع۔

(فتاویٰ رضویہ جلد 24 صفحہ 137 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

دف کہ بے جلاجل یعنی بغیر جھانجھ کا ہو اور تال سم کی رعایت سے نہ بجایا جائے اور بجانے والے نہ مرد ہوں نہ ذی عزت عورتیں، بلکہ کنیزیں یا ایسی کم حیثیت عورتیں اور وہ غیر محل فتنہ میں بجائیں تو نہ صرف جائز بلکہ مستحب ومندوب ہے، للامر بہ فی الحدیث والقیود

مذکورۃ فی ردالمحتار وغیرہ شرحناھافی فتاؤ نا۔ حدیث میں مشروط دف کے بجانے کاحکم دیا گیااوراس کی تمام قیود کوفتاوٰی شامی وغیرہ میں ذکرکردیا گیااورہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تشریح کردی ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 643 رضافاؤنڈیشن لاہور)

مزیدایک اورمقام پرتحریرفرماتے ہیں:

ہاں شرع مطہر نے شادی میں بغرض اعلان نکاح صرف دف کی اجازت دی ہے جبکہ مقصود شرع سے تجاوزکرکے لہومکروہ و تحصیل لذت شیطانی کی حدتک نہ پہنچے، ولہذا علماء شرط لگاتے ہیں کہ قواعد موسیقی پرنہ بجایا جائے، تال سم کی رعایت نہ ہونہ اس میں جھانج ہوں کہ وہ خواہی نخواہی مطرب وبناجائز ہیں۔ پھراس کا بجانا بھی مردوں کوہرطرح مکروہ ہے۔ نہ شرف والی بیبیوں کے مناسب بلکہ نابالغہ چھوٹی چھوٹی بچیاں یالونڈیاں باندیاں بجائیں، اوراگراس کے ساتھ کچھ سیدھے سادے اشعار یاسہرے سہاگ ہوں جن میں اصلاً نہ فحش ہونہ کسی بے حیائی کاذکر، نہ فسق وفجورکی باتیں، نہ مجمع زنان یافاسقان میں عشقیات کے چرچے نہ نامحرم مردوں کونغمہ عورات کی آواز پہنچے، غرض ہرطرح منکرات شرعیہ ومظان فتنہ سے پاک ہوں، تواس میں مضائقہ نہیں۔ جیسے انصار کرام کی شادیوں میں سمدھیانے جاکریہ شعرپڑھاجاتاتھا:

اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم

یعنی ہم تمھارے پاس آئے ہم تمھارے پاس آئے، اللہ ہمیں زندہ رکھے تمھیں بھی جلائے یعنی زندہ رکھے۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب فی الغناء والدف، صفحہ 138، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

پس اس قسم کے پاک وصاف مضمون ہوں، اصل حکم میں تواسی قدرکی رخصت ہے مگرحال زمانہ کے مناسب یہ ہے کہ مطلق بندش کی جائے کہ جہال حال خصوصا زنان زمان سے کسی طرح امید نہیں کہ انھیں جوحد باندھ کراجازت دی جائے اس کی پابندرہیں اور حدمکروہ وممنوع تک تجاوز نہ کریں۔ لہذا سرے سے فتنہ کادروازہ ہی بند کیاجائے نہ انگلی ٹیکنے کی جگہ پائیں گی نہ آگے پاؤں پھیلائیں گی، خصوصا بازاری فاجرہ فاحشہ عورتوں، رنڈیوں، ڈومنیوں کوتوہرگزہرگز قدم نہ رکھنے دیں کہ ان سے حدشرع کی پابندی محال عادی ہے۔ وہ بے حیائیوں فحش سرائیوں کی خوگرہوتی ہیں منع کرتے کرتے اپنا کام کرگزریں گی بلکہ شریف زادیوں کاان آوارہ بدوضعوں کے سامنے آناہی سخت بیہودہ وبیجاہے۔ صحبت بدزہرقاتل ہے اورعورتیں نازک شیشیاں ہیں جن کے ٹوٹ جانے کے لئے ایک ادنی سی ٹھیس بھی بہت ہوتی ہے، اسی لئے حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے "یاانجشۃ رویدابالقواریر" (اے انجشہ! ٹھہرجاؤ کہیں کانچ کی شیشیاں ٹوٹ نہ جائیں) فرمایا۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 908– 910 قدیمی کتب خانہ کراچی)

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم النساء، جلد 2 صفحہ 255، قدیمی کتب خانہ کراچی)
(مسند احمد بن حنبل، عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جلد 3 صفحہ 254، المکتب الاسلامی بیروت)

هذا كله ظاهر بين عند من نور الله تعالیٰ بصيرته و جميع ما نهينا عنه فان عليه دلائل ساطعة من القراٰن العظيم و الحديث الكريم و الفقة القويم بيدان وضوح الحكم اغنانا عن سردها فلنذكر بعض دلائل على ما ذكرنا اباحته فانا نرى ناسا يشد دون الامر يطلقون القول بالتحريم و منهم من يبيح ضرب الدف بشرط ان لايكون معه شيء من الشعر وانما يكون محض دف مع ان الاحاديث ترد ذٰلك كما ستعلم مما هنالك اخرج الامام البخاری فی صحيحه من الربيع بنت معوذ بن عفرا قالت جاء النبی صلی الله تعالیٰ عليه واله وسلم فدخل حسين بن علی فجلس علی فراشی كمجلسك منی فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف ويندبن من قتل من اٰبائی يوم بدر، الحديث

یہ سب کچھ اچھی طرح واضح ہے ہراس بندے پرجس کو اللہ تعالیٰ نے دل کی روشنی بخشی ہے اور تمام وہ باتیں جن سے ہم نے منع کیا ہے کیونکہ اس پر قرآن عظیم، حدیث مبارک اور فقہ قویم کے روشن دلائل موجود ہیں لہٰذا واضح حکم نے ہمیں اس کی تفصیل سے بینیاز کر دیا ہے پھر ہم بعض دلائل بیان کرتے ہیں اس مسئلہ پر جس کی اباحت ہم نے پہلے ذکر کر دی کیونکہ کچھ لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاملہ میں سختی کرتے ہیں اور مطلق تحریم کا قول ذکر کرتے ہیں (قول بالتحریم مطلق بیان کرتے ہیں) اور کچھ وہ لوگ ہیں جو دف بجانا مباح کہتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ اشعار نہ پڑھے جائیں بلکہ صرف دف بجائی جائے حالانکہ حدیث میں اس کی تردید آئی ہے اور جو کچھ یہاں مذکور ہوگا عنقریب تم جان لوگے امام بخاری نے اپنی صحیح میں ربیع بنت معوذ بن عفراء کے حوالہ سے تخریج فرمائی کہ اس بی بی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے تو حضرت حسین بن علی حاضر خدمت ہوئے اور میرے بچھونے پر اس طرح تشریف فرما ہوئے جیسے تمھارا میرے پاس بیٹھنا ہے اور ہماری کچھ بچیاں دف بجا بجا کر ہمارے اکابر شہداء بدر کے مرثیے پڑھتی رہیں، الحدیث۔

(صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف بالنکاح، جلد 2 صفحہ 773، قدیمی کتب خانہ کراچی)

واخرج ايضا عن ام المومنين الصديقة رضی الله تعالیٰ عنها انها زفت امرأة الى رجل من الانصار فقال نبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ما كان معكم لهو فان الانصار

یعجبہم اللھو

اور یہ بھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سند سے تخریج فرمائی کہ ایک دلہن اپنے انصاری شوہر کے گھر رخصت کی گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمھارے پاس کوئی کھیل (گانے بجانے) کا سامان نہ تھا کیونکہ انصار اس سے جوش میں آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری، باب النسوۃ اللاتی یہدین المرأۃ الخ، جلد 2 صفحہ 775، قدیمی کتب خانہ کراچی)

و اخرج القاضی المحاملی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی ھذا الحدیث انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ادرکیھا یازینب امرأۃ کانت تغنی بالمدینۃ

قاضی محاملی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے اس حدیث کی تخریج فرمائی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اے زینب! کسی ایسی عورت سے رسائی حاصل کرو جو مدینہ منورہ میں گانے والی ہو،

(فتح الباری بحوالہ المحاملی، کتاب النکاح، باب النسوۃ اللاتی یہدین المرأۃ الخ، جلد 11، صفحہ 13، مصطفی البابی مصر)

(عمدۃ القاری، کتاب النکاح، باب النسوۃ اللاتی یہدین المرأۃ الخ، جلد 20، صفحہ 149، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت)

و اخرج ابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال انکحت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذات قرابۃ لہا من الانصار فجاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال اھدیتم الفتاۃ قالوا نعم قال الا ارسلتم معہا من تغنی قالت لا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان الانصار قوم فیہم غزل فلو بعثتم معہا من یقول اتینکم اتینکم فحیانا وحیاکم

محدث ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس کے حوالے سے تخریج فرمائی (اللہ تعالیٰ دونوں سے راضی ہو) انھوں نے فرمایا: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قبیلہ انصار میں اپنی ایک قربتدار کا نکاح کیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کیا تم نے اس نوجوان لڑکی کو کوئی ہدیہ (تحفہ) دیا ہے؟ گھر والوں نے عرض کی :

جی ہاں،

پھر فرمایا: کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی گانے والی بھیجی ہے؟ سیدہ نے عرض کی:

جی نہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انصار کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جن میں غزلیات پڑھنے کا رواج ہے لہٰذا اگر تم لوگ اس دلہن کے ساتھ کوئی ایسا شخص بھیجتے جو کہتا اتینا کم اتینا کم الخ یعنی ہم تمھارے پاس آ گئے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمھیں بھی زندہ رکھے۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب الغناء والدف، صفحہ 138 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(فتاوی رضویہ جلد 23 صفحہ 281،282،283، 284 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ "فتاویٰ شامی" اور "فتاویٰ عالمگیری" کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

عید کے دن اور شادیوں میں دف بجانا جائز ہے جبکہ سادے دف ہوں، اس میں جھانج نہ ہوں اور قواعد موسیقی پر نہ بجائے جائیں یعنی محض ڈھپ ڈھپ کی بے سری آواز سے نکاح کا اعلان مقصود ہو۔"

(بہارِ شریعت جلد 3 حصہ 16 صفحہ 510 مکتبۃ المدینہ کراچی)

مفتی اعظم ھند حضرت علامہ محمد مصطفے رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ دف بجا کر قصائد نعت اور حالت قیام میلاد شریف میں صلاۃ وسلام پڑھنا جائز ہے یا ناجائز دف مع جھانج ہو تو کیا حکم ہے اور بلا جھانج ہو تو کیا حکم ہے؟

تو آپ رحمۃ اللہ علیہ جواباً ارشاد فرمایا: ہرگز نہ چاہیے کہ سخت سوءِ ادب (بے ادبی) ہے اور اگر جھانج بھی ہوں یا اس طرح بجایا جائے کہ گت پیدا ہو فن کے قواعد پر جب تو حرام اشد حرام حرام درحرام ہے۔

(فتاوی مصطفویہ صفحہ 448 شبیر برادرز لاہور)

ماہنامہ فیضانِ مدینہ میں ہے:

نبیِّ پاک صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم کی نعتِ پاک پڑھنا بلا شبہ باعثِ ثواب، باعثِ برکت، سببِ نزولِ رحمتِ خداوندی اور نبیِّ پاک صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم کی رضا و خوشنودی اور آپ کی محبت میں اضافے کا سبب ہے، لیکن باقی تمام معاملات کی طرح اس میں بھی شریعت کی پاسداری لازم ہے، لہٰذا دَف اگر جھانج کے ساتھ ہو تو اس کا بجانا مطلقاً ناجائز ہے، جھانج والی دَف کے ساتھ نعت پڑھنا زیادہ ممنوع اور سخت گناہ ہے اور اگر دَف کے ساتھ جھانج نہ ہو تو دف بجانے کی اجازت تین شرطوں کے ساتھ ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو تو اجازت نہیں،

پہلی شرط یہ ہے کہ ہیئتِ تَطَرُّب پر نہ بجایا جائے یعنی قواعدِ موسیقی کی رعایت نہ کی جائے،

دوسری شرط یہ ہے کہ بجانے والے مرد نہ ہوں کہ ان کے لئے دَف بجانا مطلقاً مکروہ ہے،

تیسری شرط یہ ہے کہ بجانے والی عزت دار بیبیاں نہ ہوں اور جو بچیاں وغیرہ بجائیں وہ بھی غیرِ محلِّ فتنہ میں بجائیں تو جائز ہے اور حدیث مبارکہ میں جس دَف کے بجانے کا ذکر ہے وہ اسی انداز پر تھا۔ آج کل جو طریقہ رائج ہے اس میں دَف بجانے کی مکمل شرائط نہیں پائی جاتیں، تو ایسا دَف بجانا اور اس کے ساتھ نعت پڑھنا جائز نہیں۔

(ماہنامہ فیضانِ مدینہ، ربیع الاول 1439ھ، دسمبر 2017ء مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/21

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

ذکر والی نعت خوانی

استفتاء نمبر: 208

کیا ذکر والی نعت خوانی سن سکتے ہیں؟

سائلہ: بنتِ خالد عطاریہ شہر قصور

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

آجکل نعت شریف میں دلکشی پیدا کرنے کے لئے، نعت شریف کے بیک گراؤنڈ (BackGround) میں اللہ پاک کے نام کا جس مخصوص طریقے سے ذکر کیا جاتا ہے، اس طریقے سے ذکر کرنا شرعاً ممنوع ہے کیونکہ اس سے ڈھول اور دف سے مشابہ آواز پیدا ہوتی ہے نیز یہ ذکر اللہ کو غیر محل میں بھی استعمال کرنا ہے۔

اور اچھی طرح دھمک پیدا کرنے کے لئے کچھ لوگ اللہ پاک کے نام کو بالکل بگاڑ کر ذکر کرتے ہیں، جو کہ سخت بیادبی اور

ناجائز و گناہ ہے اور ایسے ذکر والی نعت شریف کا سننا بھی شرعاً منع ہے۔

چنانچہ ماہنامہ فیضانِ مدینہ میں ہے:

رہی بات نعت پاک کے ساتھ ذکر کی تو نعت کے ساتھ جس طرح ذکر کرنا رائج ہے کہ اس میں ڈھول سے مشابہ آواز پیدا ہوتی ہے اور اس ذکر کو بطور بیک گراؤنڈ (BackGround) کے نعت میں دلکشی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اس سے اکابر علماءِ کرام نے منع کیا ہے، ہمارے یہاں کا فتویٰ بھی یہی ہے اور بعض جگہ تو ذاکرین کو دیکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی نہیں کرتے یا کرتے ہیں تو بگاڑ کرتا کہ اچّھی طرح دھمک پیدا ہو یہ سخت بے ادبی اور ناجائز ہے، اس ذکر کا سننا بھی منع ہے۔

(ماہنامہ فیضانِ مدینہ، ربیع الاول 1439ھ، دسمبر 2017ء مکتبۃ المدینہ کراچی)

تاج الشریعۃ مفتی اختر رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(نعت میں ذکر کی آواز اس طرح سنائی دے جیسے دف کے ساتھ ذکر ہو رہا ہو تو) ایسی آواز جو دف سے مشابہ ہو منہ سے نکالنا جائز نہیں کہ طریقہ فساق ہے اور ذکر وغیرہ میں اشد ناجائز ہے۔"

(ایک نومسلم کے سوالات کے جوابات صفحہ 56 مطبوعہ صراط مستقیم پبلیکشنز لاہور)

مفتی ضیاء المصطفیٰ قادری تحریر فرماتے ہیں: نعت شریف میں اور خاص اسمِ جلالت کے ساتھ اندازِ صورتِ مزامیر اختیار کرنے میں نوعِ اہانت بھی ہے، اس لئے اس کا عدمِ جواز شدید ہے اگرچہ نیت خیر ہو۔

(ایک نومسلم کے سوالات کے جوابات صفحہ 56 مطبوعہ صراط مستقیم پبلیکشنز لاہور)

شیخِ طریقت امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہ العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

کچھ عرصے سے ایک تبدیلی دیکھنے میں آرہی ہے اور وہ یہ کہ مخصوص ٹیکنیک کے ساتھ مع ذکر اللہ ایکو ساؤنڈ پر کچھ اِس طرح نعت خوانی کی جارہی ہے کہ سننے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ مُوسیقی کے ساتھ نعت شریف پڑھی جارہی ہے بلکہ جس کی نعت خوانی کی طرف توجُّہ نہ ہو اور وہ اگر صرف سرسری طور پر ذکر والی نعت شریف کی آواز سنے تو شاید یہی سمجھے کہ مَعاذَ اللہ عزَّ وَجَلَّ گانا بج رہا ہے۔ یہ بات عاشقانِ رسول کیلئے کتنے بڑے صدمے کی ہے کہ میٹھے میٹھے آقا صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی ثنا خوانی کو محض پڑھنے والے کے انداز کے سبب کوئی فلمی گیت سمجھ بیٹھے!

اللہ اللہ کے نبی سے

فریاد ہے نفس کی بدی سے

ایماں پہ موت بہتر او نفس
تیری ناپاک زندگی سے
ترک کب افضل ہوتا ہے

مُرَوَّجہ ذکر والی نعت خوانی کے جواز و عدمِ جواز میں عُلَمائے اہلسنّت کا اختلاف چل رہا ہے۔ بعض مُباح (جائز) کہہ رہے ہیں اور بعض ناجائز و حرام۔ جب کبھی ایسی صورت پیدا ہو تو عافیّت اجتناب (یعنی بچنے) ہی میں ہوا کرتی ہے۔

چُنانچِہ میرے آقا اعلیحضرت، اِمامِ اَہلسنّت، ولیِٔ نِعمت، عظیمُ البَرَکت، عظیمُ المَرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت، حامیِٔ سنّت، ماحیِٔ بِدعت، عالِمِ شَرِیعت، پیرِ طریقت، باعِثِ خَیر و بَرَکت، حضرتِ علامہ مولٰینا الحاج الحافِظ القاری شاہ امام اَحمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فتاوٰی رضویہ جلد 8 صَفحہ 303 پر فرماتے ہیں:

جب فِعل کے سنّت اور مکروہ ہونے میں شک ہو تو اُس کا ترک اَولیٰ (یعنی بچنا افضل) ہوتا ہے۔

دیکھا آپ نے! سنّت و مکروہ میں عُلَماء کا جب اختِلاف ہو جائے تو ترک افضل ہوتا ہے۔ تو پھر جہاں مُباح اور حرام میں تعارُض (ٹکراؤ) ہو وہاں بچنا کیوں نہ افضل ترین ٹھہرے گا! یہ تو عمل میں احتیاط کا پہلو ہے اور رضائے رَبِّ غفّار عَزَّ وَجَلَّ کے طلبگار کو مزید دلائل کی حاجت بھی نہیں۔

(ذکر والی نعت خوانی صفحہ 2،3، 4 مکتبۃ المدینہ کراچی)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

202/10/21

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

عورت کا مائک میں نعت پڑھنا

استفتاء نمبر:209

اگر آواز غیر محرم تک نہ پہنچے تو کیا ایسی صورت میں عورت مائک میں نعت پڑھ سکتی ہے؟

سائلہ: طیبہ شہر بھلٹ

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

اگر واقعی ایسی جگہ ہے کہ جہاں پر مائک پر نعت پڑھنے کے باوجود غیر محرم مردوں تک عورت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو پھر اس کا مائک پر نعت شریف پڑھنا بالکل جائز ہے، لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ عورت کی خوش الحانی (یعنی ترنم والی آواز) نامحرم مردوں تک نہ پہنچنے پائے کیونکہ اگر عورت کی ترنم والی آواز اتنی بلند ہو کہ غیر محرموں تک اس کی آواز پہنچے گی تو اس کا اتنی بلند آواز سے پڑھنا ناجائز و گناہ ہوگا اس لیے کہ عورت کی خوش الحانی کو غیر محرم مرد (اجنبی مرد) کا سننا محلِ فتنہ ہے جس کی وجہ سے اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

ناجائز ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اور عورت کی خوش الحانی کہ اجنبی سنے محلِ فتنہ ہے

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 240 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

عورت کا خوش الحانی سے بآواز ایسا پڑھنا کہ نامحرموں کو اس کے نغمہ کی آواز جائے، حرام ہے۔

نوازل امام فقیہ ابو اللیث میں ہے:

نغمة المرأة عورة

یعنی عورت کا خوش آواز کر کے کچھ پڑھنا عورت یعنی محلِ ستر ہے۔

کافی امام ابو البرکات نسفی میں ہے:

لا تلبي جهراً لان صوتها عورة

یعنی عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ پڑھے، اس لیے کہ اس کی آواز قابلِ ستر ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 22 صفحہ 242 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2020/10/22

تصدیق وتصحیح:

فالجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

کتاب المتفرقات (متفرق مسائل کا بیان)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے میں میٹھا پہلے استعمال فرماتے تھے یا بعد میں

استفتاء نمبر:210

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانے میں میٹھا پہلے استعمال فرماتے تھے یا بعد میں؟

سائل : عبدالرحمن برکاتی

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے "ردالمحتار" میں تحریر فرمایا ہے کہ نمکین سے کھانے کی ابتداء کرنا اور نمکین پر انتہاء کرنا سنت ہے بلکہ اس طرح کرنے میں ستر (70) بیماریوں سے شفاء ملتی ہے۔

تو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم میٹھا، نمکین کھانے کے درمیان میں استعمال فرماتے تھے (یعنی اوّل وآخر نمکین، درمیان میں میٹھا).

چنانچہ عمدۃ المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین شامی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و من السنة البدائة بالملح و الختم به بل فيه شفاء من سبعين داء

یعنی نمکین کے ساتھ (کھانے کی) ابتداء کرنا اور اسی (یعنی نمکین) کے ساتھ (کھانا) ختم کرنا سنت میں سے ہے بلکہ اس میں ستر (70) بیماریوں سے شفاء ہے .

(ردالمحتار علی درمختار جلد 9 صفحہ 562 دار المعرفۃ بیروت لبنان)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابواسید عبید رضا مدنی

2019/08/19

تصدیق وتصحیح:

استفتاء نمبر 210 کا جواب بھی بمطابق فقہ حنفی درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے

ذریعے سے اہلسنت وجماعت کو مستفیض فرمائے.

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

نبی پاک ﷺ کی پسندیدہ غذا حلوہ

استفتاء نمبر: 211

کیا واقعی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلوہ پسند تھا؟

سائل :اویس عطاری شہر میانی ضلع سرگودھا

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

جی ہاں! نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلواء پسند تھا اور حلواء سے مراد ہر میٹھی چیز ہے جس کے اندر عرفی حلوہ بھی شامل ہے، شہد، گھی اور آٹے کا حلوہ سب سے پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تیار کیا اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بہت پسند فرمایا۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى اللهُ عليه وآله وسلم يُحِبُّ الحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلواء اور شہد پسند فرماتے ہیں۔

(صحیح البخاری، کتاب الأطعمۃ، باب الحلواء والعسل، صفحہ 1018، رقم الحدیث 5431 :، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

ابن بَطَّال تحریر فرماتے ہیں:

الحلوى :كل شيء حلو

یعنی ہر میٹھی چیز کو حلواء کہتے ہیں۔

(شرح البخاری لابن بطّال، جلد 6، صفحہ 70)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

استقر العُرْف على تسمية ما لا يُشرب مِن أنواع الحلو حلوى، ولأنواع ما يُشرب مشروب ونقيعٌ، أو نحو ذلك

یعنی میٹھی چیزوں میں سے جنہیں پیا نہیں جاتا، انہیں حلواء کا نام دینے پر عرف مستقر ہے، اور جنہیں پیا جاتا ہے، انہیں مشروب

اور نقیع وغیرہ کا نام دینے پر (عرف مستقر ہے۔)

(فتح الباری لابن حجر شرح صحیح البخاری، جلد 10، صفحہ 78)

امام کرمانی تحریر فرماتے ہیں:

اسم الحلواء لا یقع إلا علی ما دخَلَتْهُ الصنعة جامعًا بین حلاوة ودسومة

یعنی حلواء کا نام واقع نہیں ہوتا مگر اس پر جس میں کاریگری داخل ہو اس طور پر کہ وہ میٹھاس اور چربی کی جامع ہو۔

(الکواکب الدراری للکرمانی، جلد 20، صفحہ 51)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال العلماء المراد بالحلواء هنا : کل شیء حلو

یعنی علماء فرماتے ہیں:

یہاں حلواء سے ہر میٹھی چیز مراد ہے۔

(شرح النووی علی صحیح مسلم، جلد 10، صفحہ 77)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فی فقه اللغة للثعالبی أن حلوی النبی صلی الله علیه وسلم التی کان یحبها هی المَجِیع بالجیم بوزن عَظِیم، وهو تمرٌ یُعجن بلبن، فإن صَحَّ هذا، و إلا فلفظ الحلوی یعمُّ کل ما فیه حلو، و ما یُشابه الحلوی"

یعنی فقہ اللغۃ للثعالبی میں ہے : بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلوی وہ جسے آپ پسند فرماتے تھے وہ مجیع ہے جیم کے ساتھ بروزن عظیم اور یہ وہ کھجور ہے جسے دودھ کے ساتھ گوندھا گیا ہو، پس اگر یہ درست ہے، وگرنہ حلوی کا لفظ ہر اس چیز کو عام ہے جو میٹھی ہو اور جو ہر اس چیز کو حلوی کے مشابہ ہو۔

(إرشاد الساری للقسطلانی، جلد 8، صفحہ 234)

علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال الخطابی ::اسم الحلواء لا یقع إلا علی ما دخَلَتْهُ الصنعة، وفی (المخصَّص) لابن سِیدَه ة :هو کل ما عُولج مِن الطعام بحلاوة، وهو أیضًا الفاکهة

یعنی امام خطابی فرماتے ہیں حلواء کا نام واقع نہیں ہوتا مگر اس پر جس میں کاریگری داخل ہو، اور المخصص لابن سیدہ میں ہے :

حلوی ہر وہ طعام ہے جسے میٹھے کے ساتھ شامل کیا گیا ہو (یعنی ملایا گیا ہو)، اور وہ بھی فاکھہ ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد 21، صفحہ 61)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عموماً بزرگانِ دین میٹھی چیز سے محبت کرتے رہے۔ اس لئے عموماً فاتحہ ونیاز میٹھی چیز پر ہوتی ہے، اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ مؤمن میٹھا ہوتا ہے، مٹھائی پسند کرتا ہے۔ حلوے میں ہر میٹھی چیز داخل ہے۔ حتیٰ کہ شربت اور میٹھے پھل اور عام مٹھائیاں اور عرفی حلوہ۔ (مرقات) مروّجہ حلوہ سب سے پہلے حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) نے بنایا، حضورِ انور (صلَّی اللہ علیہ وٰالہٖ وسلَّم) کی خدمت میں پیش کیا جس میں آٹا، گھی اور شہد تھا، حضورِ انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بہت پسند کیا اور فارسی لوگ اسے خبیص کہتے ہیں۔ (مرقات)۔

(مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد 6، صفحہ 25 قادری پبلشرز اردو بازار لاہور)

شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفی اعظمی مجددی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عام طور پر الحلواء کا ترجمہ شرینی کرتے ہیں یعنی ہر میٹھی چیز مگر حضرت شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اشعۃ اللمعات جلد 3 صفحہ 491 میں "مجمع البحار" کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ اس حدیث میں الحلواء سے مراد حلوہ ہی ہے یعنی وہ کھانا جس میں گھی اور میٹھا ڈال کر پکایا جائے۔ ہمارے ہندوستان میں عام طور پر سوجی یا گیہوں کا آٹا یا چنے کا بیسن گھی اور شکر ملا کر جو کھانا پکتا ہے اس کو حلوا کہتے ہیں۔ اور حدیث میں یہی مراد ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حلوہ مرغوب اور پسندیدہ تھا۔

اور بعض شارحین حدیث نے فرمایا کہ الحلواء سے مراد وہ کھانا ہے جس کو مجیع کہتے ہیں جس کے پکانے کی ترکیب یہ ہے کہ کھجور کو پیس کر دودھ میں پکا دیا جائے، درحقیقت یہ بھی ایک حلوہ ہی ہے۔ بہرحال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرغوب اور پسند تھا اور ہر وہ مسلمان جو اس غذا سے محبت کرے اور برغبت اس کو کھائے اور کھلائے، وہ ایک مسنون غذا سے محبت ورغبت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر علماء ملت ومشائخ طریقت شب برات اور دوسرے مبارک دنوں اور برکت والی راتوں میں "حلوہ" پر فاتحہ دلا کر کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ اور بہ نیت ادائے سنت اس غذا کو کھا کر اور دوسروں کو کھلا کر ثوابِ عظیم حاصل کرتے ہیں۔

اور جو لوگ شب برات کے حلوہ اور اس پر فاتحہ سے چڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شب برات میں ہر قسم کا کھانا پکانا جائز و درست ہے مگر حلوہ پکانا بدعت وممنوع ہے۔ ہم ان لوگوں کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایک ایسی غذا سے نفرت کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی، سراسر ان لوگوں کی بدنصیبی اور محرومی ہے۔ کیونکہ کسی سنت سے نفرت ایمان کی بربادی کا سگنل

ہے۔اللہ تعالی ہر مسلمان کو اس منحوسیت اور بد نصیبی کی لعنت سے محفوظ رکھے۔

(جواہر الحدیث صفحہ 220، 221 ناشر اکبر بک سیلرز لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/11/01

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان معطر قادری، مرکزی دار الافتاء اہلسنت میانوالی۔

جاہل لوگوں سے بحث ومباحثہ کرنا

استفتاء نمبر:212

اگر جاہل لوگوں سے بحث ومباحثہ ہو تو ان کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟

سائل : عبداللہ

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق والصواب

جاہل لوگوں سے بحث ہرگز نہیں کرنی چاہئے بلکہ قرآنی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے یا تو ان سے جھگڑا کرنے سے اعراض کریں یا ان سے ایسی بات کہیں جو درست ہو اور اس میں تکلیف اور گناہ سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

ترجمہ: اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔

(پارہ 19 سورۃ الفرقان 63 :)

"وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْن" کے تحت تفسیر صراط الجنان میں ہے:

یہاں یہ بیان ہوا کہ کامل ایمان والے دوسروں کے ساتھ کیسے پیش آتے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب جاہل ان سے بات

کرتے ہیں اور کوئی نا گوار کلمہ یا بے ہودہ یا ادب وتہذیب کے خلاف بات کہتے ہیں تو کہتے ہیں:

''بس سلام''

اس سے مراد مُتارَکت کا سلام ہے اور معنی یہ ہے کہ جاہلوں کے ساتھ جھگڑا کرنے سے اِعراض کرتے ہیں یا اس کے یہ معنی ہیں کہ ایسی بات کہتے ہیں جو درست ہو اور اس میں ایذا اور گناہ سے سالم رہیں۔

(تفسیر ابو سعود جلد 4 صفحہ 148)

جاہلانہ گفتگو کرنے والے سے سلوک:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کسی معاملے میں کوئی جاہل جھگڑا کرنا شروع کرے تو اس سے اعراض کرنے کی کوشش ہی کرنی چاہئے اور اس کی جاہلانہ گفتگو کے جواب میں اگر کوئی بات کریں تو وہ ایسی ہو، جس میں گناہ کا کوئی پہلو نہ ہو اور وہ اس جاہل کے لئے اَذِیَّت کا باعث بھی نہ ہو، ترغیب اور تربیت کے لئے یہاں ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

چنانچہ حضرت نعمان بن مقرن رَضِیَ اللّٰہ عَنْہُ فرماتے ہیں: حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں ایک شخص نے دوسرے شخص کو برا بھلا کہا تو جسے برا بھلا کہا گیا، اس نے یہ کہنا شروع کر دیا:

تم پر سلام ہو۔

اس پر رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

سنو! تم دونوں کے درمیان ایک فرشتہ ہے جو (اے برا بھلا کہے گئے شخص!) تمہاری طرف سے دفاع کرتا ہے، جب یہ تمہیں برا بھلا کہتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے: نہیں، بلکہ تم ایسے ہو اور تم اس کے زیادہ حق دار ہو، اور جب تم اس سے کہتے ہو:

''تم پر سلام ہو''

تو فرشتہ کہتا ہے:

نہیں، بلکہ تمہارے لئے سلامتی ہو اور تم اس کے زیادہ حق دار ہو۔

(مسند امام احمد، حدیث النعمان بن مقرن رضی اللّٰہ عنہ، جلد 9، صفحہ 191، رقم الحدیث 23806:)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/05/20

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

سورج اور چاند کو گرہن لگنے کی وجہ

استفتاء نمبر: 213

کیا سورج اور چاند کو گرہن لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے لگتا ہے؟

سائل: ابو اسید عطاری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

گرہن اللہ پاک کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ "سورج گرہن اور چاند گرہن" کسی بڑی شخصیت کے انتقال کی وجہ سے ہوتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فاسد عقیدے کو غلط قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَقُومُوا فَصَلُّوا

یعنی بیشک سورج اور چاند کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن والے نہیں ہوتے ہیں، لیکن وہ دونوں اللہ پاک کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، لہٰذا جب تم سورج اور چاند گرہن دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔

(صحیح بخاری، ابواب الکسوف، جلد 1، صفحہ 215، رقم الحدیث 1041: مکتبہ رحمانیہ لاہور)

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

فی ھذا الحدیث ابطال ما کان اھل الجاھلیۃ یعتقدون من تاثیر الکواکب فی الارض و قال الخطابی کانوا فی الجاھلیۃ یعتقدون ان الکسوف یوجب حدوث تغیر فی الارض من موت و ضرر فاعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ اعتقاد باطل وان الشمس و القمر خلقان مسخران للہ تعالیٰ لیس لھما سلطان فی غیر ھما و لا قدرۃ الدفع عن

انفسهما

یعنی اس حدیث پاک میں اس بات کو باطل قرار دیا گیا جو اہل جاہلیت اعتقاد رکھتے تھے کہ ستارے زمین میں موثر ہیں اور خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ چاند یا سورج گرہن زمین میں موت یا نقصان کرنے کے موجب ہیں، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آگاہ فرمادیا کہ ایسا اعتقاد باطل ہے اور سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور تسخیر شدہ ہیں اور ان کے غیر میں ان کا کوئی اثر نہیں اور نہ اپنے سے کچھ دور کرنے کی قدرت۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد 7، صفحہ 95، مطبوعہ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند میں گرہن کا لگنا اللہ پاک کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگوں پر چاند اور سورج کا عاجز اور محتاج ہونا ظاہر ہو جائے۔

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/01/21

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

محدث کی تعریف

استفتاء نمبر: 214

محدثین کے طبقات میں سے محدث کسے کہتے ہیں؟

سائل: زبیر علی لاہور پاکستان

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوھّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جو شخص علمِ حدیث کے ساتھ مشغول ہو، پڑھتا، پڑھاتا ہو، اور اس کی نشر و اشاعت کرتا ہو تو اسے "مُحَدِّث" کہتے ہیں۔

چنانچہ سند الحفاظ علامہ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ "شرح نخبۃ الفکر" میں تحریر فرماتے ہیں:

قیل لمن یشتغل بالسنة النبویة المحدث

یعنی جوسنتِ نبویہ میں مشغول ہو اسے محدث کہا جاتا ہے۔

(شرح شرحِ نُخبۃِ الفِکر صفحہ 154 قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام علامہ فقیہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولہٰذا یقال لمن یشتغل بالسنة :محدث

یعنی اوراسی وجہ سے جو سنت (علمِ حدیث کی تعلیم وتعلّم) میں مشغول ہو تو اسے محدث کہا جاتا ہے۔

(المقدمۃ فی اصول الحدیث صفحہ 6 مکتبۃ المدینہ کراچی)

شارحِ بخاری، فقیہِ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

علما کی اصطلاح میں محدث وہ ہے جو حدیث کی تعلیم وتَعلُّم میں مشغول ہو، سند الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی قدس سرہ نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں:

ولمن یشتغل بالسنة النبویة المحدث

اور جوسنتِ نبویہ میں مشغول ہو اسے محدث کہتے ہیں۔

(نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر صفحہ 6 مطبوعہ مجلس برکات جامعۃ اشرفیہ مبارک پور)

خود سائل کے مستند اس کے نزدیک مسلم الثبوت محدث حضرت سیدنا وسندنا محقق ومدقق آیۃ من آیات اللہ، برکۃ من برکات رسول اللہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ مقدمہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ولہٰذا یقال لمن یشتغل بالسنة

اوراسی وجہ سے جوسنت (یعنی علمِ حدیث کی تعلیم وتعلّم) میں مشغول ہو تو اسے محدث کہتے ہیں۔

(مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ 3)

ان دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص سنت یعنی حضور سیدِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قول وفعل وتقریر کے ساتھ مشغول ہو یعنی اسے پڑھتا ہو، پڑھاتا ہو، نشرواشاعت کرتا ہو وہ محدث ہے۔"

(فتاویٰ شارح بخاری جلد 3 صفحہ 472، 473 مکتبہ برکات المدینہ کراچی)

تیسیر مصطلح الحدیث میں ہے:

ھو من یشتغل بعلم الحدیث روایة و درایة، و یطلع علی کثیر من الروایات و احوال

رواتها

یعنی محدث وہ شخص ہوتا ہے جو علمِ حدیث میں روایتاً اور درایتاً مشغول ہو اور بیشمار احادیث اور ان کے راویوں کے احوال پر مطلع ہو۔

(تیسیر مصطلح الحدیث صفحہ 14 مکتبۃ البشریٰ کراچی پاکستان)

علامہ صدیق ہزاروی صاحب مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

روایت کا معنی بیان کرنا اور درایت کا معنی سمجھنا ہے۔

(اصطلاحاتِ حدیث صفحہ 53 مکتبہ اہلسنت لاہور)

نوٹ: حدیث کو پرکھنے کے معیار دو طرح کے ہوتے ہیں:

1—روایت: پہلی قسم کا معیار روایت ہے جس میں حدیث کی سند میں موجود راویوں کے بارے میں تحقیق کی جاتی ہے کہ وہ قابلِ اعتماد ہیں یا نہیں؟

2—درایت: دوسری قسم کا معیار درایت ہے جس میں حدیث کے متن کا قرآنِ پاک اور دیگر احادیث کی روشنی میں تجزیہ کیا جاتا ہے کہ کیا یہ بات واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہوگی؟ کیا یہ حدیث قرآنِ پاک اور دیگر احادیث سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں؟

ماہنامہ فیضانِ مدینہ میں ہے: روایت و درایت کے اعتبار سے کامل عبور اور اپنے زمانے میں کثیر راویوں اور روایات سے آگاہی رکھنے والے کو "محدِّث" کہتے ہیں۔

آج کے دور میں محدث کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ علم حدیث پڑھنے پڑھانے اور اس کی بحث وتمحیص میں مشغول ہو، رجال (حدیث روایت کرنے والوں) کی بحث وتفتیش، جرح وتعدیل کی اہلیت رکھتا ہو، حدیث، شروحاتِ حدیث اور اسمائے رجال میں تصنیف شدہ کتب کی وسیع معلومات رکھتا ہو، احادیث کے اسباب، علتوں، مختلف اور مشکل الحدیث پر مکمل عبور رکھتا ہو۔"

(تیسیر مصطلح الحدیث، ص11، تدریب الراوی، ص20). (ماہنامہ فیضانِ مدینہ صفر المظفر 1440ھ، اکتوبر۔نومبر 2018ء)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2020/10/12

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح،

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی غفرلہ خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراتشی

لائٹ جانے پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھنا

استفتاء نمبر: 215

لائٹ جانے پر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھنا کیسا ہے؟

سائل: غلام رضا قادری

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب اللهم هداية الحق والصواب

لائٹ جانے پر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھنا جائز ہے اور اس کی اصل اس حدیثِ مبارکہ سے نکل سکتی ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے چراغ کے بجھ جانے پر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا۔

چنانچہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

طُفِئَ سِراجُ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم، فَقالَ: "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ" فَقِيلَ: يا رَسُولَ اللّٰهِ! أَمُصِيبَةٌ هِيَ؟ قالَ: نَعَمْ، وكُلُّ ما يُؤْذِي الْمُؤْمِنَ فَهو مُصِيبَةٌ لَهُ وأَجْرٌ

یعنی (ایک مرتبہ) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ (جلتے ہوئے) بجھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا، عرض کی گئی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ مصیبت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! جس چیز سے مسلمان کو تکلیف ہو، وہ مصیبت ہے اور (اس پر) اجر ہے۔

(تفسیر درمنثور جلد دوم صفحہ 79 مرکز للبحوث والدراسات العربیۃ الاسلامیہ)

حضرت عبد العزیز بن ابو رواد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

بَلَغَنِي: أَنَّ الْمِصْباحَ طُفِئَ، فاسْتَرْجَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم، قالَ: كُلُّ ما ساءَكَ مُصِيبَةٌ

یعنی مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بیشک چراغ بجھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا اور فرمایا کہ ہر وہ چیز جو تجھے بری لگے وہ مصیبت ہے۔

(تفسیر درمنثور، جلد2، صفحہ79، مطبوعہ مرکز للبحوث والدراسات العربیہ الاسلامیہ)

والله اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلی الله علیه واله وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2017/07/19

تصدیق وتصحیح:

1—لائٹ چلے جانے کی صورت میں "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھنے کے تعلق سے آپ کا فتویٰ درست ہے۔

ابو الحسنین مفتی محمد عارف محمود خان معطر القادری

ڈکار آنے پر "اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ مِّنَ الْحَال" پڑھنا

استفتاء نمبر:216

ڈکار آنے پر کیا پڑھنا چاہیے؟

سائل: عبد الرؤف عطاری

بسمه تعالیٰ:الجواب بعون الملك الوهّاب،اللهم هداية الحق و الصواب

ڈکار آنے پر "اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ مِّنَ الْحَال" کہنا چاہیے۔

چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَطَسَ اَوْ تَجَشَّأَ اَوْ سَمِعَ عَطْسَةً اَوْ جَشْأَةً فَقَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ مِّنَ الْحَالِ دَفَعَ اللهُ عَنْهُ سَبْعِيْنَ دَاءً اَهْوَنُهُ اَلْجُذَامُ

یعنی جسے چھینک آئے یا ڈکار آئے یا جو (دوسرے کی) چھینک یا ڈکار سنے اور اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ مِّنَ الْحَالِ کہے تو اللہ پاک اس سے ستر 70 بیماریاں دور فرمائے گا، جن میں سب سے ہلکی بیماری جذام (یعنی کوڑھ) ہے۔

(فوائد ابن الصلت، صفحہ 63، رقم الحدیث 29 دار البشائر بیروت)

اسی طرح سیدی امیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہ العالیہ فرماتے ہیں:

ڈکار آنے پر الحمدللہ کہنا چاہیے کیونکہ یہ معدے کی گندی ہوا ہے، یعنی ایک طرح کی خرابی ہے جو پیٹ سے نکل گئی، اس پر

اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے الحمد للہ کہیں۔

(بچوں کی ضد ختم کرنے کا طریقہ صفحہ 27 مکتبۃ المدینہ کراچی)

والله اعلم ورسوله اعلم عزوجل وصلى الله عليه وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/01/20

تصدیق و تصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

غنیۃ الطالبین کتاب کے مصنف

استفتاء نمبر: 217

غنیۃ الطالبین کتاب کس کی کتاب ہے؟

سائل: محمد شفاء اللہ عطاری میانوالی

بسمه تعالىٰ: الجواب بعون الملك الوهّاب، اللهم هداية الحق والصواب

غنیۃ الطالبین حضور غوث پاک کی کتاب ہے یا نہیں؟

اس میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، بعض محقق علماے کرام (جیسے شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمة الله عليه اور علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمة الله عليه وغیرہ) کے نزدیک یہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے جبکہ بعض علمائے کرام (جیسے امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) کے نزدیک یہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی ہی کتاب ہے مگر بعض ظالموں نے اس کتاب کے اندر الحاقات کر دیے ہیں (یعنی اپنی طرف سے کچھ باتیں بڑھا دی ہیں) اور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمة الله عليه کا بھی رجحان اسی جانب لگتا ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

هرگز نه ثابت شده که اس تصنیف آنجناب است اگرچه انتساب باآنحضرت

یعنی ہرگز ثابت نہیں ہوسکا کہ یہ (غنیۃ الطالبین) حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے! اگرچہ منسوب ان کی طرف ہے۔

(امام الاولیاء صفحہ 85 بحوالہ حاشیہ نبراس مکتبہ اعلیٰ حضرت)

حضرت علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ولا یغرنك وقوعه فی غنیة الطالبین منسوبته الی الغوث اعظم عبد القادر جیلانی قدس سره العزیز غیر صحیحة والاحادیث الموضوعة وفیها وافرة

یعنی تجھے یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ (احناف کے خلاف) بعض مسائل، اس غنیۃ الطالبین میں واقع ہیں جو حضور غوث اعظم عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی طرف منسوب ہے (اور یہ منسوب ہونا) درست نہیں ہے. اور موضوع (من گھڑت) احادیث اس میں وافر (کافی) مقدار میں موجود ہیں۔

(امام الاولیاء بحوالہ النبراس علی شرح العقائد، صفحہ 86، مکتبہ اعلحضرت لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اولاً کتاب غنیۃ الطالبین شریف کی نسبت، حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ خیال ہے کہ وہ سرے سے حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہی نہیں مگر یہ نفی مجرد ہے۔

اور امام حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی کہ اس کتاب میں بعض مستحقینِ عذاب نے الحاق کر دیا ہے،

فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں :

و ایاك ان تغتر بما وقع فی الغنیة لامام العارفین و قطب الاسلام و المسلمین الاستاذ عبد القادر الجیلانی رضی الله تعالیٰ عنه فانه دسه علیه فیها من سینتقم الله منه و الا فهو برء من ذلك

یعنی خبردار دھوکا نہ کھانا اس سے جو امام اولیاء سردارِ اسلام و مسلمین حضور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غنیّۃ میں واقع ہوا کہ اس کتاب میں اسے حضور پر افتراء کر کے ایسے شخص نے بڑھا دیا ہے کہ عنقریب اللہ عزوجل اس سے بدلہ لے گا، حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بری ہیں۔

(الفتاوی الحدیثیۃ صفحہ 148 مطبعۃ الجمالیہ مصر)

ثانیاً اسی کتاب میں تمام اشعریہ یعنی اہلسنت وجماعت کو بدعتی، گمراہ، گمراہ گر لکھا ہے کہ:

خلاف ما قالت الاشعرية من ان کلام الله معنى قائم بنفسه والله حسيب كل مبتدع ضال مضل

بخلاف اس کے جو اشاعرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا معنی ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بدعتی، گمراہ وگمراہ گر کے لیے کافی ہے۔

(غنیۃ الطالبین، جلد 1، صفحہ 91، داراحیاء التراث العربی بیروت)

کیا کوئی ذی انصاف کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ یہ سرکارِ غوثیت کا ارشاد ہے جس کتاب میں تمام اہلسنت کو بدعتی، گمراہ، گمراہ گر لکھا ہے، اس میں حنفیہ کی نسبت کچھ ہو تو کیا جائے شکایت ہے۔ لہذا کوئی محلِ تشویش نہیں۔ (الخ)

(فتاوی رضویہ جلد 29 صفحہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

201/09/22

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

زلزلہ آنے کی وجہ

استفتاء نمبر :218

زلزلہ کیوں آتا ہے؟

سائل: عبدالرشید

بسمہ تعالیٰ: الجواب بعون الملک الوہّاب، اللھم ھدایۃ الحق والصواب

زلزلہ آنے کا حقیقی سبب تو اللہ پاک کا ارادہ وحکم ہے اور عالمِ اسباب میں زلزلہ کا اصلی باعث لوگوں کے گناہ ہیں اور زلزلہ اس

طرح پیدا ہوتا ہے کہ ایک قاف نامی پہاڑ تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کے ریشے، بڑے درخت کی جڑوں کی طرح، زمین کے اندر ہی اندر سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں، جس جگہ زلزلے کا حکم ہوتا ہے تو وہ پہاڑ اس جگہ کے ریشے کو جنبش و حرکت دیتا ہے جس کی وجہ سے زمین ہلنے لگتی ہے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اصلی باعث آدمیوں کے گناہ ہیں، اور پیدا یوں ہوتا ہے کہ ایک پہاڑ تمام زمین کو محیط ہے اور اس کے ریشے زمین کے اندر اندر سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں جیسے بڑے درخت کی جڑیں دور تک اندر اندر پھیلتی ہیں، جس زمین پر معاذ اللہ زلزلہ کا حکم ہوتا ہے وہ پہاڑ اپنے اس جگہ کے ریشے کو جنبش دیتا ہے زمین ہلنے لگتی ہے۔

(0فتاوی رضویہ جلد 27 صفحہ 93 رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اس حوالے سے فتاوی رضویہ میں ایک تفصیلی فتوی بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا کہ: نسبتِ زلزلہ مشہور ہے کہ زمین ایک شاخ گاؤ پر ہے کہ وہ ایک مچھلی پر کھڑی رہتی ہے۔ جب اس کا سینگ تھک جاتا ہے تو دوسرے سینگ پر بدل کر رکھ لیتی ہے۔ اس سے جو جنبش و حرکت زمین کو ہوتی ہے اس کو زلزلہ کہتے ہیں۔ اس میں استفسار یہ ہے کہ سطح زمین ایک ہی ہے، اس حالت میں جنبش سب زمین کو ہونا چاہیے، زلزلہ سب جگہ یکساں آنا چاہیے۔ گزارش یہ ہے کہ کسی جگہ کم، کسی مقام پر زیادہ، کہیں بالکل نہیں آتا۔ بہر حال جو کیفیت واقعی اور حالت صحیح ہو، اس سے معزز فرمائیے۔؟

تو سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا:

زلزلہ کا سبب مذکورہ زبانِ زدِ عوام، محض بے اصل ہے اور اس پر وہ اعتراض نظرِ بظاہر صحیح وصواب۔ اہل سنت کے نزدیک ہر چیز کا سبب اصلی محض ارادۃ اللہ عزوجل ہے۔ جتنے اجزاء کے لیے ارادہ تحریک ہوا، انہیں پر اثر واقع ہوتا ہے اس کا سبب وہ نہیں جو عوام بتاتے ہیں۔ سبب حقیقی تو وہی ارادۃ اللہ ہے اور عالمِ اسباب میں باعثِ اصلی بندوں کے معاصی۔

ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم و یعفوعن کثیر

تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائیوں کا بدلہ ہے اور بہت کچھ معاف فرما دیتا ہے۔

(القرآن الکریم ۴۲ / ۳۰)، (فتاوی رضویہ جلد 27 صفحہ 94،95، 96 بحذف و بتغیر رضا فاؤنڈیشن لاہور)

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ والہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/09/24

تصدیق و تصحیح:

1۔الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

2۔یہ جواب میرے نزدیک درست اور صحیح ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے۔

ابوالحسنین مفتی محمد عارف محمود معطر القادری مرکزی دارالافتاء اہلسنت محلہ نور پورہ میانوالی سٹی

کیا زنا ایک قرض ہے

استفتاء نمبر:219

کیا واقعی زنا ایک قرض ہے؟

سائل: غلام نبی عطاری

بسمہ تعالیٰ:الجواب بعون الملک الوھّاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

جی ہاں! زنا ایک قرض ہے اور یہ زنا کی جملہ تباہیوں اور بربادیوں میں سے وہ تباہی و بربادی ہے، جس کا زانی خود دنیا میں ہی شکار ہوتا ہے اور یہ زانی کیلیے اس کے منہ پر زبردست طمانچہ ہوتا ہے۔

اور بزرگوں نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ: ''زنا وہ قرض ہے جو اس کے گھر والے چکائیں گے''۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عفوا تعف نساؤكم في المحرم
وتجنبوا ما لا يليق بمسلم
إن الزنا دين فإن أقرضته
كان الوفا من أهل بيتك فاعلم

یعنی پاکدامن رہو تو تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں گی، جو باتیں مسلمان کی شان کے لائق نہیں، ان سے بچ کر رہو، بیشک زنا ایک قرض ہے پس اگر تم نے اسے قرض لیا تو تم جان لو کہ اس قرض کی ادائیگی بھی تمہارے گھر والوں سے ہوگی۔

(دیوان الشافعی، صفحہ 84، مطبوعہ مؤسسۃ علاء الدین)

شمس الدین ابوالعون محمد بن احمد بن سالم سفارینی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

من یزن فی قوم بألفی درھم
فی اھله یزنی بربع الدرھم
ان الزنا دین اذا استقرھم
کان الوفا من اھل بیتك فاعلم

یعنی جو کسی سے دوہزار درہم کے بدلے زنا کرے گا تو اس کے اہل میں سے چوتھائی درہم کے بدلے زنا کیا جائے گا، بیشک زنا ایک قرض ہے اگر تو اسے قرض لے گا تو تو جان لے کہ اس کی ادائیگی تیرے گھر والے کریں گے۔

(غذاء الالباب فی شرح منظومۃ الآداب، جلد 2، صفحہ 440، مؤسسۃ قرطبۃ مصر)

بزرگوں کے اس قول کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیثِ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے، جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عفوا تعف نساؤ کم

یعنی تم پاک دامن رہو تو تمہاری عورتیں بھی پاک دامن رہیں گی۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 11 صفحہ 173)

دنیا میں بدلہ:

زنا کی طرف لیجانے امور مثلاً غیر عورت کو چھونا، اس کی طرف شہوت سے دیکھنا، بوسہ لینا اس سے گپیں لگانا، دوستیاں لگانا وغیرہ امور بھی ناجائز وگناہ ہیں اور ان کا بدلہ بسا اوقات دنیا میں دکھا دیا جاتا ہے۔

چنانچہ اس حوالے سے دو واقعات پیش کرتا ہوں ان کو پڑھیے اور عبرت حاصل کیجیے۔

پہلا واقعہ:

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح البیان میں ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ:

بخارا شہر میں ایک زرگر (سنار) کے گھر ایک شخص 30 سال تک پانی بھرتا رہا اس زرگر کی بیوی نیک اور انتہائی خوبصورت تھی، ایک دن اس پانی بھرنے والے نے زرگر کی بیوی کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کو دبایا، جب اس کا شوہر زرگر بازار سے آیا تو اس نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ آج تم نے اللہ پاک کی کون سی نافرمانی کی ہے؟ تو اس نے کہا کہ کوئی نافرمانی نہیں کی، جب بیوی نے اصرار کیا تو اس نے کہا کہ آج ایک عورت دکان پر آئی اور اس نے کنگن بازو سے اتار کر رکھا تو اس کے بازو کی سفیدی کو دیکھ کر مجھے

تعجب ہوا اور میں نے اس کے بازو کو پکڑ کر دبالیا تو یہ سن کر بیوی نے کہا: اللہ اکبر! پانی والے کی خیانت کرنے کی یہی حکمت تھی تو سنار نے (کنگن والی عورت کو مخاطب کر کے) کہا کہ تو جو کوئی بھی عورت ہے میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور تو مجھے اس گناہ سے معافی دیدے، جب اگلا دن آیا تو پانی والے نے آ کر توبہ کی اور کہا کہ اے گھر کے مالک مجھے معاف کردے بیشک شیطان نے مجھے گمراہ کردیا، زرگر کی بیوی نے کہا: چلا جا یہ غلطی میرے شوہر سے ہوئی جس کا اللہ پاک نے اسے دنیا میں بدلہ دے دیا۔

(ملخصا تفسیر روح البیان جلد 4 صفحہ 160 مطبوعہ بیروت)

دوسرا واقعہ:

ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے الزواجر میں ایک واقعہ نقل کیا کہ:

ایک بادشاہ کو جب یہ بتایا گیا کہ زانی سے زنا کا بدلہ اس کی اولاد سے لیا جاتا ہے تو اس نے اپنی خوبصورت بیٹی پر تجربہ کرنے کیلیے اس کو ایک فقیر عورت کے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ اپنا چہرہ کھلا رکھنا اور بازاروں کے چکر لگانا اور جو اس سے کوئی حرکت کرنا چاہے اس کو کرنے دینا، منع نہ کرنا، اس کی بیٹی جہاں سے بھی گزرتی، لوگ شرم وحیاء سے نگاہیں جھکا لیتے اس نے پورا شہر گھوم لیا مگر کسی نے بھی اس کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا جب وہ بادشاہ کے محل کے قریب آئی تو ایک شخص نے اسے پکڑ لیا اور اس کا بوسہ لیا اور چلا گیا اس کے بعد اس کی بیٹی محل میں داخل ہوئی تو بادشاہ نے اس سے سارا ماجرہ پوچھا تو اس نے سب کچھ بتا دیا تو بادشاہ نے سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اس نے ساری عمر کسی سے زنا نہیں کیا مگر ایک مرتبہ ایک عورت کا بوسہ لیا تھا جس کا بدلہ آج پورا ہو گیا۔

(الزواجر عن اقتراف الکبائر، جلد2، صفحہ 222، مطبوعہ بیروت)

نظر کی حفاظت، گھر والوں کی حفاظت کا ذریعہ:

اپنی نظر کی حفاظت کیجیے تاکہ آپ کے گھر والے بھی محفوظ رہ سکیں، کیونکہ اگر آج کسی کی ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے تو اللہ پاک ہماری ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی عزت کو محفوظ فرمائے گا اور اگر دوسروں کی عزتوں کو پامال کریں گے تو کل کو اپنے ساتھ بھی یہی حشر ہو سکتا ہے۔

چنانچہ شمس الدین حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

امام ابن مفلح رحمۃ اللہ علیہ نے "آداب کبری" میں فرمایا کہ:

ایک عابد نے فرمایا: میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھا جسے دیکھنا میرے لیے حلال نہیں تھا تو میری بیوی کو بھی دیکھا گیا جس کو میں پسند نہیں کرتا تھا۔

(غذاء الالباب، جلد2، صفحہ 439، مطبوعہ مصر)

کیا کوئی یہ پسند کرے گا؟

آج جوانی کی مستی میں آ کر دوسروں کی عزتوں کو لوٹا جاتا ہے، محبت و عشق کے نام پر بے حیائی کی جاتی ہے اور جو سمجھائے اس کو وِلن اور دشمن سمجھا جاتا ہے مگر یہ نہیں سوچتے کہ کل کو ہماری عزتوں کے ساتھ بھی ایسا کھلواڑ ہو سکتا ہے، اگر کسی نوجوان سے پوچھا جائے کہ تیری کتنی گرل فرینڈز ہیں تو بڑے فخر سے بتاتا ہے کہ اتنی اتنی، مگر اس سے یہ پوچھ لیا جائے کہ تیری بہن کے کتنے بوائے فرینڈز ہیں تو آگ بگولا ہو جائے اور آپے سے باہر ہو جائے تو جب معاملہ ایسا ہے تو عشق کے نام پر بےحیائی کرنے والے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جس طرح یہ ناپسند کرتے ہیں کہ کوئی ان کی بہن، بیٹی سے عشق و محبت کرے، اسی طرح دوسرے بھی اس کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی بہن بیٹی کے ساتھ ایسا کرے۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ مجھے، میری نسلوں کو اور تمام مسلمانوں کو زنا اور زنا کی طرف لے جانے والے تمام امور سے محفوظ فرمائے۔

آمِین یَارَبَّ الْعٰالَمِیْن

واللہ اعلم ورسولہ اعلم عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ

ابو اسید عبید رضا مدنی

2019/01/28

تصدیق وتصحیح:

الجواب صحیح والمجیب نجیح

فقط محمد عطاء اللہ النعیمی خادم الحدیث والافتاء بجامعۃ النور جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان) کراچی

مصنف کی دیگر کتب

- ......فتاویٰ عبیدیہ جلد دوم (زیرِ طبع)
- ......روزے کے مسائل اور ان کا حل
- ......عتکاف کے مسائل
- ......فطرانے کے مسائل اور ان کا حل
- ......عید الفطر کے مسائل اور ان کا حل
- ......قربانی کے مسائل اور ان کا حل
- ......عید الاضحیٰ کے مسائل اور ان کا حل
- ......تکبیرِ تشریق کے مسائل اور ان کا حل
- ......رمضان المبارک کے مسائل اور ان کا حل
- ......قراءت خلف الامام کی شرعی حیثیت
- ......طہارت کے مسائل اور ان کا حل (زیرِ طبع)

ماٰخذومراجع

نمبرشمار	نام کتاب	مصنف
1	قرآن پاک	کلام الٰہی
2	کنزالایمان	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی 1340ھ
	کتب التفسیروعلوم القرآن	
3	تفسیرخازن	علاؤالدین علی بن محمد بغدادی متوفی 741ھ
4	تفسیر در منثور	امام جلال الدین بن ابی بکر سیوطی شافعی متوفی 911ھ
5	التفسیرات الاحمدیہ	شیخ احمد بن ابی سعید ملاجیون جون پوری متوفی 1130ھ
6	تفسیر روح البیان	شیخ اسماعیل حقی بروسی متوفی 1137ھ
7	تفسیر روح المعانی	ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی 1270ھ
8	معالم التنزیل (تفسیر بغوی)	امام ابومحمد حسین بن مسعود مراد بغوی متوفی 516ھ
9	تفسیر طبری	امام ابوجعفر محمد جریر طبری متوفی 310ھ
10	تفسیر مدارک	امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی 710ھ
11	تفسیر جلالین	امام جلال الدین محلی 863ھ، امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ
12	الجامع الاحکام القرآن	ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی 671ھ
13	تفسیر ابی السعود	علامہ ابوالسعود محمد بن مصطفیٰ عمادی متوفی 982ھ
14	تفسیر خزائن العرفان	صدرالافاضل مفتی نعیم الدین مرادآبادی متوفی 1367ھ
	کتب الحدیث وشروح الحدیث	
15	موؤطا	امام محمد امام محمد بن حسن شیبانی متوفی 189ھ
16	مسند امام احمد	امام احمد بن محمد بن حنبل متوفی 241ھ
17	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ
18	صحیح مسلم	امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ
19	سنن ابن ماجہ	امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی 273ھ
20	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی 275ھ
21	سنن ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ
22	سنن نسائی	امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی 303ھ
23	المعجم الکبیر	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ
24	المعجم الاوسط	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ

25	شرح معانی الآثار	امام احمد بن محمد طحاوی متوفی 321ھ
26	مسند ابی یعلیٰ	ابو یعلیٰ احمد بن علی بن مثنیٰ موصلی متوفی 307ھ
27	المستدرک علی الصحیحین	امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشا پوری متوفی 405ھ
28	السنن الکبریٰ	امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی 458ھ
29	سنن دار قطنی	علی بن عمر دار قطنی متوفی 385ھ
30	الترغیب والترہیب	امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی منذری متوفی 656ھ
31	مشکوٰۃ المصابیح	علامہ ولی الدین تبریزی متوفی 742ھ
32	سنن الدارمی	حافظ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی متوفی 797ھ
33	شرح النووی علی المسلم	امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ
34	مجمع الزوائد	حافظ نور الدین علی بن ابو بکر ہیثمی متوفی 807ھ
35	فتح الباری شرح صحیح بخاری	امام حافظ احمد بن علی حجر عسقلانی متوفی 852ھ
36	عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری	امام بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ
37	مرقاۃ المفاتیح	علامہ علی بن سلطان قاری متوفی 1014ھ
38	فیض القدیر شرح جامع الصغیر	علامہ محمد بن عبد الرؤف مناوی متوفی 1031ھ
39	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی متوفی 1052ھ
40	کنز العمال	علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی 975ھ
41	الجامع الصغیر	امام جلال الدین سیوطی شافعی متوفی 911ھ
42	ارشاد الساری	شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی متوفی 923ھ
43	کشف الخفاء	شیخ اسماعیل بن محمد عجلونی متوفی 1162ھ
44	مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ھ
45	نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری	علامہ مفتی شریف الحق امجدی متوفی 1420ھ
46	وصول الامانی باصول التہانی	امام جلال الدین سیوطی شافعی متوفی 911ھ
	کتب العقائد	
47	الفقہ الاکبر	امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ
48	العقائد النسفیہ	نجم الدین عمر بن محمد نسفی متوفی 537ھ
49	شرح العقائد النسفیہ	علامہ مسعود بن عمر سعد الدین تفتازانی متوفی 793ھ
50	منح الروض الازہر	شیخ علی بن سلطان قاری متوفی 1014ھ
51	شرح الفقہ الاکبر	شیخ علی بن سلطان قاری متوفی 1014ھ
52	النبراس	علامہ محمد عبد العزیز فرہاری متوفی 1239ھ

53	المعتمد المستند	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی 1340ھ
54	حیات الموات فی بیان سماع الاموات	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی 1340ھ
55	کتاب العقائد	صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مراد آبادی متوفی 1367ھ
56	کفریہ کلمات کے بارے میں سوال جواب	علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی
	کتب الفقہ	
57	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی 587ھ
58	خلاصۃ الفتاویٰ	علامہ طاہر بن عبد الرشید بخاری متوفی 542ھ
59	فتاویٰ قاضی خان	قاضی حسن بن منصور بن محمود اوزجندی متوفی 592ھ
60	الھدایہ	برہان علی بن ابو بکر مرغینانی متوفی 593ھ
61	فتاویٰ تاتارخانیہ	عالم بن علاء انصاری دہلوی متوفی 786ھ
62	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد معروف بہ ابن ہمام متوفی 861ھ
63	المختصر للقدوری	علامہ احمد بن محمد بن احمد قدوری متوفی 448ھ
64	الجوہرالنیرہ	علامہ ابو بکر بن علی حداد متوفی 800ھ
65	کنز الدقائق ابو البرکات	امام عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی 710ھ
66	البحر الرائق	علامہ زین الدین بن نجم متوفی 970ھ
67	الفتاویٰ الحدیثیہ	احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیثمی متوفی 974ھ
68	تنویر الابصار	علامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ بن احمد تمرتاشی متوفی 1004ھ
69	دُرِّمختار	علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی متوفی 1088ھ
70	ردُّالمحتار	علامہ محمد امین بن عمر عبد العزیز عابدین شافعی دمشقی
71	فتاویٰ عالمگیری	علامہ ہمام مولانا شیخ نظام متوفی 1161ھ، وجماعۃ من علماء الہند
72	حلبی الکبیر	علامہ ابراہیم حلبی متوفی 956ھ
73	الاشباہ والنظائر	علامہ زین الدین بن نجیم متوفی 970ھ
74	البنایہ فی شرح الہدایہ	امام بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی 855ھ
75	حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح	علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی 1231ھ
76	نور الایضاح	علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی متوفی 1069ھ
77	مراقی الفلاح	علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی متوفی 1069ھ
78	مجمع الانہر	عبد الرحمٰن بن محمد بن سلیمان کلیبولی متوفی 1078ھ
79	جدّ الممتار علی ردّ المحتار	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی 1340ھ
80	فتاویٰ رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی 1340ھ

81	فتاویٰ افریقہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی 1340ھ
82	احکام شریعت	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان متوفی 1340ھ
83	فتاویٰ احمدیہ	صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی متوفی 1367ھ
84	بہار شریعت	صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی متوفی 1367ھ
85	فتاویٰ مفتی اعظم مفتی اعظم ہند	محمد مصطفیٰ رضا خان متوفی 1402ھ
86	فتاویٰ شارح بخاری	علامہ مفتی شریف الحق امجدی متوفی 1420ھ
87	فتاویٰ اجملیہ	مفتی محمد اجمل قادری رضوی متوفی 1383ھ
88	فتاویٰ نوریہ	ابوالخیر مفتی محمد نوراللہ نعیمی متوفی 1403ھ
89	وقار الفتاویٰ	مفتی محمد وقار الدین قادری متوفی 1413ھ
90	فتاویٰ فیض الرسول	فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی متوفی 1422ھ
91	فتاویٰ بحر العلوم	مفتی عبدالمنان اعظمی
92	حبیب الفتاویٰ	مفتی حبیب اللہ نعیمی بھاگلپوری متوفی
93	فتاوی یورپ	مفتی عبدالواحد قادری ہالینڈ
94	فتاویٰ بریلی شریف	عبدالرحیم نشتر فاروقی + محمد یونس رضا اویسی
95	تفہیم المسائل	پروفیسر منیب الرحمٰن
96	فتاوی ملک العلماء	ملک العلماء مظفر الدین قادری رضوی متوفی 1382ھ
	کتب التصوف	
97	احیاء العلوم	امام ابوحامد محمد بن غزالی شافعی متوفی 505ھ
98	مکاشفۃ القلوب	امام ابوحامد محمد بن غزالی شافعی متوفی 505ھ
99	الزواجر عن اقتراف الکبائر	احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی ہیثمی متوفی 974ھ
100	الطبقات الکبریٰ	عبدالوہاب بن احمد بن علی احمد شعرانی متوفی 973ھ
101	الحدیقۃ الندیہ	عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی حنفی متوفی 1141ھ
	کتب السیرۃ	
102	دلائل النبوۃ للبیہقی	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی 458ھ
103	الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ	قاضی ابوالفضل عیاض مالکی متوفی 544ھ
104	نسیم الریاض	مام شہاب الدین خفاجی
105	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ
106	تہذیب الراوی	امام جلال الدین عبدالرحمن سیوطی شافعی متوفی 911ھ
107	تہذیب الاسماء واللغات	امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ

108	کتب التاریخ	
109	تاریخ بغداد	حفاظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی 463ھ
110	البدایہ والنہایہ	ابوفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی شافعی متوفی 774ھ
111	تاریخ الخلفاء	امام جلال الدین بن ابوبکر سیوطی شافعی متوفی 911ھ
	کتب المتفرقہ	
112	ملفوظات اعلی حضرت	اعلی حضرت امام احمد رضا خان متوفی 1340ء
113	ملفوظات امیر اہلسنت	علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی
114	مجموعہ رسائل الکھنوی	علامہ عبد الحی الکھنوی
115	علوم القرآن لترجمۃ الفرقان	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی 1391ء